بسم الله الرحمن الرحيم

انتخاب

تفسیر المیزان

(جلد: 6)

تالیف و تصنیف:

علامہ سید محمد حسین طباطبائیؒ

☆☆☆☆☆

مترجم:

علامہ سید افتخار حسین نقوی النجفی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں!

تعارف

نام کتاب:	انتخاب تفسیر المیزان
تالیف:	علامہ محمد حسین طباطبائیؒ
ترجمہ و حاشیہ:	سید افتخار حسین نقوی النجفی
معاونت:	مولانا محمد نقی
کمپوزنگ و فارمیٹنگ:	شاہد علی جعفری
فنی معاونت:	قرآن سنٹر، لاہور
جلد:	ششم
ناشر:	مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور

ملنے کا پتہ:

قرآن سنٹر لاہور: 042-37211214

معراج کمپنی لاہور: 042-37361214

محمد علی بک ایجنسی اسلام آباد: 0333-5234311

فہرست

تالیف و تصنیف: 3

فہرست 7

سورۃ سبا 39

سورہ کے مطالب 39

قیامت میں اٹھایا جانا اور اعمال کی جزاء 39

اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش 40

قیامت کا واقع ہونا 41

قیامت کا فلسفہ وجودی 42

قیامت کے وجودی فلسفہ کی دوسری جہت 43

قیامت برحق ہے 43

کافروں کا استہزاء کرنا 44

کافروں کی بات کا جواب 45

کفار کے لیے خطرے کی گھنٹی 46

حضرت داودؑ کی فضیلت 47

زرہ سازی کی صنعت 48

سلیمانؑ پر اللہ کے انعامات 49

جنات کا کام 51

نعمت کا شکر بجالانا 51

پیغام: 51

سلیمانؑ کی موت اور جنات 52

قوم سباء 54

ناشکری کا نتیجہ 55

سزا کا فلسفہ 56

بابرکت بستیاں 56

امن سے فرار 58

پیغام: 59

ابلیس کا اختیار 60

بت پرستوں کی سرزنش 61

مشرکین کا عقیدہ 63

فرشتوں کا عمل 63

ملائکہ کے درجات 64

روزی دینے والی ذات 64

عمل کا نتیجہ 66

قیامت کے دن کا اجتماع 67

مشرکین کا عاجز ہونا 68

حضورؐ کی رسالت کا دائرہ کار 70

مشرکین کا انداز گفتگو 71

کفر اختیار کرنے کے نتائج 73
قیامت کے استکباری طاقتوں کا جواب 74
قیامت کے دن مستضعفین اور مستکبرین کا مکالمہ 75
مستکبرین کا جواب 75
کافروں پر عذاب کی کیفیت 76
اشرافیہ کی خصوصیات 77
روزی کا مسئلہ 79
تقرب الٰہی کا ذریعہ 79
اللہ کی آیات کی مخالفت کرنے والوں کا انجام 80
روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے 82
قیامت کے دن فرشتوں سے سوال 83
قیامت کے دن تمام دنیاوی اسباب کا خاتمہ 84
مشرکوں کی ہٹ دھرمی اور غلط بیانی 86
قریش سے قبل اقوام 87
لوگوں کے لیے وعظ و نصیحت 88
اجر رسالت 90
حق سے مراد 91
باطل کا خاتمہ 91
ہدایت اللہ کی جانب سے ہے 92
کافروں کی موت کا منظر 93

آخرت جزاء وسزا کا مقام ہے 94
مشرکین کا عذاب الٰہی میں مبتلا ہونا.. 95
سورۃ فاطر.. 98
سورہ کے مطالب 98
آسمانوں اور زمین کی خلقت 99
فرشتوں کی خلقت 99
فرشتوں کا پروں والا ہونا.. 100
اللہ کی لامتناہی قدرت 100
اللہ کی رحمت کا فیضان.. 101
تمام نعمات اللہ کی طرف سے ہیں 103
رسول اللہؐ کی حوصلہ افزائی.. 104
قیامت کے متعلق ایک عام غلط فہمی.. 105
شیطان کی دشمنی.. 106
کافروں اور مؤمنوں کا انجام.. 108
برائی اور اچھائی کی وضاحت.. 109
انسان کا اپنا اختیار.. 110
رسول اللہؐ کے لیے اللہ کا پیغام.. 110
زمین کا احیاء اور قیامت کا دن.. 112
عزت وذلت.. 113

شجرہ طیبہ..114
کلمہ طیبہ کا صعود..114
اللہ کی مخالفت کرنے والوں کا انجام..115
انسان کی خلقت..116
سمندر کے فوائد..118
مؤمنین و کفار کی مثال..119
شب و روز کا نظام..120
اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کا حال..121
مشرکین کے غلط تصورات کا جواب..123
ہر شخص اپنا بوجھ اٹھانے والا ہے..124
پیغمبر کی دعوت..125
حق و باطل کا فرق..127
رسول اللہؐ کی ذمہ داری..127
سنت الٰہی..128
رسولوں کے ساتھ سابقہ اُمتوں کا رویہ..129
کافروں کے لیے سزا..130
بارش کے پانی کے اثرات..131
انسانوں اور حیوانات کا مختلف رنگوں والا ہونا..133
اللہ کی نشانیوں سے اثر لینے والے..133
اللہ کی قدرت و غلبہ..134

اللہ کے ہاں پسندیدہ عبادت 135
قرآن کے بارے اعلان 137
قرآن کی وراثت اہل بیت پیغمبرؐ کے لیے 137
اللہ کا فضل و کرم 141
دوسرا گروہ 142
کافروں کے لیے آتش جہنم کا عذاب 143
کافروں کی فریاد 144
اللہ کا علم 145
انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ 146
کفار اور مشرکین کے خلاف احتجاج کا واقعہ 147
خلقت کا ایجاد کے بعد قائم رہنا 149
قریش مکہ کی سرزنش 150
مکر کے بارے بیان 152
گذشتہ اُمتوں میں سنت الٰہی کا اجراء 153
دُنیاوی عذاب 155
سورۂ یٰسٓ 158
سورہ کے مطالب 158
رسول اللہؐ کی رسالت کا مقصد اور قرآن کا تعارف 159
شیطان اور شیطان کے پیروکاروں کے لیے حتمی عذاب 161

شیطان کی پیروی سے مراد 161
کفار کی سزا 163
ابوجہل اور اس کا گھرانہ 164
پچھلی آیات کا نتیجہ 164
انذار کن کے لیے مفید ہے؟ 165
مردوں کو زندہ کرنا 167
امام مبین سے مراد 168
بستی والوں کی داستان 169
منکرین کو پیغمبروں کا جواب 171
انبیاء کی ذمہ داری 171
منکرین کی انبیاء کو دھمکی 172
مومن آل یسین کا قصہ (حبیب نجار کا تذکرہ) 174
مرد مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کا انعام 177
مرد مومن کا قتل 177
اللہ کے لیے کسی قوم کی ہلاکت امر سہل 179
اللہ کے رسولوں کے ساتھ انسانوں کا رویہ 180
غذائی اجناس کی فراہمی سے ربوبیت پر استدلال 182
ہر شئی کا جوڑا جوڑا ہونا 183
موجودات کی تزویج 183
رات کا وجود اللہ کی نشانی 184

کائنات کا نظام حرکت 185

اللہ کی ربوبیت کی نشانیاں 188

مشرکین کی مذمت 190

عبادت کے دو اہم رکن کا انکار 191

حقیقی مالکیت 192

اللہ کا تشریعی اور تکوینی ارادہ 192

قیامت کے برپا ہونے کے بارے 195

انبیاء کے وعدہ کی تصدیق 196

میدان محشر میں حاضری 196

قیامت کے دن بہشتیوں کی حالت 197

قیامت گناہگاروں اور نیکوکاروں کی جدائی کا دن 198

اللہ کا انسانوں سے خطاب 199

عبادت کا معیار 200

قیامت کے دن ہاتھ اور پاؤں کا تکلم کرنا 201

اللہ کی قدرت کا اعلان 203

عمر میں اضافہ اور کمی کا اختیار 204

قرآن کی توصیف 205

قرآن کے اللہ کی طرف سے نازل ہونے کی دلیل 205

جانوروں کی خلقت اور ان کے منافع کا تذکرہ 206

مشرکین کا اپنے معبودوں کے متعلق تصور 207

اللہ کے سوا کوئی یار و مددگار نہیں 208

مشرکین کے لیے اللہ کی خالقیت کا ثبوت 210

انسان کی خلقت 210

اللہ کی قدرت کا نظارہ 211

اللہ کی خالقیت و قدرت کے بارے بیان 212

خلقت الٰہی کا طریقہ 213

اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی 214

عمومی خطاب 214

سورۃ الصّٰفّٰت 216

سورہ کے مطالب 216

فرشتوں کا تذکرہ اوران کے اعمال 216

قسم اٹھانے کی وجہ 217

اللہ کی وحدانیت اور ربوبیت 218

آسمان دُنیا کا بیان 219

ستاروں کا فائدہ 220

ملاء اعلیٰ سے مراد 220

اہم نکات: 220

انسان اور دیگر مخلوقات کا تقابل 222

منکرین رسالت کی ہٹ دھرمی 223

معاد کا اثبات.................................224
میدان محشر کا منظر.................................226
ولایت علیؑ کے بارے سوال.................................227
مجرموں کی حالت زار.................................227
مجرموں کا اپنے بڑوں سے مکالمہ.................................229
تابع اور متبوع کی ایک سزا.................................230
جرائم پیشہ افراد کی منطق.................................231
سزا کی وجہ.................................232
اللہ کے مخلص بندوں کے لیے انعامات.................................233
بہشتیوں کا باہمی مکالمہ.................................236
اہل جنت اور جہنمیوں کی کیفیت کا تقابل.................................239
مشرکین مکہ کا پیغمبرؐ کو جھٹلانا.................................241
نوحؑ کے لیے نعمتوں کا تذکرہ.................................243
نوحؑ کی قوم کی ہلاکت.................................243
حضرت نوحؑ کی کشتی.................................243
نوحؑ کے پیروکاروں کی نجات.................................244
ابراہیم اور قلب سلیم.................................246
حضرت ابراہیمؑ کی دعوت.................................247
حضرت ابراہیمؑ کا تبلیغی انداز.................................247
ابراہیمؑ کا اپنی قوم سے جدا ہونا.................................248

ابراہیمؑ اور بت شکنی 249
بتوں کی تباہی پر قوم ابراہیمؑ کا رد عمل 251
اعمال کی اللہ کی طرف نسبت 252
ابراہیمؑ کو سزا دینے کا فیصلہ 253
اللہ کا اپنا حفاظتی نظام 253
ابراہیمؑ کی ہجرت 254
ابراہیمؑ کی دُعا کی قبولیت اور آپ کا امتحان 255
اسماعیلؑ کی قربانی اور آزمائش میں کامیابی 257
ذبح عظیم سے مراد 258
حضرت ابراہیمؑ پر اللہ کا انعام 258
موسیٰؑ اور ہارونؑ پر انعامات کا تذکرہ 261
نیک اعمال بجالانے والے 263
حضرت الیاسؑ کی تبلیغ کا بیان 265
جھٹلانے والوں کے لیے عذاب 265
مبلغین کا بدلہ 266
آل یٰسین پر سلام 266
لوطؑ اور ان کی قوم کا تذکرہ 267
ویرانی کے آثار سے عبرت لینا 268
حضرت یونسؑ کا واقعہ 270
یونسؑ کی کشتی کا واقعہ 270

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے کا فائدہ 271
مچھلی کے شکم میں یونسؑ کی مناجات 271
یونسؑ پر اللہ کا فضل و کرم 272
یونسؑ کی نئی ذمہ داری 272
نینواء کی آبادی 272
فرشتوں کے متعلق مشرکین مکہ کا نظریہ 274
مشرکین سے تحریری ثبوت کا سوال 277
مشرکین کی غلط بیانی 278
اللہ کی ذات کا ہر عیب و نقص سے پاک ہونا 278
اللہ کے اوصاف 278
اللہ کی توصیف میں رسول اللہؐ کا بیان 279
گمراہی کا سبب 280
فرشتوں کا مشرکین کو جواب 280
قریش مکہ کی بہانہ تراشی 281
اللہ کا حتمی فیصلہ 282
اللہ کی نصرت 283
پیغمبرؐ کے لیے خصوصی دستور 284
رب العزت 285
اللہ کی عظمت وجلالت کا تذکرہ 286
اللہ کے رسولوں پر سلام 286

اللہ کی تعریف...286

سورۃ ص...288

سورہ کے مطالب...288

قرآن کا تعارف اور کفار کی خصوصیت...288

قرآن کی قسم...289

کافروں کا رویہ...289

کافروں کا انجام...289

بت پرستوں کا رویہ...290

بت پرستوں کا متکبرانہ انداز...290

متکبرین کا اندازِ گفتگو...291

متکبرین کی باتوں کا جواب...293

سابقہ اقوام کا تذکرہ...295

قیامت سے پہلے عذاب کی آرزو...296

رسول اللہؐ کو صبر کا حکم...297

اقتدار دُنیا اللہ کے ہاتھ میں...298

اختلافات حل کرنے کا ضابطہ...301

حضرت داؤدؑ کا امتحان...302

خلافت الٰہی منصب...303

داؤدؑ کے لیے اللہ کا فرمان...303

خلقت کا باہدف ہونا...... 304
عدل الٰہی کا تقاضا...... 305
قرآن کے اُتارنے کا ہدف اور تعارف...... 306
داؤدؑ پر اللہ کی مہربانیاں...... 308
حضرت سلیمانؑ کا امتحان...... 309
عظیم سلطنت کی خواہش...... 310
حضرت سلیمانؑ کے اختیارات...... 311
حضرت ایوبؑ کا امتحان...... 313
بیوی کو سو تازیانے مارنے کی قسم...... 314
تین انبیاؑ کا تذکرہ...... 315
اللہ کے مصطفیٰ بندے...... 316
انبیاء اللہ کے مکرم اور صالح بندے...... 318
قیامت کے دن سرکشوں اور فاجروں کا حال...... 320
اہل دوزخ کا اپنی دُنیاوی کیفیت کو یاد کرنا...... 321
ہر قوم کے لیے ایک ہادی...... 322
خدا واحد و قہار و یکتا...... 323
اللہ کی وحدانیت کی دلیل...... 324
عزیز و غفار اللہ...... 324
قرآن کے متعلق بیان...... 325
پیغمبر اور وحی...... 326

خلقت آدم اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ فرشتوں کی گفتگو 327

ابلیس سے اللہ کا مکالمہ 329

ابلیس کی سزا... 329

ابلیس کی درخواست 330

ابلیس کا اعلان.. 332

اللہ کے مخلصین 332

اللہ کے نافرمان بندوں کا ٹھکانہ...................................... 333

اللہ کا پیغام پہنچانے کی اُجرت... 334

سورۃ زمر.. 336

سورہ کے مطالب 336

کتاب خدا کی خصوصیت 336

غیر اللہ کو اولیاء بنانا 337

رسول اللہؐ کا اعزاز.. 338

عوام کے لیے واضح اعلان 338

مشرکوں کا بیان اور اس کی حیثیت...................................... 339

اللہ کی کوئی اولاد نہیں.. 340

برہان استثناء کی وضاحت.. 341

اللہ کی ربوبیت اور معاد کا ثبوت... 343

اللہ کی بے نیازی اور انسان کی احتیاج کا تذکرہ............................ 347

کسی کا گناہ دوسرے کے سر نہیں تھوپا جائے گا 347
انسان کی کمزوری اور ناشکری کا بیان 348
عبادت کرنے والا اور غافل، عالم و جاہل کا تقابل 350
مومنین کے لیے اللہ کا پیغام 351
مومنین کی تشویق 352
رسول اللہؐ کے لیے خصوصی فرمان 354
کفار اور مشرکین کے لیے واضح اعلان 354
اہل سے مراد 355
رسول اللہؐ اور عوام سے خطاب 356
عذاب کی کیفیت 356
پیغام: 357
طاغوت سے نفرت اور اللہ کی اطاعت 358
رسول اللہؐ کے لیے خصوصی فرمان 358
بداعمالیوں اور بداعتقادی کا نتیجہ 360
اہل تقویٰ کا مقام 362
تدبیر الٰہی 363
شرح صدر 365
قرآن کا تعارف 366
ہدایت یافتہ اور گمراہوں کا تقابل 367
الٰہی مجازات 369

قرآن کی خوبی.. 370
توحید پرست اور مشرک کی مثال.. 370
موت کا برحق ہونا اور قیامت کا دن.. 372
جنتیوں اور جہنمیوں کے جھگڑے کا نتیجہ.. 374
قولی و عملی تصدیق.. 375
ایمان سے پہلے کے اعمال.. 375
پیغام.. 375
اللہ کی طرف سے ہدایت اور گمراہی.. 376
جھوٹے خداؤں کا خوف دلانا.. 377
اللہ عزیز ذوانتقام.. 378
توحید ربوبی کا ایک اور ثبوت.. 379
اللہ پر توکل.. 380
دنیا اور آخرت کا عذاب.. 381
کتاب بھیجنے کا مقصد.. 382
لوگوں کے اُمور کی تدبیر.. 383
توفی کا معنی.. 384
موت اور نیند کی حقیقت کا بیان.. 384
اللہ کو اپنا سفارشی قرار دینا.. 387
مشرکین کی تردید.. 387
مسئلہ شفاعت.. 388

حقیقی شفیع 389
مشرکین کا خاصہ 390
آج کا مسلمان 391
مادہ پرستوں کا حال 391
پیغمبر اکرمؐ کے لیے ایک دستور 392
ایک التجاء 392
ستمکاروں اور معاد کے منکروں کا انجام 393
اللہ کی دعوت کا انکار کرنے والے 393
دنیا کے اعمال کا آشکار ہونا 394
انسان کی طبیعت و مزاج 395
نعمت دے کر آزمائش 396
ناشکرے افراد ایک جیسے 397
اللہ کی مشیت کا بیان 398
روزی حاصل کرنے کے اسباب 398
اللہ کی رحمت واسعہ 400
اسراف بر نفس 400
مشرکین اور کفار کو توبہ کی دعوت 402
عمومی خطاب اور احسن حدیث 403
عذاب سے ڈرانے کا ہدف 404
تفریط کا معنی 404

جنب اللہ 404
جنب اللہ کا مصداقی معنی 405
قیامت کے دن کافروں کی بہانہ تراشیاں 406
کافروں کی گفتگو کا جواب 407
اللہ پر جھوٹ باندھنا 408
نجات کی وجہ 409
ایک حقیقت کا بیان 410
رسول اکرمؐ کے لیے دستور 411
اعمال کا ضائع ہونا 412
قدر کا معنی 413
اللہ کی شان کے مطابق معرفت حاصل نہ کرنا 413
اللہ تعالیٰ کا ہر شرک سے منزہ ہونا 414
صور کا پھونکا جانا 415
موت سے مراد 415
قیامت کے دن سے متعلق 416
انبیاء سے سوال 417
شہداء کا پیش ہونا 417
قیامت کے دن اعمال کی حوالگی 418
قیامت کے دن کافروں کا جہنم میں بھیجا جانا 419
جہنم کے اندر داخلہ 420

صاحبان تقویٰ کے ساتھ رویہ 421
بہشتیوں کا سلامی دینے والے فرشتوں کو جواب 422
عرش سے مراد 423
رسول اللہؐ کے لیے ایک خبر 423
مخلوقات میں انصاف پر مبنی فیصلہ 424
سورۃ المؤمن 426
سورہ کے مطالب 426
قرآن کا تعارف اور اسمائے حسنیٰ الٰہی کا تذکرہ 427
اللہ کی صفات 427
قرآن کے مطالب 428
انسانوں کے دو گروہ 428
کافروں کا رویہ 429
زمین پر سیر کرنے کا حکم 434
سابقہ اقوام کی ہلاکت کے اسباب 435
حضرت موسیٰؑ کے بارے 436
موسیٰؑ کے مخالفین کے اقدامات 437
مخالفین کی سازشوں کا توڑ 438
فرعون کی اپنے درباریوں سے گفتگو 438
موسیٰ کو قتل کرنے کی توجیہ 439

موسیٰؑ کا جواب 440
قبطی نژاد مومن کا قصہ.. 441
مومن آل فرعون کی اپنی قوم کو نصیحت 442
فرعونوں کا جواب.. 442
مومن آل فرعون کی مزید گفتگو.. 443
مومن آل فرعون کا ایک اور انداز 444
مسرف مرتاب کی تشریح.. 446
فرعون اور فرعون جیسے افراد کا طریقہ کار.. 447
فرعون کی جھوٹ پر مبنی گفتگو 448
مومن آل فرعون کی اپنی قوم سے التجاء.. 449
دنیا کی زندگی.. 450
اچھا اور برا عمل 450
مومن آل فرعون کا اپنی قوم سے اظہار حیرت.. 450
اللہ عزیز و غفار 451
جھوٹے خداؤں کی جانب سے کوئی پکار نہیں.. 452
موعظہ اور تہدید.. 453
اپنے امور خدا کے سپرد کرنے کا نتیجہ.. 453
قیامت سے پہلے آگ.. 454
جہنم میں جہنمیوں کا آپس میں جھگڑا.. 455
جہنم کے خزانہ داروں سے سفارش کی درخواست 456

جہنمیوں کی درخواست کا جواب 456
وعدہ الٰہی 457
موسیٰ پر اُتاری گئی کتاب کی خصوصیات 458
رسول اللہؐ کے لیے خصوصی فرمان 459
اللہ کے وعدہ کی یاد 459
رسول اللہؐ سے گناہ کی نفی 459
صبر کے حکم بارے مزید تاکید 461
مشرکین کے ناکام ہونے پر دلیل 462
حقیقت سے آگہی کے لیے مثال 463
قیامت کا عقیدہ 464
دُعاء کی عبادت 464
دعا مانگنے سے گریز 465
دعا کی یقینی اجابت 465
اللہ کا اپنے بندوں پر فضل و کرم 466
حیات اور رزق کی تدبیر 467
اللہ کی آیات کے منکرین 468
انسانوں پر اللہ کا کرم 468
حقیقی حیات 469
مشرکین کے لیے رسول اللہؐ کا دوٹوک جواب 470
واضح اعلان 471

انسان کی خلقت.. 471
متصرف مطلق اللہ.. 473
تعجب کی بات.. 474
مشرکین کے لیے انذار اور تہدید.. 475
جہنم میں جلتے ہوئے مجرموں کیساتھ مکالمہ.. 476
عذاب کی وجہ.. 477
رسول اللہؐ کے لیے تسلی کا پیغام.. 477
اللہ کی سنت.. 478
اللہ کی آیات کا تذکرہ.. 480
مشرکین کی ملامت.. 481
سابقہ اقوام کے بارے.. 482
عذاب دیکھنے کے بعد پشمانی.. 483
ایمان کا فائدہ.. 483
سورۃ فصلت.. 486
سورہ کے مطالب.. 486
قرآن کی خصوصیات.. 487
مشرکین کا رسول اللہؐ کی دعوت پر جواب.. 488
کفار کی خواہش.. 489
مشرکین کے لیے جواب.. 490

مشرکین کے لیے سزا کا اعلان..490

صالح مومنین کے لیے نوید..491

بغیر دلیل کے شرک..492

آسمان و زمین سے اللہ کی گفتگو..493

آسمانوں کی خلقت..494

زمین و آسمان کی خلقت کے ایام..495

شیاطین سے آسمانوں کی حفاظت..495

اللہ تعالیٰ کی منصوبہ بندی..496

صاعقہ..497

آیات کا ملاحظہ کرنے کے بعد انکار کا انجام..497

قوم عاد کے حالات اور ان پر عذاب کی کیفیت..498

اللہ کا عذاب..499

قوم ثمود کے بارے..500

ایمان والوں کی نجات..500

رسول اللہؐ کو جھٹلانے والے مشرکین کا انجام..501

دشمنان خدا کا اپنے اعضاء پر اعتراض..503

دشمنان خدا کی شرمندگی..503

دشمنان خدا کی غلط سوچ..505

دشمنوں کے لیے وارننگ..506

کافروں کے بارے اللہ کا فیصلہ..507

کافروں کی عاجزی 508
کافروں کی سزا 509
کافروں کی اللہ سے درخواست 510
مومنین کا مستقبل 511
فرشتوں کی مومنین سے گفتگو 512
جنت کی خصوصیات 513
خوبصورت ترین کلام 513
دعوت کے اثرات 514
برائی کا جواب نیکی سے دینے کا فائدہ 515
شیطانی وسوسے 516
پیغمبرؐ کی توحیدی دعوت 517
اللہ کی عبادت کا انکار کرنے والے 517
معاد کی دلیل 518
ملحدوں کے بارے اللہ کا فیصلہ 519
قرآن کا نزول اور کافروں کا انکار کرنا 520
تمام کافروں کا ایک جیسا رویہ 521
کافروں کا انجام 522
قرآن اور عربی زبان 523
پیغمبر کا کافروں کو جواب 523
رسول اللہؐ کے لیے تسلی کی بات 524

عمل کا بدلہ 525
سارے جہاں کی تدبیر اللہ کے ہاتھ میں ہے 526
قیامت کے دن مشرکین سے سوال 527
گواہی نہ دینے کا سبب 527
انسان کی طبیعت 528
اللہ کی رحمت کا انکار 529
ناشکرے انسان کی مذمت 531
قرآن کو تسلیم نہ کرنے کا نتیجہ 532
قرآن کی خبریں 533
تمام تر حقائق کے باوجود معاد کا انکار 534
سورۃ الشوریٰ 537
سورہ کے مطالب 537
اللہ کی جانب سے وحی ارسال کرنا 539
وحی کی عظمت اور افادیت کا تذکرہ 540
رسول اللہؐ کے لیے خبر 540
اللہ ہی بندوں کا ولی ومالک 541
بندوں کے اعمال کی ذمہ داری رسولؐ پر نہیں 541
قرآن کا عربی زبان میں ہونا 542
دعوتِ اسلام کے مراحل 543

وحی کا نتیجہ 543
قیامت کے بارے آگہی دینا 544
اُمت واحدہ 545
نبوت وانذار کی وجہ 545
عقل کی نعمت سب کے لیے برابر 546
مشرکین کے کفر اور ظلم کے بارے 547
ولایت اللہ کے لیے ہے 548
چوتھی دلیل کا خلاصہ 549
رسول خداؐ کا اعلان 550
ربوبیت فقط اللہ کے لیے ہے 552
اللہ تمام صفاتِ کمال وجمال کا مالک ہے 552
نظام شریعت 554
دین کی تفسیر 555
فقط وحدت 555
مشرکین کے لیے بار گراں 555
بغاوت اور ظلم کا نتیجہ 556
عذاب کی تاخیر 557
تفرقہ کے خاتمہ اور اصلاح کی دعوت 558
واضح اعلان 558
سچائی کے ثابت ہو جانے کی بعد انکار کی سزا 560

میزان کی بات..560
کتاب سے مراد..561
علم الٰہی..563
اعمال کا ثمر..564
مشیت خدا..564
اللہ کا کوئی شریک نہیں..565
آخرت کی خیر و برکت..565
کافروں کو تہدید..565
ظالموں کا انجام..566
صاحبان ایمان..567
فضل کبیر..568
اجر رسالت..568
قُربیٰ کی مودت اجر رسالت..569
نیکی کا دوچند برابر ہونا..570
کافروں، منافقوں اور منکرین رسالت کی توبیخ..572
اللہ کا ارادہ وحی جاری رکھنے کا..573
اللہ دلوں کے رازوں سے آگاہ ہے..573
سادہ لوح مومنوں کا دھوکہ میں آنا..574
مومنوں کی دعا..575
روزی کی مقدار معین ہے..576

رزق و روزی سے مراد............................ 577
اللہ کا بارش برسانا............................ 578
توحید ربوبی پر دلیل............................ 579
اللہ قدیر ہے............................ 579
مصائب کا سبب............................ 580
ماحول کی آلودگی............................ 581
گناہوں کی معافی............................ 581
ہر اثر کا سبب خود انسان ہے............................ 582
عمومی فساد............................ 583
خدا عاجز نہیں............................ 583
اللہ ہی سرپرست ہے............................ 584
سمندروں میں چلنے والی کشتیاں............................ 585
مومن کی دو صفات............................ 585
گناہوں کی سزا............................ 586
آیات دکھانے کا فلسفہ............................ 586
اللہ کی نعمات............................ 587
مومن کی خصوصیات............................ 588
مظلوم کی دادرسی اور ظالم سے انتقام............................ 590
عفو و اصلاح............................ 591
معاف کرنے کا جذبہ............................ 591

مقابلہ بالمثل 591
حق انتصار 592
ظلم کرنے والے 592
ہدایت سے محروم افراد 593
ظالموں کا انجام 595
مومنین کی گفتگو 596
اللہ کے سواء دوسروں کو ولی بنانا 597
کافروں کی رُو گردانی اور پیغمبرؐ کی ذمہ داری 598
انسان کی حالت کا بیان 599
دُنیا کی سر مستی کا نتیجہ 599
اللہ کی مالکیت کے تقاضے 600
عربوں کے باطل خیال کا ازالہ 600
اللہ کا اپنے نمائندگان سے رابطہ کا نظام 601
وحی کا معنی 602
تکلم کی نفی 602
اللہ کی طرف سے رسول اللہؐ کے لیے وحی 604
رُوح سے مراد 604
رُوح سے پہلے رسول اللہؐ 604
نور ہدایت 605
پیغمبر اکرمؐ کی تائید 605

صراط مستقیم.. 605
وحی اور تکلم الٰہی کی وجہ 606
سورۃ الزخرف.. 607
سورہ کے مطالب 607
ایمان اور کفر کے معیار پر انسانوں میں فرق.. 615
شیطان کے تسلط کا سبب.. 617
قیامت کے دن شیطان کو ساتھی بنانے والے کا بیان 618
دین فطرت سے انحراف کا نتیجہ.. 618
اللہ کی مخالفت کرنے والوں کا انجام.. 620
اللہ کا راستہ.. 622
سوال کن سے.. 622
حضرت موسیٰؑ کے بارے.. 623
آیات جھٹلانے کا انجام 624
فرعونیوں کی وعدہ خلافی 626
فرعون کا بڑا دعویٰ 626
فرعون اور فرعونیوں کا انجام.. 628
قوم قریش کی کیفیت.. 629
بت پرستوں کے غلط خیالات کا جواب 631
قیامت کے بارے آگہی 633

شیطان انسان کا دشمن 634
حضرت عیسیٰؑ کا پیغام 635
حضرت عیسیٰؑ کے بارے اختلاف 635
کافروں کا خیال 636
قیامت کے دن کی تعلق داری 637
قیامت میں متقین کے لیے اللہ کے انعامات 639
متقین کا وصف 639
کافروں اور مجرموں کا انجام 640
جہنمیوں کی آرزو 642
اللہ کی تدبیر 643
اللہ کے لیے فرزند کی نفی 644
کفار کا برا انجام 645
اللہ کو وجود 645
اللہ ہی سب خیر کا منبع ہے 646
حق شفاعت 647
خالقیت کے اعتراف کے بعد انکار کیسا؟ 648
مسئلہ شفاعت 648
شفاعت کی شرائط 649
کافروں سے آخری بات 649

سورۃ سبا

(کل آیات ۵۴)

سورہ کے مطالب

عقیدہ توحید، عقیدہ نبوت اور عقیدہ معاد کے متعلق اعتراضات کا جواب۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ لَہُ الۡحَمۡدُ فِی الۡاٰخِرَۃِ ؕ وَ ہُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ ①

ترجمہ: ''ثنائے کامل اس اللہ کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک ہے اور آخرت میں بھی ثنائے کامل اسی کے لیے ہے اور وہ بڑا حکمت والا، خوب باخبر ہے۔''

قیامت میں اٹھایا جانا اور اعمال کی جزاء

اس آیت میں اور بعد والی آیت میں اللہ تعالیٰ کی عمومی ملکیت، قبروں سے اٹھایا جانا اور اعمال کی جزاء دیئے جانے کو ثابت کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام موجودات کا مالک ہے اور ان موجودات کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے، وہی مالک مطلق ہے لہٰذا وہ جس طرح چاہتا ہے اس میں تصرف کا حق رکھتا ہے۔ پورے عالم پر عمومی مالکیت کا تقاضا ہے کہ اس جہاں میں اللہ تعالیٰ ہر قسم کی حمد و ثناء و تعریف کا حق رکھتا ہے۔ اور چونکہ آخرت کی حاکمیت بھی اللہ کے لیے ہے تو آخرت کے نظام پر بھی اللہ کی حاکمیت کا تقاضا ہے کہ جہان آخرت میں بھی اس کی ثناء و ستائش اور حمد و تعریف کی جائے۔ اللہ کا حکم ہے اس کا دنیا اور آخرت میں ہر کام حکمت

و دانائی پر مبنی ہے، اللہ تعالیٰ نے آخرت کو دنیا کے بعد قرار دیا ہے تا کہ دُنیا کی زندگی لغو اور بے فائدہ قرار نہ پائے اور یہ کہ نیک عمل کرنے والے اور برائی انجام دینے والے ایک دوسرے سے جدا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے عمل سے آگاہ و باخبر ہے اور اسی آگہی کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ موت کے بعد انسان کو محشور فرمائے گا اور ہر ایک کو جو کچھ اس نے انجام دیا ہوگا، اس کا بدلہ اور جزاء عطا کرے گا۔ عالم آخرت کو دنیا میں انجام دیئے گئے اعمال کا بدلہ اور جزاء دینے کے لیے قرار دیا گیا ہے اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ تمام موجودات کا مالک ہے۔ انسان کے تمام اعمال سے باخبر ہے، دُنیا کی زندگی میں اچھے اور برے عمل کرنے والوں سے آگاہ ہے، اسی آگہی کی بنیاد پر آخرت میں نیکوکاروں کو بدکاروں سے ممتاز کرے گا اور ہر ایک کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۚ وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ﴿٢﴾

ترجمہ: ”جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو شخص زمین سے باہر نکالتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اُترتا ہے اور جو کچھ آسمان میں بلند ہو جاتا ہے اللہ ارحم الراحمین ہے (وہ سب سے زیادہ مہربان ہے، بخشنے والا ہے)۔“

اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش

اللہ تعالیٰ اس عالم میں حرکت کرنے والے کی حرکت اور ہر متحرک کی حرکت کے عمل سے اچھی طرح آگاہ ہے۔ اللہ کا علم مطلق ہے اس کے علم کا تعلق ہر چھوٹی اور بڑی چیز سے ہے، اللہ تعالیٰ مہربان اور بخشنے والا ہے، اللہ کی ایک رحمت عام ہے جو سب کے لیے جاری ہے اور ایک رحمت خاص ہے ان کے لیے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں۔

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَا تَاۡتِیۡنَا السَّاعَۃُ ؕ قُلۡ بَلٰی وَ رَبِّیۡ لَتَاۡتِیَنَّکُمۡ ۙ عٰلِمِ الۡغَیۡبِ ۚ لَا یَعۡزُبُ عَنۡہُ مِثۡقَالُ ذَرَّۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الۡاَرۡضِ وَ لَاۤ اَصۡغَرُ مِنۡ ذٰلِکَ وَ لَاۤ اَکۡبَرُ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۳﴾

ترجمہ: ”جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے یہ کہہ دیا کہ قیامت ہمارے لیے نہیں آئے گی؛ ان سے کہہ دو جی ہاں! میرے رب کی قسم ہے قیامت یقینی طور پر تمہارے سروں پر آن پہنچے گی، وہ غیب سے آگاہ ہے، آسمانوں اور زمین کا کوئی معمولی سا ذرہ بھی نہیں اور ذرہ سے کمتر یا اس سے بزرگ تر سب سے اللہ آگاہ ہے، اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی پوشیدہ نہیں ہے، جو کچھ ہے سب کا سب واضح اور روشن کتاب میں ثبت شدہ موجود ہے۔“

قیامت کا واقع ہونا

عمومی ملکیت اللہ کے لیے ہے، علم مطلق اللہ کا ہے۔ لہٰذا اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ قیامت نے واقع ہونا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ حکم دیا کہ وہ قیامت کے منکرین پر واضح کر دیں کہ بغیر شک وتردید کے، حتمی اور یقینی طور پر قیامت نے واقع ہونا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اور آسمانوں اور زمین کا معمولی ترین ذرہ نہیں مگر یہ کہ اللہ اس سے آگاہ ہے۔ اس کے علم سے کچھ بھی مخفی نہیں ہے وہ باریک بین اور آگاہ ہے لہٰذا اموات کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے میں شک نہ کرو۔ وہ سب بغیر کسی بھول چوک کے سب کو دوبارہ زندہ کرے گا۔

اسی بات کو مزید وضاحت کے ساتھ اس طرح بیان فرماتا ہے کہ چیزیں چھوٹی ہوں یا بڑی، سب کی سب کتاب مبین میں ثبت شدہ ہیں۔ کتاب مبین اللہ تعالیٰ کے علم سے عبارت ہے، اس میں کسی بھی قسم کی تبدیلی نہیں آ سکتی۔ اگرچہ ظاہری طور پر وہ سب مٹ جائیں اور ان کے آثار ختم ہو جائیں لیکن سب کے سب کتاب مبین اور لوح محفوظ میں موجود ہے۔ ان کو دوبارہ لے آنا اور پہلے کی طرح بنا دینا اللہ کے لیے آسان ہے۔

لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴

ترجمہ: ''تاکہ ان کو جزا دی جائے جو ایمان لے آئے ہیں اور انہوں نے نیک اعمال انجام دیئے ہیں ان کے لیے مغفرت ہے، بخشش ہے، عمدہ اور اچھا رزق ہے۔''

قیامت کا فلسفہ وجودی

قیامت کے فلسفہ وجودی کی دو جہات میں سے ایک جہت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ باایمان اور صالح افراد کو بہشت اور بہشتی انعامات سے نوازنا چاہتا ہے تاکہ ہر انسان جس مرتبہ اور شان کا لائق ہے اسے وہ مقام دیا جاسکے۔

بعد والی آیت میں قیامت کے وجودی فلسفہ کی دوسری جہت کو بیان کیا گیا ہے۔

وَ الَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝۵

ترجمہ: ''جو لوگ ہماری آیات کے سامنے روکاوٹیں ڈالنے میں کوشاں ہیں اور اس میں تیزی دکھاتے ہیں تو ایسے افراد کے لئے بہت ہی تکلیف دہ اور پلید عذاب ہے۔''

قیامت کے وجودی فلسفہ کی دوسری جہت

قیامت کے فلسفہ وجودی کی دوسری جہت یہ ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا، اللہ کی نشانیوں کے سامنے رکاوٹیں کھڑی کیں، اور اللہ تعالیٰ کے پیغامات کو روکنے میں کوشاں رہے تاکہ وہ اللہ کے فیصلوں پر غلبہ حاصل کرلیں، تو ان کے اس برے عمل کا بدلہ دینے کے لیے قیامت ہے ان کا یہی برا عمل قیامت کے دن ایک تکلیف دہ عذاب میں بدل جائے گا اور تکلیف دینے والا ہوگا، وہ عذاب گندگی، پلیدی اور نجاسات سے عبارت ہوگا۔

وَ يَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَ يَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۶

ترجمہ: ”جن کو علم دیا گیا ہے تو وہ لوگ جو کچھ آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے اُتارا گیا ہے وہ اسے حق سمجھتے ہیں اور یہ کہ (تیرے پاس جو کچھ اتارا گیا ہے) وہ عزت و غلبہ والے لائق تعریف (رب) کے راستے کی راہنمائی کرتا ہے۔“

قیامت برحق ہے

جو خدا شناس علماء ہیں اور جنہیں اللہ کی آیات کا علم عطا ہوا ہے، وہ نگاہ بصیرت سے دیکھتے ہیں کہ قرآن نے قیامت کے آنے کی جو خبر دی ہے، وہ برحق ہے اور وہ اس بات کو نگاہ بصیرت سے دیکھتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کے راستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے اور اس پر کوئی غلبہ حاصل نہیں کرسکتا۔ اللہ اپنے تمام افعال اور اقدامات کی بنیاد پر لائق تعریف ہے، ہر طرح کی حمد و ثناء فقط اللہ ہی کے لیے ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات عزیز اور حمید کو اکٹھا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد کفار کو یہ بتانا ہے کہ غلبہ اللہ کے لیے ہے اور وہی لائق تعریف

ہے۔ اللہ کے سوا کسی کے لیے نہ غلبہ ہے اور نہ ہی کوئی تعریف کے قابل ہے، اللہ کے سامنے سب عاجز اور ناتواں ہیں۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۚ﴿۷﴾

ترجمہ: ''جن لوگوں نے کفر اختیار کیا انہوں نے یہ بات دوسروں سے کہی کہ کیا ہم تمہیں ایسے شخص کے بارے نشاندہی نہ کردیں جو یہ خبر لے آیا ہے کہ مرنے کے بعد جب تم ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو تمہیں پھر سے ایک نئی شکل میں خلق کیا جائے گا۔''

کافروں کا استہزاء کرنا

اس آیت میں ان کافروں کی بات بیان کی گئی ہے جو رسول اللہ ﷺ کا مذاق اُڑاتے تھے اور لوگوں میں جا کر یہ کہتے تھے کہ آؤ ہم تمہیں ایسے شخص کے بارے بتائیں جو عجیب باتیں کرتا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ جب تم مر جاوگے اور تمہارا بدن ریزہ ریزہ ہو جائے گا تو پھر دوبارہ تمہیں اصل شکل میں خلق کیا جائے گا۔ ذرا سوچو تو یہ کیسی عجیب بات کرتا ہے وہ اس طرح رسول اللہ ﷺ کا تمسخر و ٹھٹھہ مذاق اُڑاتے پھرتے تھے۔

اگلی آیت میں اسی حوالے سے مزید کہا گیا ہے۔

اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ﴿۸﴾

ترجمہ: ''(کافر کہتے) کہ اس نے اللہ تعالیٰ پر اس قسم کا جھوٹ باندھا ہے (کہ اللہ ان کو دوبارہ زندہ کرے گا) یا پھر یہ شخص مجنون ہے، ایسے لوگ جن کا آخرت پر ایمان نہیں یہ عذاب اور بڑی گمراہی پر ہے۔''

کافروں کی بات کا تسلسل ہے کہ ان کے نزدیک مُردوں کا دوبارہ اٹھایا جانا غیر ممکن امر ہے لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے بیان پر وہ کہتے تھے کہ انہوں نے یا تو اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرے ہوئے لوگوں کو دوبارہ زندہ کرے گا یا پھر اس شخص پر (نعوذ باللہ) جنون و دیوانگی کا غلبہ ہے کیونکہ ایسی بات وہ نہیں کر سکتا جو عقل سلیم رکھتا ہو۔ وہ آپس میں ایک دوسرے سے ایسی گفتگو کرتے تھے کہ ایسا کس طرح ہو سکتا ہے کہ مردے جو ریزہ ریزہ ہو چکے ہیں ان کو دوبارہ اصلی حالت میں زندہ کیا جائے؟ لہٰذا یہ شخص اللہ پر جھوٹ باندھ رہا ہے یا پھر دیوانہ ہے۔ (معاذ اللہ)

کافروں کی بات کا جواب

اللہ تعالیٰ کافروں کی بات کا جواب دیتا ہے کہ جو کچھ یہ کافر کہہ رہے ہیں ایسا نہیں ہے پیغمبر اکرم ﷺ نے نہ تو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے اور نہ ہی جنون کا ان پر غلبہ ہے بلکہ کافروں کے لیے سخت عذاب ہے کیونکہ انہوں نے حق سے دُوری اختیار کی ہے اور بہت ہی بڑی گمراہی میں چلے گئے ہیں۔ اسی وجہ سے حق کا ادراک نہیں کر سکتے اور نہ ہی ایمان لا سکتے ہیں اور نہ ہی وہ حق کا اعتراف کریں گے۔

اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝۹

ترجمہ: ''کیا وہ اس حالت کو نہیں دیکھتے کہ ان کے آگے پیچھے آسمان اور زمین موجود ہے اگر ہم چاہیں تو ان کے پاؤں کے نیچے زمین کو پھاڑ دیں یا ان کے سروں پر آسمان کا ٹکڑا گرا دیں، بلاشک اس میں تو ہر پلٹنے والے کے لیے نشانی موجود ہے۔''

کفار کے لیے خطرے کی گھنٹی

اس آیت میں کافروں کو خبر دار کیا گیا ہے اور انہیں وارننگ دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آسمانوں اور زمین نے انہیں ہر طرف سے گھیرے میں لے رکھا ہے اور ان کے لیے راہِ فرار موجود نہیں ہے، وہ جدھر جائیں زمین اور آسمان میں رہیں گے ان سے باہر نہیں جا سکتے۔ اور زمین اور آسمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہیں اگر اللہ کی مرضی ہو تو زمین انہیں اپنے اندر نگل جائے اور وہ سب ہلاک ہو جائیں یا آسمان سے ایک ٹکڑا ان پر آ کر گرے اور وہ وہیں پر ڈھیر ہو جائیں۔ اور جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو جھٹلایا ہے انہیں اس جرم کی سزا دے دی جائے۔ لہٰذا وہ رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانے اور ان کی باتوں کا مذاق اڑانے سے رک کیوں نہیں جاتے؟

پیغام: جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں تو شک نہیں کہ جو شخص بھی اللہ کی اطاعت میں آ جائے گا اور اس کی طرف واپسی کا راستہ اختیار کر لے گا تو گمراہی سے نکل آئے گا اور اسے چاہیے کہ اللہ کی آیات سے بے اعتنائی نہ برتے کیونکہ ان آیات میں عبرت بھی موجود ہے اور ہدایت کے لیے نشانیاں بھی اور جو اللہ کی آیات سے کنارہ کشی برتتے ہیں وہ مغرور ہیں، سرکش ہیں، اللہ کے سامنے تسلیم نہیں ہوتے۔ ایسے افراد کے لیے جیسا کہ بیان ہو چکا عذاب تیار کر کے رکھا گیا ہے۔

وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضۡلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیۡ مَعَہٗ وَ الطَّیۡرَ ۚ وَ اَلَنَّا لَہُ الۡحَدِیۡدَ ﴿ۙ۱۰﴾

ترجمہ: ''ہم نے داود کو اپنی جانب سے فضیلت و برتری عطا کی ہے ہم نے پہاڑوں اور پرندوں سے یہ کہہ دیا کہ تم داود کے ساتھ ہم صدا ہو جاو اور ہم نے لوہے کو بھی ان کے لیے نرم کر دیا۔''

(فضل) کا معنی ہے عنایت اور (تاویب) کا معنی ہے لوٹنا کہ یہاں پر تسبیح کی حالت میں آواز کا انعکاس مراد ہے۔

حضرت داودؑ کی فضیلت

اس آیت میں حضرت داودؑ کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو فضیلت قرار دی اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

1۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور پرندوں کو تکوینی طور پر حضرت داودؑ کے ساتھ ہم صدا قرار دیا ہے۔ جیسے حضرت داود بولتے تو ان کی آواز کے ساتھ ہی پہاڑوں سے آواز پلٹ کر آتی اور پرندے بھی ان کے ساتھ ہم صدا ہوتے۔ جب حضرت داودؑ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل میں مشغول ہوتے تو پہاڑ اور پرندے بھی ان کے ہمراہ تسبیح و تہلیل کیا کرتے تھے۔[1]

2۔ دوسری فضیلت حضرت داودؑ کے لیے یہ تھی کہ لوہے کو ان کے لیے نرم کر دیا گیا تھا۔ لوہا تمام تر سختی کے باوجود حضرت داودؑ کے ہاتھوں میں نرم ہو جاتا تھا اور وہ آسانی سے

---

[1] ۔ فخر رازی نے اپنے تفسیر کی جلد 25 میں اس کا معنی اس طرح کیا ہے کہ حضرت داودؑ جہاں جاتے تھے پہاڑ اور پرندے ان کے پیچھے پیچھے آتے تھے۔

اسے موڑ سکتے تھے، اسے اپنے ہاتھ سے چھوٹا بڑا کر سکتے تھے اور اس کے ٹکڑے بھی اپنے ہاتھ سے کر لیتے تھے اور لوہے سے زرہ بناتے اور دوسری ضروری استعمال کے اوزار بھی تیار کرتے تھے۔

اَنِ اعۡمَلۡ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرۡ فِی السَّرۡدِ وَ اعۡمَلُوۡا صَالِحًا ؕ اِنِّیۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ’’ہم نے داود سے کہہ دیا کہ وہ زرہیں تیار کریں اور ان کی تاروں کو ایک انداز سے کاٹیں اور بہت ہی عمدہ طریقہ سے اس عمل کو انجام دیں اور جو کچھ تم انجام دیتے ہو تو میں اس سے واقف ہوں۔‘‘

(سابغات) یعنی وسیع اور کشادہ زرہ اور (سرد) سے زرہ کا بنانا مراد ہے، فرماتا ہے کہ داود سے ہم نے کہا: اندازہ کرکے زنجیر تیار کریں تاکہ اس کی کڑیاں ایک دوسرے کے مناسب ہوں اور کشادہ زرہ کو لوہے کے ذریعے تیار کرو اور ان نعمات پر خدا کا شکر ادا کرو، آپ اور آپ کی قوم نیک اعمال بجالائے اور جان لو کہ خداوند متعال تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔

زرہ سازی کی صنعت

اللہ تعالیٰ نے حضرت داودؑ کو زرہ سازی کی صنعت کی تعلیم دی۔ زرہیں لوہے سے تیار کی جاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے لوہے کو حضرت داودؑ کے لیے نرم کر دیا تاکہ وہ جس طرح چاہیں لوہے کو موڑ سکیں اور اس سے کیل اور تاریں بنا سکیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت داودؑ کو حکم دیا کہ بڑی بڑی زرہیں لوہے سے تیار کریں، زرہ کے لیے حلقے بنائیں، تار تیار کریں اور ہر ایک کو مناسب طریقہ سے جوڑیں۔ اللہ تعالیٰ نے زرہ سازی کا طریقہ حضرت داودؑ کو تعلیم دیا اور پھر فرمایا: کہ اس نعمت کا شکر بجالاو اور عمل صالح انجام دو اور اپنی قوم سے بھی کہو کہ وہ

عمل صالح بجالائیں اور ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتادیا کہ تمہیں یہ بات معلوم ہے کہ میں تمہارے تمام اعمال سے آگاہ ہوں۔

پیغام: اس آیت سے یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو مختلف صنعتوں کی تعلیم بھی دی۔ انبیاء جہاں لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا درس دیتے تھے آخرت میں جزاء وحساب کا عقیدہ بیان کرتے وہاں ان کی دنیا میں معیشت اور روزگار سے مربوط معاملات میں بھی راہنمائی کرتے تھے۔

وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَ اَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ وَ مِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَ مَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''ہم نے سلیمانؑ کے لیے ہوا کو مسخر کیا کہ صبح کے وقت وہ ایک ماہ کا فاصلہ طے کرتے تھے اور عصر کے وقت بھی اتنا ہی فاصلہ طے کرتے تھے، ہم نے ان کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ جاری کیا اور جنات ان کے تابع کردیئے جو اپنے رب کے اذن اور فرمان کے تحت ان کے لیے کام کرتے تھے اور جو کوئی بھی ہمارے فرمان سے انحراف کرے گا تو اسے بھڑکی آگ کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے (یعنی انہیں اللہ تعالیٰ سخت سزا دے گا)۔''

سلیمانؑ پر اللہ کے انعامات

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حضرت سلیمانؑ کے لیے مسخر کردیا تھا۔ آپؑ ہوا کے دوش پر صبح سے ظہر تک اور ظہر سے عصر تک سفر کر سکتے تھے۔ وہ صبح سے شام تک دو ماہ کی مسافت کا

سفر طے کر لیتے تھے۔ گویا کہ حضرت سلیمانؑ ہوائی سفر سے بہرہ ور تھے آپ کا تخت ہوا میں اُڑتا تھا۔

۲۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تانبے کا معدن حضرت سلیمانؑ کے لیے قرار دیا جو چشمہ کی مانند بہتا تھا (اس سے حضرت سلیمانؑ تانبے کے برتن اور دیگیں بناتے تھے۔ تانبہ برتن سازی کی صنعت کے علاوہ دیگر کاموں میں بھی کام آتا تھا۔

۳۔ تیسری چیز حضرت سلیمانؑ کے لیے یہ تھی کہ جنات کو آپ کے تابع فرمان قرار دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جنات آپ کے لیے کام کرتے تھے اور جو جنات حضرت سلیمانؑ کے فرمان کی خلاف ورزی کرتے تھے تو انہیں اسی دُنیا میں سزا بھی دی جاتی تھی۔ اس آیت میں اخروی عذاب کا تذکرہ موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو سخت سزا دے گا ان کے لیے بھڑکتی آگ کا عذاب ہے۔ (اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات کا اظہار کیا ہے جو حضرت سلیمانؑ کے لیے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی۔ ہر ایک میں اللہ کی نشانی ہے اور بندوں کے لیے ہدایت اور راہنمائی کا سامان ہے)

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَ تَمَاثِيْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''وہ (اس تانبا سے) جو کچھ چاہتے تھے (بناتے تھے) مجسمے، مرتبان، پیالے، دیگچے، زمین میں گڑھی ہوئی دیگیں [یہ سب چیزیں، حضرت سلیمانؑ کے لیے بناتے تھے]، ہم نے ان سے کہا اے آل داود تم شکر بجالاو کہ میرے بندوں سے کم ہی ہیں جو شکر بجالاتے ہیں۔''

جنات کا کام

حضرت سلیمانؑ کے لیے جنات جو کام انجام دیتے تھے ان میں ایک اہم کام برتن سازی کا تھا۔ اس بارے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کیا ہے کہ وہ حضرت سلیمانؑ کے لیے دیگیں، مرتبان، مورتیاں، بڑے بڑے تانبے کے حوض (ایسی دیگیں جو زمین میں ہی گڑھی ہوئی رہتی تھیں) اور تانبے کے مجسمے بناتے تھے (ان سے مراد غیر جاندار چیزوں کے مجسمے ہیں)۔ حضرت سلیمانؑ جو ان سے خواہش کرتے تھے وہ وہی بنا کر دیتے تھے۔

(اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے برتن سازی کی باقاعدہ تعلیم دی اور یہ کام شروع میں جنات سے لیا گیا اور پھر بعد میں انسانوں نے اس عمل کو جاری رکھا جو آج تک مختلف شکلوں میں جاری ہے۔)

نعمت کا شکر بجالانا

یہ ایک بہت بڑا انعام تھا جو حضرت سلیمانؑ کو اللہ کی طرف سے عطاء ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر باقاعدہ آل داود کو یہ حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داوڈ پر اور پھر ان کے فرزند حضرت سلیمانؑ کو جن انعامات اور فضایل سے نوازا ہے، ان نعمتوں کا شکر بجا لائیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کی بارش کرتا ہے لیکن بہت کم لوگ ہیں جو اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر بجالاتے ہیں۔ شکر بجالانے پر اللہ کے حکم کی تعمیل ہو گی اور نعمتوں میں اضافہ ہوگا۔

پیغام: اس آیت میں تمام لوگوں کے لیے یہ پیغام موجود ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پر شکر بجالایا کرو اور ناشکرے مت بنو۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ”اور جس وقت ہم نے ان پر موت کا حتمی حکم جاری کر دیا جنات کو کسی نے ان کی موت کے بارے خبر نہ دی سوائے دیمک والے کیڑے کے، کہ اس نے عصاء (جس پر سلیمانؑ سہارا لے کر کھڑے جنات کام دیکھ رہے تھے) کو کھالیا اور حضرت سلیمانؑ زمین پر گر پڑے تو اس وقت جنات کو خبر ہوئی اور وہ (اس پر افسوس کرتے ہوئے) کہنے لگے کاش وہ غیب کے بارے جانتے ہوتے تو وہ اس قدر ذلت والی مشقت اور تکلیف میں نہ جیتے رہتے۔“

سلیمانؑ کی موت اور جنات

حضرت سلیمانؑ کے حکم پر جنات تعمیراتی کام پر لگے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ حضرت سلیمانؑ کے بارے آگیا کہ اب انہوں نے عالم بقاء کی طرف جانا ہے اور انہیں موت اس حالت میں دے دی کہ وہ اپنے عصا سے ٹیک لگائے بلندی پر کھڑے جنات کے کام کی نگرانی کر رہے تھے اور جنات اپنے کام میں بہت ہی مشقت سے مشغول تھے حتی کہ جنات کو اس کی خبر ہی نہ ہوئی کہ حضرت سلیمانؑ مر چکے ہیں۔ وہ یہی سمجھتے رہے کہ حضرت سلیمانؑ ان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اللہ کے حکم سے دیمک کے کیڑے نے حضرت سلیمانؑ کے اس عصا کو کھالیا جس پر تکیہ کئے ہوئے کھڑے تھے۔ وہ عصا خاک بن کر ٹوٹ گیا اور حضرت سلیمانؑ کا لاشہ زمین پر اچانک گر پڑا تو اس وقت جنات کو خبر ہوئی کہ حضرت سلیمانؑ تو کب کے مر چکے

تھے۔اس پر انہیں افسوس ہوااور کہنے لگے کہ کاش ہمیں غیب کا علم ہوتا تو ہم اس پر مشقت کام کو چھوڑ دیتے اور اتنی ذلت و تکلیف میں نہ رہتے۔

پیغام: اِس میں چند باتیں قابل توجہ ہیں:

ا۔ موت ہر ایک کو آنی ہے البتہ وقت، جگہ اور موت کی کیفیت کا کسی کو علم نہیں۔

۲۔ حضرت سلیمانؑ جنات سے جو کام کروار ہے تھے اس کی نگرانی براہ راست خود کر رہے تھے وہاں پر ایسا لگتا ہے کوئی اور شخص موجود نہ تھا کہ اسے علم ہو جاتا کہ حضرت سلیمانؑ فوت ہو چکے ہیں۔

۳۔ اللہ کے حکم سے انبیاء جنات سے ہر قسم کا کام لے سکتے ہیں جیسے برتن بنوانا، مکانات تعمیر کروانا وغیرہ۔

۴۔ جنات کے پاس علم غیب نہیں ہوتا۔

۵۔ جنات کو بھی کام اور محنت کرتے ہوئے تکلیف محسوس ہوتی ہے۔

۶۔ جنات میں بھی ذلت و عزت، آرام و سکون، محنت و مشقت جیسے احساسات پائے جاتے ہیں۔

۷۔ جنات وزن اٹھا سکتے ہیں، اشیاء کو باہم جوڑ سکتے ہیں اور تعمیراتی مواد کو سلیقہ سے استعمال میں لا سکتے ہیں۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ ۬ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ۝۱۵

ترجمہ: ”قوم سباء کے لیے ان کے شہر میں ایک آیت (نشانی) تھی اور وہ دائیں اور بائیں دو سرسبز باغ تھے ہم نے ان سے کہا کہ تم اپنے پروردگار کی روزی سے کھاؤ

پیو اور اس کا شکر بجا لاؤ پاکیزہ ارو صاف ستھرا شہر ہے اور بخشنے والا رب (پروردگار) ہے۔"

قوم سباء

قوم سباء یمن میں قیام پذیر تھی اور اس کا تعلق قدیم عربوں سے تھا۔ سباء اس قوم کے جد اعلیٰ کا نام تھا، سباء بیٹا تھا یشخب کا، وہ بیٹا تھا یعرب کا اور وہ بیٹا تھا قحطان کا۔ جس جگہ قوم سباء رہتی تھی اس کے دائیں اور بائیں زرخیز زمین تھی جس پر سرسبز و شاداب کھیت تھے جو ان کی روزی کا ذریعہ تھا انہی سے ان کی معیشت اور روزگار وابستہ تھا اس بڑی نعمت پر اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ تم اللہ کا شکر بجالاو کیونکہ سچ بات تو یہ ہے کہ جس رب نے ایسی زرخیز زمین دی ہو جس پر ہر طرف لہلہاتے کھیت، صاف ستھرا ماحول ہو، روزگار کے وسائل موجود ہوں، زراعت سے مالامال سرزمین ہو تو مالکین پر ضروری ہے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کا شکر بجالائیں جو بخشنے والا ہے۔

پیغام: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے، روزگار کے وسائل اللہ تعالیٰ فراہم کرتا ہے، زراعت کے لیے زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، زرخیز زمین اور فصل و کاشتکاری کے لیے موزوں رقبہ اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اللہ ان نعمتوں کی وجہ سے شکر کا استحقاق رکھتا ہے۔ لوگوں کا اپنا بنایا ہوا کچھ بھی نہیں ہے۔ بلکہ جو کچھ ہے وہ اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے ہے۔ لہٰذا تمام انسانوں کو اللہ کی بے حساب نعمتوں پر شکر بجالانا چاہیے۔

فَاَعۡرَضُوۡا فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ سَيۡلَ الۡعَرِمِ وَ بَدَّلۡنٰهُمۡ بِجَنَّتَيۡهِمۡ جَنَّتَيۡنِ ذَوَاتَىۡ اُكُلٍ خَمۡطٍ وَّ اَثۡلٍ وَّ شَىۡءٍ مِّنۡ سِدۡرٍ قَلِيۡلٍ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''پس انہوں نے منہ پھیر لیا تو ہم نے ان پر بند کے اُوپر سیلاب بھیج دیا اور ان دو باغوں کے عوض ہم نے انہیں دو ایسے باغات دیئے جن میں بدمزہ پھل اور کچھ جھاؤ کے درخت اور تھوڑے سے بیر تھے۔''

ناشکری کا نتیجہ

جب سباء کی قوم نے اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے: ہم نے انہیں اسی دُنیا میں سزا دے دی۔ ہم نے دریا کے سامنے باندھے گئے بند کے اوپر سے سیلاب ان پر جاری کر دیا جس سے ان کے تمام کھیت ڈوب گئے، ان کی زراعت تباہ ہو گئی، سر سبز باغات اور لہلہاتے کھیتوں کی جگہ خشک اور کڑوے گھاس نے لے لی، خاردار جھاڑیاں سر سبز باغات کی جگہ اُگ آئیں، بیری کے خاردار پودوں نے اس سبزہ زار کی جگہ لے لی، زمین بنجر ہو گئی، اقتصاد تباہ ہو گیا اور یوں معاشی بحران ان پر آن پڑا۔

پیغام: ا۔ اللہ کی نعمتوں پر شکر بجالاتے رہو، ناشکری نہ کرو۔

۲۔ جب اللہ کی نعمتوں کا شکر بجا نہ لایا جائے تو اللہ تعالیٰ دی ہوئی نعمتوں کو چھین لیتا ہے۔

۳۔ سیلاب کا آنا بھی اللہ کی ناراضگی کا سبب ہوتا ہے۔

۴۔ سیلاب تباہی لاتا ہے اور آباد زمین کو برباد کر دیتا ہے۔

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ١٧

ترجمہ: ''ہم نے انہیں یہ سزا اس لیے دی کہ انہوں نے نعمتوں کا کفران کیا (ناشکری کی) کیا ہم ناشکروں کے سوا کسی اور کو سزا دیتے ہیں؟ (ہرگز نہیں)۔''

سزا کا فلسفہ

اللہ کی طرف سے بغیر وجہ کے سزا نہیں دی جاتی بلکہ "جیسا کروگے ویسا بھروگے" کا اصول کارفرما ہے۔ قوم سبا نے جب کفران نعمت کیا، اللہ کی نعمتوں کا مذاق اُڑایا، ان کو صحیح طور پر مصرف میں نہ لائے، اللہ کے احکام کی نافرمانی کی اور تکبر میں آگئے تو پھر ان سے نعمت کو واپس لے لیا گیا اور ان کی معیشت و روزگار کو سخت بنا دیا گیا۔

پیغام: ۱۔ کفران نعمت نہ کیا جائے۔
۲۔ اللہ کے احکام پر عمل کیا جائے۔
۳۔ تباہ کن نافرمانی کی صورت میں اللہ کی جانب سے سزا کا منتظر رہا جائے۔
۴۔ بعض دفعہ ناشکری پر نعمت چھین لی جائے گی۔

وَ جَعَلۡنَا بَیۡنَہُمۡ وَ بَیۡنَ الۡقُرَی الَّتِیۡ بٰرَکۡنَا فِیۡہَا قُرًی ظَاہِرَۃً وَّ قَدَّرۡنَا فِیۡہَا السَّیۡرَ ؕ سِیۡرُوۡا فِیۡہَا لَیَالِیَ وَ اَیَّامًا اٰمِنِیۡنَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: "ہم نے ان کے (جن پر عذاب اُتارا گیا) اور بابرکت آبادیوں (بستیوں) کے درمیان ایسی آبادیاں (بستیاں) قرار دیں کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں اور ان کے درمیان باقاعدہ ایک فاصلہ قرار دے دیا تھا اور ہم نے ان سے یہ کہہ دیا کہ تم ان آبادیوں میں شب و روز آرام سے امنیت کے ساتھ آجاو، چلو پھرو، گھومو پھرو۔"

بابرکت بستیاں

اس جگہ پر بابرکت آبادیوں سے مراد شام کی سرزمین پر موجود آبادیاں ہیں۔ان کے ظاہر ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہاں آبادی ایک بستی سے دوسری بستی کو دیکھ سکتی تھی۔ان بستیوں کے درمیان جو فاصلہ تھا وہ حساب شدہ تھا۔ایک بستی کا دوسری بستی سے فاصلہ اور دوسری بستی سے تیسری بستی کا فاصلہ اور اسی طرح آگے کی بستیاں، ان کے درمیانی فاصلے حساب شدہ اور برابر برابر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ کہہ دیا کہ تم ان آبادیوں کے درمیان اطمینان سے سفر کرو، یہ سب پرامن ہیں۔اللہ نے ان آبادیوں کو اس طرح پرامن بنادیا تھا کہ ان کے درمیان دن یا رات سے سفر کرنے میں فرق نہیں پڑتا تھا۔سفر کے دوران کسی قسم کا خطرہ موجود نہیں تھا، راستے پرامن تھے۔ بے خوف وخطر ان راستوں میں آنا جانا جاری رہتا تھا۔یہ اللہ کاان لوگوں کے لیے خصوصی انعام تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے قوم سبا کی بات کی ہے ان پر اللہ تعالیٰ کا جو فضل و کرم تھا اسے بیان کیا ہے پھر جب انہوں نے ناشکری کی تو ان پر جو سزا جاری ہوئی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ جبکہ اس آیت میں شام والوں کی بات ہے کہ ان پر کس طرح اللہ کا فضل تھا، آبادیاں پرسکون تھیں راستہ پرامن تھا، دن رات سفر کرنے والے بے خوف وخطر اپنا سفر جاری رکھتے تھے۔

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾

ترجمہ:" (ایسی حالت میں رہتے ہوئے) ان لوگوں نے یہ کہا اے ہمارے رب ہمارے سفر کے راستوں میں دوریاں قرار دے دے (اس طرح کا سوال کرکے) انہوں نے اپنے اوپر جو ظلم کیا (ان کی اس خواہش پر) ہم نے انہیں آنے والی نسلوں کے لیے داستان بنادیا، ہم نے انہیں اس طرح بکھیر دیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا (کہ

جس کا نقشہ نہیں کھینچا جا سکتا اور وہ قابل تصور ہی نہیں)۔ اس واقعہ میں ان کے لیے عبرت ہے جو بہت زیادہ صبر کرنے والے اور بہت زیادہ شکر بجالانے والے ہیں۔"

امن سے فرار

شام کی آبادیوں میں سکون اور امن تھا، راستے بھی پر امن تھے لیکن اس پر ان لوگوں نے اکتفاء نہ کیا۔ امن و امان سے لطف اندوز ہونے کی بجائے اس حالت سے اُکتا گئے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ ہمارے درمیان موجود قربت اور نزدیکی کا خاتمہ کر دے۔ ہمارے درمیان دوریاں قرار دے اور ہماری آبادیوں کو ایک دوسرے سے دُور دُور کر دے۔ یہ بات کفران نعمت تھی، سرکشی اور غرور تھا۔ جس طرح بنی اسرائیل نے بھنے ہوئے پرندوں کے گوشت، شہد اور خوشگوار میٹھے ذرات پر مشتمل غذا سے تنگ آکر اللہ تعالیٰ سے کہا کہ ہمارے لیے دال، پیاز، لہسن جیسی اجناس کی غذا قرار دے۔ شام کی پر امن بستیوں کے باسیوں نے بھی اسی قسم کی درخواست اللہ سے کر ڈالی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس ناشکری پر ان کے آباد شہروں کو ویرانی میں بدل دیا، ان کی جمعیت پراکندہ ہو گئی، وہ دربدر ہو گئے، ایک دوسرے سے دُور ہو گئے، ان کی خوشحال آبادیوں کا نام و نشان تک مٹ گیا اور وہ گزرے ہوئے لوگوں کی داستان بن گئے۔ اس واقعہ میں ان کے لیے نصیحت ہے جو بہت ہی صبر کرنے والے اور اللہ کے بہت زیادہ شکر گذار بندے ہیں اور اس سے استدلال کرتے ہیں کہ اس دنیا کے بعد آخرت میں دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ اعمال پر سزا و جزاء ہے، نافرمانوں کے کے لیے عذاب ہے اور فرمانبرداروں کے لیے ثواب واجر ہے۔

وَ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٠﴾

ترجمہ: ''ابلیس نے ایسے لوگوں ہی میں اپنے اعلان کردہ پروگرام و منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا اور اپنی بات کو سچ کر دکھایا۔ انہوں نے ابلیس کے خیال کو پورا کر دیا اور اس کی پیروی کر ڈالی۔ پس تھوڑے مومنین رہ گئے جنہوں نے ابلیس کی بات کو نہ مانا اور اللہ کی اطاعت میں رہے۔''

پیغام: ۱۔ ان آیات میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ آبادی اور بربادی اللہ کے طے شدہ نظام کے تحت ہے۔

۲۔ آبادی اور خوشحالی اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے انعام ہے۔

۳۔ اللہ کے انعامات پر شکر بجالانا چاہیے۔

۴۔ اللہ کی نعمتوں پر ناشکری اللہ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔

۵۔ انسان خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔

۶۔ اللہ کے نافرمان لوگ ابلیس کی پیروی کرتے ہیں۔

۷۔ اللہ پر ایمان لانے والے ابلیس کے مخالف ہوتے ہیں۔

۸۔ مومنین ماضی میں پیش آنے والے حالات و واقعات سے عبرت لیتے ہیں، اپنا جائزہ لیتے ہیں، خود احتسابی کرتے ہیں اور خود کو ہلاکت سے بچا لیتے ہیں۔

۹۔ مومنین صابر اور شاکر ہوتے ہیں۔

وَ مَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ وَ رَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ''ابلیس کا ان پر غلبہ اور تسلط نہیں ہے بلکہ ہم یہ چاہتے تھے کہ وہ جن کا آخرت پر ایمان ہے انہیں ان لوگوں سے جدا کر دیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے

جبکہ تیرا رب تو ہر بات سے آگاہ ہے (ہر شیٔ کے بارے جانتا ہے اور ہر شیٔ اس کی یادداشت میں موجود ہے)۔"

ابلیس کا اختیار

جن لوگوں نے ابلیس کی پیروی کی تو انہوں نے ایسا اپنے اختیار سے کیا وگرنہ ابلیس کا ان پر تسلط نہ تھا اور وہ انہیں مجبور کرنے پر قدرت نہ رکھتا تھا۔ شیطان کی یہ آرزو ہمیشہ سے ہے کہ وہ انسانوں کو دھوکہ دے، انہیں اپنے دام میں پھنسائے، مگر صاحبان ایمان ابلیس کے پیروکار نہ بنے۔ اگرچہ اس مقام پر قوم سبا کے بارے میں بات ہو رہی ہے مگر مخاطب تمام بنی نوع انسان ہیں اور اس حکم میں عمومیت موجود ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے واضح بتادیا کہ جو لوگ گمراہ ہیں ناشکرے ہیں ان پر ابلیس کا غلبہ نہ تھا انہوں نے اپنے اختیار وارادہ سے ابلیس کی پیروی کی۔ اس طرح دو گروہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

۱۔ وہ لوگ جن کا آخرت پر ایمان ہے اور انہیں یقین ہے کہ کل حساب ہوگا اور اللہ کی مخالفت پر سزا ملے گی اور اللہ کی اطاعت پر اجر وثواب ملے گا۔

۲۔ وہ لوگ جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے، خیال کرتے ہیں کہ بس یہی دُنیا ہے اسی جگہ پر ہی جو کچھ کرنا ہے کرلیں، آگے کچھ ہونے والا نہیں ہے۔

اس میں یہ بھی واضح ہو گیا کی آخرت پر ایمان اور یقین اللہ کی اطاعت کا سبب بنتا ہے۔ آخر میں یہ بتادیا کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کے بارے علم ہے اس سے کچھ پوشیدہ نہیں ہے

---

[1] ۔ابلیس نے اللہ سے مہلت مل جانے کے بعد کہا تھا: ''قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِیْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ، اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ'' (سورہ حجر، آیت: 40) ''میں ان کو ہر صورت اغواء کروں گا، سب پر اپنی کمند پھینکوں گا سوائے تیرے مخلص بندوں کے کہ وہ میرے دام میں نہ آئیں گے''۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ: وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ (سورۂ نمل، آیت: ۷۳) ''اور ان کی اکثریت کو شکر کرنے والوں سے نہ پائے گا۔

اس کے لیے جو معلوم ہے وہ بھول نہیں سکتا اور نہ ہی غائب ہو سکتا ہے وہ علم محفوظ ہے۔ اس بیان میں معصیت کاروں اور نافرمانوں کو خبر دار کیا گیا ہے اور انہیں انجام سے ڈرایا گیا ہے۔

پیغام: ۱۔ابلیس کی سازشوں سے بچنا انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔

۲۔اگر انسان خود نہ چاہے تو ابلیس اس پر زبردستی کچھ نہیں کر سکتا۔

۳۔آخرت پر یقین محکم رکھیں، آخرت کو یاد رکھیں، آخرت پر ایمان ہی ابلیس کی اطاعت کے سامنے رکاوٹ ہے۔

۴۔اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی مخفی نہیں ہے، اس کے پاس سب کچھ محفوظ و موجود ہے۔ جو کروگے وہ اللہ کے پاس محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کا حساب ہوگا۔ اچھے اعمال پر جزاء و ثواب اور برے اعمال پر عذاب اور سزا ہوگی۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝۲۲

ترجمہ: ''ان لوگوں سے یہ بات کہہ دو جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنے لیے معبود خیال کر لیا ہے کہ وہ تو آسمانوں اور زمین سے ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں ہیں۔ آسمانوں اور زمین (کے اُمور) میں ان کی کچھ شراکت نہیں اور کوئی ایک بھی (ان جھوٹوں کا) مددگار اور سہارا نہیں ہے۔''

بت پرستوں کی سرزنش

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا کہ یہ مشرکین جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی پوجا پاٹ شروع کر رکھی ہے ان سے کہہ دو کہ جن کو تم نے اپنا معبود بنا لیا ہے ان

کو مدد کے لیے پکارو اور ان سے اپنی حاجت روائی چاہو، ان سے جب مانگو گے تو پتہ چل جائے گا کہ تمہیں کیا ملتا ہے؟ یہ بت ان کی حاجت روائی نہیں کر سکتے اور نہ ہی ان کے پاس کچھ ہے، وہ آسمانوں اور زمین میں سے کسی ذرہ کے بھی مالک نہیں، جب مالک نہیں تو وہ کیا دیں گے؟ کسی کو وہی نواز سکتا ہے جس کے اپنے پاس کچھ ہو۔ ربوبیت اور الوہیت اسی کے لیے ہے جس کی مالکیت ثابت ہو، مالکیت سبب بنتی ہے کہ وہ اپنی ملکیت سے دوسرے کو کچھ دے دے۔ پس وہ خدا کے ہی فقیر و محتاج ہیں، کسی قسم کی مالکیت نہیں رکھتے نہ تو مخلوقات میں سے کچھ کے مالک ہیں۔ ان کی اللہ تعالیٰ سے کسی قسم کی شراکت بھی موجود نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے ان خداوں میں سے کوئی ایک بھی یاور و مددگار نہیں ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اپنے لیے کسی کو یاور و مددگار قرار دیتا ہے کیونکہ وہ خود قادر مطلق ہے۔ تدبیر اسی کی ہے اور وہی صاحب ملک ہے۔ لہٰذا کوئی مورد فرض نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ جس میں عاجز و ناتواں ہو اور دوسرے کا محتاج ہو۔

آسمانوں اور زمین کے جو اُمور ہیں ان پر کسی کا عمل دخل نہیں ہے اللہ کے سواء کوئی بھی نہیں (آسمانوں اور زمین کے اُمور کو دیکھتا اور چلاتا ہو)

وَ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰۤی اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ''اللہ کے ہاں شفاعت و سفارش کا فائدہ نہیں (اللہ کے پاس کوئی سفارش نہیں چلتی) سوائے اس کے لیے جس کے واسطے اللہ نے خود اجازت دے دی ہو (کہ اس کی سفارش کی جائے) یہاں تک کہ جب ان کے دلوں میں سے خوف و ڈر کی حالت زائل ہو جائے گی تو اس وقت وہ سوال کریں گے تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ تو

وہ جواب میں کہیں گے (ہمارے رب نے) جو فرمایا ہے وہ برحق ہے اور اللہ ہے بلند و برتر و بزرگ ہے۔"

مشرکین کا عقیدہ

مشرکین کا قیامت پر اعتقاد نہیں تھا لیکن اپنے خداؤں کے بارے ان کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ ان کی دُنیاوی حاجات میں اللہ کے ہاں شفاعت اور سفارش کرنے والے ہیں۔ اس آیت میں ان کے اس خیال کو باطل قرار دیا گیا ہے اور ان کے خداؤں سے شفاعت کی بالکل نفی کر دی گئی ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان مشرکین کے واسطے کسی سفارشی کی سفارش قبول نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت کا ایک ضابطہ و قانون ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو کسی کی شفاعت کا اذن دے تو صرف وہی شفاعت کر سکتا ہے۔ لہٰذا اللہ نے جس کو شفاعت کی اجازت دی ہے اس کی شفاعت کسی کے لیے فائدہ مند ہو سکتی ہے لیکن دوسرے کی سفارش فائدہ مند نہ ہو گی۔

فرشتوں کا عمل

اللہ کے سارے فرشتے الٰہی اوامر و احکام کو نافذ کرنے والے ہیں۔ وہ اللہ کے احکام کو نافذ کرنے میں ایک رابطہ ہیں۔ لہٰذا سارے فرشتے شافع (شفاعت کرنے والے) ہیں۔ لیکن ہر بات کے لیے اور ہر ایک کے لیے نہیں بلکہ ان امور میں واسطہ و وسیلہ ہیں جن کے بارے اللہ تعالیٰ کا اذن اور اجازت موجود ہے۔ کیونکہ ان کی ہر بات اور ہر عمل الٰہی اوامر کے مطابق قرار پاتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ اور اللہ کی مخلوق کے درمیان کوئی واسطہ مؤثر نہیں ہے سوائے امر الٰہی کے اور جن کے لیے اللہ کا امر ہوتا ہے وہاں پر شفاعت و سفارش مفید اور قبول ہے۔

ملائکہ کے درجات

اس جگہ ایک اور بات کو فرشتگان کے بارے بیان کیا گیا ہے کہ فرشتوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور کبریائی کا اس قدر اثر ہوتا ہے کہ ان میں سخت قسم کی گھبراہٹ طاری ہوتی ہے اور وہ کچھ سمجھ نہیں پاتے جیسے جیسے وحشت اور خوف دلوں میں سے کم ہوتا جاتا ہے اور وہ آرام و سکون میں آتے ہیں تو وہ فرشتے جو ابھی ابھی سکون و اطمینان کی کیفیت میں آئے ہیں ان فرشتوں سے سوال کرتے ہیں جو پہلے سے اطمینان و سکون کی کیفیت میں تھے کہ امر الٰہی کیا تھا؟ گویا کہ درجہ کے اعتبار سے نچلے مرتبہ والے فرشتے بلند مرتبہ فرشتوں سے دریافت کرتے ہیں کہ امر الٰہی کیا تھا جو صادر ہوا ہے؟ تو وہ انہیں بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو امر جاری فرمایا ہے وہ حق پر مبنی ہے برقرار اور ثابت ہے اور اس میں تبدیلی کا کوئی راستہ موجود نہیں ہے۔ آخر میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بلند و برتر ذات ہے وہی کبیر و بزرگ ہے۔ باقی ہر مخلوق کمتر، ضعیف، حقیر، بے معنی اور بے حیثیت ہے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَ اِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ”ان سے کہہ دو کہ آسمانوں اور زمین سے کون ہے جو تمہیں روزی فراہم کرتا ہے (ان کے جواب میں خود انہیں بتادو) کہہ دو! اللہ (ہی ہے جو روزی فراہم کرتا ہے) اور ان سے یہ بھی کہہ دو کہ سوچو کہ ہم اور تم میں سے کون ہے جو ہدایت پر ہے اور کون ہے جو کھلی گمراہی پر ہے۔“

روزی دینے والی ذات

اس جگہ ایک اور طریقے سے مشرکین کے خلاف استدلال کیا گیا ہے اور وہ رزق اور روزی کے حوالے سے ہے، روزی بھی بت پرستی کا عمدہ معیار تھا۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ہم بتوں کی پوجا پاٹ کریں گے تو وہ ہم سے خوش ہوں گے جب وہ ہم سے راضی ہوں گے تو ہماری روزی میں وسعت آجائے گی۔ ان کے اس نظریہ کو باطل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو حکم دیا کہ ان سے اس طرح سوال کرو کہ وہ بتائیں کہ زمین اور آسمانوں میں کون ہے جو تمہارے لیے رزق فراہم کرتا ہے؟ سوال پیش کرکے پھر خود ہی اس کا جواب دیا کہ رزق تو اللہ فراہم کرتا ہے کیونکہ رزق بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوقات سے ایک مخلوق ہے۔ مشرکین اس بات کا تو عقیدہ رکھتے تھے کہ خالق ہستی (یعنی وجود کا خالق) اللہ تعالیٰ ہے۔ مشرکین کے دل میں یہ سوچ موجود تھی لیکن زبان پر اسے نہیں لاتے تھے، اور نہ ہی اس کا اعتراف کرتے تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ وہ خود ہی اس سوال کا جواب دے دیں اور یہ جواب ان کے دل کی ترجمانی ہے۔ اس کے بعد خود ان ہی سے انصاف کا تقاضا کیا جائے کہ اب تم خود اس کا فیصلہ کرو کہ جب رزق کا خالق اللہ ہے تو پھر تم گمراہی پر ہو یا ہم؟ ہم تو عقیدہ رکھتے ہیں کی رازق اللہ ہے کیونکہ اسی نے رزق کے وسائل بنائے ہیں، وہ رزق کا خالق ہے۔ جب اللہ ہی رازق ہے تو پھر تم کس طرح بتوں سے امید لگائے بیٹھے ہو کہ وہ تمہاری روزی میں وسعت کا ذریعہ بنے؟ ان کو جھنجھوڑا ہے کہ وہ اپنی اندرونی اور فطری کیفیت سے رجوع کریں اور سوچیں کہ مسلمانوں کا عقیدہ درست ہے یا ان کی بات؟ اس طریقہ سے وہ حق اور باطل میں خود امتیاز کریں۔[1]

[1]۔ اس جگہ ایک ظریف اور عمدہ نکتہ موجود ہے جس کی طرف تفسیر رازی ج ۲۵ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ ہدایت یافتہ شخص کی مثال ایسے ہے کہ جو بلندی پر کھڑا ہے جو راستے کے آغاز اور انجام کو دیکھ رہا ہے اور اس علم کی روشنی میں آگے بڑھ رہا ہے لیکن جو گمراہ ہے وہ تاریکیوں میں چل رہا ہے، وہ اپنے پاوں کے رکھنے والی جگہ کو بھی نہیں دیکھ پا رہا چہ جائیکہ وہ شروع کے راز اور مقصد کو جان سکے اسی لیے ہدایت یافتہ کے لیے کہا گیا کہ وہ ہدایت پر ہے اور گمراہ کے لیے کہا گیا وہ یقینی کھلی گمراہی میں ہے۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَ لَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ان سے یہ بات کہہ دو کہ دیکھو اگر ہم مجرم ہوئے تو اس کے ذمہ دار تم لوگ نہیں ہو اور تم مجرم ہو گے تو ہم ذمہ دار نہیں ہیں، ہمارا عمل ہمارے لیے اور تمہارا عمل تمہارے لیے۔

عمل کا نتیجہ

عمل کا نتیجہ عمل کرنے والے کو بھگتنا ہو گا، ایسا نہیں کہ عمل کوئی کرے اور اس کا خسارہ دوسرا بھگتے۔ یہ ایک فطری قانون ہے جس کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ قانون عام ہے عبادات، معاملات، نجی اور اجتماعی و سیاسی زندگی سب کو شامل ہے۔ لہٰذا جس نے جو عمل کیا ہے اس کا ذمہ دار وہ شخص خود ہے اور جس کا عمل نہیں وہ اس کا ذمہ دار نہیں ہے۔

پیغام: ۱۔ روزی دینے والا اللہ تعالیٰ ہے، روزی کے اسباب آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں، زمین اور آسمانوں کا خالق اللہ ہے اور جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے اس کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے لہٰذا رازق علی الاطلاق اللہ تعالیٰ ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ رازق ہے تو وہی ہمارا مالک بھی ہے جو ہمارا مالک ہے اسی کی اطاعت کی جائے کسی اور کی اطاعت نہ کی جائے۔

۳۔ جو کسی چیز کا مالک نہ ہو وہ دوسرے کو کچھ نہیں دے سکتا مالکیت حقیقی اللہ کی ہے لہٰذا اللہ کے سوا کوئی کسی کو کچھ نہیں دے سکتا۔

۴۔ دنیاوی حاجات میں بھی اللہ کے اذن کے بغیر کسی کو وسیلہ بنانا صحیح نہیں اور کسی کا وسیلہ بننا اس وقت تک غیر موثر رہے گا جب تک اللہ کی جانب سے اذن اور اجازت نہ ہو۔

۵۔ شفاعت کرنے کے لیے اللہ کی اجازت اور شفاعت جس کی کی جا رہی ہے اس کے لیے بھی اللہ کی اجازت ضروری ہے کیونکہ واسطہ وہ بن سکتا ہے جس کے لیے اللہ نے اجازت دے رکھی ہو۔ اور اس واسطہ کی سفارش بھی فقط اس کے حق میں قبول ہو گی جس کی سفارش کرنے کی اجازت اللہ کی طرف سے اس وسیلہ و واسطہ کے پاس موجود ہو۔

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۖ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: ''اے رسول ان سے کہہ دو کہ ہمارے رب نے ہمیں اور تمہیں اکٹھا کر دیا ہے پھر اللہ ہی ہمارے اور تمہارے درمیان انصاف پر مبنی فیصلہ دے گا کہ اللہ ہی جدائی ڈالنے والا ہے اور وہی آگاہ ہے۔''

قیامت کے دن کا اجتماع

قیامت کے دن نیک اور بد اکٹھے ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان کے درمیان حق پر مبنی فیصلہ دے گا جس نے جو کیا ہو گا اسی کا نتیجہ اسے اس دن ملے گا۔ نیکوکاروں کو اللہ تعالیٰ بدکاروں سے جدا کر دے گا۔ اس دن ہر گروہ اپنے اعمال کی جزاء دیکھنے کے لیے آگے بڑھے گا۔ ایک دوسرے سے جدا ہونے کا معیار لوگوں کے اعمال ہوں گے۔ اس کام کے لیے حقائق سے آگہی درکار ہے، ہر ایک کی حقیقت سے آشنائی ضروری ہے۔ لہٰذا یہ جدائی ڈالنے کا عمل اللہ کے ہاتھ میں ہے اسی کے پاس سب اشیاء کا علم ہے اور تدبیر بھی اسی کی ہے، اللہ ہی ہر دو گروہوں کا رب ہے اللہ ہی تمام افراد کی نیتوں اور ان کے اعمال سے آگاہ ہے۔ پس اللہ ہی فتاح ہے یعنی ہر شئ کو کھول کر

رکھنے والا ہے۔ ہر چیز کی خلقت و تدبیر اللہ کے پاس ہے اسی بنیاد پر ان دو گروہوں کے درمیان اللہ ہی جدائی ڈال دے گا۔

پیغام: ا۔آخرت حساب کا دن ہے، اعمال کی بنیاد پر وہاں افراد تقسیم ہوں گے، قیامت نیکو کاروں اور بدکاروں کے درمیان جدائی کا دن ہے۔

۲۔اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے کہ کون کس گروہ میں ہو گا۔

قُلۡ اَرُوۡنِیَ الَّذِیۡنَ اَلۡحَقۡتُمۡ بِہٖ شُرَکَآءَ کَلَّا ؕ بَلۡ ہُوَ اللّٰہُ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ”اے رسول ان سے کہہ دو وہ خدایان جنہیں وہم کی بنیاد پر تم نے اللہ کے ساتھ ملحق کر دیا تھا اور انہیں اللہ کا شریک خیال کرتے تھے جبکہ ایسا تو ہر گز نہیں تھا تم ذرا ان کو اب دکھاؤ تو سہی، مجھے دکھا دو وہ اب وہ کہاں ہیں؟ تم ہرگز انہیں نہیں دکھا سکتے یہ تمہارے بس میں نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ تو عزیز و حکیم ہے۔ غلبہ اور دانائی اسی کے لیے ہے۔“

مشرکین کا عاجز ہونا

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ ان مشرکین سے یہ کہیں کہ انہوں نے جن کو اللہ کا شریک بنایا ہوا ہے ذرا ان کو سامنے تو لے آئیں تاکہ ان کی قدرت، ان کے علم و آگہی کے بارے جان سکیں کہ وہ اپنے لیے کیا کچھ کرنے پر قادر ہیں؟ کیا ان کی زندگی ان کے اپنے ہاتھ میں ہے اور کیا وہ کچھ کر بھی سکتے ہیں؟ ان میں سننے کی استطاعت بھی ہے یا ان صفات کے وہ مالک نہیں ہیں؟ پھر خود اس کا جواب دے دیا ہے کہ تم جن کو اللہ کا شریک بنا رہے ہو وہ تو اپنی ذات کے مالک بھی نہیں ہیں۔ ان کے پاس توانائی ہے

نہ سننے کی صلاحیت ہے نہ ہی کسی چیز کو وہ نہ خود سے کوئی کام انجام دے سکتے ہیں۔ سب پر اللہ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔ حساب، علم، قدرتِ مطلق، حیاتِ مطلق اسی کی ہے سب اس کے محتاج ہیں وہ لامتناہی اور غیر محدود ہے، وہ عزیز ہے وہ کسی بھی شریک کی شرکت کو رد کرتا ہے۔ اس کی ذات ہی اس سے مانع ہے کہ کوئی اس کا شریک ہو، ایک محدود لا محدود ذات کا شریک کیسے بن سکتا ہے؟ صفت حکمت اس بات کی مانع ہے کہ جس کی ذاتی ملکیت نہیں ہے تو وہ اس کا شریک کیسے بن سکتا ہے جو ذاتی ملکیت رکھتا ہو؟ جس کا علم ذاتی ہو، جو خود مالک ہو وہ اپنی مالکیت میں کسی کو کیوں شریک بنائے؟ جبکہ وہ کسی کا محتاج نہیں اور شراکت داری تو احتیاج کی دلیل ہے۔ لہٰذا ایسی بات اللہ کی حکمت و دانائی کے منافی ہے اور ایسا امر ایک بے ہودہ ارادہ قرار پائے گا جو الوھیت اور ربوبیت کے کمال سے تضاد رکھتا ہے۔

پیغام:

۱۔ کسی کو اللہ کا شریک قرار نہ دو۔
۲۔ اللہ ہی رب ہے کسی اور کو رب قرار نہ دو۔
۳۔ اللہ ہی غالب ہے اللہ پر کسی کو غلبہ نہیں ہے۔
۴۔ ہر جگہ اللہ کا حکم اور فرمان جاری ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ''ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام انسانوں کے لیے تاکہ آپ انہیں بشارت دیں اور ڈرائیں (گناہ سے روکیں اور نیکی کا حکم دیں، گناہ پر عذاب اور نیکی پر ثواب بتائیں، گناہ سے ڈرائیں، نیکی پر بشارت دیں) لیکن زیادہ تر لوگ آگاہ نہیں ہیں۔''

حضورؐ کی رسالت کا دائرہ کار

اس آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور پیغمبری کا دائرہ تمام انسانوں پر محیط ہے۔آپ کا کام تمام انسانوں کو اللہ کی طرف دعوت دینا اور انہیں اللہ کی نافرمانی سے روکنا ہے۔آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ گناہ گاروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں اور انہیں بتائیں کہ اگر تم اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرو گے تو تمہیں سخت سزا ملے گی اور اگر نیک عمل کریں گے تو انہیں اللہ کی جانب سے ثواب کی نوید سنائی جائے گی۔رسول کو ہدایت کے لیے بھیجنا ربوبیت کا لازمہ ہے۔کیونکہ رسول کا کام ہے کہ وہ لوگوں کی زندگی کے امور کی اس طرح تدبیر کرے جس میں ان کی خوش بختی اور سعادت ابدی کی ضمانت مہیا ہو سکے اور یہ کہ رسول اپنے وجود کی غرض وغایت سے لوگوں کو آگاہ کرے۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمومی رسالت کا مطلب ہی یہ ہے کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں کسی اور کے نہیں۔یہ اس پر بھی دلیل ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور رب نہیں ہے جیسا کہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السّلام نے فرمایا کہ اگر تیرے رب کا کوئی شریک ہوتا تو اس کی طرف سے بھی آپ کے پاس رسول آتے۔آیت کے آخر میں یہ بتایا گیا ہے کہ حقیقت کے برعکس زیادہ تر لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ اللہ کی نمائندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں منحصر ہے اور ربوبیت فقط اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔مشرکین اللہ کا شریک پیش نہیں کر سکتے جبکہ ہم نے گناہوں سے روکنے والا اور اچھائیوں کا حکم دینے والا اپنا نمائندہ بھیج دیا ہے اور اسے سارے انسانوں کے لیے نمائندہ بنا کر بھیجا ہے۔اگر کوئی اور خدا موجود ہوتا اور اس

نے اپنے لوگوں کے لیے کسی نمائندہ کو بھیجا ہوتا تو پھر ہم سب انسانوں کے لیے اپنا رسول نہ بھیجتے۔ یہ بات بڑی واضح ہے۔[1]

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: "اور وہ لوگ یہ بات کہتے ہیں تم جو وعدہ دے رہے ہو یہ کب متحقق ہوگا اگر تم سچے ہو تو بتاؤ۔"

قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّ لَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: "اے رسول ان سے کہہ دو تمہارے لیے جو وعدہ دیا گیا ہے اس کا وقت معین ہے اس وقت سے یہ نہ آگے ہوگا نہ پیچھے ہوگا۔"

مشرکین کا انداز گفتگو

مشرکین حضور پاک ﷺ کے استھزاء کی غرض سے آپ کو مخاطب کر کے پوچھتے تھے کہ یہ جو تم کہہ رہے ہو کہ قیامت کا دن آئے گا، دو گروہوں میں جدائی ڈال دی جائے گی، مومن و کافر الگ الگ ہو جائیں گے تو ہمیں یہ تو بتاؤ کہ ایسا کب ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کا جواب دیا ہے کہ اے میرے رسولؐ ان کو جواب دو کہ تمہارے لیے ایک حتمی وعدہ ہے، اس کا وقت معین ہے اور اس نے ہر صورت وقوع پذیر ہونا ہے اس میں بالکل تاخیر نہ ہوگی۔ البتہ یہ

---

[1]۔ کافۃ کا لفظ آیت میں استعمال ہوا ہے، کافۃ للناس۔ علامہ طباطبائی نے اس کا معنی لوگوں کو روکنے والا کیا گیا ہے اور بعض مفسرین (صاحب کشف) نے کافۃ کا معنی جمیعا کیا ہے کہ ہم نے تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ہم نے ترجمہ کرتے وقت دونوں کو ملا دیا ہے تاکہ مطلب اَخذ کرنے میں آسانی ہو۔

کب ہو گا تو اس کا تعلق ایسے امور سے ہے جن کا علم سوائے اللہ تعالی کے کسی اور کے پاس نہیں ہے۔ تمہیں اتنا معلوم ہونا چاہیے کہ اس نے ہر صورت وقوع پذیر ہونا ہے۔ جس لمحہ اللہ تعالی کا ارادہ اس کے واقعہ ہونے سے متعلق ہو گا وہ وقوع پذیر ہو گا پھر اس سے نہ ایک گھڑی آگے اور نہ ہی ایک گھڑی پیچھے ہو گا۔

پیغام:

ا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے برے کاموں سے روکنا ہے اور اچھے کاموں کا حکم دینا ہے۔

۲۔ قیامت نے ہر صورت قائم ہونا ہے۔

۳۔ قیامت کے وقت کا علم اللہ کے پاس ہے۔

۴۔ اللہ کے رسول کی رسالت سب انسانوں کے لیے ہے۔ یہ دلیل ہے کہ اللہ کی ربوبیت عام ہے جو سب کے لیے ہے۔ ہمیں رسولؐ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ لَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ا۟لْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْ لَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝۳۱

ترجمہ: ”جن لوگوں نے کفر اختیار کیا تو انہوں نے یوں اعلان کیا کہ ہم اس قرآن پر ہر گز ایمان نہیں لائیں گے اور قرآن سے پہلے جو آسمانی کتابیں ہیں ان پر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ جس وقت یہ ظالم لوگ اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہوں گے اور وہاں پر

کھڑے ہوں گے تو جب تم انہیں اس حالت میں دیکھو گے تو یہ بھی دیکھو گے کہ یہ کافر ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہیں، ہر ایک اپنے جرم کو دوسرے کی گردن پر ڈال رہا ہے۔ مستضعفین، مستکبرین سے (اس دن) کہیں گے اگر تم موجود نہ ہوتے تو ہم مومنین سے ہوتے۔''

کفر اختیار کرنے کے نتائج

اس آیت اور بعد والی دو آیات میں اس بات کو بیان کیا جارہا ہے کہ کفر کے پیشواؤں اور ان کے پیروکاروں کی گمراہی کا وبال بہت جلد ان پر آئے گا۔ زیادہ عرصہ نہ گزرے گا کہ یہ سب اپنے کئے پر پشیمان ہوں گے لیکن اس دن پشیمان ہونے کا انہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس آیت کے ابتداء میں کافروں کا قرآن اور آسمانی کتابوں کے بارے اعلان بیان ہوا ہے کہ وہ اسے قبول نہیں کریں گے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے اور قیامت کے دن کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن ان سارے کافروں کو اپنے رب کے سامنے کھڑا دیکھو گے کہ وہ کس طرح ایک دوسرے پر اپنے جرائم ڈال رہے ہیں، روز جزاء کو یہ کافر آپس میں جھگڑتے نظر آئیں گے اور دنیا میں کمزور طبقات جو ان کافروں کے پیروکار تھے وہ ستمگروں اور کفر کے پیشواؤں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم حتمی طور پر مومن ہوتے اور وہ کفر کے اماموں سے کہیں گے تم نے ہمیں کفر اختیار کرنے پر مجبور کیا اور ہمارے اور ایمان کے درمیان تم لوگ حائل ہو گئے۔

قَالَ الَّذِیۡنَ اسۡتَکۡبَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡۤا اَنَحۡنُ صَدَدۡنٰکُمۡ عَنِ الۡہُدٰی بَعۡدَ اِذۡ جَآءَکُمۡ بَلۡ کُنۡتُمۡ مُّجۡرِمِیۡنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ''جنہوں نے تکبر کیا، بڑے بن بیٹھے، انہوں نے ان سے کہا جن کو کمزور بنادیا گیا تھا تمہارے پاس جب ہدایت آگئی تھی تو کیا ہم نے تمہارے لیے ہدایت کے سامنے رکاوٹ کھڑی کر دی تھی؟ تم جھوٹ بولتے ہو بلکہ تم خود ہی مجرم تھے۔''

قیامت کے استکباری طاقتوں کا جواب

دنیا میں جو متکبر اور طاقتور تھے، جن کے خوف سے کمزور طبقے ایمان نہ لائے بلکہ طاقتوروں کا ساتھ دیا قیامت کے دن جب یہ محروم طبقے اور کمزور لوگ ان متکبر اور وڈیروں کو خطاب کریں گے کہ تم لوگ سبب بنے کہ ہم ایمان نہ لا سکے تو اس مقام پر متکبر وڈیرے جواب دیں گے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ جب ہدایت تمہارے پاس آگئی تھی تو تم ہدایت پر آجاتے، اس لیے تم خود مجرم ہو اور تمہارے جرم کے ذمہ دار ہم نہیں ہیں کیونکہ ہمارے پاس تمہیں مجبور کرنے کا کوئی اختیار نہیں تھا، تم نے کفر اپنایا تو اپنے ارادہ و اختیار سے ایسا کیا۔ لہذا تم خود ہی مجرم ہو اور تم نے خود چاہا کے اپنے اس جرم پر باقی رہو۔ نبوت کی دعوت اور ہدایت کو تم نے اپنے اختیار سے ٹھکرایا اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ
اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ نَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ
لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَ جَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْۤ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ
يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۳۳

ترجمہ: ''جو لوگ کمزور تھے (جنہیں کمزور بنا دیا گیا معاشرہ میں محروم طبقات سے تھے) وہ ان سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے (مستکبرین تھے، وڈیرے تھے بالادست تھے) بلکہ تمہارے شب و روز کی سازشوں اور مکاریوں کی وجہ سے ہم نے کفر اپنایا کیونکہ تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم خدا کا انکار کر دیں اور اللہ کا شریک قرار دیں۔ وہ اپنی پشیمانی کو عذاب دیکھ کر چھپائیں گے۔ ہم زنجیر و طوق کافروں کی گردنوں میں ڈالیں گے جو کچھ وہ انجام دیتے تھے اس کے سوا کچھ اور انہیں سزا دیں گے (جو انہوں نے کیا ہے اسی کی انہیں سزا دی جائے گی)''

قیامت کے دن مستضعفین اور مستکبرین کا مکالمہ

مستضعفین، مستکبروں اور وڈیروں سے کہیں گے کہ تم نے ہمیں گمراہ کیا، تمہاری وجہ سے ہم ایمان نہ لائے تمہاری شب و روز کی سازشیں تھیں کہ تم نے ہمیں اللہ کا شریک بنانے کا حکم دیا تھا، تم ہمیشہ ہمیں کہتے تھے کفر اختیار کرو، اللہ کا شریک بناو ہم نے تمہارا کہنا مانا اور کافر و مشرک ہو گئے۔

مستکبرین کا جواب

مستضعفین کے جواب میں مستکبرین کہیں گے کہ تم سب جھوٹ بول رہے ہو کیونکہ تمہارے اختیار میں تھا کہ ہدایت پر آجاؤ۔ ہم نے تمہیں نبوت کی دعوت کو رد کرنے کا نہیں کہا اور نہ ہی ہم نے تمہیں مجبور کیا۔ اللہ تعالی نے قیامت کے دن کافروں کی آپس کی لڑائی کو اپنے رسول کے لیے بیان کیا ہے اور پورا منظر نامہ بیان کیا ہے۔ اس قسم کے جھگڑے کا سبب یہ ہوگا کہ جب وہ دیکھیں گے کہ اب عذاب سے فرار ممکن نہیں وہ اپنی پشیمانی اور شرمندگی کو پنہاں کرنے کی

کوشش کریں گے اور بڑی ڈھٹائی سے آپس میں لڑنا شروع کر دیں گے۔ تباہ کاری، فساد، فتنہ اور کمینگی ان کے دل و جان میں سرائیت کر چکا ہو گا۔ جس طرح دنیا میں اپنی اس حالت کو چھپاتے تھے اسی طرح وہ آخرت میں کوشش کریں گے کہ اپنی اس حالت و کیفیت کو چھپائیں جبکہ ان کو معلوم ہے کہ ان کا جھوٹ کھل چکا ہے اور اب ان کے بس میں کچھ چھپانا ممکن نہیں ہے۔

کافروں پر عذاب کی کیفیت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے، ان پر جو عذاب آنا ہے اس کی کیفیت کو بیان کر دیا ہے کہ ہم زنجیریں اور طوق ان کی گردنوں میں ڈالیں گے تاکہ ان پر جو عذاب اُتارا ہے اس سے وہ باہر نہ نکل سکیں۔ یہ سزا ان کے برے اعمال کی ہے۔ زنجیر، طوق یہ سب دُنیا کے اعمال کا اثر ہے، دُنیا میں کفر اپنانا ہی آخرت میں زنجیر و طوق کی شکل میں ظاہر ہو گا، قیامت کا دن دُنیا میں اعمال کا اثر ہے جو انسان کو بھگتنا ہو گا۔

پیغام:

۱۔ کافر قرآن اور تمام آسمانی کتابوں کے منکر ہیں۔

۲۔ کافروں کو قیامت کے دن جب عذاب نظر آئے گا تو اپنے جرائم کو ایک دوسرے پر ڈالیں گے۔

۳۔ مستکبرین اور مستضعفین ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے اور ایک دوسرے پر الزام لگائیں گے۔

۴۔ کافروں کے لیے قیامت کے دن دردناک عذاب ہے۔

۵۔ دنیا میں جن جرائم کا ارتکاب کیا گیا ہے وہی جرائم عذاب کی صورت اختیار کر لیں گے۔ آخرت کا عذاب دنیاوی اعمال کا نتیجہ ہو گا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ''ہم نے تو کسی بھی آبادی میں ڈرانے والے کو نہیں بھیجا مگر اس بستی کی اشرافیہ نے یہ کہا کہ جس بات کو پہنچانے کے لیے تمہیں بھیجا گیا ہے ہم تو اس کے ہر صورت کافر اور انکاری ہیں۔''

وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ۙ وَّ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: ''اور انہوں نے یہ کہا کہ ہماری اولاد بھی زیادہ ہے اور ہمارے پاس اموال بھی بہت ہیں لہٰذا ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔''

اشرافیہ کی خصوصیات

جو لوگ عیش و عشرت میں پلے ہوں وہ خود سر ہو جاتے ہیں، ان میں تکبر آجاتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ جو ہم سوچتے ہیں وہی صحیح ہے۔ ان کی اس حالت کو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ ہم نے جب بھی اپنا رسول کسی بستی (آبادی) میں بھیجا تو اس بستی کے بڑے لوگ، خوشحال گھرانوں والے، شاہ خرچ اور متکبرین نے خود سری اختیار کرتے ہوئے ہمارے نمائندوں کو جھٹلایا اور بڑی ڈھٹائی سے کہتے تھے کہ ہم تمہاری باتوں پر ایمان نہیں لائیں گے اور تمہاری نمائندگی کو قبول نہیں کریں گے۔ کیونکہ ہمارے پاس مال بہت ہے ہماری اولاد بھی بہت ہے ہمیں کسی کی

ضرورت نہیں، سعادت اور خوشحالی کا تعلق اسی دنیا ہی سے تو ہے اس دنیا میں ہم خوشحال ہیں، بدبخت تو وہ ہے جس کے پاس مال ہے نہ اولاد ہے، آخرت میں بھی ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ ہم ہی وہاں پر آرام وآسائش میں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان کی یہ بات بے خبری کا نتیجہ ہے غفلت نے انہیں مستکبرین سے قرار دیا ہے۔ ایک اور جگہ کافروں کی بات اس طرح بیان کی گئی ہے:

وَ مَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّ لَئِنۡ رُّجِعۡتُ اِلٰی رَبِّیۡۤ اِنَّ لِیۡ عِنۡدَهٗ لَلۡحُسۡنٰی ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِمَا عَمِلُوۡا ۫ وَ لَنُذِیۡقَنَّهُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ غَلِیۡظٍ (سورہ فصلت، آیت ۵۰)

ترجمہ: ”میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت آنے والی ہے اور اگر میں اپنے رب کی طرف پلٹایا بھی گیا تو میرے لیے اللہ کے ہاں یقینا بھلائی ہے، (حالانکہ) کفار کو ان کے اعمال کے بارے میں ہم ضرور بتائیں گے وہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں اور انہیں بدترین عذاب چکھائیں گے۔ “

اشرافیہ کا ایسا انداز ہمیشہ سے رہا ہے کہ وہ حق کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم جس راہ پر ہیں یہی صحیح ہے ان کے خیال میں فقط دنیا ہی ہے اور دنیا کے بعد آخرت نہیں ہے اور آخرت ہو بھی تو وہاں پر ہم ہی خوشحال ہوں گے۔

قُلۡ اِنَّ رَبِّیۡ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ”اے رسول! ان سے یہ بات کہہ دو کہ میرا رب ہی تو ہے جو جس کے لیے چاہتا ہے روزی میں وسعت دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے روزی کو تنگ کر دیتا ہے، زیادہ تر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔“

روزی کا مسئلہ

رزق میں وسعت یا تنگی اللہ کی جانب سے ہے۔ رزق کے اسباب کا خالق اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت رزق بڑھاتا یا کم کرتا ہے۔ کسی کے پاس مال زیادہ ہو یا اولاد کی کثرت ہو تو اس میں ان کا اپنا کمال نہیں ہے دنیا میں روزی کے اسباب اللہ کی جانب سے عطا کردہ ہیں لیکن بہت سارے لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے اور وہ روزی کی نسبت ظاہری وسائل اور موجودہ امکانات کو قرار دیتے ہیں۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ ان وسائل کے خالق وہ خود نہیں بلکہ ان کا خالق اللہ ہے، انسان کا خالق اللہ ہے، انسان میں جو صلاحیتیں ہیں وہ بھی اللہ نے دی ہیں آسمان وزمین اللہ نے بنائے اور آسمانوں اور زمین میں انسان کی زندگی کے امکانات اور وسائل بھی اللہ تعالیٰ نے ہی بنائے ہیں۔

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: ”تمہارے اموال اور اولاد اس قابل نہیں کہ وہ تمہیں ہمارے قریب کر دو (قرب ان کے لیے ہے) جو ایمان لائے اور عمل صالح کیا ایسے افراد کے لیے دو برابر اجر ہے بوجہ اس کے جو انہوں نے عمل کیا ہے اور یہی افراد بہشتی کمروں میں امن اور سکون میں ہوں گے۔“

تقرب الٰہی کا ذریعہ

اس آیت میں اشرافیہ کی بات کا دوسرا جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تقرب مال واولاد سے نہیں بلکہ الٰہی قرب کا وسیلہ ایمان اور عمل صالح ہے۔ جو عمل صالح کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے آخرت میں امن وسکون قرار دیتا ہے، بہشتی نعمتیں انہی کے لیے ہیں اور عذاب سے بھی امان میں رہیں گے۔ مال ودولت، اولاد اور رشتہ داریاں عذاب سے بچنے کا وسیلہ نہیں ہیں۔ لہٰذا اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تو تمہارے لیے فائدہ ہو گا۔ اموال کو اس طرح خرچ کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اپنی اولاد کی اچھی تربیت کرو اور انہیں دین دار بناؤ۔ ایسے لوگوں کے لیے دو برابر ثواب ہے کہ خود بھی نیک بنے اور دوسروں کو بھی نیکی کی تربیت دی۔ ایسے لوگوں کے لیے اخروی نعمات ہیں، بہشتی کمرے ان کے لیے ہیں، بہشت کی آسائشیں انہی کے واسطے ہیں اور ایسے افراد کا مقام بہت بلند ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ”جو لوگ ہماری آیات میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے مسابقت کرتے ہیں (اور تیزی دکھاتے ہیں) وہ چاہتے ہیں کہ ہمیں (ہمارے فیصلہ جات میں) عاجز قرار دیں (ایسے سب لوگ) عذاب میں موجود ہوں گے۔“

اللہ کی آیات کی مخالفت کرنے والوں کا انجام

تیسرے مرحلہ میں اللہ نے کافروں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: کہ جو لوگ ہماری آیات کی مخالفت میں مصروف رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے بڑھ کر ہماری نشانیوں کو مٹانا چاہتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اس میں کامیاب ہوں گے اور ہم ان کے مقابلہ سے عاجز ہیں؛ تو اللہ فرماتا ہے: ان کے پاس جس قدر مال ودولت موجود ہو، جتنی اولاد بھی ہو ان کا انجام عذاب ہی ہے

کیونکہ مال اور اولاد خود بخود کسی کو ہمارے عذاب سے نہیں بچا سکتے۔ وہ مال فائدہ دے گا جسے ہماری ہدایات کے مطابق خرچ کیا جائے اور وہ اولاد فائدہ دے گی جس کی صحیح تربیت کی گئی ہو اور انہیں ہمارے احکام کی پیروی پر لگایا گیا ہو۔

پیغام:

۱۔ اشرافیہ ہمیشہ ایک جیسا سوچتے ہیں، حق کے انکاری ہوتے ہیں، تکبر ان کا خاصا ہے اور خود کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔

۲۔ مال و اولاد کی کثرت اللہ کے قرب کا وسیلہ نہیں ہے۔

۳۔ اللہ کے قرب کا ذریعہ فقط ایمان اور عمل صالح ہے۔

۴۔ اللہ کے احکام کے مطابق مال خرچ کریں اور اولاد کی اچھی تربیت کریں۔ ایسا کرنے پر دو برابر اجر ملے گا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کسی کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

۶۔ جو اللہ کی آیات کے خلاف کام کرتے ہیں وہ ناکام ہوتے ہیں۔

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ یَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَ هُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ''اے رسول! ان سے یہ بات کہہ دو کہ بلاشک یہ میرا رب ہی ہے جو جس کے لیے چاہتا ہے اس کے واسطہ روزی میں وسعت دے دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے روزی کو کم کر دیتا ہے اور تم جو کچھ بھی مال سے خرچ کرو گے تو اللہ اس کا عوض دے گا اور اللہ ہی بہترین روزی دینے والا ہے۔''

روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے

اس جگہ مزید تاکید کی گئی ہے کہ روزی دینا اللہ کا کام ہے، اللہ ہی ہے جو رزق کو وسیع کرتا ہے یا کم کرتا ہے۔ اگر وہ روزی بڑھادے تو اس کے خزانہ میں کمی واقع نہ ہوگی اور جو کچھ تم خرچ کروگے کم خرچ کرو یا زیادہ، اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطاء کرتا ہے۔ جو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اللہ اس کا معاوضہ دنیا و آخرت میں عطاء کرتا ہے۔ اللہ بہترین روزی دینے والا ہے، اللہ تعالیٰ جود و سخا کی بنیاد پر روزی دیتا ہے، اللہ بلا عوض روزی دیتا ہے جبکہ دوسرے جب کسی کو قرض دیتے ہیں یا کچھ عطا کرتے ہیں تو وہ اس کا بدلہ چاہتے ہیں اور احسان جتاتے ہیں۔ اللہ ہی رازق حقیقی ہے، دوسرے جتنے بھی جو کچھ بھی دیں تو وہ حقیقی مالک نہیں بلکہ اللہ کے دیئے ہوئے مال سے ہی دیتے ہیں وہ محض واسطہ ہوتے ہیں۔

پیغام:

ا۔ رزق اللہ کا دیا ہوا ہے اسے اللہ ہی کی راہ میں خرچ کیا جائے۔

۲۔ جب اللہ کے دیئے ہوئے مال سے کسی کو کچھ دیا تو پھر احسان مت جتاؤ بلکہ اللہ کا شکر بجالاؤ کہ اس کے دیئے ہوئے مال سے تم نے اللہ کے بندوں پر خرچ کیا ہے۔

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ''اور وہ دن جس میں اللہ تعالیٰ ان سب کو محشور فرمائے گا پھر فرشتوں سے کہے گا: کیا یہ لوگ تمہاری پرستش کرتے تھے۔''

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: ''فرشتے (اللہ سے جواب میں) یہ کہیں گے (اے اللہ) تیری ذات ہر نقص و عیب سے منزہ و پاک ہے، توں ہی ہمارا اکیلا ولی ہے بلکہ یہ تو جنات کی پرستش کرتے تھے اور ان میں اکثریت کا ان پر ایمان تھا۔''

قیامت کے دن فرشتوں سے سوال

قیامت کے دن سارے بت پرست اور غیر اللہ کی عبادت کرنے والے محشور ہوں گے اس اجتماع میں اللہ تعالیٰ فرشتوں سے ایک سوال کرے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری پرستش کرتے ہیں ؟ اس طرح کے سوال سے یہ معلوم کرنا ہے کہ فرشتے بتائیں کہ کیا فرشتے ان کے اس عمل سے خوش تھے؟ یہ لوگ تمہیں اپنا شفیع اور سفارشی قرار دیتے تھے تو کیا تم اس پر راضی تھے؟ اللہ تعالیٰ کے اس سوال کے جواب میں فرشتے اس بات کا اظہار کریں گے کہ اے اللہ تو اس سب سے منزہ ہے کہ تیرے غیر کی عبادت و پرستش کی جائے اور تیرے سوا کوئی بھی لائق پرستش نہیں، تیرا کوئی شریک نہیں، ہمارا سرپرست، یاور اور ولی تنہا تو ہی ہے اور تیرے سوا ہمارا کوئی سرپرست نہیں۔ گویا اس بیان سے وہ اعلان کریں گے کہ مشرکوں اور ان کے اعمال پر وہ راضی نہیں تھے بلکہ یہ لوگ اپنے عقیدہ کے مطابق جنات کے شر کو خود سے دُور کرنے کے لیے ان کی پرستش

کرتے تھے اور جنات ان کی عبادت سے راضی بھی تھے۔یہ گفتگو تمام مشرکین سُن رہے ہوں گے اور ان کے پاس اس کا جواب نہیں ہو گا۔

فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ؕ وَ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: ''آج کے دن تم میں سے کوئی ایک دوسرے کو فائدہ اور نقصان دینے کا اختیار نہیں رکھتا اور جنہوں نے (اللہ کی نافرمانی کی ہے) ظلم کیا ہے ان سے کہا جائے گا تم اس آگ کا مزہ چکھو جس کا تم انکار کرتے تھے۔ (جس عذاب کو تم جھٹلاتے تھے)''

قیامت کے دن تمام دنیاوی اسباب کا خاتمہ

قیامت کے دن تمام اسباب ساقط ہو جائیں گے، فرشتے اور تمام معبود مشرکین سے بیزاری کا اعلان کریں گے بطور کلی پیروی کرنے والوں سے ان کے آقا بیزاری کا اعلان کریں گے اور آقاؤں سے ان کے پیروکار بیزاری کا اعلان کریں گے۔[1] ایسے لوگوں کو کہا جائے گا کہ دُنیا میں تم جس عذاب کا انکار کرتے تھے اور یہ اعلان کرتے پھرتے تھے کہ قیامت میں بھی ہم خوشحال ہوں گے تو اب اس عذاب کا مزہ چکھو۔اس دن مشرکین وہ سب کچھ اپنے سامنے موجود پائیں گے جس کا وہ دنیا میں انکار کرتے تھے۔

پیغام:

[1]۔اس مطلب کو سورہ عنکبوت کی آیت 25 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ فرشتے اللہ کے فرمان کی پیروی کرتے ہیں وہ کسی کے سفارشی نہیں۔

۲۔ دُنیا میں جنہوں نے اللہ کے عذاب کا انکار کیا، قیامت کے دن وہ عذاب اپنے سامنے پائیں گے۔

۳۔ قیامت کے دن کافر اور مشرکین ایک دوسرے سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ قیامت کے دن تمام دنیاوی اسباب و وسائل ختم ہو جائیں گے۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ؕ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: ''جس وقت ہماری روشن آیات ان پر تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ آدمی (جو ان آیات کی تلاوت کر رہا ہے) اس کے سواء اور کچھ نہیں چاہتا کہ وہ تمہیں ان کی پرستش سے روکنا چاہتا ہے جن کی تمہارے آباء پرستش کرتے تھے اور یہ آیات سوائے افتراء پردازی اور جھوٹ کے کچھ نہیں ہے اور جنہوں نے کفر اختیار کیا جب ان کے پاس حق آجاتا ہے تو وہ کہہ اٹھتے ہیں یہ تو سوائے کھلے جادو کے اور کچھ نہیں ہے۔''

وَ مَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَ مَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ؕ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے ان کے ساتھ کوئی ایسی کتاب نہیں بھیجی جسے انہیں درسی طور پر پڑھا سکو اور وہ جادو کی تشخیص دے سکیں۔ ہم نے آپ سے پہلے کسی کو ان کی جانب ڈرانے والا (اپنا نمائندہ بنا کر) نہیں بھیجا۔''

مشرکوں کی ہٹ دھرمی اور غلط بیانی

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم اپنی ایسی واضح نشانیاں ان لوگوں کے پاس بھیجتے ہیں، جن میں کسی طرح کا شک نہیں ہوتا۔ مشرکین بجائے اس کے کہ آیات کو سن کر ایمان لے آئیں ایک دوسرے کو ہماری آیات کے خلاف اُکساتے ہیں اور ان کی تردید کرتے ہیں اور اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید کرتے نظر آتے ہیں اور ہمارے نمائندے کے بارے کہتے ہیں: یہ شخص جو تمہارے سامنے آیات کی تلاوت کر رہا ہے اور ایک رب کی اطاعت کی دعوت دے رہا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہیں تمہارے آباء واجداد کے طریقہ سے منحرف کردے، جن معبودوں کی پوجا پاٹ ہمارے آباء واجداد کرتے تھے ان سے ہمیں روکنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ لہٰذا اس کی بات کو قبول نہ کرو۔ پھر عوام کو دھوکہ دینے کے لیے کہتے ہیں کہ یہ شخص تو اللہ پر جھوٹ باندھ رہا ہے اس کی بات مت مانو۔ کافروں کا کفر سبب بنا کہ وہ ہماری روشن آیات کا انکار کردیں اور یہ کہیں کہ یہ جو آیات ہیں یہ تو کھلا جادو ہیں۔

ان کے بیان کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ ہم نے ان کے پاس اس سے پہلے کوئی کتاب روانہ نہیں کی کہ جسے انہوں نے پڑھا ہو اور اس کی بنیاد پر حق اور باطل کی تشخیص دے سکیں۔ ہم نے تو ان کے پاس کوئی نمائندہ بھی نہیں بھیجا جو انہیں کچھ سمجھائے۔ ان کے پاس کوئی ثبوت موجود نہیں کہ جس کی بنیاد پر وہ قرآن کو باطل اور جادو قرار دیں۔ ان کا دعویٰ غلط اور بے بنیاد ہے اور یہ ان کی ہٹ دھرمی ہے۔

پیغام:

۱۔اللہ کی طرف سے ہدایت کے لیے تمام بیانات واضح اور روشن ہوتے ہیں۔

۲۔ حق اور باطل کی تشخیص کا معیار اللہ تعالیٰ نے ہی قرار دینا ہے۔

۳۔ معجزات الٰہیٰ نمائندے کی حقانیت کو بیان کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔

۴۔قرآن برحق ہے اور اس کا انکار بغیر دلیل کے ہے۔

۵۔کافروں کی بات بے منطق ہے اور کسی مضبوط دلیل پر قائم نہیں۔

۶۔انسان کو واضح ثبوت پر کوئی بات کہنا چاہیے۔

وَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَ مَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ’’جولوگ ان (کافروں) سے پہلے موجود تھے تو ان کے پاس جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس کا دسواں حصہ بھی ان کے پاس نہیں ہے۔ انہوں نے بھی ہمارے رسولوں کا انکار کیا تھا، تو (ذرا غور کرو) ان کے اوپر ہمارا عذاب کیسا آیا؟‘‘

قریش سے قبل اقوام

قریش سے پہلے جو اقوام تھیں جنہوں نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا تھا ان کی کیفیت ان کی تعداد، ان کی ظاہری جاہ و حشم، مال و دولت ان قریشیوں سے زیادہ تھی، ہم نے ان کا کس طرح مؤاخذہ کیا؟ انہیں پکڑا اور ان پر عذاب اُتارا۔ لہٰذا قریش کی تو ان کے مقابل کچھ حیثیت ہی نہیں ہے۔ اس آیت میں کافروں کو سابقہ اقوام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کئے گئے عذاب کا تذکرہ کر کے خبردار کیا جا رہا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: ''اے رسول! ان سے یہ بات کہہ دو میں تمہیں ایک نصیحت و پند کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لیے قیام کرو، دو دو یا ایک ایک، پھر سوچو کہ جو پیغمبر سالہا سال تمہارے درمیان میں موجود رہا کیا اس میں جنون ہے؟ وہ تو سوائے ڈرانے والے کے اور کچھ نہیں وہ تمہیں اس عذاب سے ڈرا رہا ہے جو تمہارے آگے موجود ہے۔''

لوگوں کے لیے وعظ و نصیحت

اس آیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ لوگوں کے لیے ایک بات کی وصیت کرو اور یہ وعظ کرو کہ وہ اللہ کے لیے کام کریں، اللہ کی حرمت کا پاس رکھیں، اس کے لیے دو دو مل کر قیام کریں یا اکیلے اکیلے کریں۔ یعنی ان کا یہ عمل بغیر شور شرابا، اعلان، بغیر کسی غوغاء کے انجام پائے کیونکہ شور شرابا اکثر اوقات حق کو پامال کرنے کا سبب بن جاتا ہے اور باطل سامنے آجاتا ہے۔ یہ بڑی اہم بات کہی گئی ہے جو ہزاروں باتوں میں ایک ہے اور اس کی تاکید بھی کی گئی ہے کہ تمہارا قیام اور تمہارا عمل اللہ کے لیے ہو اور بس!

پھر رسول کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو ذرا جھنجھوڑیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چالیس سال تک ان لوگوں کے درمیان موجود تھے آپ کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کاروبار کرنا، اجتماعی معاملات،

انفرادی معاملات سب کے سامنے تھے۔ تو ذرا بتاؤ کہ ایسے شخص کی طرف جنون اور دیوانگی کی نسبت دینا صحیح ہے؟ کیا اس بات کو تمہاری عقل تسلیم کرتی ہے؟ اس طرح ان کو یاد دلایا گیا کہ یہ شخص تو تمہارے درمیان سب سے زیادہ سچا، صاحب رائے، آزاد منش، باوقار، معاملہ فہم، امین، مدبر اور مدبر معروف تھا، سب کے نزدیک محترم تھا اور کیا کسی نے ان سے ذرا برابر غلطی کا مشاہدہ کیا؟ جب ایسا ہے تو پھر اب اس کے بارے یہ کیوں کہا جا رہا ہے کہ وہ دیوانہ اور مجنون ہے؟ جب یہ لوگ اپنے اندر جھانکیں گے تو سب یہ کہہ اٹھیں گے کہ بھائی یہ تو ایسی شخصیت ہیں جو ہمیں آنے والے عذاب سے ڈرا رہا ہے۔ اس میں اس کا اپنا کچھ فائدہ نہیں، وہ تو ہمارا خیر خواہ ہے، اس میں کوئی خیانت نہیں اور یہ جنون کی بات بھی نہیں۔ یہ وعظ اور نصیحت ہمیشہ کی ضرورت ہے۔ انسان شور شرابا اور جنجال برپا کرنے کی بجائے ذرا سوچے اور اپنی عقل استعمال کر کے حق کو باطل سے جدا کرے اور حق کا ساتھ دے۔

پیغام:

۱۔ اللہ کے لیے قیام کیا جائے اور ہر حال میں اللہ کی حرمت کا پاس رکھا جائے۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عوام کے خیر خواہ ہیں۔

۳۔ انسان اپنی عقل سے حق کو باطل سے جدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

۴۔ انسان کو اپنی خیر اور بھلائی کا سوچنا چاہیے، جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہ کرے۔

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: ''اے رسول ان سے کہہ دو میں نے تو تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کی، بالفرض اگر کچھ مانگو بھی تو وہ خود آپ کے اپنے لیے ہے کیونکہ میرے کام کا معاوضہ تو سوائے اللہ کے کسی اور سے نہیں ہے اللہ ہے جو ہر چیز پر ناظر ہے۔''

اجر رسالت

اس کلام میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دستور دیا ہے کہ اے رسول ان مشرکین سے کہہ دو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغام پہنچانے کی اجرت کسی سے نہیں لیتے اور نہ ہی انہیں کسی سے اس قسم کی توقع ہے۔ بالفرض اس سے پہلے اگر کسی سے اس حوالے سے کچھ مانگا ہو تو وہ ان کے اپنے لیے ہے وہ اسے واپس پلٹا دیتے (جبکہ ایسا ہے نہیں، یہ انتہاء درجہ کو بیان کیا گیا ہے۔ اجرت لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ایسا خیال کرنا ہی غلط ہے اگر کچھ آپ کے خیال میں ہے تو وہ بھی آپ کے لیے رہے، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے) یہ اس لیے ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجرت کے حوالے سے مقروض و مدیون نہ ہوں۔ اس توہم اور باطل خیال کو ختم کرنے کے لیے بیان کرتے ہیں: کہ ایسا کام غیر عاقلانہ ہے اور بغیر کسی مقصد کے ہے، کیونکہ میری اجرت تو بس میرے رب تعالیٰ پر ہے وہی میرے کام پر ناظر اور شاہد ہے۔ میں اسی کا نمائندہ ہوں اسی کا پیغام پہنچانے والا ہوں، مجھے کسی اور سے کچھ نہیں لینا۔

پیغام:

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغام رسانی کی اجرت عوام سے نہیں لیتے۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کام کی اجرت بس اللہ پر ہے کہ وہ اللہ کے نمائندہ ہیں اور بس!

قُلۡ اِنَّ رَبِّیۡ یَقۡذِفُ بِالۡحَقِّ ۚ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: ''اے رسول! ان سے کہہ دو کہ میرا رب حق کو اُتارتا ہے اور وہ تمام غیبی امور کو بہت زیادہ جاننے والا ہے۔''

حق سے مراد

حق قرآن ہے۔ قذف کا لفظ استعمال ہوا ہے کہ جس کا معنی پھینکنا ہے۔ جیسے اوپر سے کوئی چیز نیچے صحیح نشانے پر پھینکی جاتی ہے۔ ایسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا ہے۔ قرآن حق ہے اور حق اور باطل کے درمیان جدائی ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیوب ہے اور وہ باطل کو نابود کر دے گا۔

قُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَمَا یُبۡدِئُ الۡبَاطِلُ وَمَا یُعِیۡدُ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: ''اے رسول کہہ دو حق آگیا ہے لہٰذا باطل کوئی نئی چیز کو نہیں لا سکتا کہ وہ پہلے والی رونق کو بحال کر سکے۔''

باطل کا خاتمہ

''حق آگیا'' اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرما دیا۔ قرآن حق ہے اور قرآن کے آنے سے باطل کا خاتمہ ہو گیا اور اس کا اصلی چہرہ سامنے آگیا ہے۔ اب باطل دوبارہ خود کو بنا سنوار کر نہیں لا سکتا اور نہ ہی اس کی سابقہ رونقیں بحال ہو سکتی ہیں۔ جو چیز پہلے باطل قرار دی جا چکی ہے اب باطل کوئی نئی شکل بنا کر سامنے نہیں آسکتا۔ قرآن نے اس طرح باطل کا صفایا کیا کہ وہ بے اثر ہو کر رہ گیا۔

قُلۡ اِنۡ ضَلَلۡتُ فَاِنَّمَاۤ اَضِلُّ عَلٰی نَفۡسِیۡ ۚ وَ اِنِ اهۡتَدَیۡتُ فَبِمَا یُوۡحِیۡۤ اِلَیَّ رَبِّیۡ ؕ اِنَّہٗ سَمِیۡعٌ قَرِیۡبٌ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: ''اے رسول ان سے کہہ دو بالفرض اگر میں گمراہ ہوں تو اس کا نقصان خود میرے لیے ہے اور اگر میں نے راہ کو پالیا ہے ہدایت پر ہوں تو یہ راستہ میں نے اس وحی کے وسیلہ سے پایا ہے جو میرے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے کہ میرا رب جو ہے وہ تو سننے والا ہے، اور ہر ایک کے نزدیک ہے۔''

ہدایت اللہ کی جانب سے ہے

اس آیت میں پیغمبر اکرم ﷺ سے یہ بات کہی گئی ہے کہ وہ کافروں سے اس طرح مخاطب ہوں کہ اے کافرو! تم میرے بارے الٹی سیدھی باتیں کرتے پھرتے ہو۔ فرض کرلو کہ میں صحیح راستے پر نہیں ہوں، گمراہ ہوں تو اس کا نقصان خود مجھے ہوگا اس کا تمہارے ساتھ تو تعلق نہیں ہے اور اگر میں صحیح راستے پر ہوں (اور حق یہی ہے) تو میرے لیے ہدایت تو میرے رب نے دی ہے۔ اسی نے ہی تو میرے لیے صحیح راستہ کی وحی فرمائی ہے۔ جو وحی مجھے ہوئی ہے وہ برحق ہے۔ اس میں باطل نہیں ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر انسان کے لیے گمراہی کا اندیشہ موجود ہے۔ انسان کے لیے عصمت و حفاظت الٰہی موجود نہ ہو تو ان کے لیے یہ خطرہ موجود ہے کہ وہ گمراہ ہو جائیں۔ انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے عصمت کے حصار میں رکھا ہوا ہے لہٰذا جس حق کی مجھے وصیت ہوئی ہے جو میرے اوپر وحی کیا گیا ہے اس میں گمراہی نہیں ہے، ضلالت و گمراہی کا احتمال ہی نہیں ہے کیونکہ وحی برحق ہے۔ یہ وحی اللہ کی طرف سے ہے جو دُعا کو سنتا ہے اس کے اور

مخلوق کے درمیان کوئی واسطہ موجود نہیں ہے وہ قریب ہے، بندوں کی درخواست اللہ تک جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

پیغام: ا۔ قرآن حق سے عبارت ہے اس میں باطل نہیں ہے۔

۲۔ انبیاء عصمت مآب ہیں اور وہ سب اللہ کی حفاظت میں ہیں۔

۳۔ جو اللہ نازل فرماتا ہے وہ حق ہے اس میں باطل موجود نہیں۔

وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَ اُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍۙ﴿۵۱﴾

ترجمہ: ''اگر تم دیکھو گے کہ کافر خوفزدہ ہیں اور گھبراہٹ ان پر طاری ہے اس وقت ان کے لیے کوئی فرار کا راستہ موجود نہیں ہے اور اللہ سے کچھ بھی چوکتا نہیں بلکہ وہ تو قریبی جگہ سے پکڑے جائیں گے۔''

کافروں کی موت کا منظر

مشرکوں کا موت کے وقت گھبرانا، ان پر خوف کا طاری ہونا بیان کیا گیا ہے۔ وہ موت سے فرار نہیں کر سکیں گے اور اللہ تعالیٰ سے خود فرار نہیں ہو سکتے نہ ہی بھاگ سکتے ہیں اور ان کے لیے کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہے کیونکہ کچھ بھی ان کے اختیار میں نہیں کہ وہ اپنے اور اللہ کے درمیان کسی قسم کی رکاوٹ کھڑی کر سکیں بلکہ ان کے درمیان اور جس نے انہیں آلینا ہے، اس کے درمیان کچھ فاصلہ نہیں ہے یعنی موت کا راستہ ان کی جان لے لے گا اور یہ کافر کچھ بھی نہیں کر سکیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان اللہ یحول بین المرء و قلبہ (سورہ انفال، آیت 24)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ اس کے درمیان اور اس کی جان کے درمیان حائل ہو جائے گا۔''

وَّ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَ اَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ۚۖ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: ''(اس حالت میں) وہ کہہ اٹھیں گے کہ ہم (قرآن پر) ایمان لے آئے ہیں لیکن اب ان کے لیے یہ کہاں سے ہو سکتا دور جگہ سے وہ جھگڑ کر بھی اعلان سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔''

وَّ قَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَ يَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾

ترجمہ: ''جبکہ (اس اعلان سے پہلے تو) اُنہوں نے قرآن کا انکار کر دیا اور دُور رہتے ہوئے (دور جگہ پر بیٹھ کر) غیب کی خبر کو غلط قرار دیتے تھے۔''

آخرت جزاء وسزا کا مقام ہے

عالم آخرت جزاء ملنے کی جگہ ہے، وہ مقام عمل نہیں ہے۔ کافر یہ خواہش رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد قرآن پر ایمان لے آئیں اور اس کا انہیں فائدہ ملے اور عذاب سے نجات پالیں مگر اس جگہ تو اختیاری عمل کا امکان ہی نہیں، اس جگہ تو غیب حضور میں تبدیل ہو جائے گا اور جو ان کے پاس حاضر و موجود تھا وہ ان سے غائب ہو جائے گا۔ ان کے لیے دُنیا کے امور حاضر و موجود تھے اور قیامت ان کے لیے غائب تھی۔ غیبی امور کا وہ انکار کرتے تھے، موت کے بعد دُنیا ان کے اختیار میں نہیں ہو گی، دُنیا ان سے غائب ہو چکی ہو گی جس غیب کا وہ انکار کرتے تھے وہ غیب ان کے سامنے حاضر و موجود ہو گا۔ موت کا منظر دیکھ کر وہ اس قسم کا اعلان کریں گے جب کہ اس سے پہلے وہ قرآن کا انکار کرتے تھے اور اللہ کی وحی پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ تھے۔ آخرت ان کے حواس سے غائب تھی کیونکہ دُنیاوی حواس کے مشاہدات میں آخرت نہیں آسکتی تھی، ان کے حواس سے آخرت بہت دُور تھی۔ اس لیے وہ آخرت کو توہمات میں سے قرار دیتے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے

رسول ﷺ کے لیے معجزات و نشانیاں دے کر ان کے لیے ایسے حالات بنا دیئے تھے کہ وہ آخرت جو کہ غائب امور میں سے تھی اس پر ایمان لے آئیں، لیکن وہ ایمان نہ لائے۔ اب موت کے بعد جتنا وہ جھگڑ لیں، شور مچا لیں وہ اس حالت کو نہیں پا سکتے اور ان کا ایمان لانا بے سود ہے کیونکہ اب ان کے پاس اختیار نہیں رہا اب تو یہاں وہ دنیا میں جو کچھ اختیار کر چکے ہیں اسی کا اثر و نتیجہ ہو گا جو انہیں بھگتنا ہو گا۔

وَ حِيْلَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِىْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: ''ان کے اور ان کی خواہشات کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی جیسا کہ ان جیسوں کے لیے اس سے پہلے ایسا ہی ہوا تھا۔ (اس کی وجہ یہ بنی تھی) کہ وہ سخت قسم کے شک میں مبتلاء تھے۔''

مشرکین کا عذاب الٰہی میں مبتلا ہونا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس حالت کو بیان کیا ہے۔ جب وہ الٰہی عذاب میں مبتلاء ہوں گے، دُنیا میں جن لذات میں وہ زندگی گزار رہے تھے موت ان سب کے سامنے رکاوٹ بن جائے گی اور ان کے ساتھ بھی ویسا ہی ہو گا جیسا ان سے پہلے والوں کے ساتھ کیا گیا۔ گذشتہ اقوام جس طرح شک کرتے تھے اور غیب کے بارے ایمان نہیں لاتے تھے، حق کو تسلیم

کرنے سے گریزاں تھے پھر ان پر جو عذاب اُتارا گیا اس طرح ان مشرکین پر بھی وہی عذاب آئے گا کیونکہ ان سب کی باتیں بغیر دلیل کے ہیں۔[1]

پیغام:

ا۔ موت کے آتے ہی عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور انسان اپنے اختیار کا مالک نہیں رہتا۔

۲۔ موت سے پہلے حق کو تسلیم کر لینے کا فائدہ ہے۔ موت کو سامنے دیکھ کر حق کی حمایت کرنے کا کچھ بھی فائدہ نہیں ہو گا۔

۳۔ حق کا انکار کرنے کی وجہ سے مشرکین مکہ کے ساتھ بھی وہ کچھ ہوا جو ان سے پہلے کی اقوام کے ساتھ ہوا۔

۴۔ موت کی حالت دیکھ کر کافروں اور مشرکوں پر خوف اور گھبراہٹ کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔

۵۔ موت کے بعد جو غائب تھا وہ حاضر و موجود ہو گا اور جو مشاہدے میں تھا یعنی حاضر و موجود تھا وہ غائب ہو جائے گا۔

---

[1]۔ شیعہ اور اہل سنت کے حدیثی منابع میں اس آیت کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے کہ اس کے مضمون کا مصداق سفیانی کا لشکر ہے جب وہ مدینہ اور مکہ کے درمیان وادی بیداء میں زمین میں دھنس جائیں گے۔ یہ آیت امام مہدی (عج) کے ظہور کی علامات کو بیان کر رہی ہیں۔ (تفسیر قمی، جلد 2، تفسیر الدر المنثور، جلد 5)

سورۃ فاطر

(مکی۔ کل آیات: 45)

سورہ کے مطالب

توحید، رسالت اور معاد کا بیان ہے اور یہ کہ فرشتگان اللہ کی رحمت پہنچانے میں واسطہ ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ جَاعِلِ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا اُولِیۡۤ اَجۡنِحَۃٍ مَّثۡنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ؕ یَزِیۡدُ فِی الۡخَلۡقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ①

ترجمہ: ''تعریف اللہ کے لیے مخصوص ہے، اللہ تعالیٰ جس نے آسمانوں اور زمین کو عدم و نیستی سے خلق فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پروں والے فرشتوں کو اپنا نمائندہ قرار دیا ہے جو دو پر والے، تین پر والے اور چار پر والے ہیں (اللہ جیسا چاہے اور جب چاہے) مخلوقات میں اضافہ کرتا ہے بلاشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

آسمانوں اور زمین کی خلقت

سورہ کی ابتداء میں آسمانوں اور زمین کی خلقت کو بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت میں لفظ ''فاطر'' پھاڑنے کے معنی میں ہے، اور آیت میں اس سے مراد چھپی ہوئی زمین کو باہر نکالنا ہے۔ اسی مناسبت سے اس لفظ کو ایجاد کرنے اور خلق کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے عدم کے شکم سے آسمانوں اور زمین کو باہر نکالا ہے اور ان کی ابتدائی خلقت فرمائی ہے اس سے پہلے اس کا نمونہ موجود نہ تھا اور ''فاطر'' کی صفت اللہ نے اپنے لیے استعمال کی ہے جس کا معنی استمرار اور جاری رکھنا ہے یعنی اللہ کی جانب سے خلقت کا عمل مسلسل جاری ہے۔ اللہ کا فیض دائمی ہے اس میں انقطاع نہیں ہے۔ اگر ایک لحظہ کے لیے فیض الٰہی منقطع ہو جائے تو ہر شئی معدوم ہو جائے۔

فرشتوں کی خلقت

آسمانوں اور زمین کی خلقت کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی خلقت کو بیان فرمایا ہے۔
فرشتے اللہ کی ایسی مخلوق ہیں جو اللہ تعالیٰ اور عالم مشاہدات کے درمیان واسطہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عالم تکوین (کائنات) اور عالم تشریع (قانون سازی و قانون گذاری کا جہاں) میں انہیں واسطہ قرار دیا ہے، یہ دونوں عوالم پر موکل ہیں، ان کا قول و عمل الٰہی امر کے مطابق ہے۔

فرشتوں کا پروں والا ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لیے پَر کی صفت قرار دی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے ایسی کیفیت و حالت عطا کی ہے کہ جس کی بنیاد پر وہ آسانی سے آسمان سے زمین اور زمین سے آسمان کی طرف جا سکتے ہیں جیسے پرندے ہوتے ہیں۔ فرشتوں کے اس کائنات میں ہر جگہ آسانی سے اللہ کے اوامر کے تحت آنے جانے کی کیفیت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ پروں والے ہیں اور ان کے لیے ہر جگہ پہنچنا آسان ہے۔ ساتھ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بعض کے دو پر ہیں، بعض کے تین اور بعض کے چار اور بعض کے تو چار سے بھی زیادہ پر ہیں۔ یہ فرشتوں کی طاقت اور ان کی وسعت کی طرف اشارہ ہے نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تمام فرشتوں کی حیثیت ایک جیسی نہیں ہے ان میں ماموریت کی مناسبت سے صلاحیت رکھی گئی ہے۔ پروں سے فرشتوں کی صلاحیت اور استعداد کو بیان کرنا مقصود ہے اور مشاہداتی و حسی مثال دے کر سمجھایا گیا ہے۔ دو پروں والے اور دو سے زیادہ پروں والوں میں پرواز کی صلاحیت میں فرق کو واضح دیکھا جا سکتا ہے، فرشتوں کے بارے میں بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کو پہنچانا ان کا کام ہے، ہر ایک کے لیے جو ماموریت ہے اسی مناسبت سے اسے استعداد اور طاقت بھی فراہم کی گئی ہے تاکہ وہ اپنی ماموریت کو آسانی سے انجام دے سکیں۔

اللہ کی لامتناہی قدرت

آسمانوں، زمین اور فرشتوں کی خلقت کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت کو اس عبارت سے بیان کر دیا ہے کہ (ویزید فی الخلق مایشاء) کہ اللہ تعالیٰ چار پروں سے زیادہ پروں والے فرشتے بھی خلق فرماتا ہے اور یہ کہ خلقت اللہ کے ہاتھ میں ہے اور خلقت اس کی قدرت لامتناہی ہے جس کی کیفیت بھی لامتناہی ہے۔ اعداد میں اسے محدود کر کے بیان نہیں کر سکتے، خلقت میں اضافہ اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے۔

پیغام: ا۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں، زمین اور فرشتوں کا خالق ہے۔

۲۔ فرشتے اللہ کی ایسی مخلوق ہیں جو اللہ کی جانب سے عالم تکوین اور عالم تشریع سے اوامر پہنچاتے ہیں اور ان اوامر کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

۳۔ فرشتے ماموریت کے اعتبار سے مختلف صلاحیتوں کے مالک ہیں۔

۴۔ اللہ کی قدرت غیر متناہی ہے اور مخلوقات پر فیضان الٰہی مسلسل اور بغیر انقطاع کے جاری ہے نیز مخلوقات میں اضافہ ہو رہا ہے۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَ مَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۲

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ انسانوں کے لیے رحمت کے جس دروازہ کو کھولتا ہے تو کوئی بھی اس رحمت کے دروازہ کو بند نہیں کر سکتا (اور رحمت کے سامنے رکاوٹ کھڑی نہیں کر سکتا) اور اللہ جس کو روک لے تو اسے کوئی چھوڑ نہیں سکتا (جس رحمت کو اللہ نے روکا ہے اسے کوئی اور جاری نہیں کر سکتا) اللہ تعالیٰ قاھر، غالب اور حلیم ہے۔''

اللہ کی رحمت کا فیضان

اللہ کی رحمت کا فیضان اپنی مخلوقات پر جاری و ساری ہے، رحمت کا فیضان اللہ کے لیے مخصوص ہے، اللہ جس کو چاہے اپنی رحمت سے نواز دے کوئی اسے روکنے والا نہیں اور جس سے اپنی رحمت کو روک لے، تو کوئی اور اس رحمت کو دینے والا نہیں۔ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں پر انعامات نازل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر کسی سے نعمت کو روکتا ہے اور اسے اپنی رحمت سے محروم کرتا ہے تو اس کے پیچھے حکمت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ غالب ہے اس کی قدرت ہر جگہ جاری ہے۔ اسے کوئی روکنے والا نہیں اس کا ہر کام مصلحت و حکمت کے تحت ہے۔ لہٰذا کسی کو کچھ دینا یا کسی سے کچھ روکنا یہ اللہ کے اختیار اور قدرت میں ہے، رحمت کا فیضان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

پیغام: ۱۔ رحمت اللہ کی جانب سے ہے اور تمام نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں۔

۲۔ اللہ کے فیصلوں پر کسی کا کوئی اختیار نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہی غالب ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت اور مصلحت کے تحت انجام پاتا ہے۔

۴۔ ہمیں اللہ سے ہی رحمت طلب کرنا چاہیے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۳

ترجمہ: ''اے حضرات (تمام انسانوں سے خطاب ہے) اس بات کو یاد کرو کہ اللہ کی نعمت تمہارے اوپر ہے (اسی نے تم پر ساری نعمتوں کو جاری کیا ہے) تو (ذرا یہ تو بتاؤ) کہ اللہ کے سوا بھی کوئی اور خالق ہے؟ جو آسمان اور زمین سے تمہیں روزی فراہم کرتا ہے، اللہ کے سوا کوئی بھی لائق اطاعت و پرستش نہیں ہے پس تم کس طرف انحراف کئے جا

رہے ہو، کیوں بے عقلی کی بات کرتے ہو؟(تم جھوٹ بولتے ہو اور بہکائے جارہے ہو کہ اللہ کے سواء اور بھی معبود ہیں)''

تمام نعمات اللہ کی طرف سے ہیں

اس آیت میں اللہ کی خالقیت اور مالکیت کو عنوان بنا کر استدلال کیا گیا ہے۔ اللہ ہی رب ہے اور اسی کی اطاعت واجب ہے کیونکہ تمام موجودات کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جب خالق اللہ ہے اور اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں اور تمام نعمات دینے والا بھی اللہ ہی ہے اور تمام مخلوقات کی تدبیر بھی اسی کے پاس ہے تو وہی مخلوق کو روزی دیتا ہے۔ جو روزی دیتا ہے تو ان کے امور بھی وہی چلاتا ہے ان کی تربیت کا انتظام بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ لٰہذا جو ذات خالق ہے وہ ہی اپنی مخلوق کا مالک ہے اور وہی اپنی مخلوقات کے لیے روزی دیتا ہے اور اسی نے ان کے لیے قانون اور ضابطہ حیات عطا کیا ہے۔ تمام مخلوقات کا رب اللہ ہے اور اس کی ربوبیت ہی ہے جس نے نظام زندگی دیا ہے تو وہی اللہ ہے، اور اسی کی اطاعت ہو گی یہ بڑا واضح ہے۔ ہر عقلمند کے لیے روشن ہے جو اس کا انکار کرتے ہیں وہ بے عقلی کی بات کرتے ہیں اللہ ہی تمہارا خالق ہے اور وہ ہی تمہارا اُلٰہ ہے۔ ہر شئی کی بقاء اللہ کی جانب سے ہے کہ وہی رازق ہے۔ ہر شئی کی بقاء کا وسیلہ اللہ نے عطاء کیا ہے۔ آسمان و زمین میں وہی روزی کا منبع ہے۔ روزی کے وسائل اللہ نے ہی خلق کئے ہیں۔ ان وسائل سے استفادہ کی استعداد بھی اللہ کی دی ہوئی ہے لٰہذا غیر خدا جو کہ خالق اور رازق بھی نہیں اس کی عبادت اور اطاعت کس طرح کی جا سکتی ہے؟ اس واضح برھان اور دلیل کے ہوتے ہوئے اللہ کی الوھیت اور ربوبیت کا انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

پیغام: ا۔ اللہ خالق ہے ہر شئی کا، اللہ ہی مالک ہے ہر شئی کا، اللہ ہی رازق ہے ہر شئی کا، اللہ ہی رب ہے ہر شئی کا، اور اللہ ہی الہ ہے ہر شئی کا۔ (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)

۲۔ تمام نعمات اللہ کی طرف سے ہیں سب سے بڑی نعمت رزق و روزی ہے۔ روزی کے تمام وسائل کا خالق اللہ ہے اور ان وسائل سے استفادہ کی استعداد بھی اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ ہے۔

وَ اِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۴

ترجمہ: ''اگر ان لوگوں نے (قریش مکہ، مشرکین مکہ) تجھے جھٹلایا ہے تو تجھ سے پہلے جو رسول آئے ان کو بھی جھٹلایا گیا۔ سرانجام تمام امور کی بازگشت تو اللہ کی طرف ہی ہے۔ (تمام اُمور کو اللہ کی طرف پلٹائے جائیں گے)''

رسول اللہؐ کی حوصلہ افزائی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کا حوصلہ بڑھایا ہے کہ مشرکین مکہ کی جانب سے آپ کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا ہے اور وہ آپ کی بات نہیں مان رہے یا آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے اے میرے حبیبؐ پریشان نہ ہوں، آپ سے پہلے جو رسول آتے رہے ہیں ان کے ساتھ بھی ان کی اقوام نے ایسا ہی کیا تھا۔ ایک بات یاد رکھو کہ تمام امور کی بازگشت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ان کے استحقاق کے مطابق سزا و جزا دے گا۔ لہٰذا معلوم رہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی سزا دے گا جو تجھے جھٹلا رہے ہیں اور تیری بات کو نہیں مان رہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ لوگ اپنے کفر اور تیرے انکار سے اللہ تعالیٰ کو اپنے فیصلہ پر عمل کرنے سے روک سکیں یا اللہ کو عاجز بنا دیں۔

پیغام:

۱۔پیغمبروں کو جھٹلانے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے سزا ہے۔

۲۔اللہ کی سزا سے کوئی کافرومشرک بچ نہیں سکتا۔

۳۔اللہ کے رسول کو جھٹلانے والے سب کے سب ایک جیسے ہیں۔

یَاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا ۚ وَ لَا يَغُرَّنَّكُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ ۝

ترجمہ: ''اے حضرات (تمام انسانوں کو خطاب ہے) اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، تمہیں دُنیاوی زندگی دھوکہ نہ دے اور ''ابلیس'' تمہیں اللہ (کی رحمت کا حوالہ دے کر) تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے۔''

قیامت کے متعلق ایک عام غلط فہمی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرمارہاہے کہ اے لوگو! مردوں کا دوبارہ اٹھایا جانااور قیامت کا واقع ہونا برحق ہے اوراس میں کوئی شک نہیں ہے ایسا حتماً ہوگا۔اس دن اللہ تعالیٰ تمام مجرموں کو ان کے اعمال کی سزادے گالہٰذا تم چوکنار ہو، دنیا کی لذت اورآسایشیں تمہیں دھوکہ نہ دیں۔خود کواس میں غرق نہ کرو اورآخرت سے غافل نہ ہو جاؤ۔ہوش وحواس قائم رکھو، شیطان تمہیں غافل نہ کردے کیونکہ شیطان لوگوں کے سامنے اللہ کے حلم اورعفوودرگذر کو پیش کرتا ہے، دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے گناہگاروں کو جوڈھیل دی جاتی ہے اوردُنیاداروں کو جب امتحانات میں مبتلا کیا جاتاہے توان کو یہ کہہ کر تسلی دیتا ہے کہ یہ انکے فائدے میں ہے اورآخرت کاوجودنہیں ہے جوکچھ ہے اسی دُنیا میں ہے اس دنیاوی زندگی کے ماوراءکچھ بھی نہیں ہے اورانبیاء کی طرف سے جو وعدہ دیا جارہاہے یہ سب خرافات ہیں لہٰذا وہ جس قدردُنیاوی لذات سے زیادہ

فائدہ اٹھائیں ان کے فائدہ میں ہے۔ دُنیا میں جتنے زیادہ گناہ کریں، مزے اڑائیں آزادی سے ہر کام کریں، اللہ کی طرف سے ممنوع اور محرمات کی پرواہ نہ کریں۔ اسی میں ان کی عزت ہے اچھائی ہے۔ شیطان کی جانب سے اس طرح کے وسوسے اور خیالات سے عوام کو خبردار کیا جارہا ہے کہ ابلیس کے ہتھکنڈوں سے ہوشیار رہو، ابلیس تمہیں اللہ سے غافل نہ کرے اور تمہیں آخرت بھلانہ دے۔ آخرت نے ہر صورت واقع ہونا ہے اور آخرت میں دُنیاوی اعمال کا جواب دینا ہوگا۔ اللہ کی طرف سے گناہگاروں کو مہلت دینا اللہ کی جانب سے ایک تدبیر ہے ایسے افراد کے لیے جو اللہ کے نافرمان ہیں تاکہ وہ اور زیادہ بداعمالیوں میں غرق ہوں اور آخرت میں سخت ترین عذاب ان کے لیے ہو۔

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ؕ۶

ترجمہ: ''یقین جانیے کہ شیطان تمہارا کھلا دُشمن ہے لہٰذا تمہیں اسے اپنا دشمن ہی قرار دو اس کا تو کام ہی یہی ہے کہ وہ اپنی جماعت والوں کو دعوت دے تاکہ وہ بھڑکتی آگ والوں سے ہوں۔''

شیطان کی دشمنی

شیطان انسان کا دشمن ہے، اس آیت میں سابقہ آیت کے بیان ہی کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ شیطان کو اپنا دشمن سمجھو۔ وہ تو تمہارا دشمن ہے لیکن اے انسان تو بھی اسے اپنا دشمن قرار دے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کو ان کے کھلے دشمن کی دشمنی سے آگاہ کررہا ہے کہ وہ اس سے غافل نہ ہوں کیونکہ شیطان کا ہدف صرف یہ ہے کہ انسان کو سعادت ابدی سے محروم کرے اور

خدا کے مقابل لا کھڑا کرے۔ خود تو وہ راندہ درگاہ الٰہی ہو چکا ہے وہ چاہتا ہے کہ تمام انسانوں کو بھی اپنے ساتھ لے جائے۔ شیطان کی جماعت جہنمیوں کی جماعت ہے لہٰذا شیطانی وسوسوں سے انسان کو بچنا چاہیے۔ اس آیت میں لفظ "حزب" استعمال ہوا ہے یہ اس گروہ پر بولا جاتا ہے جنہیں اک مقصد پر اکٹھا کیا ہوتا ہے۔ شیطان کی حزب (پارٹی) کا مقصد ایک ہی ہے کہ آتش جہنم کی طرف اپنے پیروکاروں کو لے جائے۔ شیطان کی پارٹی کے اراکین کا مشترکہ ہدف اللہ کے احکام کی خلاف ورزی اور اپنے لیے آتش جہنم حاصل کرنا ہے۔

پیغام:

۱۔ دُنیاوی زندگی دھوکہ اور غرور میں ڈالنے کا ذریعہ ہے اس سے چوکنا رہنا چاہیے۔

۲۔ قیامت کا دن ہر صورت آئے گا اور اس میں ہر ایک کا احتساب ہو گا اور مجرموں کو سخت سزا ملے گی۔

۳۔ ابلیس انسان کا سخت دشمن ہے اور اس کی کوشش ہے کہ وہ انسان کو غافل کرے اور اسے اللہ کا نافرمان بنادے۔

۴۔ شیطان کی جماعت جہنمیوں کی جماعت ہے، شیطان اپنی جماعت کے کارکنوں کی تعداد بڑھانے میں لگا ہوا ہے لہٰذا ہر انسان متوجہ رہے کہ شیطان اسے غفلت میں ڈال کر اپنی جماعت کا کارکن نہ بنادے اور اس طرح جہنم میں لے جائے۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۣ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۷

ترجمہ: "جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے تو ان کے لیے سخت عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور نیک اعمال کئے ہیں ان کے واسطے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے۔"

کافروں اور مؤمنوں کا انجام

انسان کافر ہیں یا مؤمن، کافروں کا انجام بُرا ہے ان کے لیے سخت عذاب ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے وعدہ بر حق کی وضاحت کی گئی ہے کہ کافروں کے لیے سخت عذاب ہے وہ اس سے بچ نہ سکیں گے اور ان مؤمنوں کے لیے جنہوں نے اعمال صالح انجام دیئے ہیں انعامات ہیں، مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ اس آیت میں ''عذاب'' کے لفظ کو نکرہ (عمومی معنی پر دلالت کرنے والا فقط) لایا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ جہنم کے کئی طبقات ہیں، بعض طبقات بعض دوسرے طبقات سے زیادہ سخت ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کفر، فسق وفجور اور نفاق کے بھی مراتب ہیں، ہر ایک کو اس کے کیے کی سزا ملے گی، ہر مجرم کو سزا تو ملتی ہے لیکن جس کا جتنا جرم ہے اس کی سزا بھی اتنی ہی ہے جرم کی سنگینی کی وجہ سے سزا کی کیفیت اور مقدار میں اضافہ ہو جائے گا۔ اسی مطلب کی تفصیل کے لیے لفظ عذاب کو نکرہ کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ نیز عذاب کے بڑے اور عظیم ہونے کی جانب بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح مغفرت اور اجر کو بھی نکرہ کی شکل میں لایا گیا ہے کیونکہ ایمان اور عمل صالح کے بھی درجات و مراتب ہیں جو جس درجہ پر ہو گا اسی مناسبت سے اس کو اجر اور مغفرت ملے گی۔ سب کے لیے اجر و ثواب اور مغفرت ایک جیسی نہ ہو گی البتہ جو مغفرت ملے گی وہ بہت عظیم ہو گی اس کا موازنہ دُنیا کے کسی انعام سے نہیں کر سکتے۔

پیغام:

ا۔ کافروں کے لیے سخت عذاب ہے لیکن عذاب کی مقدار اور کیفیت میں شدت و ضعف ان کے کفر کے شدت وضعف کے مطابق ہو گا۔

۲۔ مؤمنین جو صالح اعمال کرنے والے ہیں ان کے لیے بڑی مغفرت ہے اس میں بھی شدت وضعف کی نسبت سے کیفیت اور مقدار میں فرق ہے۔ اعمال کی مقدار اور کیفیت کی بنیاد پر اُخروی درجات ومقامات ملیں گے۔

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۸

ترجمہ: ''(ذرا سوچیں!) وہ شخص جس کے لیے برے عمل کو خوبصورت بنا کر پیش کر دیا ہے (اور وہ برے عمل کو خوبصورت عمل خیال کر بیٹھا ہے) وہ اس شخص کی مانند ہے جو برے عمل اور اچھے عمل کی پہچان رکھتا ہے؟ لہٰذا اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اے رسول آپ ان لوگوں کو گمراہ ہو جانے کی وجہ سے خود کو حسرت اور یاس میں غرق نہ کریں، بلاشک تم جو کچھ انجام دیتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے آگاہ ہے۔''

برائی اور اچھائی کی وضاحت

اس آیت میں انسانوں کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ جو لوگ کافر ہو گئے ان کی سوچ الٹی ہو گئی اور اس قدر غلط سوچ والے ہو گئے کہ وہ برائی کو اچھا قرار دینے لگ گئے۔ لہذا وہ برائی کو برائی نہیں سمجھتے، ایسے لوگوں کی عقل مغلوب اور شکست خوردہ ہے اور یہ صحیح سوچ سے عاری ہیں۔

دوسرا گروہ مؤمنین کا ہے جو اپنی عقل کو استعمال کرتے ہیں، اچھائی اور برائی میں تمیز کرتے ہیں اور صحیح سوچتے ہیں۔

لہذا یہ دو قسم کے انسان برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کو اپنی مشیت سے گمراہ قرار دیا ہے کہ وہی کافر ہیں جنہوں نے خدا کا انکار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت کے تحت دوسرے گروہ کو ہدایت یافتہ قرار دیا ہے کہ وہی مؤمنین ہیں جو اللہ پر اپنے اختیار سے ایمان لائے ہیں۔

انسان کا اپنا اختیار

انسان اپنے ارادے اور اختیار سے اللہ کا کفر اختیار کرتا ہے یا اللہ پر ایمان لاتا ہے۔ جب وہ ایسا اپنے اختیار سے کر لیتا ہے تو اللہ کی مشیت یہی قرار پاتی ہے کہ کافر گمراہ رہیں اور مؤمنین ہدایت یافتہ ہوں۔ اللہ کا کسی کو گمراہ کرنا ابتدائی امر نہیں ہے بلکہ انسان خود غلط راستے کا انتخاب اپنے ارادے سے کرتا ہے اسی بناء پر ان کے عمل کے نتیجہ میں اللہ انہیں گمراہ قرار دیتا ہے۔ یہ گمراہ کرنا ایک طرح کی سزا ہے جو انہیں ان کے اپنے فیصلے پر اللہ کی طرف سے دی گئی کہ اے انسان جب تو نے میرا انکار کر دیا ہے تو پھر تم گمراہ ہی رہو، اللہ زبردستی کسی کو ہدایت نہیں دیتا اور جو شخص اپنے اختیار سے اللہ پر ایمان لاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت یافتہ قرار دیتا ہے۔

رسول اللہؐ کے لیے اللہ کا پیغام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب لوگوں کو دعوت دیتے تھے کہ وہ اللہ پر ایمان لے آئیں تو بہت سارے لوگ آپ کی دعوت کو رد کر دیتے اور آپ کا کہنا نہ مانتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پریشان، غمزدہ ہو جاتے تھے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پیغام بھیجا کہ: اے میرے حبیبؐ تم نے اپنا کام کر دیا، اب جب انہوں نے تیری بات کو نہیں مانا تو میں نے انہیں گمراہ کر دیا

ہے۔اب وہ ہدایت پر واپس نہیں آئیں گے لہذا آپ کو ان کے لیے پریشان نہیں ہونا چاہیے اور ان کی گمراہی پر خود کو پریشان نہ کرو اور نہ ہی ان پر افسوس کرنے کی ضرورت ہے۔اللہ تعالی تمام بندوں کی نیتوں اور ان کے اعمال سے اچھی طرح آگاہ ہے۔لہذا اللہ تعالیٰ جو بھی ان کے ساتھ کرتا ہے تو وہ صحیح ہوتا ہے اور ان لوگوں کے اعمال کا نتیجہ ہی ہوتا ہے کہیں بھول چوک نہیں ہوتی، ہر ایک وہی پاتا ہے جو وہ اس دنیا میں کرتا ہے۔

پیغام:

۱۔کافروں کی گمراہی ان کے اپنے اختیار کے نتیجہ میں ہے جسے اللہ تعالی برقرار رکھتا ہے۔

۲۔ہدایت اور گمراہی انسان خود اختیار کر لیتا ہے تو پھر اللہ کی مشیت سے وہ حالت ان پر باقی رہتی ہے یہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ اختیار ہے جس کا استعمال انسان خود کرتا ہے۔

۳۔رسول اللہ ﷺ کو کافروں کی گمراہی پر تکلیف ہوتی تھی تو اللہ تعالی نے پیغام دیا کہ اے رسول ﷺ آپ کو ان کے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیے،آپ نے اپنا کام کر دیا ہے اب جو گمراہ ہوئے ہیں تو ایسا میری مشیت سے ہے اور جو ہدایت یافتہ ہیں تو ان کے بارے میری مشیت یہی ہے۔

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝

ترجمہ: ''اللہ ہی ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے تاکہ بادلوں کو (اپنے دوش پر) اٹھائیں، ہم بادلوں کو بے آباد زمین پر بھیجتے ہیں اور اسے پانی سے سیراب کرتے ہیں، اس طرح

زمین کو مردگی سے شادابی دیتے ہیں، قیامت کا معاملہ اور مردوں کو دوبارہ اٹھائے جانے کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔"

زمین کا احیاء اور قیامت کا دن

اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن تمام مردوں کے دوبارہ اٹھائے جانے کو سمجھانے کے لیے ایک زندہ اور مشاہداتی مثال دی ہے کہ ایک ویران اور خشک زمین کو سامنے رکھو جس پر بارش برس کر اسے سرسبز و شاداب بنادیتی ہے اسی طرح جب انسانوں کی دنیوی زندگی ختم ہوتی ہے اور مر جاتے ہیں تو قیامت کے دن بھی ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے ایک امر پر قبروں سے نکل آئیں گے اور زندہ ہو جائیں گے اور حساب کتاب کے لیے زمین پر پھیل جائیں گے۔

پیغام:

۱۔ مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کو سمجھنے کے لیے ویران اور بے آباد زمین کو سامنے رکھو کہ اللہ کی طرف سے بارش آنے کے بعد کس طرح اس کی ویرانی، شادابی میں بدل جاتی ہے اسی طرح قیامت کے دن ہوگا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے گمراہی اور ہدایت کے اسباب انسان کے لیے مہیا کر دیئے ہیں۔ انسان جب اپنے اختیار سے ایک طرح کے وسائل استعمال کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی مشیت ان ہی وسائل کے تحت قرار پائی ہے گمراہ کے لیے گمراہی اور ہدایت یافتہ کے لیے ہدایت الٰہی مشیت ہوتی ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَ مَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''جو شخص بھی عزت چاہتا ہے تو اسے معلوم رہے کہ ساری کی ساری عزت و حرمت اللہ کے لیے مخصوص ہے۔ اچھی باتیں اور عمل صالح اللہ کی طرف جاتا ہے۔ عمل صالح ہی اچھی بات کو اوپر اٹھا کر لے جاتا ہے اور جو لوگ گناہ کر کے اللہ سے چکر بازی کرتے ہیں تو ان کے لیے سخت عذاب ہے، ان کی مکاری بے فائدہ ہے، اس کا انہیں کوئی فائدہ نہ ہو گا۔''

عزت وذلت

عزت ایسی حالت ہے کہ جس میں برتری کے سوا کچھ نہیں۔ غلبہ اس کا لازمہ ہے، پختگی اور برقراری عزت کے مفہوم میں موجود ہیں۔ اس لحاظ سے کہ اللہ سب کا خالق ہے اور سب اللہ کے محتاج ہیں کوئی بھی کسی چیز کا مالک نہیں لہٰذا عزت و غلبہ، قدرت و برتری اللہ کے لیے مخصوص ہے۔ جو اپنے لیے عزت چاہتا ہے تو اللہ کی بارگاہ میں جھک جائے خود کو ذلیل و حقیر جانے، خود کو فقیر قرار دے، ایمان اور عمل صالح کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو، اپنے لیے عزت اللہ کے ہاں سے حاصل کرے۔ آگے بات کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کلمہ طیب

(اچھی بات) اللہ کی جانب سے بلند ہوتا ہے اور عمل صالح کلمہ طیب کو اوپر لے جانے میں مدد دیتا ہے۔

(کلم الطیب) ایسی بات کو کہا جاتا ہے جو سننے والے کے کانوں میں رس گھول دے، جو اس کے مزاج سے ہم آہنگ ہو اور اسے ہر بات پیاری اور بھلی معلوم ہو اور جو اس میں کمال موجود ہو اسے دینے میں مدد دے۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب وہ کلام حق پر مبنی ہو اور انسان کی رستگاری اور سعادت پر مشتمل ہو۔ اس لحاظ سے کلمہ طیب سے مراد عقائد حقہ ہیں جو انسان کے افکار اور اعمال صالحہ کی اساس اور بنیاد قرار پاتے ہیں، عقائد کی بنیاد کلمہ توحید ہے کہ تمام اعتقادات اسی عقیدہ کی جانب پلٹتے ہیں۔

شجرہ طیبہ

ہم نے سورہ ابراہیم کی آیت 24، 25 میں شجرہ طیبہ کے بارے تفسیر پہلے بیان کی ہے کہ شجرہ طیبہ کی اصل اور بنیاد ثابت و قائم ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔

کلمہ طیبہ کا صعود

کلمہ طیب کا اللہ کی طرف بلند ہونے کا معنی، تقرب الٰہی سے عبارت ہے۔ جو چیز بھی اللہ کے قریب ہو جائے تو گویا اس نے بلندی کو پالیا ہے اس لحاظ سے کہ اعتقاد صاحب عقیدہ کی ذات سے متعلق ہوتا ہے۔ لہذا اعتقاد اور کلمہ طیب کا اللہ کے قریب ہونے کا مطلب صاحب عقیدہ کا اللہ سے قریب ہونا ہے۔ نیز یہ بات مسلم اور حتمی ہے کہ جب اعتقاد اور ایمان حق و سچ ہو گا تو صاحب عقیدہ کا عمل اسکے عقیدہ کی تصدیق کر رہا ہو گا۔ کیونکہ عمل صالح علم کی فروعات اور اس کے آثار میں سے ہے۔ لہذا عمل صالح اعتقاد حقہ کا نتیجہ ہوتا ہے تو ایسا عمل اللہ کی بارگاہ میں قبولیت

کا درجہ بھی حاصل کرلیتا ہے اس طرح صاحب عقیدہ کا عمل صالح، اعتقاد حقہ کو خدا کے پاس پہنچانے میں مددگار بنتا ہے اور یہ اللہ کے قرب کا سبب ہوتا ہے۔

اللہ کی مخالفت کرنے والوں کا انجام

جو لوگ اللہ کے مخالف ہیں وہ جس قدر سازشیں کرلیں، جتنے منصوبے بنالیں، جتنی مکاریاں کرلیں کہ انہیں عزت مل جائے اور کسی طرح انہیں غلبہ حاصل ہو تو وہ ناکام و نامراد ہوں گے۔ ان کے گندے اعمال کا نتیجہ دردناک عذاب کی شکل میں ان کے لیے موجود ہے، ان کی شرارتیں بے اثر ہوں گی اور ان کے تمام منصوبے ناکام ہوں گے انہیں ان کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

پیغام:

۱۔ عزت و کرامت اللہ کے لیے ہے۔

۲۔ اللہ پر ایمان لانے والے باعزت ہیں۔

۳۔ اللہ کے مخالفین ناکام و نامراد ہیں۔

۴۔ اللہ کے فیصلہ کو توڑنا ممکن نہیں۔

۵۔ اللہ کے مخالفین کی تمام سازشیں ناکام ہوں گی اور سازشیوں کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ قیامت کے دن وہ خسارے میں ہوں گے۔

وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَ مَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّ لَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۱۱

ترجمہ: ’’اور اللہ ہے جس نے تمہیں خاک (مٹی) سے اور پھر نطفہ سے خلق کیا ہے پھر تمہیں نر و مادہ (جوڑا جوڑا) بنایا کہ کوئی مادہ جنس حامل نہیں ہوتی اور وضع حمل نہیں کرتی مگر یہ کہ وہ اللہ کے علم میں ہوتا ہے اور کوئی بوڑھا طولانی عمر نہیں کرتا اور کچھ بھی عمر کی مقدار سے کم نہیں ہوتا مگر یہ کہ وہ ایک کتاب میں درج شدہ موجود ہے اور یہ کام تو اللہ کے لیے آسان ہے۔‘‘

انسان کی خلقت

اس آیت میں انسان کی خلقت کو بیان کیا گیا ہے اس سے پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ انسان کی خلقت کا آغاز مٹی سے ہے۔ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے خلق کیا گیا، اس کے بعد خلقت کا طریقہ یہ قرار پایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نر اور مادہ قرار دیا۔ مادہ میں صلاحیت رکھ دی کہ وہ مرد سے نطفہ کو حاصل کرے اور رحم میں جب وہ نطفہ ٹھہر جاتا ہے تو وہ مادہ اس کو حمل کر لیتی ہے اور پھر ایک وقت مقرر پر حمل کو باہر نکال دیتی ہے اور ایک نیا انسان بچے کے صورت میں وجود میں آجاتا ہے۔ آغاز مٹی سے ہے اور پھر خلقت کا تسلسل نطفہ سے ہے۔ اللہ نے انسان کو نر اور مادہ کی صورت میں بنایا ہے اور کوئی بھی مادہ نطفہ کو حمل نہیں کرتی مگر اللہ کے امر سے۔ حمل اور وضع حمل اللہ کے علم میں ہوتا ہے اور کسی بھی فرد کی عمر کا بڑھنا اور کم ہونا یہ بھی اللہ کے علم میں ہے اور یہ سب کچھ ایک کتاب میں درج شدہ ہے۔ (اس کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے)۔ اس کتاب میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی جو درج ہوتا ہے اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ یہ نظام کائنات ہے، توالد و تناسل کا سلسلہ، انسانوں کے منظم اور مرتب انداز میں موجودی مراحل کو طے کرنا، پھر اس دُنیا میں زندگی گزارنا، موت و حیات کا سلسلہ سب اللہ کے علم میں

ہے اور یہ سب اللہ کے امر سے وجود میں آتا ہے اور یہ سب کچھ اللہ کے لیے آسان ہے۔ کائنات کی تمام جزئیات اور کلیات سب اللہ کے اختیار میں ہیں اور اللہ ہی علم مطلق اور قدرت کا مالک ہے۔

پیغام:

انسان کی خلقت ایک دقیق نظام کے تحت ہوئی ہے۔ اس کی اصل مٹی اور خاک ہے لیکن اسی خاک کے پیٹ سے غذائی مواد تیار ہوتا ہے جسے انسان اپنی خوراک بناتا ہے۔ اس خوراک سے مرد میں نطفہ بنتا ہے اور وہ ایک نظم کے تحت اس نطفہ کو مادہ (عورت) کے رحم میں منتقل کرتا ہے پھر اس رحم میں نطفہ کی پرورش کے مختلف مراحل طے کرنے کے بعد ایک مدت مکمل کر کے مادہ کے شکم سے باہر آتا ہے اور ایک نیا انسان زمین پر وجود میں آتا ہے۔ یہ سلسلہ اسی طرح جاری و ساری ہے اور یہ سب کچھ اللہ کے بنائے ہوئے نظام کے تابع ہے اور سب اللہ کے علم میں ہے اور کس نے کتنی عمر پانی ہے یہ سب کچھ ایک کتاب میں درج ہے جو کہ لوح محفوظ ہے۔ کائنات میں بے نظمی نہیں ہے بلکہ سب کچھ ایک نظم کے تحت ہے۔ یہ نظم اللہ کے وجود پر دلیل ہے اور اللہ کی قدرت اور علم کی بھی نشانی ہے اور یہ سب اختیار اللہ کے پاس ہے اور اللہ کے ارادہ سے سب کچھ وجود میں آتا ہے۔

انسان کے لیے یہ ہے کہ اے انسان اللہ بھی تیرا خالق ہے اسی کے پاس ہی تیرے تمام معاملات ہیں لہذا اس پر ایمان لاؤ اور اس کی اطاعت کرو۔

وَ مَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَ هٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ؕ وَ مِنْ كُلٍّ تَأْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً

تَلۡبَسُوۡنَهَا ۚ وَ تَرَی الۡفُلۡكَ فِيۡهِ مَوَاخِرَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''یہ دو سمندر ایک جیسے نہیں ہیں ایک تو شیریں اور لذت بخش ہے، دوسرا شور و تلخ ہے، تم دونوں سے تروتازہ گوشت حاصل کرتے ہو اور پہننے کے لیے زیور نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو اور تم بحری بیڑے (کشتیاں) دیکھتے ہو کہ پانی کے سینے کو چیرتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ یہ سب اس لیے ہے کہ تم اللہ کے فضل و کرم سے کچھ حاصل کر سکو تاکہ اللہ کی نعمات کے شکر گذار بنو۔''

سمندر کے فوائد

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافر اور مومن، دو کرداروں کو سمجھانے کے لیے دو سمندروں کی مثال دی ہے اور سمندروں کے فوائد بیان کیے ہیں۔ سمندر سے غذائی مواد حاصل ہوتا ہے، تروتازہ گوشت ملتا ہے جو مچھلیوں اور آبی پرندوں سے عبارت ہے اور اسی طرح سمندر کی گہرائیوں سے موتی، مروارید اور دیگر قیمتی اشیاء نکلتی ہیں جو زیور اور زینت کے کام آتے ہیں۔ سمندروں کے پانی کا تذکرہ بھی کر دیا ہے کہ کچھ تو وہ ہیں جن کا پانی میٹھا ہے، لذت بخش ہے، پیاس بجھانے کے کام آتا ہے اور کچھ وہ ہیں جن کا پانی تلخ و کڑوا بے مزہ اور کھارا ہے۔ پھر سمندر پر چلنے والی کشتیوں اور بحری بیڑوں کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سمندر میں انسان سفر کرتا ہے اور اس سفر کے فوائد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جو کچھ اسے ملتا ہے وہ اللہ کا ہی فضل و کرم ہے۔ آیت کا ظاہری معنی تو واضح ہے۔

مؤمنین و کفار کی مثال

مومنین و کفار بھی تلخ و شیریں دو سمندروں کی مانند ہیں۔ یہ دونوں ایک جیسے نہیں ہیں۔ انسانی خواص میں دونوں زیادہ تر مشترک ہیں اور انسان کے لیے جو فطری اور خلقت کے حوالے سے کمال ہے اس میں برابر ہیں۔ البتہ مومن اپنی اصل فطرت پر باقی رہتا ہے، اپنے مالک پر ایمان لے آتا ہے اور عمل صالح انجام دیتا ہے۔ اس طرح وہ سعادت ابدی کو حاصل کر لیتا ہے لیکن کافر اپنی فطرت سے انحراف کرتا ہے، اپنے خالق و مالک کا انکار کرتا ہے اور اپنے اعمال کے مطابق سخت ترین عذاب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ وہ اپنے اختیار سے غلط راستہ پر جاتا ہے اور نقصان اُٹھاتا ہے۔

پیغام:

۱۔ مومن اور کافر برابر نہیں ہیں۔

۲۔ مومن اپنی فطرت پر باقی رہتا ہے جبکہ کافر فطرت کے خلاف ہو جاتا ہے اور نقصان اٹھاتا ہے۔

۳۔ اللہ ہی ہے جو انسان کے فوائد اور منافع کا انتظام کرتا ہے۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ؕ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ”رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، سورج اور چاند کو مسخر کیا ہے تاکہ ہر ایک معین مدت کے لیے حرکت کریں، روانی میں رہیں، یہی تو تمہارا اللہ

ہی ہے جو تمہارا رب ہے پورا عالم اسی کا ملک ہے اور جن خداؤں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گھٹلی کے چھلکے کے مالک بھی نہیں۔''

شب وروز کا نظام

اللہ تعالیٰ نے کائنات کا ایک فلکی نظام بنایا ہے۔ فلک میں موجود سورج، چاند، ستارے، کہکشائیں سب حرکت میں ہیں، ان کی مخصوص حرکت سے شب وروز وجود میں آتے ہیں، رات کبھی لمبی اور کبھی چھوٹی ہوتی ہے، رات اور دن کا گھٹنا، بڑھنا، چاند زمین اور سورج کی حرکت کے تابع ہے۔ انسانی زندگی کا دارومدار اسی پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آسمانی اجسام اور ستارے حرکت میں ہیں۔ اللہ کے حکم کے تابع ہیں، ان کی حرکت سے ہستی کائنات ہے، سمندروں کے پانی کا اتار چڑھاو بھی اسی کے تابع ہے، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ نمودار ہو رہا ہے اور حیات کے جو اثرات ہیں سب اللہ کی طرف سے ہیں اللہ ہی ہستی بخش ہے اور اس کائنات کا مالک ہے، اللہ کے سوا جو بھی ہے وہ کسی چیز کا مالک نہیں۔ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کی مثال دے کر اشارہ کیا گیا ہے کہ معمولی سی چیز بھی جس کا تصور کر سکتے ہیں وہ اس کے بھی مالک نہیں کیونکہ مالکیت فقط اللہ کے لیے ہے۔

پیغام:

سارا ملک اللہ کا ہے اللہ کے سوا کوئی مالک نہیں کیونکہ اللہ ہی ہر شئی کا خالق ہے اور کائنات کا نظم اللہ نے ہی دیا ہے اور اللہ ہی اس نظم کو چلا رہا ہے۔ لہذا اللہ پر ایمان لانا چاہیے اور اللہ ہی کی اطاعت کی جائے۔

اِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡا دُعَآءَکُمۡ ۚ وَ لَوۡ سَمِعُوۡا مَا اسۡتَجَابُوۡا لَکُمۡ ؕ وَ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ یَکۡفُرُوۡنَ بِشِرۡکِکُمۡ ؕ وَ لَا یُنَبِّئُکَ مِثۡلُ خَبِیۡرٍ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''اگر تم انہیں (اللہ کے سوا جن کو معبود قرار دے رہے ہو) پکارو تو وہ تمہاری پکار اور دُعا کو نہیں سنیں گے اور بالفرض اگر وہ تمہاری آواز کو سن بھی لیں تو وہ اس کا جواب نہ دے پائیں گے اور قیامت کے دن تم نے ان کو اللہ کا شریک قرار دیا تھا وہ اس سے انکاری ہو جائیں گے اور اللہ کی مانند کوئی باخبر اور آگاہ نہیں جو تمہیں اس طرح کی خبریں دے''۔

اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کا حال

اللہ کے سوا جن کو ان لوگوں نے اپنے لیے معبود بنایا ہے، ان کے بارے اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ یہ جو تم نے لکڑی، پتھر، مٹی، گارے کے بت بنا رکھے ہیں سب بے شعور ہیں۔ لہٰذا جب تم ان کو پکارتے ہو تو ان میں صلاحیت ہی نہیں کہ وہ تمہاری آواز کو سن سکیں اور جو تم نے فرشتوں اور قدسیوں کو معبود بنایا ہوا ہے تو وہ اس قدر اللہ کی عبادت میں مصروف ہیں انہیں اطلاع ہی نہیں کہ تم ان کی پرستش کرتے ہو اور وہ تو اپنی طرف سے سننے کی حس کے مالک ہی نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ حس عطاء ہی نہیں فرمائی اور بالفرض اگر وہ تمہاری آواز کو سن بھی لیں تو ان میں اس کا جواب دینے کی قدرت و طاقت موجود نہیں ہے۔ یہ بات بتوں کے بارے تو بڑی واضح و روشن ہے۔ لیکن فرشتوں اور قدسیوں کے بارے اس حوالے سے یہ بات ذہن میں رہے کہ ان کے پاس جو قدرت و طاقت ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ ان کو جواب دیں جو انہیں اپنا معبود قرار دیتے ہیں اور اللہ کو چھوڑ کر

ان کی پرستش پر لگے ہوئے ہیں۔ قیامت کے دن جب مشرکین سامنے آئیں گے اور جن کی وہ پوجا پاٹ کرتے تھے جب ان کا حوالہ دیں گے تو وہ اس سے انکاری ہو جائیں گے اور ان کے کام نہ آئیں گے بلکہ ان مشرکین سے بیزاری کا اعلان کریں گے۔[1]

آخر میں رسول اللہ ﷺ کو یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ سے زیادہ کوئی اور باخبر نہیں اور وہی اللہ تجھے یہ سب کچھ بتا رہا ہے۔

پیغام:

۱۔اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

۲۔اللہ کے سوا جن کو معبود بناؤ گے وہ تمہیں فائدہ نہیں دیں گے بلکہ آخرت میں بھی بت پرستوں سے بیزاری کا اعلان کریں گے۔ لہذا اللہ ہی کی عبادت کی جائے نہ کہ اللہ سے دوری اختیار کی جائے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿١٥﴾

ترجمہ: ''اے انسان تم سب کے سب فقراء و محتاج ہو اللہ کے اور اللہ ہی ہے جو غنی ہے ، بے نیاز ہے، لائق تعریف ہے، تعریف اسی کے لیے ہے۔''

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۚ ﴿١٦﴾

[1] ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے (سورہ بقرہ، آیت ۱۶۶) میں فرمایا: ''اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ'' ترجمہ: '' وہ دن جس میں وہ اپنے ان پیروکاروں سے بیزاری کا اعلان کریں گے جو دُنیا میں رنمائی پوجا پاٹ کرتے تھے (وہ قیامت کے دن کہیں گے کہ ہمیں اس کی خبر تک نہیں اور نہ ہی ہم نے ان سے کہا تھا۔ اپنے عمل کے خود ذمہ دار ہیں) اور وہ لوگ عذاب کو دیکھیں گے اور ان کے لیے سارے اسباب (دنیاوی وسائل) ختم ہو جائیں گے۔''

ترجمہ: ''اگر اللہ چاہے تو تمہیں ختم کر دے اور تمہاری جگہ نئی مخلوق لے آئے۔''

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿١٧﴾

ترجمہ: ''اور ایسا کرنا اللہ کے لیے دشوار و مشکل نہیں۔''

مشرکین کے غلط تصورات کا جواب

ان آیات کا تعلق سابقہ آیات سے ہے۔ مشرکین کا خیال تھا کہ بتوں کی پرستش کر کے وہ اللہ تعالیٰ کی پرستش سے بے نیاز ہو جائیں گے اور اگر اللہ انہیں اپنی عبادت کی دعوت دیتا ہے تو اللہ ان کی عبادت کا محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں مشرکین کے ان توہمات کا جواب دیا ہے کہ اے لوگو! تم محتاج ہو اللہ کے، اللہ کسی کا محتاج نہیں اور نہ ہی اللہ کو تمہاری ضرورت ہے وہ غنی و بے نیاز ہے اور تم لوگ ضرورت مند ہو۔ انسانوں کے پاس تو حاجت اور فقر و احتیاج کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ سب اللہ کے محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کے امور کا مدبر، خالق اور غنی و حمید ہے، اللہ تعالیٰ کسی کو عطاء کرے یا نہ کرے، ہر حال میں اللہ کے افعال پسندیدہ ہیں۔ ان افعال میں کوئی ملامت نہیں ہے کیونکہ وہ تمام موجودات کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی اور کسی چیز کا مالک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے غنی، بے نیازی اور لائق تعریف ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ سب کو ختم کر دے۔ اس سے اس کا کچھ نقصان نہیں ہوگا اور وہ پھر نئی مخلوق بنا دے گا جو اللہ کی تعریف کرنے والے ہوں گے۔ اس لحاظ سے نہیں کہ اللہ انسان کی طرف سے تعریف کا محتاج ہے بلکہ اس لحاظ سے کہ وہ ذاتی طور پر لائق تعریف ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ایک مخلوق ہو جس پر اللہ جود و سخا کی فراوانی کرے، اسے عطا کرے اور یہ دیکھ کر وہ اللہ کی تعریف کریں، اللہ تعالیٰ کی ذات تمام صفات کمالیہ کا مجموعہ ہے۔

پیغام:

۱۔ عبادت اللہ کے لیے ہی ہے، تعریف بھی اللہ کے لیے ہی ہے۔

۲۔ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ غنی بالذات ہے۔

۳۔ تمام لوگ اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ جبکہ غیر اللہ فقیر و محتاج ہیں۔ کسی مخلوق کی بقاء اور فنا سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ لہذا اللہ پر ایمان لائیں اور اللہ کی عبادت کریں اور اللہ ہی سے ہر ضرورت مانگیں کسی اور کے آگے نہ جھکیں۔

وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ؕ وَ اِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰی حِمْلِهَا لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَ مَنْ تَزَكّٰی فَاِنَّمَا یَتَزَكّٰی لِنَفْسِهٖ ؕ وَ اِلَی اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ”کوئی بھی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ وہ شخص جس کا بوجھ سنگین ہو اور وہ دوسرے کو اس بوجھ کو اٹھانے کے لیے آواز دے وہ اس کے بوجھ سے کچھ بھی نہیں اٹھا سکے گا، اگر وہ اس کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ تم تو فقط ان کو ڈراتے ہو جو اَن دیکھے رب سے خشیت و خوف کھاتے ہیں، نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو نیک بنتا ہے تو اپنی ذات کے لیے نیک بنتا ہے۔ سب کی واپسی اللہ کی طرف ہی ہے۔“

ہر شخص اپنا بوجھ اٹھانے والا ہے

اس جگہ گناہ کو بوجھ سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ گناہ کا وزن ہر گناہگار نے خود ہی اٹھانا ہے ہر شخص سے اس کے گناہ کے بارے میں بازپرس ہو گی اور کسی سے دوسرے کے گناہ کی بازپرس نہیں ہو گی۔ اس آیت میں سابقہ بیان سے جو شبہ پیدا ہو سکتا ہے اس کا جواب ہے کہ اللہ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ تم سب کو نابود کر کے ایک نئی مخلوق لے کر آئے گا اور یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔ اس سے یہ شبہ پیدا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ مومن و کافر سب کو ہلاک کر دے گا یا مومنین کافروں کے جرائم اور گناہوں کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں گے۔ ایسا ہرگز نہیں! ہر شخص اپنے عمل کا جوابدہ ہے۔ چاہے مومن، گناہگاروں کے رشتہ دار اور قریبی ہی کیوں نہ ہوں اور وہ بھی چاہیں کہ گناہگار کا بوجھ خود اٹھالیں تو ایسا نہیں کر سکتے۔ ہم نے جو دھمکی دی ہے تو یہ فقط ان کے لیے ہے جو ہمارے پیغام کو جھٹلاتے ہیں۔

پیغمبر کی دعوت

اسی میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ پیغمبر جو پیغام پہنچاتا ہے اور لوگوں کو بشارت دیتا ہے، ڈراتا ہے تو اس کا فائدہ ان کو نہیں ہو گا جو جھٹلانے والے ہیں اور جن کے دلوں پر تالے لگ چکے ہیں اور ان پر تبلیغ کا کچھ اثر نہیں ہو گا۔ اے رسول! تیرا انذار اور ڈرانا ان کے لیے نفع بخش ہے جو نادیدہ خدا پر ایمان لاتے ہیں۔ اللہ کی خشیت ان کے دلوں میں موجود ہے، وہ اللہ کا خوف رکھتے ہیں وہ تیرے پیغام کی وجہ سے نمازی بن گئے ہیں ان میں خدا کا خوف موجود ہے۔ خشیت الٰہی سبب ہے کہ وہ تزکیہ نفس کریں، خود کو رذائل سے پاک کریں اور نیک بن جائیں۔

اس جگہ یہ بات بیان کرنا مقصود تھا کہ جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہے وہی تیری بات کو مانتے ہیں اور تیری طرف سے جو انہیں عذاب الٰہی سے ڈرانے کی بات کی جاتی ہے تو یہ

ایسے ہی افراد کے لیے نفع بخش ہے جن کے دلوں میں خوف الٰہی موجود ہے اور اسی وجہ سے وہ نماز قائم کرتے ہیں اور اپنا تزکیہ کرتے ہیں اور نیک بنتے ہیں۔

پیغام:

۱۔ ہر شخص اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے جس نے جو غلطی یا گناہ کیا ہے وہ خود ہی اس کا خمیازہ بھگتے گا۔ اس کا جرم کسی اور کی گردن پر نہیں ڈالا جائے گا۔

۲۔ جو سنگدل ہیں اور جن کے دل سخت ہو چکے ہیں، ان پر تبلیغ کا اثر نہیں ہوتا۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ کا لوگوں کو ڈرانا ان کے لیے مفید ہے جن کے دلوں میں اللہ کی خشیت و خوف موجود ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''بینا اور نابینا برابر نہیں ہو سکتے۔''

وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ''تاریکیاں اور نور برابر نہیں ہو سکتے۔''

وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ''سایہ اور دھوپ برابر نہیں ہو سکتے۔''

وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ”زندہ اور مردہ برابر نہیں، اللہ جسے چاہتا ہے سناتا ہے اور جو قبروں میں ہیں تم انہیں کچھ نہیں سنا سکتے۔“

اِنۡ اَنۡتَ اِلَّا نَذِیۡرٌ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ” آپ تو صرف تنبیہ کرنے والے اور ڈرانے والے ہیں۔“

حق و باطل کا فرق

ان آیات میں چند مشاہداتی اُمور کا تذکرہ کیا گیا ہے جس میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ جس طرح دن اور رات؛ بینا اور نابینا؛ سایہ اور دھوپ؛ زندہ اور مردہ برابر نہیں بلکہ ان میں فرق ہے اسی طرح حق اور باطل، جھوٹ اور سچ، اللہ کو ماننے والے اور اللہ کو نہ ماننے والے، کافر و مومن، نیک و بد یہ سب برابر نہیں ہو سکتے۔ مومن بابصیرت ہوتا ہے، نور ایمان جس کے پاس ہے، وہ زندہ دل ہوتا ہے۔ ایمان نے اسے زندگی دی ہے مومن ایمان سے پہلے مردہ تھا، اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور ایمان کے وسیلہ سے اس کو زندہ کر دیا ہے کیونکہ اس کے وجود میں اس قسم کی صلاحیت موجود تھی جبکہ کافر مردہ دل ہے اس میں جہالت اور غفلت کی تاریکی ہے وہ اندھیرے میں ہے، گمراہی نے اسے مردوں میں قرار دیا ہے اور وہ چلتی پھرتی لاش ہے۔ وہ اپنی فطرت سے منحرف ہو چکا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا اور اسے ان کی ذمہ داری کے متعلق آگاہ فرمایا۔

رسول اللہؐ کی ذمہ داری

اس آیت میں رسول سے خطاب میں ان کی ذمہ داری کو بیان کیا گیا ہے کہ آپ کا کام ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا ہے۔ اس انداز سے ڈرانے کے عمل سے کون اثر لیتا ہے اور کون اثر

نہیں لینا یہ آپ کا کام نہیں۔ جو کافر ہو گئے تو ان کو مومن نہیں بنا سکتا کیونکہ ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں وہ مردوں کی مانند ہیں ان پر جو پڑھو گے بے اثر ہو گا۔ وہ جہالت اور گمراہی کی قبروں میں جا چکے ہیں انہیں تم کچھ سناو تو وہ سنتے نہیں، انہیں تم ہدایت دینا چاہو تو وہ ہدایت نہیں لیتے۔ آپ کا کام انذار ہے اور بس اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے یہ آپ پر نہیں ہے۔

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ بَشِيۡرًا وَّ نَذِيۡرًا‌ؕ وَ اِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ''بلاشک ہم نے تمہیں برحق بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ کوئی بھی اُمت نہیں گزری مگر ان میں ڈرانے والا موجود رہا۔''

سنت الٰہی

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری اللہ کے انعامات کی بشارت دینا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانا ہے۔ پیغمبر بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے۔ ہر اُمت کے لیے ایک ڈرانے والا موجود تھا۔ یہ اللہ کی سنت ہے کہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے رسول بھیجتا ہے۔ یہ فقط قریش مکہ نہیں کہ ان کے لیے حضور ﷺ کو بھیجا گیا بلکہ یہ اللہ کی سنت کا تسلسل ہے۔ سابقہ اُمتوں میں بھی ایک ڈرانے والا رسول ہوتا تھا۔ اس قوم کے لیے بھی رسول بھیجا گیا۔

وَ اِنۡ يُّكَذِّبُوۡكَ فَقَدۡ كَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ‌ۚ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَ بِالزُّبُرِ وَ بِالۡكِتٰبِ الۡمُنِيۡرِ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ''اور اگر انہوں نے تجھے جھٹلایا ہے تو ان سے اور ایسی اقوام سے جو گذری ہیں اور ان کے پاس ان کے لیے پیغام پہنچانے والے ان کے پاس جب واضح نشانیاں، معجزات، پیغامات، کتابیں لے کر آئے تو انہوں نے ان کی تکذیب کی اور انہیں جھٹلایا۔''

رسولوں کے ساتھ سابقہ اُمتوں کا رویہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ اُمتوں کی ہدایت کے لیے رسولوں کو بھیجا جن میں حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اولوالعزم پیغمبر موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی ہدایت کے لیے رسول تشریف لائے تو وہ اللہ کی جانب سے معجزات لے کر آئے۔ انبیاء کے پاس باقاعدہ صحیفے تھے، بعض انبیاء پر پچاس پچاس صحیفے بھی اُترے جن میں اللہ کے پیغامات درج تھے لیکن ان صحائف میں قوانین اور احکام نہ تھے۔ بعض انبیاء پر کتابیں نازل کی گئیں تو ان کتابوں میں باقاعدہ قوانین واحکام موجود تھے۔ پہلے صاحب شریعت پیغمبر حضرت نوحؑ تھے اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ تھے۔ سب کے سب صاحب کتاب ہیں اور آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کہ قرآن مجید آپ کی کتاب ہے۔

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حوصلہ دلایا گیا ہے آپ پریشان نہ ہوں، قریش مکہ اگر آپ کو جھٹلا رہے ہیں اور آپ کی بات نہیں مانتے، تمام تر معجزات اور دلائل دیکھنے کے باوجود بھی قرآن کتاب مبین جیسی عظیم کتاب کا انکار کر رہے ہیں تو اس سے پہلے بھی جو رسول آئے، ان کی اقوام نے بھی ان کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا جبکہ تمام رسولوں کے پاس معجزات، ہماری نشانیاں، ہمارے صحیفے اور ہماری باقاعدہ کتابیں موجود تھیں۔

پیغام:

ا۔ اللہ کے پیغامات رسولوں نے ہر اُمت اور قوم کو پہنچائے اور تمام رسول معجزات و واضح دلائل کے ساتھ پیغام رسانی کا عمل کرتے رہے۔

۲۔ رسولوں کا کام پیغام رسانی تھا اس سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ اللہ کے رسولؐ کی ہدایات اور آپ کے بیانات عمل کریں کیونکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝۲۶

ترجمہ: ''اس کے بعد (جب انہوں نے ہمارے پیغامات کا انکار کر دیا) ہم نے ان کی گرفت کی جنہوں نے کفر کو اختیار کر لیا تو (آپ کو دیکھا) کے ان کے اذکار کا نتیجہ انہیں کیسے بھگتنا پڑا۔''

کافروں کے لیے سزا

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کا پورا پورا انتظام کرتا ہے، صحیح و غلط کی تشخیص کے لیے للہ نے انسان کو عقل و شعور دیا ہے اور پھر اپنے پیغامات کے لیے انسانوں کے درمیان اپنے رسول خود ان میں سے بنا کر بھیجے اور اپنے رسولوں کو واضح نشانیاں بھی دیں تاکہ انسانوں کو معلوم ہو سکے کہ یہ شخص اللہ کی جانب سے ہے لیکن اس کے باوجود جب انسانوں نے انکار کیا اور کفر کا راستہ اختیار کر لیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کی سخت پکڑ کی، انہیں دُنیا میں عذاب دیا اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے۔ اسی بات کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے کہ اے رسول! آپ سابقہ اقوام کا جائزہ لیں کہ جب انہوں نے ہمارے رسولوں کو جھٹلایا اور کفر اختیار کیا تو پھر اللہ

تعالیٰ نے کس طرح ان کی گرفت کی اور انہیں کس طرح سزادی؟ جو آپ کو جھٹلا رہے ہیں ان کو بھی سزادی جائے گی اور ان کی بھی گرفت ہو گی۔

پیغام:

ا۔اللہ کا عذاب ان کے لیے ہے جو اللہ کا کفر اختیار کرتے ہیں اور یہ عذاب حتمی ہے جس سے کافر بچ نہیں سکتے۔

۲۔کافروں کو اس دنیا میں بھی اللہ عذاب دے گا لیکن آخرت کا ابدی عذاب بھی ان کے لیے ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ''کیا آپ نے یہ نہیں دیکھا کہ بتحقیق اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اُتارا اور ہم نے اس پانی کے ذریعہ زمین سے میوہ جات کو نکالا جنکے رنگ مختلف ہیں (رنگا رنگ کے میوہ جات ہم نے اس پانی سے نکالے) اور ہم نے پہاڑوں سے سفید و سرخ راستے نکالے جو کہ مختلف رنگوں پر مشتمل ہیں اور کچھ راستے کالے بھوجنگ (سخت سیاہ) ہیں۔''

بارش کے پانی کے اثرات

اس آیت میں اللہ کی توحید کے متعلق ایک اور دلیل بیان کی گئی ہے جس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے آسمان سے بارش کے پانی کو اتارتا ہے اور اس کے وسیلہ سے زمین

سے نباتات و میوہ جات کو اگاتا ہے۔ اب پانی کی قسم تو ایک ہے اب ہونا یہ چاہیے تھا کہ جب وہ زمین پر برستا ہے تو اس سے ایک جیسی شکل والے انگور اُگتے، ایک رنگ کے پھل پیدا ہوتے، سب میوہ جات پودے اگتے تو سب ایک رنگ کے ہوتے! جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی زمین سے اگنے والے پودے جن کے اگنے کا عمل اور ابتداء ایک جیسی ہے لیکن جب بیل مکمل ہوتی ہے پھلدار درخت تیار ہوتا ہے تو اس کے اوپر لگنے والے میوہ جات اور پھل رنگ برنگے ہوتے ہیں سائز بھی مختلف ہوتا ہے ذائقہ میں بھی فرق ہوتا ہے اور یہ ہر چیز اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عمل اللہ کی تدبیر کے تحت ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے پہاڑوں کے درمیان گھاٹیاں بناتا ہے جو سرخ و سفید اور سیاہ رنگوں میں ہوتی ہیں، پہاڑی راستوں میں رنگوں کا اختلاف خاص عناصر کی مخصوص انداز میں ترکیب کا نتیجہ ہے۔

پیغام:

ا۔ پانی اللہ کی نعمت ہے اور پانی سے زمین پر اللہ کی بے حساب نعمتوں کے اثرات ہیں۔ زمین کی ہر شئ پہاڑ، جنگل، دریا، کھیت، انسان، حیوان سب پانی سے اپنی اپنی حیات لیتے ہیں۔ یہ اللہ کی قدرت کاملہ کا مظہر ہے اور اللہ کی وحدانیت پر دلیل ہے۔

۲۔ اللہ کی ان نعمات کا مشاہدہ کریں اور غور کرنے کے بعد اللہ پر ایمان کے آئیں اور اللہ کی نعمات کا شکر بجالاؤ۔

وَ مِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ''انسان، چوپائے، زمین پر رینگنے والے جانور سب مختلف رنگوں میں ہیں، اللہ کے بندوں سے فقط علماء ہی ہیں جو اللہ سے خشیت و خوف رکھتے ہیں، اللہ ہی بلاشک غالب ہے اور بخشنے والا ہے۔''

انسانوں اور حیوانات کا مختلف رنگوں والا ہونا

انسان اور حیوانات کا جب ہم مشاہدہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح پہاڑ، پہاڑوں کی گھاٹیاں ، مکانات، پھلدار درخت، میوہ جات رنگ برنگے اور ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اسی طرح انسان اور حیوانات بھی مختلف رنگوں والے ہوتے ہیں۔ رنگوں کا اختلاف اللہ کی تدبیر کے نتیجہ میں ہے یہ سب اللہ کی عظمت اور بلند شان کی نشانیاں ہیں۔

اللہ کی نشانیوں سے اثر لینے والے

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اور اس سے قبل والی آیت میں بارش کے پانی کے اثرات کو بیان کیا ہے۔ استدلال رنگوں کے اختلاف سے کیا ہے ، پانی تو ایک جگہ سے آیا ہے اس کا رنگ بھی ایک جیسا اور ذائقہ بھی ایک جیسا ہے لیکن اس کے نتیجہ میں جو چیز وجود میں آرہی ہے اور جو اشیاء اس سے اپنی حیات لے رہی ہیں ان کے رنگ مختلف ہیں۔ رنگوں کا مختلف ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی ذات ہے جو خاص تدبیر کے ساتھ ایسا کرتی ہے۔ یہ سب خود بخود نہیں ہوتا۔ اب سوال یہ ہے کہ ان نشانیوں سے اثر کون لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس بات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ اس کے اثرات فقط علماء لیتے ہیں، جاہلوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ انذار بھی علماء میں اپنا اثر کرتا ہے اس سے مراد علماء باللہ ہیں یعنی وہ حضرات جو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات و افعال کی معرفت رکھتے ہیں ان کے دلوں کو اس وجہ سے سکون ملتا ہے ان کے دلوں سے شک و تردید دُور ہوتی ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ان کا باطن خاشع اور ظاہر خاضع

ہوتا ہے اور ان میں اللہ کا خوف پیدا ہوتا ہے۔ ان میں خضوع و خشوع اس بات کی نشانی ہے کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی اطاعت میں ہیں۔

اللہ کی قدرت و غلبہ

آخر میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ عزیز اور غفور یعنی غالب آنے والا اور معاف کرنے والا ہے۔ علماء کے دل میں خشیت اور خوف رہتا ہے اور اللہ کی صفت غفوریت و بخشش اور عفو و درگزر پر ان کا ایمان ہے یہ لوگ اللہ کی ملاقات کا اشتیاق رکھتے ہیں، خوف و رجاء میں رہتے ہوئے انہیں اللہ کی رحمت و بخشش کی امید رہتی ہے اور وہ اللہ کے عذاب سے خوف میں ہوتے ہیں۔

پیغام:

ا۔ اللہ کی نشانیوں میں غور کرنا چاہئے اس سے ایمان مضبوط ہوتا ہے۔

۲۔ علماء اللہ کی نشانیوں سے اثر لیتے ہیں۔

۳۔ اللہ کے اسماء و صفات و افعال کی مکمل معرفت علماء کو حاصل ہوتی ہے اس لیے ان میں اللہ سے خشیت و خوف ہوتا ہے لہٰذا جو علماء نہیں، ان کو چاہیے کہ وہ علماء سے سبق لیں، خود کو علماء سے قرار دیں یا علماء کے دوست بنیں اور ان سے سیکھیں۔ علماء ہی معاشرہ میں باوقار و باکرامت ہیں اور علماء ہی انسان کو اللہ کی معرفت دلا سکتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَتۡلُوۡنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً یَّرۡجُوۡنَ تِجَارَۃً لَّنۡ تَبُوۡرَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ”(بات یہ ہے) کہ جو لوگ اللہ کی کتاب کو پڑھتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو ہم نے انہیں روزی دی ہے اس سے وہ اعلانیہ اور مخفیانہ طور پر خرچ

کرتے ہیں اور ایسی تجارت چاہ رہے ہوتے ہیں جس میں بالکل خسارہ نہ ہو اور ختم نہیں ہو سکتی۔"

لِیُوَفِّیَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَ یَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝۳۰

ترجمہ: "تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا اجر اور بدلہ دے اور اپنے فضل و کرم سے ان پر اور بڑھا دے، اللہ تعالیٰ تو بہت بخشنے والا ہے اور بہت ہی شکر گذار ہے۔"

اللہ کے ہاں پسندیدہ عبادت

کتاب کی تلاوت سے مراد قرآن پڑھنا اور سمجھنا ہے۔ تلاوت اور قرأت میں یہ فرق ہے کہ قرأت تنہاء پڑھنے کو کہتے ہیں جبکہ تلاوت میں جو پڑھا ہے اس پر عمل کرنا بھی شامل ہے۔ نماز کو قائم کرنے سے مراد یہ ہے کہ نماز کو باقاعدہ سے پڑھتے ہیں، اسے چھوڑتے نہیں۔ اس فریضہ کی حفاظت کرتے ہیں، اعلانیہ اور مخفیانہ انفاق کرتے ہیں فقراء کو مستحبی صدقات مخفیانہ طور پر دے دیتے ہیں تاکہ ریاکاری سے بچ جائیں اور واجب صدقات کو اعلانیہ دیتے ہیں تاکہ اس سے دوسروں کو تشویق ہو۔

قرآن کی تلاوت، نماز قائم کرنا اور اپنے مال سے خرچ کرنا اللہ کے ہاں محبوب و پسندیدہ اعمال ہیں۔ ان اعمال کو انجام دینے والے درحقیقت تجارت کر رہے ہیں جس طرح تاجر کاروبار کرتا ہے اور اس میں منفعت کی اُمید رکھتا ہے لیکن تاجر مال کو تجارت میں خسارے کا اندیشہ ہوتا ہے لیکن قرآن کی تلاوت کرنے والے، نماز قائم کرنے والے اور اپنے مال کو اللہ کی خوشنودی کے لیے خرچ کرنے والوں کے اعمال میں کسی بھی قسم کے خسارے کا اندیشہ نہیں ہے۔ اللہ ایسے اعمال انجام والوں کی تشویق کر رہا ہے ان کو پورا پورا اجر و ثواب دیا جائے گا۔ ان کے ثواب سے کچھ بھی کم نہ ہو گا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کے ثواب میں اضافہ فرما دے گا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا'' (سورہ نمل، آیت ۸۹)

"جو کوئی نیکی لے کر آئے گا اسے اس سے بہتر اجر دیا جائے گا۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:

"تمہیں تمہارے نیک عمل کا دس برابر اجر دیں گے" (سورہ انعام، آیت ۱۶۰)

ہو سکتا ہے یہ اضافہ ثواب کی سنخ سے نہ ہو بلکہ اس کے علاوہ کچھ اور ہو۔

اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

''لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ'' (سورہ ق، آیت ۳۵)

"وہاں جو کچھ وہ چاہیں گے ان کے لیے موجود ہے اور ہمارے پاس اس کے علاوہ بھی موجود ہے۔"

پیغام:

اللہ کسی کے عمل کا ثواب ضائع نہیں ہونے دیتا، جو انسان نیک عمل کرتا ہے اس کا اسے پورا بدلہ ملے گا بلکہ اس سے زیادہ بھی اسے دیا جائے گا جس کے بارے میں انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ لہٰذا اس دنیا میں رہ کر نیک اعمال بجالانے میں سستی نہ کی جائے۔

وَ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: "اور جو کچھ ہم نے قرآن کو تمہارے لیے برحق وحی کی ہے اور یہ وحی پہلے والی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے بتحقیق اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کے بارے آگاہ وبینا ہے۔"

قرآن کے بارے اعلان

قرآن حق پر مبنی کتاب ہے، اس میں کچھ بھی باطل نہیں ہے۔ قرآن مجید ان کتابوں کی تائید کرتا ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔ اللہ اپنے بندوں کے حالات سے آگاہ ہے۔ اللہ ہر شئی کو دیکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والی کتابوں کو اپنے رسولوں کے وسیلہ سے بھیجتا ہے۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝۳۲

ترجمہ: ''پھر ہم نے اس کتاب کا وارث انہیں بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں سے انتخاب کیا۔ ان میں سے بعض تو ستمگر، بعض میانہ رو اور کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے اذن سے نعمات اور خیرات کی جانب تیزی سے آگے بڑھتے ہیں اور یہی بہت بڑا فضل ہے۔''

قرآن کی وراثت اہل بیت پیغمبرؐ کے لیے

اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ اے رسول ﷺ! ہم نے قرآن آپ پر نازل کیا ہے اور اسے تیری ذریت کے لیے وراثت میں دیا ہے البتہ وہ ذریت جس کا ہم نے انتخاب کیا، تمام بزرگان سے ہم نے انہیں خالص کیا اور ان کو چن لیا ہے۔

اس سے سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی معصوم اولاد مراد ہیں۔ سنی و شیعہ ہر دو نے اس بات کو رسول اللہ ﷺ کی زبان سے بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا میں تمہارے

درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب قرآن مجید اور دوسری میری ذریت اہل البیت علیہم السلام ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر اکٹھے آئیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے قرآن کو معصومین علیہم السلام کے لیے ارث دیا ہے نہ کہ اپنے تمام بندوں کے لیے کیونکہ بندوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں اور گناہ گار ہیں کچھ میانہ رو ہیں اور خیر ان کے قریب ہے اور تیسرا گروہ وہ ہے جن کی طرف خیر تیزی سے جاتی ہے وہ قرب کے درجات کے نزدیک ہیں ان کے لیے دوسرے گروہوں پر حق امامت حاصل ہے۔ وہ اسی امامت کی وجہ سے کتاب کی وراثت کے حقدار ہوئے ہیں یہ امر اللہ کے اذن سے انجام پایا ہے اور یہ بہت بڑا فضل ہے۔ اس منصب کے حصول کی کوشش بے فائدہ ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک منتخب بندوں سے مراد علماء اُمت یا اُمت محمدیہ ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے۔[1]

---

[1]۔ اس آیت میں کتاب کو میراث کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے یہ اس مناسبت سے ہے کہ مرنے والے کے غیروں کا اس کے میراث میں حصہ نہیں ہوتا لہٰذا جو امت کے اعتبار سے اغیار ہیں جیسے منکرین اور منافقین، ان کا قرآن میں کچھ حصہ نہیں۔ قرآن جو کہ بغیر کسی کی محنت اور جستجو کے اللہ کی طرف سے مومنین کے لیے نازل ہوا ہے یہ عنایت الٰہی ہے۔ اس میں دوسرا پہلو بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح میراث کے حصص ہیں، $\frac{1}{2}$، $\frac{1}{3}$، $\frac{1}{4}$، $\frac{1}{6}$، $\frac{1}{8}$ ہیں۔ ورثاء کی مرنے والے سے تعلق داری، قرابت قریبیہ اور قرابت بعیدہ کے لحاظ سے میراث کے سہام کی استعداد و قابلیت کے اعتبار سے مختلف ہے کیونکہ کچھ قرآن کے الفاظ اور قرأت تک محدود ہیں کچھ ظاہری معنی اور کچھ ان کی تفسیر سے بہرہ مند ہوتے ہیں، کچھ اور ان کے عمیق تر اور گہرے معانی سے فائدہ اٹھاتے ہیں کچھ ان کے حقائق سے مستفید ہوتے ہیں۔

ایمان لانے والوں کے گروہ

اس آیت میں قرآن پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے والوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے کیونکہ قرآن میں جائزہ لینے کا معیار اور اصول یہ ہے کہ کون کس قدر عامل ہے۔ واقعی مسلمان وہ ہے جو قرآن پر عمل کر رہا ہوتا ہے اس کو سامنے دیکھ کر اس کے بارے جائزہ لیا جاتا ہے ایسا شخص ہی نجات پانے والوں سے ہے۔ اس کے لیے برزخ کا زمانہ اور قیامت کا دن آسانی سے گزرے گا۔ اس آیت میں مومنین کو تین گروہ میں تقسیم کیا ہے۔ سورہ الصافات آیت ۱۱۳ میں دو گروہ کی بات ہوئی ہے۔ ابراہیم اور اسحٰق کی ذریت سے محسن ہیں اور اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں۔

معصومینؑ کا تذکرہ

اس آیت میں جس تیسرے گروہ کی بات کی گئی ہے اس سے فقط معصومینؑ کی ذوات مراد ہیں۔ حقیقت میں ان کی پہلے والے دو گروہ یا سورہ الصافات کی آیت ۱۱۳ میں بیان کردہ ۲ گروہوں سے کوئی مناسبت و مماثلت نہیں ہے کیونکہ معصومینؑ کی خلقت شجرہ طیبہ سے ہے اور باقی کی خلقت مختلف شجرہ جات سے ہے ان کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ روایات میں بیان ہوا ہے کہ معصومینؑ کی ارواح کو مومنین کی ارواح سے دو ہزار سال پہلے خلق کیا گیا ہے۔ حدیث کے مطابق دوسری مخلوقات سے ان کی نشو ونما مقدم ہے کیونکہ یہ ذوات تو رحم مادر میں ہوتے ہوئے گفتگو کرتے ہیں، ماں کے ساتھ ہم کلام ہوتے ہیں۔ وہ اس جگہ پر اس طرح ہیں جس طرح دنیا میں موجود ہوں۔ برزخ میں اخروی نعمات سے بہرہ مند ہونے والوں کی مانند بہرہ مند ہوتے ہیں۔ آئندہ کو دیکھ رہے ہوتے ہیں جو دوسرے سنتے ہیں وہ ان باتوں کو سن لیتے ہیں بغیر اس کے کہ بولنے والے انہیں سنانے کا قصد یا ارادہ کریں۔

انبیاء عظام کے پیروکار

لہٰذا تمام وہ لوگ جنہوں نے انبیاء کو قبول کیا اور ان کی پیروی کی وہ دو گروہوں میں تقسیم ہیں کچھ محسن و نیکوکار ہیں اور کچھ اپنے اوپر ظلم کرنے والے (گناہگار) ہیں۔ پہلا گروہ جو ظالم لنفس ہے پیغمبروں سے ہر ایک کی اُمت اور ان کی اولاد سے ہیں۔ آپ کی امانت کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ظلوم و جھول ہیں، انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے وہ اپنے رب تعالیٰ کے جاھل ہیں صحیح عقائد رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے امیدوار ہیں۔ اعمال بجا لانے میں سست ہیں، نفسانی خواہشات ان پر غالب آگئیں اسی وجہ سے قیامت کے دن انہیں ٹھہرایا جائے گا تاکہ ان کی صفائی ستھرائی ہو جائے۔ برزخ میں بھی بہت زیادہ حسرت اور ندامت میں ہوں گے۔ اس لیے تذکیہ کے بعد بہشت اور بہشتی نعمات سے بہرہ مند ہوں گے وہ اس وقت کہیں گے الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن۔ چنانچہ سورہ معارج آیت ۴ میں ہے: فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ۔ قیامت کے دن کو پچاس ہزار سال بیان کیا گیا ہے۔ یہ طولانی مدت ان مسلمانوں کے لیے ہے جن کا عقیدہ صحیح ہے ان سے حساب لیا جارہا ہوگا۔ اللہ کے حقوق لوگوں کے حقوق جبکہ کافر اور مشرکین و منافقین سیدھے جہنم میں وارد ہوں گے۔

دوسرا گروہ معتقدین و محبین ہیں یعنی پوری سنجیدگی اور کوشش سے وہ عبادت کرنے والے ہیں، حق کے راستہ میں عقل کے تابع ہیں، نفسانی خواہشات پر غالب ہیں اور تعصّبات، خواہشات سے خود کو بچاتے ہیں کسی کو گمراہ نہیں کیا، کسی کا خون ناحق نہیں بہایا، واجبات ترک نہیں کیے، مال خرچ کرنے سے دریغ نہیں کیا، اپنے عقیدے کے مطابق صحیح ایمان بجالائے ہیں۔ سورہ حدید کی آیت کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ۔۔۔۔۔۔ (سورہ الحدید، آیت ۱۰)

جو امام بر حق کا عارف ہو، وہ مختصر حساب دینے کے بعد بہشت اور بہشتی نعمات میں ہو گا اور فزع اکبر سے محفوظ ہو گا۔ حق الناس اس کی گردن پر نہ ہو گا، یہ کہیں گے: وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ(سورۂ زمر، آیت ۷۴)۔

تیسرا گروہ: آیت کا مطلب ہے سابق بالخیرات، سے معصومینؑ مراد ہیں، یہ کتاب الٰہی کے وارثان ہیں اور اللہ کے منتخب شدگان ہیں یہ بغیر حساب کے بہشت میں ہوں گے۔

امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے سابق بالخیرات یحول حول ربہ یہ مقربین ہیں ناجی ہیں بغیر حساب کے بہشت میں داخل ہوں گے۔

معتقدین (یحول حول عقلہ) عقاب میں ہوں گے اور نجات پائیں گے مختصر حساب دیں گے۔

ظالم لنفسہ (یحول حول نفسہ) عذاب میں ہوں گے نجات پائیں گے صفائی ستھرائی کے بعد جنت میں داخل ہوں گے۔ نیز فرمایا: ظالم لنفسہ منا، امت اور نبی کے وصی کی اولاد جو امام کے حق کی معرفت نہیں رکھتے۔

والمقتصد منا، اُمت اور نبی کی اولاد اپنے امام کے حق کی معرفت رکھتے ہیں۔

المقتصد منا، اپنے امام کے حق کی معرفت رکھنے والے۔

والسابق بالخیرات ہو الامام۔ امام مراد ہے کلھم مغفور لہ۔ سب ہی بخشے ہوئے ہیں۔

تسبحہ، پہلا گروہ اپنے اوپر ظالم کرنے والا اور اپنے امام اور اپنے معبود کا جاھل ہے۔

دوسرا گروہ مقتصدین و محققین ہیں اپنے امام اور اپنے معبود کی معرفت رکھتے ہیں۔

للذا ہم پر لازم ہے کہ سنجیدگی دکھائیں، عقائد کو صحیح رکھیں اور پھر صحیح اعمال بجالائیں تاکہ اُمت اور اولاد نبی سے قرار پائیں اور پہلے گروہ سے نہ بنیں۔ ذرا سوچیں تو! اگر ہم یہ دعوای کریں کہ ہم رسول اللہ کی امت سے ہیں یا ان کی اولاد سے ہیں اور ہمیں جواب دیا جائے کہ تم جھوٹ بولتے ہو! اس وقت ہمارا کیسا حال ہو گا؟

جَنّٰتُ عَدۡنٍ يَّدۡخُلُوۡنَهَا يُحَلَّوۡنَ فِيۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّ لُؤۡلُؤًا‌ ۚ وَلِبَاسُهُمۡ فِيۡهَا حَرِيۡرٌ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ''وہ دائمی جنتیں ہیں جن میں یہ داخل ہوں گے، وہاں انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے، اور وہاں ان کا لباس ریشمی ہو گا۔''

اللہ کا فضل و کرم

اس آیت میں سابقہ آیت میں ذکر شدہ فضل کبیر کی تشریح کی گئی ہے۔ یہ بڑا فضل جاودانی بہشتیں، قسم قسم کی نعمات، زینت کے تمام وسائل کامہیا ہونا، خوشی، مسرت، سکون، آرام کے تمام اسباب کا فراہم ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ انہیں اپنے فضل و کرم سے عطا کرے گا۔

وَ قَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡۤ اَذۡهَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ‌ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوۡرٌ شَكُوۡرُ ۙ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ''وہ لوگ (یہ سب کچھ دیکھ کر) کہیں گے تمام حمد اللہ کے لیے مخصوص ہے، ہم سے (ان نعمات کے ملنے سے) غم و حزن وملال ختم ہو گیا ہے۔ بلاشک ہمارا رب بہت ہی بخشنے والا اور شکور ہے۔''

الَّذِىۡۤ اَحَلَّنَا دَارَ الۡمُقَامَةِ مِنۡ فَضۡلِهٖ‌ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيۡهَا نَصَبٌ وَّ لَا يَمَسُّنَا فِيۡهَا لُغُوۡبٌ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: ''(وہی تو ہمارا رب ہے) جس نے ہمیں اپنے کرم سے ہمیشہ کے گھر میں اُتارا ہے کہ جس میں نہ رنج ہے نہ تکلیف ہے نہ پریشانی نہ ملال ہے نہ اکتاہٹ ہے۔''

دوسرا گروہ

اس آیت میں اُمت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان افراد کا تذکرہ ہے جن کا تعلق دوسرے ظالم گروہ سے ہے۔ جو عمل کرنے میں سست تھے، کوتاہیاں کیں۔ جب یہ گروہ قیامت کے حساب کے لیے لایا جائے گا تو پریشان ہونگے، ملال اور غم واندوہ میں ہونگے۔ بعض نے کہا ہے اس سے دُنیا کی سختیاں اور پریشانیاں مراد ہیں جبکہ بعض کے نزدیک اس سے مرنے کے بعد برزخ اور میدان محشر کی سختیاں مراد ہیں۔ اسی طرح اس آیت میں بہشت جانے سے پہلے کے حالات کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ان سے جو گناہ سرزد ہوئے ہیں ان کے اثرات انہیں نظر آرہے ہوں گے ان کی پریشانیاں اور بڑھ جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے اس جگہ اپنے آپ کو غفور اور شکور کے اوصاف سے یاد کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف کر دے گا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کے ثواب کو بڑھا دے گا۔ جب اس گروہ کو معافی مل جائے گی تو بہت خوش ہوں گے اور اللہ کی تعریف کریں گے اور اس بات کا اظہار کریں گے کہ اللہ نے ہمیں ایسی جگہ پر اتار دیا ہے جہاں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ایسی جگہ ہے جہاں پر کوئی غم نہیں، خوشحالی ہے، مسرت ہے، ہر قسم کی مشکلات سے دور ہوں گے۔ اللہ نے ہمیں بغیر استحقاق جنت میں داخل کیا ہے۔ وہ بڑا بخشنے والا اور قدردان ہے۔ ہمیں جس چیز کی ضرورت ہوگی ملے گی، کچھ حاصل کرنے کے لیے ہمیں کسی قسم کی مشقت نہ کرنا پڑے گی۔

پیغام:

۱۔ گناہگاروں کو اللہ کی رحمت اور بخشش سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

۲۔ قیامت کے دن گنہگار افراد میدان محشر میں سخت حساب سے گزرنے کے بعد اللہ کے فضل و کرم سے جنت میں داخل ہونگے۔

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۚ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ''اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے لیے آتش جہنم ہے، نہ ان کو موت دیں گے کہ وہ مر جائیں اور نہ ہی جہنم کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی۔ ہم اس طرح ہر کفر اختیار کرنے والے کو سزا دیں گے۔

کافروں کے لیے آتش جہنم کا عذاب

آتش جہنم کافروں کے لیے خاص ہے یہ عذاب ان سے جدا نہیں ہو گا۔ وہاں نہ تو ان کے لیے مر جانے کا فرمان جاری ہو گا تاکہ عذاب سے نجات پا سکیں اور نہ ہی ان کے عذاب میں تخفیف ہو گی تاکہ وہ کچھ دیر آرام کر لیں۔ یہ عذاب ان کے ساتھ چپکا رہے گا۔ آخر میں فرمایا ہے کہ ہم اس طرح کفر اختیار کرنے والوں کو سزا دیں گے۔ دوسری جگہ دوزخیوں کے وصف میں یوں بیان کیا گیا ہے: دوزخی اس طرح پکاریں گے، سورہ زخرف میں ہے:

وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾

''وہ کہیں گے! اے جہنم کے مالک! تیرا رب ہمارے بارے موت کا حکم جاری کر دے۔'' تو فرشتہ جواب میں کہے گا تم نے یہاں پر اسی طرح رہنا ہے۔

وَ هُمۡ یَصۡطَرِخُوۡنَ فِیۡهَا ۚ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا غَیۡرَ الَّذِیۡ کُنَّا نَعۡمَلُ ؕ اَوَ لَمۡ نُعَمِّرۡکُمۡ مَّا یَتَذَکَّرُ فِیۡهِ مَنۡ تَذَکَّرَ وَ جَآءَکُمُ النَّذِیۡرُ ؕ فَذُوۡقُوۡا فَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ نَّصِیۡرٍ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: ”(کافر) جہنم میں چیخیں گے، چلائیں گے اور یہ بات زور زور سے کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں اس جگہ سے باہر نکال دے تاکہ ہم باہر جا کر نیک عمل انجام دیں، اس طرح عمل نہ کریں گے جو ہم پہلے کرتے رہے ہیں (ان کے جواب میں کہا جائے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی مقدار میں عمر نہیں دی تھی جس نے نصیحت قبول کرنا تھی تو نصیحت قبول کی، ڈرانے والا بھی تمہارے پاس آیا تھا؟ پس اب تم عذاب کا مزہ چکھو کہ ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے۔“

کافروں کی فریاد

کافر آتش جہنم میں شور شرابا اور فریاد کریں گے اور اس خواہش کا اظہار کریں گے کہ انہیں ایک دفعہ اس جگہ سے باہر نکالا جائے تاکہ واپس جا کر صالح عمل کریں۔ وہ کہیں گے ہم واپس جا کر اس طرح سے عمل نہیں کریں گے جیسا کہ ہم پہلے کرتے تھے۔ ان کے جواب میں کہا جائے گا کہ اب تم واپس نہیں جا سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے تمہیں ایک عمر دی، تمہیں نصیحت کی گئی، تمہارے پاس ڈرانے والا آیا تھا اور تم سیکھ سکتے تھے لیکن کچھ نہیں سیکھا اور ایمان نہیں لائے اور کفر اختیار کیا۔۔ اب عذاب میں پڑے رہو، ظالموں کا کوئی یاور ومددگار نہیں ہوگا کہ انہیں اس عذاب سے رہائی دلائے۔ دنیا میں وہ جن کو اپنا یاور ومددگار خیال کرتے تھے وہ بھی ان کے ہمراہ عذاب جھیل رہے ہوں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ''بلاشک و شبہ! اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے غیب سے آگاہ ہے اور یقینی طور پر اللہ تعالیٰ سینوں میں چھپے رازوں سے آگاہ ہے۔''

اللہ کا علم

اللہ کا علم لامحدود ہے اس سے کچھ بھی مخفی نہیں، اس سے کچھ بھی غائب نہیں ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ سینوں میں چھپے رازوں سے آگاہ ہے تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اللہ ان سب سے آگاہ ہے۔ وہ ہر ایک کا مواخذہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ (سورہ البقرہ، آیت ۲۸۴)

''جو کچھ تمہارے باطن میں ہے تم اسے ظاہر کرو یا تم اسے چھپاو خداوند اس کے متعلق تمہارا احتساب کرے گا''۔

کیونکہ قیامت ایسا دن ہے جس میں تمام چھپی ہوئی چیزیں ظاہر ہو جائیں گی:

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴿۹﴾ (سورہ طارق، آیت ۹)

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ؕ وَ لَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَ لَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ''اللہ وہ ہے جس نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا ہے لہٰذا جو بھی کافر ہو گا تو اس کا کفر خود اس کے اپنے اوپر ہو گا۔ کافروں کا کفر اللہ کے نزدیک سوائے غضب کے اور

کچھ بھی اثر نہیں چھوڑتا اور کافروں کا کفران کے لیے سوائے خسارہ اور نقصان کے ان کے لیے کچھ بھی نہیں بڑھاتا۔"

انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ

خلیفہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ آنے والے ، گزرے ہوئے لوگوں کے خلیفہ و جانشین بنتے ہیں۔ انسان کے زمین پر خلیفہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ زمین میں تصرف اور اس میں ہر طرح کے کام کرنے کا حق رکھتا ہے۔ انسانوں کا ایک دوسرے کا جانشین بننا ان کی خلقت کا حصہ ہے جس سے تناسل و توالد کا نظام جاری و ساری ہے۔ جس میں ہمیشہ دو گروہ بنتے جا رہے ہیں ایک گروہ سابق ہے اور دوسرا گروہ لاحق ہے۔ یہ تدبیر انسان کی خلقت سے جدا نہیں کیونکہ اس ذات کی طرف سے ہے جو ان سب کا خالق ہے۔ وہ ہی بعد والوں کو پہلے والوں کا جانشین قرار دیتا ہے۔ اللہ ہی جہان کا نظام چلانے والا ہے۔ جو بھی اس حقیقت پر پردہ ڈالے اور اس حقیقت کا اعتراف نہ کرے اس تدبیر و سسٹم کا انکار کرے تو اس کا یہ انکار خود اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس کا بوجھ خود اسی نے اٹھانا ہے کوئی اور اس کے اس انکار کا خمیازہ نہیں بھگتے گا۔ اس کفر کا اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں ہے اس کا خسارہ کافروں کے لیے ہے۔ اس انکار کا نتیجہ اللہ کی ناراضگی اور سخت عذاب ہے۔ کیونکہ جو لوگ اللہ کی عبودیت کا انکار کر دیتے ہیں اللہ کی جناب میں حاضر ہونے کو ذلت خیال کرتے ہیں وہ اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں اور اس کا خسارہ اٹھائیں گے۔ کیونکہ وہ نفس جس میں کمال و ترقی حاصل کرنے کی صلاحیت موجود تھی اور سعادت مند ہو سکتا تھا اس انکار کی وجہ سے کمال کی منزل طے نہ کر سکا اور سعادت کی بجائے بدبخت بن گیا اور بہت جلد ان اعمال کا نتیجہ قیامت کے دن پائے گا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِيْ مَا ذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ۝

ترجمہ: ''ان سے کہہ دو! مجھے خبر دو کہ یہ جو تم اللہ کے علاوہ دوسروں کو خدا قرار دیتے ہو ذرا بتاؤ تو صحیح انہوں نے کس چیز کو خلق کیا ہے، زمین سے کیا خلق کیا ہے؟ آسمانوں کی خلقت میں اس کی شراکت ہے یا اس نے کوئی کتاب اُتاری ہے؟ کہ اس میں اسی طرح کے شریک کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ مشرکین اپنے بنائے گئے شریک پر کوئی واضح ثبوت رکھتے ہیں؟ ایسا نہیں ہے! ان کے پاس اس کوئی جواب نہیں ان موارد سے کچھ بھی ان کے لیے نہیں ہے بلکہ وہ ظالم ہیں جو آپس میں ایک دوسرے سے جھوٹ بولتے ہیں۔''

کفار اور مشرکین کے خلاف احتجاج کا واقعہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو کافروں اور مشرکوں کے خلاف احتجاج کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔ ان کے جھوٹ کی دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ کے علاوہ بت اور بتوں کے علاوہ دوسرے ارباب ہوں اور ان کی عبادت کرنی چاہیے تو ضروری ہے کہ اس کائنات کے کسی حصے کی تدبیر ان کے اختیار میں ہو۔ اگر ایسا ہو تو جتنے حصے کی تدبیر ان کے پاس ہے اتنی مقدار کے خالق بھی وہی ہونگے، کیونکہ بغیر خلقت کے تدبیر تصور نہیں کی جا سکتی اور اگر یہ خالق ہوتے تو یقینی طور پر کائنات میں اس کا کوئی ثبوت موجود ہوتا یا تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی جانب سے اس بارے بتایا گیا ہوتا یا کسی اور ذریعہ سے یہ بات معلوم ہو جاتی۔ جب ہم

کائنات پر نظر دوڑاتے ہیں تو اللہ کے سواء کوئی اور خالق یا اس میں اس کا کوئی شریک نہیں پاتے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمانی کتب میں بھی اس کے متعلق کچھ بیان نہیں ہوا ہے جس سے پتہ چلے کہ بتوں کی اللہ کے ساتھ خلقت میں شراکت ہے۔ لہٰذا ان مشرکین کے پاس اللہ کے ساتھ شریک قرار دینے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ اس قسم کے عقیدہ کا اصلی سبب دھوکہ دینا ہے جس کے ذریعہ بعض لوگ دوسروں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ قوم کے سردار اپنی رعیت کو دھوکہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بت ہی ہیں جو اللہ سبحانہ کے پاس تمہارے سفارشی ہوں گے اور تمہیں اس کا قرب دلائیں گے۔

پیغام:

۱۔ بت پرستوں کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ بت، خلق کرنے میں اللہ کے شریک ہیں۔

۲۔ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں ہے۔

۳۔ تدبیر عالم اس بات کی دلیل ہے کہ خالق فقط ایک ہے اور وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے۔

۴۔ مشرکین اپنے عقیدہ میں جھوٹے ہیں ان پر اعتبار نہ کیا جائے اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَ لَئِنْ زَالَتَاۤ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾

ترجمہ: ”اللہ ہی تو ہے جو آسمانوں اور زمین کو فناء ہونے سے روکے ہوئے ہے اور اگر یہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں اور زائل ہوں تو اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جو ان کو اپنی جگہ پر برقرار رکھ سکے۔ اللہ تعالیٰ بردبار اور بخشنے والا ہے۔“

خلقت کا ایجاد کے بعد قائم رہنا

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں توحید ربوبی پر ایک اور انداز سے دلیل قائم کی ہے اور وہ یہ ہے کہ خلق کرنے کے بعد بقاء کا مسئلہ۔ اللہ ہی ہے جو مخلوقات کو خلق کرنے کے بعد زائل ہونے سے بچائے رکھتا ہے۔ کیونکہ ہر شئی کے مختلف لحظات میں الگ وجود ہوا کرتے ہیں لیکن چونکہ وہ لحظات آپس میں جڑے ہوئے ہوتے ہیں ہم ان مختلف وجودوں کو ایک شمار کرتے ہیں۔ اگر ایک آن کے لیے اللہ کا فیض منقطع ہو جائے تو ساری موجودات درھم برھم ہو جائیں گی۔ ساری کائنات کے باہمی ربط اور تعلق کا ہر آن برقرار رہنا ضروری ہے۔ موجودات کا وجود بتا رہا ہے کہ خالق کائنات کا فیضان جاری ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے اور وہی ان کے زائل ہونے میں رکاوٹ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کے زائل ہونے کا ارادہ کرے تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔ اللہ ہی یگانہ خالق اور تنہا مدبر ہے۔ وہ واحد ہے احد ہے، وہ بردبار ہے، کسی امر میں جلد بازی نہیں کرتا، اس کی تکذیب کرنے والے سبب نہیں بنتے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خاتمہ کر دے۔ وہ بخشنے والا ہے کہ ان اشیاء کے عدمی پہلوؤں کو چھپائے رکھتا ہے۔ ان دو ناموں کا تقاضا ہے کہ آسمان اور زمین زائل نہ ہوں اور ایک طے شدہ مدت تک باقی رہیں۔[1]

---

[1]۔ کتاب "عقل سلیم" میں یہ بات ذکر ہوئی ہے کہ علم اور غفران اللہ کی دو صفات ہیں، ان کی بناء پر اللہ مجرموں کو عذاب دینے میں جلال نہیں کرتا۔ اسی بناء پر آسمانوں اور زمین کی حفاظت ہو رہی ہے وگرنہ اس بات کا سبب موجود تھا کہ انسان کے جرائم کی بناء پر آسمان اور زمین تباہ ہو جاتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (سورہ مریم، آیت ۹۰)

(زلزلے، آسمانی آفات، بے وقت بارشیں، سمندری طوفان، تباہ کن سیلاب، سخت آندھیاں، آتش فشاں، پہاڑوں کا پھٹنا، یہ سب اشارے ہوتے ہیں کہ انسان کے اختیار میں کچھ نہیں ہے، کوئی اور ذات ہے جو اس ساری کائنات کو چلارہی ہے اور اس کا نظم اسی کے پاس ہے اور وہ اپنی حلمیت اور غفوریت کی وجہ سے آسمانوں اور زمین کو باقی رکھے ہوئے ہے)۔

پیغام:

ا۔ اللہ تعالیٰ کی صفت حلیمی اور غفوری کو بہت یاد کریں، یہ دو صفتیں انسان کی مددگار ہیں۔

۲۔ آسمانوں اور زمین کی بقاء اللہ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے۔ خود کو مستقل نہ سمجھیں اللہ کے کرم سے ہمارا وجود ہے۔

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ۙ﴿۴۲﴾

ترجمہ: ''انہوں نے بڑی سخت قسم کی قسم اُٹھائی کہ اگر ہمارے پاس رسول آئے تو ہم دوسری اُمتوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوں گے لیکن جب ان کے پاس رسول آیا تو ان کے آنے میں ان کے اندر دُوری اور نفرت کے اور کچھ بھی اضافہ نہ ہوا۔''

قریش مکہ کی سرزنش

اس آیت میں قریش مکہ کی رسول اللہ ﷺ کی آمد سے پہلے کی حالت بیان کی گئی ہے ۔ ان کی اس بات پر سرزنش کی گئی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے جس طرح دیگر اقوام میں رسول آئے ہیں اگر ہمارے پاس بھی رسول آتا تو ہم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ وہ یہود و نصاریٰ کی مثال دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کے پاس رسول آئے، آسمانی کتاب آئی جبکہ ہمار

ے پاس نہ رسول آیا ہے اور نہ ہی کتاب آئی ہے۔ لیکن جب ان کے پاس رسول تشریف لائے تو انھوں نے ان کی تکذیب کی اور انہیں جھٹلایا۔ نہ صرف ان کی تکذیب کی بلکہ اس رسول کی بعثت کے سبب ان کا حق سے گریزاں ہونا شدت اختیار کر گیا اور وہ پہلے سے زیادہ باغی ہو گئے۔

پیغام:

۱۔ قریش مکہ کی مانند مت بنیں۔ اس وقت جب حجت خدا نمائندہ الٰہی ہمارے درمیان موجود نہیں ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اگر حضرت امام مہدی (عج) ہمارے درمیان تشریف لے آئیں تو ہم بڑے نیک بن جائیں گے ہم میں وحدت ہو گی۔ ایسا نہ ہو کہ جب وہ تشریف لے آئیں تو ہم ان کی مخالفت پر ڈٹ جائیں اور ہماری حالت پہلے سے زیادہ بگڑ جائے۔ اس بات کی طرف آخر زمان سے متعلق بعض روایات میں اشارہ کیا گیا ہے۔

۲۔ واضح ہدایت کی کتاب قرآن ہمارے درمیان موجود ہے اور سنت پیغمبر اکرم ﷺ کو آئمہ اہل البیت علیہم السلام نے ہمارے لیے بیان کر دیا ہے۔ یہی ہدایت کا مکمل انتظام ہے ہمیں اس پر عمل کرنا چاہیے اور امام مہدیؑ کے آنے سے پہلے نیک بن جائیں کہ ان کے آنے پر ان کے غضب کا نشانہ نہ بنیں

اِسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَ مَكْرَ السَّيِّئِ ؕ وَ لَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝۴۳

ترجمہ: ”ان کی دوری کا سبب زمین میں استکبار اور بڑائی کا اظہار ہے اور بری نیت اور سازش اس کا سبب بنی۔ بری تدبیر خود اس کی طرف پلٹے گی جس نے بری تدبیر کی

ہے۔ کیا انہیں انتظار ہے کہ ان کے ساتھ ایسا رویہ اپنایا جائے جو سابقہ لوگوں کے لیے اپنایا گیا؟ یہ بات معلوم رہے کہ اللہ کی سنت اور رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی اور اس کو تم نہیں دیکھ پاوگے۔''

مکر کے بارے بیان

مکر سے مراد خفیہ حیلہ اور تدبیر سے انسان کو کسی کام سے روکنا ہے۔ مکر دو طرح کا ہوتا ہے ایک مکر حسن اور دوسرا مکر سیئ۔ اچھی تدبیر اور اچھا حیلہ و چارہ وہ ہے جو انسان کو برائی سے روکے اور مکرِ سیئ وہ تدبیر اور حیلہ و چارہ ہے جو برائی پھیلاتا ہے۔ خفیہ کاری سے برائی کو انجام دیتا ہے۔ جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے منہ موڑ لیا اور حق کو قبول نہیں کیا اس کی وجہ استکبار تھی۔ رسول خدا ﷺ کی بات کو قبول نہ کرنے کا سبب ان کا تکبر و غرور تھا۔ وہ زمین پر خود کو بڑا بنا بیٹھے تھے اور دوسروں کو کچھ نہیں سمجھتے تھے اور وہ مغرور بن گئے تھے؛ انہیں عوامل نے انہیں حق سے موڑ دیا۔

دوسری بات یہ تھی کہ انہوں نے حیلہ اور مکاری سے کام لیا اور بری تدبیر اور خفیہ کاری سے خود کو حق کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔ اس برے مکر کا نقصان انہی کو ہوگا جنہوں نے بری تدبیر کی ہے۔ اس کا برا اثر دُنیا میں بھی ہوگا اور آخرت میں بھی اس کا نقصان ہوگا۔ مکار اپنی مکاری کی سزا خود بھگتے گا اس کے علاوہ کچھ اور نہ ہوگا یہی سنت الٰہی ہے۔ سابقہ اُمتوں میں جو کچھ ہوا وہی اس اُمت میں بھی ہوگا۔ سنت خدا یہ نہیں کہ عذاب اور سزا کی بجائے عافیت و جزاء ملے۔ اللہ کی سنت و طریقہ میں تبدیلی نہیں، اللہ کی سنت میں تحویل بھی نہیں ہے کہ جو عذاب ایک فرد یا ایک قوم کے لیے ہے اسے دوسرے فرد یا دوسری قوم کی طرف تبدیل کر دیا جائے کیونکہ جو لوگ جس چیز کے مستحق ہیں وہی ان کو ملتا ہے۔ اللہ کے تمام احکام مصلحت اور حکمت کے تحت ہیں، ان میں نہ تبعیض ہے اور نہ ہی زیادتی ہے اور نہ استثناء ہے، ایک کلی

قانون ہے جو ہر ایک کے لیے اور ہر جگہ جاری ہوتا ہے۔ کائناتی نظام میں نہ تبدیلی ہے اور نہ ہی تحویل۔ اگرچہ آیت کا مخاطب رسول اللہ ﷺ ہیں لیکن یہ خطاب ہر سننے والے کو شامل ہے۔

پیغام:

۱۔ انسان کو اچھی تدبیر کرنی چاہیے۔

۲۔ سازشی کبھی کامیاب نہیں ہوتا، خفیہ کاری، بدکاری اور حق کی پامالی کے لیے نہ کی جائے۔

۳۔ اچھی تدبیر سے نیک اعمال کیے جائیں۔ نیکی عام کی جائے برائی سے بچا جائے۔

اَوَ لَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ وَ کَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡہُمۡ قُوَّۃً ؕ وَ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعۡجِزَہٗ مِنۡ شَیۡءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ عَلِیۡمًا قَدِیۡرًا ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ”کیا انہوں نے زمین پر سفر نہیں کیا تاکہ وہ دیکھ سکیں کہ ان سے پہلے والوں کا انجام کیا ہوا جبکہ وہ تو ان سے زیادہ طاقتور تھے۔ جی ہاں! کوئی امر آسمانوں میں موجود ہے اور نہ ہی زمین میں، جو اللہ کو عاجز کرے، اللہ علیم (دانا) قدیر (قدرت والا) ہے۔“

گذشتہ اُمتوں میں سنت الٰہی کا اجراء

اس آیت میں گذشتہ اُمتوں کے بارے میں اللہ کی جاری ہونے والی سنت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور قریش مکہ کو بتایا گیا کہ وہ تو تم سے زیادہ طاقتور تھے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کی مکاریوں اور سازشوں کی انہیں خوب سزا دی اور وہ اللہ کے عذاب سے نہ بچ سکے

جبکہ قریش مکہ تو ان سے بہت ہی کمزور ہیں۔ اس کے بعد قریش مکہ کو ڈرایا اور دھمکایا گیا ہے کہ وہ یہ بات جان لیں اور اللہ سے ڈریں اور اللہ پر ایمان لے آئیں۔ اللہ کو چالاکی نہ دکھائیں اور اللہ کی آیات کو نہ جھٹلائیں کہ کوئی بھی نہیں جو اللہ کی سزا سے آپ کو بچا سکے۔ آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اپنی مکاریوں سے اللہ تعالیٰ کو عاجز کر دے۔ اللہ علیم مطلق ہے وہ نہ کسی سے غافل ہے اور نہ ہی جاہل تاکہ دشمن خدا یہ خیال کرے کہ وہ اپنی خفیہ کاریوں سے اللہ کو غافل کر دے گا۔ کسی میں اللہ کا مقابلہ کرنے کی تاب و طاقت نہیں ہے۔ نیز خداوند قادر مطلق ہے اسے کوئی بھی ناتواں اور عاجز نہیں کر سکتا۔

پیغام:

۱۔ اللہ کی سزا سے خود کو محفوظ نہ سمجھیں۔

۲۔ اپنے سے پہلے والوں کے حالات کا جائزہ لیتے رہیں۔

۳۔ نیک بنیں، نیکی کے لیے تدبیریں کریں، برائی سے بچیں۔

وَ لَوۡ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوۡا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَہۡرِہَا مِنۡ دَآبَّۃٍ وَّ لٰکِنۡ یُّؤَخِّرُہُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُہُمۡ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِعِبَادِہٖ بَصِیۡرًا ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ”اگر اللہ تعالیٰ مجرموں کو ان کے اعمال کی سزا دے دیتا تو پھر زمین پر کوئی چیز باقی نہ رہتی لیکن اللہ تعالیٰ ان کے برے اعمال کی سزا کو ایک معین مدت تک مؤخر کرتا ہے جیسے ہی اس کا وقت آجائے گا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات سے

مکمل طور پر بینا اور آگاہ ہے (جب وقت آجائے گا تو پھر انہیں ان کے کئے کی سزا مل جائے گی)۔"

دُنیاوی عذاب

اس آیت میں گرفت اور پکڑ سے دُنیاوی عذاب مراد ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ انسان کے کفر و جرم کی وجہ سے زمین پر سب جینے والوں کو ہلاک کرتا ہے چاہے وہ حیوان ہوں یا دوسری مخلوقات تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب مخلوقات کو انسان کے لیے خلق کیا ہے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (سورہ بقرہ، آیت ۲۹)

"جو کچھ زمین پر ہے اسے تمہارے لیے خلق کیا گیا ہے"۔

جب انسان نہیں رہے گا تو پھر وہ بھی نہیں بچیں گے جن کو انسان کی خاطر خلق کیا گیا ہے۔

آیت میں اجل مسمّٰی سے مراد موت کا وقت ہے یا قیامت کا دن مراد ہے۔ اس آیت میں ایک پوشیدہ سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو کوئی طاقت عاجز و ناتواں نہیں کر سکتی تو پھر اللہ تعالیٰ نے زمین پر موجود اتنے زیادہ گناہگار اور جرائم پیشہ لوگوں کو اپنے حال پر کیسے چھوڑ دیا ہے؟ اللہ انہیں عذاب کیوں نہیں دے دیتا، اس میں کیا رکاوٹ ہے؟ آیت میں اس سوال کا جواب یوں بیان کیا جا رہا ہے کہ اگر یہ طے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمام گناہگاروں کا فوری مواخذہ کرے اور انہیں فوری سزا دے دے اور تمام مشرکین اور جھٹلانے والوں کی گرفت کرے تو پھر روئے زمین پر کوئی بھی باقی نہ رہے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک مدت تک مہلت دینے کا فیصلہ کیا ہے، ایک وقت معین کر دیا ہے جس میں سب کا مواخذہ ہو گا۔ جب وہ وقت آجائے گا تو پھر ہر گناہگار کا مواخذہ ہو گا کوئی بھی نہیں بچے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو

اپنے بندوں کے تمام حالات اور ان کے سب اعمال سے آگاہ ہے۔[1] جب یہ وقت ختم ہو گا تو پھر اپنے اعمال کی سزا بھگتنا ہو گی۔

پیغام:

۱۔ کوئی بھی انسان خود کو اللہ کے عذاب سے محفوظ نہ سمجھے۔

۲۔گناہگاروں کی سزا کو مؤخر کرنا اور دُنیا میں فوری مواخذہ نہ کرنا اللہ کی طرف سے ایک حکمت و مصلحت کے تحت ہے، درحقیقت یہ زمین کی آبادکاری کا سسٹم ہے لیکن جب وقت ختم ہو گا تو پھر سب کا مواخذہ ہو گا۔

۳۔ کافر مشرک اور گناہگار دنیاوی نعمتوں کے استفادہ میں اس قدر مدہوش نہ ہوں کہ وہ خیال کریں انہیں کبھی سزا نہ ملے گی بلکہ سزا کا دن مقرر ہے جب وہ دن (قیامت) آئے گی تو سب مجرم اللہ کے حضور پیش ہوں گے اور سب کو ان کے اعمال کی سزا ملے گی۔ لہٰذا اس دن سے ڈرتے رہو اور اپنے کو اسی دنیا میں ٹھیک کر لو۔

---

[1] ۔ اس بات کو سورہ بقرہ کی آیت ۳۶ میں بھی بیان کیا ہے: ''وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ''ترجمہ: ''تمہارے لیے دُنیا میں ایک مدت معین تک قرار گاہ ہے اور استفادہ کا موقع ہے۔''

سورۃ یٰسٓ

(مکی۔ کل آیات: ۸۳)

سورہ کے مطالب

توحید، نبوت اور معاد کے بارے بیان۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰسٓ ۚ﴿۱﴾

ترجمہ: ”روایت میں ہے کہ ہر چیز کا ایک دل ہے اور قرآن کا دل سورہ یٰسین ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ یٰسین [1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ہے۔ اس کا مطلب یہ قرار پائے گا: اے وحی سننے والے سید المرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔“

وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ”قرآن کی قسم ہے جو سارا کا سارا حکمت و دانائی ہے۔“

---

[1] ۔الدر المنثور ج ۵، ثواب الاعمال شیخ صدوق ص ۱۳۸۔

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ”اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ رسولوں سے ہیں (اللہ کی نمائندگی آپ کے پاس ہے)۔“

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؕ﴿۴﴾

ترجمہ: ”آپ صراط مستقیم پر ہیں۔“

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۙ﴿۵﴾

ترجمہ: ”جسے عزیز (غلبہ والا، عزت والا) اور رحیم (رحمت والا، مہربان) نے اتارا ہے۔“

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۶﴾

ترجمہ: ”تاکہ آپ اس قرآن کے ذریعہ اس قوم کو ڈرائیں جس کے آباء کو ڈرایا نہیں گیا تھا اور وہ غفلت میں تھے۔“

رسول اللہؐ کی رسالت کا مقصد اور قرآن کا تعارف

یہ بہت ہی اہم سورہ ہے۔ معانی اور الفاظ کے اعتبار سے پورا قرآن حکمت و دانائی ہے اور یہ سورہ اسی قرآن کا دل ہے۔ سورہ کے آغاز میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واضح کہہ دیا گیا ہے کہ آپ اُمت کے نمائندے اور اللہ کے رسول ہیں۔ آپ جس راستہ پر ہیں وہ سیدھا راستہ ہے، اس میں کسی کو شک نہیں کرنا چاہیے، آپ صراط مستقیم پر ہیں۔ جو بھی اس راستے پر آئے گا وہ سعادت مند ہوگا اور اپنے کمال کو پالے گا۔ قرآن میں موعظہ ہے، نصیحت ہے، پیغام ہے، حکمت ہے، علم ہے۔ قرآن اللہ کی جانب سے اتارا گیا ہے اور اللہ کی جانب سے وحی شدہ ہے،

وہ اللہ جو قہار ہے غالب ہے اس کی عبودیت سے منہ پھیرنے والے اللہ کو مغلوب نہیں کر سکتے۔ اللہ مہربان ہے، اسی رحمت کی بناء پر وہ لوگوں کو سعادت و کمال کی طرف راہنمائی فرماتا ہے۔ کمال و سعادت کی راہنمائی کے لیے اپنے نمائندے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھیجا ہے اور ان کی ہدایت کے واسطے قرآن جیسی علم و حکمت، موعظہ و نصیحت پر مبنی کتاب نازل فرمائی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو مخاطب کرکے فرما رہا ہے کہ ہم نے آپ کو اس قوم کے پاس رسول بنا کر بھیجا ہے جن کے آباء واجداد کے پاس کوئی رسول نہیں آیا۔ آپ انہیں اللہ کی نافرمانی کے خطرات سے آگاہ کریں۔ یہ ایسی قوم ہے کہ آپ سے پہلے ان کے آباء کے واسطے کوئی ڈرانے والا ان کے پاس آتا تو وہ اسے جھٹلا دیتے۔ اس قوم سے مراد قوم قریش ہے کہ جس کے پاس کافی عرصہ سے کوئی رسول مبعوث نہیں ہوا تھا یا اس سے مراد تمام انسان ہیں اور مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آپ کی بعثت تک اللہ کی طرف سے کوئی رسول مبعوث نہیں ہوا اور لوگ غفلت کا شکار ہوئے۔

ان آیات میں حضور پاک ﷺ اور قرآن کا تعارف کروایا گیا ہے اور حضور پاک ﷺ کی رسالت کا مقصد بیان کیا گیا ہے۔

پیغام:

۱۔ رسول اللہ ﷺ کا راستہ ہی صراط مستقیم ہے۔

۲۔ صراط مستقیم کی تعلیم قرآن سے حاصل کریں۔

۳۔ قرآنی معارف سے انحراف صراط مستقیم سے انحراف ہے۔

۴۔ قرآن اللہ کی کتاب ہے جو کہ حکمت اور علم کی کتاب ہے۔

۵۔ قریش مکہ کے پاس آپؐ سے پہلے کوئی رسول نہیں آیا۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

ترجمہ: ''بتحقیق ان میں سے اکثر پر اللہ کا فیصلہ حتمی ہو چکا ہے پس اب وہ ایمان نہیں لائیں گے۔''

شیطان اور شیطان کے پیروکاروں کے لیے حتمی عذاب

اس بیان سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان ہے جس میں ابلیس کو مخاطب کرکے فرمایا:

وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ (سورہ ص، آیت ۸۴، ۸۵)

ترجمہ: ''یہ بات حق ہے اور میں حق ہی کہتا ہوں کہ میں جہنم کو تیرے اور تیرے پیروکاروں سے بھر دوں گا (تجھے اور تیرے سارے ساتھیوں کو جہنم میں ڈالوں گا)۔''

شیطان کی پیروی سے مراد

شیطان کی پیروی سے مراد اس کے وسوسوں اور اس کی دھوکہ دہی کے ذریعہ دیئے گئے دستورات کے مطابق عمل کرنا ہے۔ شیطان گمراہی کو انسان کے نفس و جان میں راسخ کر دیتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایسا شخص حق کے مقابلے آکھڑا ہوتا ہے، سرکشی کرتا ہے اور آخرت سے روگردانی کرتا ہے[1]۔ ایسے لوگوں کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے[2]۔ ان آیات میں ایک مطلب کو مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ جو افراد اللہ کی اطاعت چھوڑ دیتے ہیں، نفسانی خواہشات کے تابع ہو جاتے ہیں ابلیس کی راہنمائی میں اپنی زندگی گزارتے ہیں تو ایسے افراد پر

---

[1]۔ سورہ صافات، آیت ۳۰ تا ۳۲، سورہ زمر، آیات: ۷۱ تا ۷۲، سورہ نحل، آیات: ۱۰۶ تا ۱۰۷۔

[2]۔ سورہ یونس، آیت: ۹۶۔

عذاب حتمی ہے، یہ لوگ خود کو عذاب سے نہیں بچا سکتے، ایسے افراد کے لیے ہر صورت عذاب ہو گا۔

اِنَّا جَعَلۡنَا فِیۡۤ اَعۡنَاقِہِمۡ اَغۡلٰلًا فَہِیَ اِلَی الۡاَذۡقَانِ فَہُمۡ مُّقۡمَحُوۡنَ ﴿۸﴾

ترجمہ: ''ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں اور یہ طوق ان کی ٹھوڑیوں تک چڑھے ہوئے ہیں، ان کی حالت ایسی تھی کہ وہ اپنے سر کو نیچے کر کے خود کو نہیں دیکھ سکتے۔''

'' غل'' عربی کا لفظ ہے جو سزا یافتہ شخص کے ہاتھوں کو رسی یا لوہے کی زنجیر سے گردن سے باندھنے کے معنی میں ہے، اس طرح سے کہ وہ جکڑا ہوا ہو۔ یا اس سے مراد خاص قسم کا طوق ہے جو سزا یافتہ شخص کی پوری گردن پر چڑھا دیا جاتا ہے اور اس کی ٹھوڑی تک اس طرح کس دیا جاتا ہے کہ وہ نیچے کی طرف نہیں دیکھ سکتے۔ اہل جہنم کو گردن سے سینے تک اور پھر ٹانگوں تک زنجیروں، ہتھکڑیوں، طوق سے اس طرح جکڑ دیا جائے گا کہ وہ حرکت نہ کر سکیں گے، اوپر نیچے نہ دیکھ سکیں گے۔ غل کی جمع اغلال ہے اور اس کو نکرہ لفظ میں لا کے اس کی بڑائی اور سختی کو بیان کیا گیا ہے کیونکہ یہ انتہائی وحشتناک سزا ہو گی۔

پیغام:

۱۔ گناہگار خود کو اللہ کے عذاب سے محفوظ نہ سمجھیں۔

۲۔ اللہ کا عذاب بہت ہی سخت ہو گا، اس کی کیفیت بہت ہی وحشتناک ہے۔

۳۔ ابلیس کی پیروی کرنے والے سب ہی جہنم میں جائیں گے کسی کے لیے چھٹکارہ نہیں ہے۔

وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝۹

ترجمہ: ''اور ہم نے ان کے آگے دیوار کھڑی کی ہے اور ان کے پیچھے بھی دیوار کھڑی کی ہے اور ہم نے انہیں ڈھانک دیا ہے لٰہذا وہ کچھ دیکھ نہیں پاتے۔''

کفار کی سزا

اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ کفار کے چاروں طرف اس طرح مانع اور رکاوٹ کھڑی کر دی گئی ہے کہ وہ کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتے۔ ان دو آیتوں میں کافروں کے حالات بیان ہوئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ ایمان کی طرف ہدایت کا سلسلہ کافروں سے روک دیا جائے گا۔ اس طرح اللہ انہیں ان کے کفر کی سزا دے دیتا ہے اور اس کا سبب ان کی سرکشی اور ہٹ دھرمی ہے۔ تفسیر فخر رازی ج ۲۶ کے بیان کے مطابق ان دو آیات کی رو سے انسان کو آیات الٰہی میں نظر کرنے میں رکاوٹ بن جانے والی دُنیاوی رکاوٹیں دو طرح کی ہیں: پہلا مانع وہ ہے جو انسان کو اس کے وجود کے اندر پائی جانے والی اللہ کی آیات و نشانیاں کو دیکھنے میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ دوسرا مانع وہ ہے جو انسان کو آفاقی آیات و نشانیوں میں غور کرنے سے روکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی قسم کی رکاوٹ کو زنجیر و طوق اور ہتھکڑیوں سے تشبیہ دیا ہے کیونکہ جس شخص کے ہاتھ پاؤں اور گردن زنجیروں میں جکڑ دئے جائیں وہ اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتا۔ جبکہ دوسری قسم کے مانع کو بند سے تشبیہ دی ہے۔ جس طرح سیلاب کو روکنے کے لیے پانی کے آگے بند باندھ دیا جاتا ہے اسی طرح ابلیس کی پیروی انسان کے اپنے اطراف کو دیکھنے میں رکاوٹ بنتی ہے۔ ایسا شخص کلی طور پر غور و فکر کرنے اور ایمان و ہدایت لینے سے محروم ہو جاتا ہے۔

ابو جہل اور اس کا گھرانہ

روایت میں آیا ہے کہ یہ آیت خصوصی طور پر ابو جہل اور اس کے گھرانے کے ایک فرد کے بارے میں ہے۔ اس نے قسم اٹھائی تھی کہ جب بھی وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھے گا تو وہ ان پر پتھر برسائے گا لیکن جیسے ہی وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز کی حالت میں پتھر مارنا چاہتا تھا تو اس کا ہاتھ گردن سے چپک جاتا تھا اور اس سے پتھر پھینکنے کی طاقت چھن جاتی تھی۔

وَ سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝١٠

ترجمہ: ''اور ان کے لیے یکساں ہے کہ آپ انہیں تنبیہ کریں یا نہ کریں وہ (ہر حالت میں) ایمان نہیں لائیں گے۔''

پچھلی آیات کا نتیجہ

اس آیت میں پچھلی تین آیات کا نتیجہ بیان کیا گیا ہے۔ جن پر عذاب حتمی ہو چکا ہے، جو حقائق کو نہیں دیکھ سکتے، جن پر ہدایت کے راستے بند ہو چکے ہیں جن کے پاس حقائق کو ادراک کرنے کا کوئی راستہ باقی نہ رہا ہو، جو شیطان اور ابلیس کی پیروی میں اس حد تک پہنچ چکے ہوں تو تم ان کو ڈراو یا نہ ڈراو انہوں نے ہدایت حاصل نہیں کرنی اور ان کے ایمان لانے کی بالکل اُمید نہیں ہے۔

پیغام: اپنے اعمال پر نظر رکھیں، اللہ کی نافرمانی میں اس حد تک آگے نہ بڑھ جائیں کہ تمہارے اوپر ہدایت کے سارے راستے بند ہو جائیں۔

إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَٰنَ بِالْغَيْبِ ۖ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ﴿١١﴾

ترجمہ: ''آپ تو صرف اسے تنبیہ کر سکتے ہیں جو اس ذکر کی اتباع کرے اور بن دیکھے رحمن کا خوف رکھے، ایسے شخص کو مغفرت اور اجر کریم کی بشارت دے دیں۔''

انذار کن کے لیے مفید ہے؟

اس آیت میں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ڈرانے سے کون مستفید ہو سکتے ہیں۔ آپؐ کے انذار سے وہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو قرآن کی پیروی کرتے ہیں، قیامت یا موت کے آنے سے پہلے جن پر حقیقت واضح ہو جاتی ہے، دنیا ہی میں اللہ کی خشیت ان میں ہوتی ہے۔ (ہر وقت یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ کہیں غلطی پر گرفت نہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی رحمت سے مایوس بھی نہیں ہوتے)۔ اس حقیقت کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ ایسے شخص کو بشارت دے دیں کہ اس کے واسطے اللہ کی جانب سے مغفرت اور باکرامت اجر ہے۔ ایسا اجر جس کی توصیف بیان نہیں کی جاسکتی۔ اجر کریم سے بہشت اور بہشتی نعمات مراد ہیں۔

سوال: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام تمام انسانوں کے لیے نہیں اور آپ سب کو ڈرانے والے نہیں؟

جواب: آپ کا ہدایت کا پیغام تمام انسانوں کے لیے ہے اسی طرح آپ تمام انسانوں کو اللہ کی نافرمانی پر سزا ملنے کا بتاتے ہیں، انہیں بشارت کے ساتھ ڈراتے ہیں کہ اگر اللہ کی اطاعت نہیں کرو گے تو تمہیں سخت عذاب ملے گا۔ لیکن آپ سے کون فیضیاب ہوتے

ہیں، آپ کی بات کون مانتا ہے؟ اس کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ جس طرح ایک ڈاکٹر مریضوں کی بیماری کی تشخیص کرتا ہے، دوائی بھی تجویز کرتا ہے لیکن اس ڈاکٹر سے کہا جاتا ہے کہ آپ تو فقط ان کے ڈاکٹر ہیں جو آپ کی دوائی استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح اس آیت میں رسول اللہ سے کہا جا رہا ہے کہ آپ تو فقط انہیں ڈراتے ہیں جو قرآن کی پیروی کرتے ہیں اور وہ وہی ہیں جن میں اللہ کی خشیت ہے۔

پیغام:

۱۔ قرآن کی پیروی ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی ہے۔

۲۔ رسول اللہؐ کا پیغام ان پر اثر کرتا ہے جن میں آمادگی موجود ہوتی ہے اور شیطان کے وسوسوں سے محفوظ ہوتے ہیں۔

۳۔ قرآن سب کے لیے ہدایت ہے لیکن فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جو اس کے لیے آمادہ ہوتے ہیں اور شیطان کے وسوسے سے آزاد ہوتے ہیں۔

اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَ نَکۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَ اٰثَارَهُمۡ ؕ وَ کُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰهُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''ہم ہی مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور جو کچھ وہ آگے بھیج چکے ہیں اور جو آثار پیچھے چھوڑ جاتے ہیں سب کو ہم لکھتے ہیں اور ہر چیز کو ہم نے ایک امام مبین میں جمع کر دیا ہے۔''

مردوں کو زندہ کرنا

مردوں کو زندہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ مرنے کے بعد سب کو حساب دینے کے لیے زندہ کیا جائے گا۔ "مَا قَدَّمُوا" سے مراد انسان کے وہ اعمال ہیں جو اس نے دُنیا میں انجام دیئے ہیں اور جن کو مرنے سے پہلے اپنے لیے آگے بھیج دیا ہے۔ اٰثَارَهُمْ سے باقیات مراد ہیں جیسے پیچھے چھوڑی گئی اچھی سنت یا ایسا منصوبہ جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں یا مسجد کی تعمیر جس میں لوگ نماز پڑھتے ہیں یا سبیل جس سے لوگ پانی پیتے ہیں۔ اسی طرح وہ تمام کام جو لوگوں کے استفادہ کے لیے انجام دیئے گئے ہوں جیسے ہسپتال، سکولز، سرائے، راستے، امور خیریہ۔ اسی طرح گناہ اور اللہ کی نافرمانی کے ذرائع اور وسائل جیسے سینما گھر، فحاشی کا اڈہ، ایسی جگہ جہاں پر اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو، فساد پھیلانے کے ذرائع یا پیچھے چھوڑے گئے تربیت یافتہ افراد بھی انسان کی باقیات شمار ہوتی ہیں۔ بہر حال اس کے چھوڑے ہوئے آثار سے مراد وہ تمام کام ہیں جو اس کے مرنے کے بعد معاشرے میں اپنا کردار رکھتے ہیں چاہے وہ اچھا کردار ہو یا برا کردار، اس عمل کے نتائج جو اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتے ہیں ان سب کا احتساب قیامت کے دن ہو گا کچھ بھی نہیں چھوڑا جائے گا۔

لکھنے اور شمار کرنے سے مراد یہ ہے کہ ہر انسان کے اعمال کی کتاب ہے جو باقاعدہ لکھی جا رہی ہے جس میں فرشتے انسان کے تمام اعمال لکھتے ہیں۔ البتہ ان اعمال کا اس کتاب میں لکھا جانا اس کے علاوہ ہے جو امام مبین میں موجود ہے اور یہ لوح محفوظ کے بھی علاوہ ہے۔ کیونکہ اعمال کی حفاظت کے حوالے سے قرآن مجید میں تین چیزوں کا ذکر ہوا ہے:۔

۱۔ ہر اُمت کے اعمال ایک خاص کتاب میں درج ہوتے ہیں۔ [1]

۲۔ تمام موجودات اور ان کے اعمال اور ان کے اثرات لوح محفوظ میں محفوظ ہیں۔ [2]

۳۔ ہر شخص سے صادر ہونے والے تمام اعمال ایک خاص کتاب میں درج ہوتے ہیں۔ [3]

امام مبین سے مراد

اس آیت میں امام مبین سے مراد لوح محفوظ ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ لوح محفوظ ہر قسم کے تغیر و تبدل سے محفوظ ہے اس میں تمام موجودات اپنے حالات و کیفیات درج ہیں اور ہر ایک کی جزئیات تک درج ہیں۔ مخلوق کے بارے اللہ تعالیٰ کی منصوبہ بندی اور ان کے متعلق گذشتہ اور آیندہ کے جاری ہونے والے احکام بھی اس میں درج شدہ ہیں۔ نامہ اعمال کی بھی اس سے نسخہ برداری ہوتی ہے جیسا کی سورہ جاثیہ آیت ۲۹ میں ہے:

''هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ''

''یہ ہے ہماری کتاب جو تمہارے اوپر حق پر مبنی فیصلہ دیتی ہے کیونکہ آپ جو کچھ انجام دے رہے تھے ہم اس کی نسخہ برداری کر رہے تھے۔'' [4]

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۚ﴿۱۳﴾

---

[1] - وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (سورہ انعام، آیت ۵۹)

[2] - كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا۔ (سورہ جاثیہ، آیت ۲۸)

[3] - وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ (سورہ الاسراء، آیت ۱۳)

[4] ۔ معانی الاخبار اور تفسیر قمی میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں امام مبین ہوں، حق اور باطل کے درمیان میں جدائی ڈالوں گا۔ اس بات کو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو مخاطب ہو کر فرمایا: علیؑ وہ امام ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ہر چیز کو شمار کر کے رکھ دیا ہے۔

ترجمہ: ”اوران کے لیے بستی والوں کو مثال کے طور پر پیش کرو جب ان کے پاس پیغمبر آئے۔“

اِذۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡهِمُ اثۡنَیۡنِ فَكَذَّبُوۡهُمَا فَعَزَّزۡنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلَیۡكُمۡ مُّرۡسَلُوۡنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ”جب ہم نے ان کی طرف دو پیغمبر بھیجے تو انہوں نے دونوں کی تکذیب کی پھر ہم نے تیسرے سے (انہیں) تقویت بخشی تو انہوں نے کہا: ہم تو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔“

قَالُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ۙ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ الرَّحۡمٰنُ مِنۡ شَیۡءٍ ۙ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا تَكۡذِبُوۡنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ”بستی والوں نے کہا: تم تو صرف ہم جیسے بشر ہو اور خدائے رحمن نے کوئی چیز نازل نہیں کی ہے، تم تو محض جھوٹ بولتے ہو۔“

بستی والوں کی داستان

اس آیت میں ایک حقیقی داستان بیان کی گئی ہے۔ یہ داستان اس بستی والوں کی ہے جن کی ہدایت کے لیے پہلے اللہ تعالیٰ نے دو رسول بھیجے۔ جب ان لوگوں نے ان کی بات نہ مانی تو اللہ تعالیٰ نے تیسرا رسول بھیج دیا تاکہ یہ سب مل کر اس بستی کے لوگوں کو ہدایت دیں اور انہیں گمراہی سے نکالیں۔ جب تینوں نے مل کر بستی والوں میں اللہ کا پیغام پہنچایا تو انہوں نے ان کو بھی جھٹلا دیا اور ہٹ دھرمی پر اُتر آئے۔ انہوں نے ان رسولوں سے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو کیونکہ تم

ہماری طرح کے بشر ہو اور جو ہم جیسا ہو وہ اللہ کا نمائندہ نہیں بن سکتا۔ اس کی دلیل یہ دیتے کہ ہم بھی تو بشر ہیں، ہمارے پاس تو اس قسم کا کوئی پیغام نہیں آتا تو تمہارے پاس اللہ کا پیغام کیسے آگیا؟ پھر وہ یہی بات تمام انبیاء کے بارے میں کہتے تھے، کیونکہ ایک واقعہ کی جب تردید ہو گئی تو اس جیسے جتنے واقعات ہوں گے ان کی بھی تردید ہو جائے گی۔ لہذا وہ کہنے لگے تم اللہ کے رسول نہیں ہو کیونکہ بشر پر وحی نہیں اُتر سکتی للہذا کوئی بشر نبی نہیں ہو سکتا۔ اس طرح سارے انبیاء کی نبوت کی نفی کر دیتے تھے اور کہتے تھے جو کچھ تم بیان کر رہے ہو یہ رحمن کی جانب سے نہیں، تم جھوٹ بول رہے ہو اس نے کچھ بھی تم پر نازل نہیں کیا۔ وہ اللہ کو رحمان اس لیے کہتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ ہی خالق ہے اور وہ اللہ کی صفت کمالیہ رحمانیت کو مانتے تھے لیکن اسے مدبر اور پورے عالم کا رب نہیں مانتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ پورے عالم کی تدبیر کا کام ان کے بنائے ہوئے معبودوں اور ارباب کے پاس ہے۔ وہ بتوں کو اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ قرار دیتے کہ اللہ اس کام سے خوش ہوتا ہے اور ان پر رحمت اُتارتا ہے۔ اس واقعہ کو بیان کر کے اللہ تعالی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا رہے ہیں کہ قریش مکہ بھی اس بستی والوں کی مانند آپ کو اپنا جیسا بشر کہہ کر تمہاری رسالت کا انکار کریں گے، للہذا ان کو بتا دو تم سے پہلے بھی ایسے لوگ گزرے ہیں جو اللہ کے رسولوں کا انکار کرتے تھے۔

قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''رسولوں نے کہا: ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف ہی بھیجے گئے ہیں۔''

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''ہماری ذمہ داری تو بس اتنی ہی ہے کہ ہم واضح الفاظ میں پیغام کو پہنچا دیں۔''

منکرین کو پیغمبروں کا جواب

جب لوگوں نے رسولوں کا انکار کیا تو اس پر رسولوں نے کیا رد عمل ظاہر کیا؟ اس کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ لوگوں نے یہ کہہ کر انبیاء کی نبوت ماننے سے انکار کیا کہ تم تو ہماری طرح کے بشر ہو لہٰذا تم رسول نہیں ہو سکتے۔ تو ان رسولوں نے کہا کہ ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم اس کے رسول ہیں اور اس نے ہمیں تمہارے پاس ہدایت دینے کے لیے بھیجا ہے۔ دوسرے مقام پر انبیاء کی زبان سے ان جھٹلانے والوں کو اس طرح جواب دیا گیا ہے کہ ٹھیک ہے کہ ہم تمہاری مانند بشر ہی ہیں لیکن تمہارے اور ہمارے درمیان فرق یہ ہے کہ ہمارے اوپر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے، اللہ کا پیغام ہمارے اوپر اُترتا ہے جبکہ تمہارے پاس اللہ کا پیغام نہیں اُترتا (سورہ ابراہیم، آیت ۱۱) اس جگہ زور دے کر یہ بات کہی گئی ہے کہ ہماری صداقت اور سچائی کا گواہ خدا ہی ہے۔

انبیاء کی ذمہ داری

اس جگہ انبیاء کی ذمہ داری کو بیان کیا گیا ہے۔ البتہ یہ بات قرآن میں دوسرے کئی مقامات پر بھی بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ ﷺ کو بھی خطاب کرکے فرمایا ہے کہ میں نے آپ کو انسانوں تک پیغام پہنچانے کی ذمہ داری دی ہے۔ واضح بات ان سے کہہ دو، ان کو حق و سچ بتا دو، ان کے فائدے کی باتیں انہیں سمجھا دو، دُنیا و آخرت میں ان کے نقصان کا سبب بننے والی چیزوں کو بھی انہیں بتا دو اس سے زیادہ آپ پر کچھ نہیں۔ لوگ آپ کی بات سن کر ہدایت پاتے ہیں یا نہیں پاتے تو یہ ان پر چھوڑ دو۔ اس آیت میں اس بات کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ رسولوں سے کہا گیا کہ ان سے یہ کہہ دو کہ ہمارا کام اللہ کے پیغام کو لوگوں تک کھلے اور واضح الفاظ میں پہنچانا ہے اور یہ کام ہم نے کر دیا ہے اب اگر تم اسے نہیں مانتے ہو

تو اس کا نقصان خود تم کو ہی ہو گا۔ اس میں ہمارا کوئی نقصان نہیں ہے ہم نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی ہے۔

قَالُوْۤا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَ لَیَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ”بستی والوں نے کہا: ہم تمہیں اپنے لیے برا شگون سمجھتے ہیں، اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیں گے اور ہماری طرف سے تمہیں دردناک عذاب ضرور پہنچے گا۔“

قَالُوْا طَآىِٕرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَىِٕنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ”رسولوں نے کہا: تمہاری بدشگونی خود تمہارے ساتھ ہے، کیا یہ (بدشگونی) اس لیے ہے کہ تمہیں نصیحت کی گئی ہے؟ بلکہ تم حد سے تجاوز کرنے والے ہو۔“

منکرین کی انبیاء کو دھمکی

باغی اور حق کو قبول نہ کرنے والے لوگ اپنے خیر خواہوں پر چڑھائی کرتے ہیں، ان کے خلاف باتیں کرتے ہیں، ان کو ڈراتے دھمکاتے ہیں۔ مذکورہ داستان میں بھی اس بستی والوں نے رسولوں کی بات کو نہیں مانا بلکہ ان کو جھٹلایا اور ان پر تہمت لگا دی کہ تم تو ہمارے لیے نحوست ہو۔ اور یہ دھمکی دی کہ اگر اس دعوت کے عمل کو تم نے نہ چھوڑا تو ہم تمہیں سنگسار کریں گے اور سخت اذیت دیں گے۔ چونکہ پیغمبر ہمیشہ نرم رویہ اپناتے ہیں اس جگہ بیان کیا گیا ہے کہ پیغمبروں نے ان کی دھمکی آمیز گفتگو کا جواب اس طرح دیا کہ تم نے بدشگونی کی بات کی ہے اور تم ہمیں نحوست سمجھ رہو ہو۔ نحوست تو تمہارے اپنے ساتھ ہے تم

نے جو حق سے منہ موڑ دیا ہے اللہ کے پیغام کو قبول نہیں کر رہے ہو اور تم اسے قبول نہیں کر سکتے تو یہ تمہاری بد بختی ہے تم میں نحوست ہے۔[1] اگر تمہیں حق کی دعوت دی جاتی ہے، توحید یاد دلائی جاتی ہے، اللہ کی طرف رجوع کا کہا جاتا ہے تو تم ایمان لانے کے بجائے اس کا انکار کرتے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم معصیت کار ہو اور حدود الٰہی سے تجاوز کرنے والے ہو۔ ہم تمہاری دھمکیوں سے ڈرنے والے نہیں ہیں اور نہ ہی ہم اس دعوت سے ہاتھ اٹھانے والے ہیں۔

پیغام:

۱۔ حق بات کو بیان کرنے سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔
۲۔ حق کو واضح اور کھلے الفاظ میں بیان کیا جائے۔
۳۔ مخالفین کی دھمکیوں سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

وَ جَآءَ مِنۡ اَقۡصَا الۡمَدِیۡنَۃِ رَجُلٌ یَّسۡعٰی قَالَ یٰقَوۡمِ اتَّبِعُوا الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ''شہر کے دور ترین گوشے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، بولا: اے میری قوم! ان رسولوں کی پیروی کرو۔''

اتَّبِعُوۡا مَنۡ لَّا یَسۡـَٔلُکُمۡ اَجۡرًا وَّ ہُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ''ان کی اتباع کرو جو تم سے کوئی اجر نہیں مانگتے اور وہ راہ راست پر ہیں۔''

وَ مَا لِیَ لَاۤ اَعۡبُدُ الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ وَ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۲﴾

---

[1] ۔ صاحب تفسیر روح المعانی نے طائر کو خیر اور شر کا حصہ قرار دیا ہے، یعنی انسان کے اعمال۔ مصطفیٰ شاکر نے متن میں اسی قول کو اپنایا ہے۔ لیکن صاحب تفسیر المیزان نے سیاق کے تناظر میں متن میں ذکر شدہ متن کا انتخاب کیا ہے۔ (مترجم)

ترجمہ: ” اور میں کیوں نہ اس ذات کی بندگی کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور جس کی طرف تم سب کو پلٹ کر جانا ہے۔“

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ”کیا میں اس ذات کے علاوہ کسی کو معبود بناؤں؟ جب کہ اگر خدائے رحمن مجھے ضرر پہنچانے کا ارادہ کرلے تو ان کی شفاعت مجھے کوئی فائدہ نہیں دے سکتی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکتے ہیں۔“

اِنِّيْۤ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ”تب تو میں صریح گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔“

مومن آل یٰسین کا قصہ (حبیب نجار کا تذکرہ)

بہت ساری روایات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان آیات کا تعلق مومن آل یٰسین سے ہے جس کا نام حبیب نجار تھا۔ اصل واقعہ میں اس شخص کی شہرت اور نام کا دخل نہیں تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اس کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ بہرحال یہ شخص مومن تھا اسی بنیاد پر وہ ان رسولوں کی تائید کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ لیکن جب اسے پتہ چلتا ہے کہ بستی والے ان رسولوں کی بات نہیں مان رہے، ان کو دھمکیاں دے رہے ہیں، انہیں جھٹلا رہے ہیں تو اس نے فیصلہ کیا کہ لوگوں کے درمیان جا کر کھلے انداز میں ان رسولوں کی تائید کرے گا اور تبلیغ کے سلسلہ میں ان کی مدد کرے گا۔ اس شخص کے خالص ایمان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو ملائکہ کے وصف سے یاد کیا ہے۔ وہ لوگوں میں آکر انہیں پیغمبروں کی پیروی پر

اُبھارتا ہے اور ان سے کہتا ہے اے حضرات ! اللہ کی طرف سے تمہارے پاس رسول آئے ہیں جو خود ہدایت یافتہ ہیں اور تمہیں ہدایت دینا چاہتے ہیں۔ تم سے کچھ بدلہ بھی نہیں چاہتے۔ تمہارے فائدے کی بات کر رہے ہیں اس میں ان کا ذاتی مفاد نہیں ہے۔ ان کی پیروی کرنا واجب ہے۔ ان کی دلیل مضبوط ہے کیونکہ وہ (توحید کی بات کرتے ہیں) ایک خدا کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ وہ خدا جس نے سب کو خلق کیا ہے۔ بھلا اس خالق کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کیوں کی جائے۔ میں اپنے خالق کی عبادت کرتا ہوں جس کے ہاتھ میں میرا نفع و نقصان ہے۔ اور وہ مجھے نقصان دینے کا ارادہ کرے تو کوئی دوسرا مجھے بچا نہیں سکتا، کسی کے پاس کچھ بھی اختیار نہیں ہے۔ اللہ ہی نے میرے اعمال کی جزاء دینی ہے، مجھے اسی کی طرف واپس لوٹ کر جانا ہے۔ وہ اپنی اس گفتگو سے خلقت کے آغاز اور انجام کے بارے میں ان کی فکر اور سوچ کو ابھارنا چاہتا تھا کیونکہ بت پرست کہتے تھے کہ انسان ذات باری تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتا لہٰذا اس کا ادراک اسے نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے خدا کی عبادت نہیں کی جا سکتی ہے لہٰذا بتوں اور اپنے بنائے ہوئے معبودوں کے سامنے جھکنا چاہیے کیونکہ یہ عبادت کرنے والوں کو اللہ کے نزدیک لے جاتے ہیں۔ لیکن یہ دلیل انہیں سمجھا رہی ہے کہ اگرچہ اللہ کی ذات کا احاطہ انسان نہیں کر سکتا اور اس کی حقیقت کی معرفت نہیں پا سکتا لیکن وہ اس بات کو تو سمجھ سکتا ہے کہ اللہ اس کا خالق ہے، اللہ کی عبادت کرنے کے لیے اتنی معرفت کافی ہے۔ دوسری طرف وہ لوگ بتوں اور اپنے بنائے ہوئے خداؤں کو اللہ اور اپنے درمیان واسطہ اور سفارش قرار دیتے تھے، یہ مومن ان کے جواب میں کہتا ہے کہ یہ بت مجھے کوئی فائدہ نہیں دے سکتے، اگر میں انہیں اپنا سفارشی قرار دوں اور اللہ یگانہ اور مہربان مجھے کوئی نقصان دینا چاہے تو یہ بت اور بناوٹی خدا کچھ نہیں کر سکیں گے، مجھے نقصان سے بچا نہیں سکیں گے۔ ربوبیت اللہ واحد و احد میں ہی منحصر ہے۔ مومن آل یسین یہ بات اپنے آپ سے کہتا ہے تاکہ دوسروں کو اس بات کا احساس دلائے اور انہیں متوجہ کرے کہ تم بتوں کا سہارا مت لو اور اس

اللہ کی عبادت کرو جو تمہارا خالق ہے جس کی طرف تم نے پلٹ کر جانا ہے۔ پھر اپنا واضح فیصلہ سنا دیا کہ اگر میں اپنے خالق مالک رب تعالیٰ کی عبادت نہ کروں تو پھر کھلی گمراہی میں ہوں گا۔ میں خود کو گمراہوں میں شامل نہیں کرنا چاہتا۔

پیغام:

۱۔ اطاعت اور عبادت فقط اللہ تعالیٰ کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور وہی مالک ہے۔ ربوبیت اسی کے لیے ہے، وہی نفع و نقصان کا مالک ہے، سب نے اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے، اللہ کی عبادت چھوڑنا کھلی گمراہی ہے۔

۲۔ انسان کے اپنے اختیار میں ہے کہ وہ اپنے مالک و خالق کی عبادت کرے یا اس کی عبادت نہ کر کے گمراہوں میں سے ہو جائے۔

۳۔ حبیب نجار کی دلیرانہ انداز میں حق کی حمایت کرنا ہر شخص اپنے لیے نمونہ عمل قرار دے اور جن کی حمایت کرنے سے نہ گھبرائیے۔

اِنِّیۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّکُمۡ فَاسۡمَعُوۡنِ ؕ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ''میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لے آیا ہوں لہٰذا میری بات سن لو۔''

قِیۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّۃَ ؕ قَالَ یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿ۙ۲۶﴾

ترجمہ: ''اس سے کہہ دیا گیا: جنت میں داخل ہو جاؤ، اس نے کہا: کاش! میری قوم کو اس بات کا علم ہو جاتا۔''

بِمَا غَفَرَ لِیۡ رَبِّیۡ وَ جَعَلَنِیۡ مِنَ الۡمُکۡرَمِیۡنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ''کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت والوں میں شامل کیا ہے۔''

مرد مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کا انعام

ان آیات میں مومن آل یٰسین کو ان کی خدمات کے عوض اللہ کی جانب سے دیئے گئے انعام کا تذکرہ خود مومن الِ یٰسین کی زبانی کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس مرد مومن نے ان لوگوں کو ایک دفعہ پھر سمجھایا کہ دیکھو میں جو کچھ تم سے کہہ رہا ہوں خود میں اس کا پابند ہوں اور تم سب کو گواہ بنا کر یہ اعلان کر رہا ہوں کہ میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا ہوں۔ اس بات میں تبلیغی نقطہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا بھی رب ہے تمہارا بھی رب ہے، تم تو اپنے رب پر ایمان نہیں لا رہے جو تمہارا رب ہے جس نے تمہیں سب کچھ دیا ہے جو تمہارے امور کی تدبیر کرتا ہے کیونکہ وہ تمہارا خالق و مالک ہے تو میں یہ واضح کہہ رہا ہوں کہ میں تو تمہارے رب پر ایمان لایا ہوں تو تم اس کے گواہ رہنا۔

مرد مومن کا قتل

بستی والے جب مرد مومن کی مضبوط دلیلوں کے سامنے لاجواب ہو گئے تو انہوں نے بڑے جرم کا ارتکاب کیا اور اسے قتل کر دیا۔ اس کے قتل کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ کا خطاب آتا ہے کہ اے مرد مومن! اب تم بہشت میں داخل ہو جاو۔ اس جگہ بہشت سے مراد برزخی بہشت ہے۔ برزخی بہشت میں بھی انسان کو ساری نعمات میسر آئیں گی۔ دُعا میں بھی ہم پڑھتے ہیں: اے اللہ! فلاں شخص کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ قرار دے دے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اس مرد مومن کو فرمایا کہ تم جنت کے باغ میں داخل ہو جاو۔ جب اس مرد مومن نے انعام کا سنا تو اسے پھر اپنی قوم یاد آئی جو آخرت کے منکر تھے، قبر میں سوال و جواب کے منکر تھے، برزخ کے قائل نہ تھے۔ وہ موت کے بعد بھی اپنی قوم کی خیر مانگتے ہوئے کہتا ہے: اے کاش میری قوم کو معلوم ہو جاتا کہ میرے رب نے مجھے کتنی بڑی

سعادت سے نوازا ہے۔ اللہ نے تو مجھے معاف کر دیا ہے، مجھے اپنی مغفرت و بخشش سے نوازا ہے اور مجھے صاحب کرامت قرار دیا ہے۔

اکرام بہت بڑے عطیہ کے معنی میں ہے۔ بہت ثواب ملنا بھی کرامت ہے لیکن کسی کا اللہ تعالیٰ کے احترام کا لائق ہونا اس سے بڑھ کر ہے۔ مرد مومن نے کہا اللہ تعالی نے مجھے اپنے ان بندوں میں شامل کر لیا ہے جو اللہ کے کرم یافتہ ہیں۔ اللہ نے مجھے اپنے مکرم بندوں میں شامل کیا ہے۔ مکرم بندوں اللہ کے فرشتے ہیں کہ یہ وصف فرشتوں کے لیے ہے اس وصف میں وہ شامل ہو جاتے ہیں جن کا ایمان کامل ہو۔ 1

پیغام:

ا۔ اللہ کی راہ میں کام کرنے والے بے دھڑک لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اس راستہ میں اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں برزخی بہشت ہے۔

۲۔ تبلیغ کے عمل کی بہت زیادہ اہمیت ہے ہر مؤمن کو چاہیے کہ وہ قرآن و سنت کے مطالب کو دوسروں تک پہنچائیں اس راہ میں کام کرنے والوں کو بڑا اجر ملے گا۔

---

[1]۔ الدر المنثور ج ٦ میں رسول اللہ ﷺ سے روایت ہوئی ہے کہ سبقت لینے والے تین افراد ہیں۔ یوشع ابن نون ہیں جو موسیٰ کی جانب بڑھ کر گئے، ان کے لئے خیر خواہ ہے۔ مومن سورہ یٰسین ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام م کی طرف تیزی سے بڑھ کر گئے اور ان کی طرف سے جو ایک بستی میں مبلغین بھیجے گئے ان کی تائید کی۔ حضرت علی علیہ السلام ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف کی اور سب سے پہلے ان کی تائید کی اور آپ سب میں افضل ہیں۔

بستی سے مراد: تفسیر مجمع البیان ج ٨ میں ان آیات کے بارے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انطاکیہ شہر میں اپنی جانب سے مبلغین بھیجے تھے کہ وہ انہیں بت پرستی سے روکیں، پہلے دو آدمی گئے پھر تیسرا آدمی بھیجا گیا لیکن انہوں نے انہیں جھٹلایا اور ان کی بات نہ مانی تو اسی شہر کے ایک مرد مومن حبیب نجار نے ان رسولوں کی حمایت میں آواز بلند کی تو انہوں نے اسے وحشیانہ انداز سے قتل کر دیا۔ مومن الٰ یٰسین سے بھی حبیب نجار مراد ہیں اور بستی سے مراد انطاکیہ کا شہر ہے۔ تبلیغ کرنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اللہ کا پیغام پہنچانے گئے تھے۔

۳۔ انسان کو ہر حال میں اپنی قوم کا خیر خواہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ایسے افراد کے لیے مغفرت و بخشش عطا کرتا ہے اور انہیں اپنی کرامت سے نوازتا ہے جو دوسروں کی فلاح اور خیر چاہتے ہیں۔

وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ مَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ”اور اس کے بعد اس کی قوم پر ہم نے آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہم کوئی لشکر اتارنے والے تھے۔“

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ”وہ تو محض ایک ہی چیخ تھی پس وہ یکایک بجھ کر رہ گئے۔“

اللہ کے لیے کسی قوم کی ہلاکت امر سہل

ان آیات میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کسی قوم کو ہلاک کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ لہٰذا مذکورہ قوم کو ہلاک کرنا بھی ایک انتہائی معمولی سا کام تھا اور یہ کوئی قابل توجہ امر بھی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مرد مومن کے قتل کے بعد ان لوگوں کو بغیر کسی اعلان اور اطلاع کے ہلاک کر دیا۔ نہ فرشتوں کو بھیجنے کی ضرورت پڑی اور نہ ہی کسی کو اس علاقے سے دور کرنا پڑا جیسا کی سابقہ اُمتوں کے لیے کیا جاتا رہا۔ فقط ایک آسمانی آواز نے ان سب کو اسی جگہ پر بے جان کر دیا اور وہ خشک لکڑی کے مانند ہو گئے۔

پیغام:

ا۔ انسان خود کو اللہ کے عذاب سے محفوظ نہ سمجھے کیونکہ کسی بھی وقت گناہگار اللہ کی پکڑ میں آسکتا ہے۔

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: ''ہائے افسوس! ان بندوں پر جن کے پاس جو بھی رسول آیا اس کے ساتھ انہوں نے تمسخر کیا۔''

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: ''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہم نے ہلاک کر دیا؟ اب وہ ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔''

وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ''اوران سب کو ہمارے روبرو حاضر کیا جائے گا۔''

اللہ کے رسولوں کے ساتھ انسانوں کا رویہ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ناشکری اور بے اعتنائی کا تذکرہ کرتے ہوئے اس پر افسوس کا اظہار فرمایا ہے۔ کتنی بری بات ہے کہ انسان اپنے خالق اور مالک کی طرف دعوت دینے والوں کی دعوت کو ٹھکرا دے جو اس کو اس کے مالک کی طرف سے بیان کردہ امور کی یادآوری کرتے ہیں۔ کسی کی دعوت کو ٹھکرا دینا چاہے دعوت دینے والا عام شخص ہو یا بڑا آدمی ہو، برا عمل ہے لیکن سب سے برا عمل تو یہ ہے کہ اللہ کی طرف دعوت دینے

والوں کی دعوت ٹھکرادی جائے، اس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے افراد کو جھنجھوڑتے ہوئے فرماتا ہے: عجیب ہے انہوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ ان سے پہلی صدیوں کے لوگوں نے جب ہماری دعوت کو ٹھکرادیا تو ہم نے انہیں کس طرح ہلاک کر دیا۔ لہٰذا اگر یہ بھی ہماری دعوت کو ٹھکرادیں گے تو ان کا حشر بھی سابقہ امتوں جیسا ہوگا جو ہلاک ہونے کے بعد کبھی واپس نہیں آئے۔ اللہ تعالیٰ مزید فرمارہا ہے کہ ہلاک ہونے والے ان لوگوں کے پاس تو نہیں آئیں گے لیکن اگلے پچھلے سب نے ایک دن اللہ کے پاس ضرور حاضر ہونا ہے اور پھر وہاں پر ان کا حساب بھی گا۔[1]

پیغام:

ا۔ انسان کو گذشتہ واقعات سے عبرت حاصل کرنی چاہیے اور اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کی بات کو غور سے سننا چاہیے اور دعوت الی الحق کو نہیں ٹھکرانا چاہیے۔

وَ اٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۚۖ اَحْیَیْنٰهَا وَ اَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَ ۝۳۳

ترجمہ: ”اور مردہ زمین ان کے لیے ایک نشانی ہے جسے ہم نے زندہ کیا اور اس سے غلہ نکالا جس سے یہ کھاتے ہیں۔“

وَ جَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ وَّ فَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ الْعُیُوْنِ ۝۳۴

---

[1] ۔ تفسیر مجمع البیان جلد ۸ کے مطابق یہ آیات ان پیغمبروں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جنہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انطاکیہ بھیجا تھا تاکہ وہ لوگوں کو بت پرستی سے روکیں۔ قریہ سے شہر انطاکیہ مراد ہے، جس کے رہنے والوں نے تین پیغمبروں اور عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو جھٹلایا۔ اور حبیب نجار کو قتل کر دیا جو ان پر ایمان لے آیا تھا۔ جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا۔

ترجمہ: ''اور ہم نے اس (زمین) میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ بنائے اور ہم نے اس (زمین) میں کچھ چشمے جاری کیے۔''

لِيَأْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٥﴾

ترجمہ: ''پاک ہے وہ ذات جس نے تمام جوڑے بنائے ان چیزوں سے جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان سے اور ان چیزوں سے جنہیں یہ جانتے ہی نہیں۔''

غذائی اجناس کی فراہمی سے ربوبیت پر استدلال

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو فراہم کی گئی غذائی ضروریات کا تذکرہ کیا ہے۔ سب سے پہلے زمین کی بات کی ہے کہ زمین ہی تمام غذائی اجناس کا اصل و منبع ہے۔ پھر زمین پر پانی کی ضرورت ہے تو اس کے لیے بارش کا حوالہ دیا ہے پھر دو اہم غذائی پھلوں کھجور اور انگور کا تذکرہ کیا ہے۔ ان غذائی اجناس کی خصوصیت کا حوالہ دے کر مزید کہہ دیا کہ لوگ زمین پر کام کرتے ہیں اور اپنے لیے غذائی اجناس اُگاتے ہیں تو یہ سب کچھ ہماری طرف سے ہے۔ زمین ہماری دی ہوئی، پانی ہمارا فراہم کیا ہوا، غذائی اجناس کی بنیاد ہم نے فراہم کی، میوہ جات کے لیے درخت ہم نے اُگائے۔ انسان کو زمین سے استفادہ کرنے کی طاقت اور استعداد ہم نے دی۔ زمین میں پائی جانے والی اتنی ساری نشانیاں دیکھنے اور ہماری بنائی ہوئی چیزوں سے استفادہ کرنے کے باوجود یہ لوگ کیوں شکر بجا نہیں لاتے؟ یہاں پر شکر بجا لانے سے مراد زبان سے اللہ کا شکر بجالانا نہیں ہے بلکہ ان نعمات کا شکر اللہ کی ربوبیت کو تسلیم کرنا، اللہ کے رسولوں کی بات کو ماننا اور اللہ کے احکام کی پیروی کرنا ہے۔ اللہ پر ایمان لانا اور اللہ کی معرفت حاصل کرنا ہے جو حقیقی شکر ہے۔ جب انسان کو یقین ہو کہ سب کچھ اللہ کا ہے اور میرا کچھ بھی نہیں تو یہی اعتراف اللہ کا شکر بجالانا ہے۔

پیغام:

ا۔ انسان کو چاہیے کہ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرے، الٰہی خشیت کو سمجھے، اللہ کی مالکیت کااعتراف کرے اور خود کو اللہ کی ربوبیت میں قرار دے۔

۲۔ زمین سے انسان جو منافع حاصل کر رہا ہے ان کو یاد کرے اور غور کرے کہ یہ سب کچھ کس ذات کی وجہ سے ہے یہ سب اللہ کا انسان پر فضل ہے لہٰذا اللہ کے اس فضل کا شکر بجالایا جائے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ مِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ''پاک ہے وہ ذات جس نے تمام جوڑے بنائے ان چیزوں سے جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود انکے اپنے نفسوں سے اور ان چیزوں سے جنہیں یہ جانتے ہی نہیں۔''

ہر شئی کا جوڑا جوڑا ہونا

اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں آگاہ کیا ہے کہ اللہ وہ ہے جو کسی کا محتاج نہیں، وہ ہی سب کا رب ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ شریک وہ بناتا ہے جسے کسی کی ضرورت واحتیاج ہوتی ہے۔ اللہ کو کسی کی ضرورت نہیں ہے، تمام خلائق کی تدبیر اس کے ہاتھ میں ہے، موجودات کی تدبیر میں اسے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔

موجودات کی تزویج

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے موجودات کی تزویج اور جوڑا جوڑا ہونے کی بات کی ہے۔ تمام موجودات انسان، حیوانات، نباتات، جمادات، نظر آنے والی اور نظر نہ آنے والی سب

مخلوقات میں توالد و تناسل کا نظام ہے۔ سب جفت جفت ہیں، ہر ایک کا اپنے جفت سے ملاپ خود اسی جنس کی مناسبت سے قرار دیا گیا ہے۔ آج سائنسی ترقی نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ کائنات کا باریک ترین ذرہ (ایٹم) کے ملاپ ہی سے تمام حرکات اور موجودات وجود میں آتے ہیں۔ ہر شیٔ کی خارجی تاثیر اپنے زوج سے ملاپ کے نتیجہ میں ہے۔ ان میں سے بعض کی جفت بازی کے بارے میں تو انسان کو علم ہے لیکن بعض کا انسان کو ابھی تک علم نہیں ہے۔ دو چیزوں کے ملاپ سے تیسری کے وجود میں آنا نظام زوجیت کے تحت ہے۔ اللہ حلیم، خبیر و علیم نے ایسا ہی انہیں بنایا ہے۔ خود انسان کا جوڑا جوڑا ہونا اور دقیق ترین نظام کے تحت تمام موجودات میں باہمی ملاپ کا عمل اس کائناتی سسٹم اور اس کی تاثیر کا سبب ہے یہ بتا رہا ہے کہ خالق ہستی موجود ہے اور اس کی ہدایت پر سب کچھ ایسا ہو رہا ہے۔ ایک نظم ہے، اس کا ناظم موجود ہے، یہ سب کچھ بغیر کسی نظام کے نہیں ہو رہا ہے۔ یہ اللہ کی ربوبیت کی دلیل ہے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿٣٧﴾

ترجمہ: ''اور رات بھی ان کے لیے ایک نشانی ہے جس سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔''

رات کا وجود اللہ کی نشانی

اس جگہ ایک اہم جس چیز کا تذکرہ کیا گیا ہے جسے انسان روزانہ مشاہدہ کرتا ہے۔ انسان اندھیری رات میں ہوتا ہے کہ اچانک رات کی تاریکی چھٹنا شروع ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ تاریکی ختم ہو جاتی ہے اور روشنی آجاتی ہے اور دن نمودار ہو جاتا ہے پھر دن کی روشنی پر رات چھاجاتی ہے۔ رات اور دن کا وجود اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی ذات اس نظام کو کنٹرول کر رہی ہے اور یہ اس بڑی کائنات کا حصہ ہے۔ یہ امر بھی اللہ کی ربوبیت کی واضح و روشن دلیل ہے۔

وَ الشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّہَا ؕ ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ''اور سورج اپنے مقررہ ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے، یہ بڑے غالب آنے والے دانا کی تقدیر ہے۔''

وَ الۡقَمَرَ قَدَّرۡنٰہُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالۡعُرۡجُوۡنِ الۡقَدِیۡمِ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ''اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح لوٹ جاتا ہے۔''

لَا الشَّمۡسُ یَنۡۢبَغِیۡ لَہَاۤ اَنۡ تُدۡرِکَ الۡقَمَرَ وَ لَا الَّیۡلُ سَابِقُ النَّہَارِ ؕ وَ کُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ''نہ سورج کے لیے سزاوار ہے کہ وہ چاند کو پکڑ لے اور نہ ہی رات دن پر سبقت لے سکتی ہے اور وہ سب ایک ایک مدار میں تیر رہے ہیں۔''

کائنات کا نظام حرکت

ان آیات میں سورج اور چاند کی گردش کے نتیجے میں وجود میں آنے والے کائنات کے نظام حرکت کو بیان کیا گیا ہے۔ ہر سیارہ کی حرکت اپنے خاص مدار میں ہے۔ دو بڑے واضح سیارے سورج اور چاند کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ سورج ہمارے نظام شمسی کا اہم سیارہ ہے اور کائنات میں اس جیسے بے شمار نظام ہائے شمسی موجود ہیں۔ اب تک سینکڑوں بلکہ اربوں کہکشائیں اور نظام ہائے شمسی کے بارے میں انسان آگاہ ہو چکا ہے۔ ان میں ایک ہی جیسا نظام ہے۔ سورج اپنے مرکز کی طرف حرکت میں ہے، چاند جو بہت ہی چھوٹا سیارہ ہے لیکن دن رات، ماہ و سال کے وجود میں آنے کا بہت زیادہ اسی کا دخل ہے۔ آیت میں اس کی منزلوں کو

بیان کیا گیا ہے۔ تیس دن کا دورانیہ ہے وہ ایک باریک پلک کی مانند ظاہر ہوتا ہے پھر بڑھتا رہتا ہے اور پندرہ کو آسمان پر مکمل نظر آرہا ہوتا ہے۔ پھر واپسی کا سفر شروع کرتا ہے اور آخر میں نظروں سے او جھل ہو جاتا ہے جو کہ چند گھنٹوں کی غیبت ہوتی ہے۔ (ہلال) پھر باریک سی لکیر بن کر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ مسلسل عمل ہے جس میں بڑا سیارہ چھوٹے سیارے سے ٹکراتا نہیں اور نہ ہی کوئی دوسرے پر سبقت لیتا ہے۔ رات اور دن کا اپنا نظام ہے جو ایک حساب شدہ طریقہ سے وجود میں آتے ہیں۔ یہ سب عظیم ذات کے کنٹرول میں ہیں، یہ کسی اندھی بہری گونگی، بے شعور شئی کے تحت نہیں اور نہ ہی خود بخود ایسا ہوا ہے بلکہ ایک محرک موجود ہے جو باشعور ہے آگاہ ہے قادر ہے، غالب ہے، سارا نظام اسی کے کنٹرول میں ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ انسان کو یہ علم نہ تھا کہ زمین بھی ایک سیارہ ہے جو حرکت میں ہے۔ سورج بھی جامد نہیں، حرکت میں ہے۔ لیکن اب سب پر یہ بات عیاں ہو چکی ہے اور آج کے سائنسی دور میں اللہ کی وحدانیت اور ربوبیت پر ایمان لانا آسان ہو گیا ہے۔ اسلام کی حقانیت کا بھی واضح ثبوت موجود ہے کیونکہ انسان اپنے تجربوں سے جہاں پر آج پہنچا ہے قرآن نے صدیوں پہلے اس کی جانب راہنمائی کی ہے اور یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ قرآن کسی اجڈ عرب کے فصیح و بلیغ بدو کی تحریر نہیں بلکہ علیم و خبیر رب تعالیٰ کی طرف سے اُتاری گئی کتاب ہے جس میں خشک و تر سب کا علم موجود ہے۔ اس میں یہ بھی اشارہ موجود ہے کہ اگر سورج اپنی حرکت روک دے یا وہ ایک دوسرے پر سبقت لیں تو پورا نظام ہستی درھم برھم ہو جائے گا۔ یہ سب اللہ کے امر کے تابع ہیں۔ آیت میں سورج کی دو حرکتوں کی طرف اشارہ ہے یعنی انتقالی حرکت اور دوسری حرکت اندرونی و خود محوری ہے۔ یہ سب ایک اندازہ اور منصوبہ بندی کے تحت علیم و خبیر کی تدبیر ہے۔[1]

---

[1] ۔ مجمع البیان جلد ۸ میں امام صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے اس آیت کو اس طرح تلاوت فرمایا:

پیغام:

۱۔ سورج، چاند، ستارے، زمین، زمین پر رونما ہونے والے اثرات، سب اللہ کے وجود کی نشانیاں ہیں۔ ان میں غور کریں اور اللہ کی ربوبیت پر ایمان لے آئیں۔

۲۔ اللہ کی تدبیر دائمی اور تغیر ناپذیر ہے۔ اس کی مدت معین نہیں تا کہ اس مدت کے ختم ہونے پر سب کچھ ختم ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سورج چاند تک نہیں پہنچ سکتا اور چاند سورج تک نہیں پہنچ سکتا۔ رات دن پر مقدم نہیں ہو سکتی اور دن رات پر سبقت نہیں لے سکتا بلکہ یہ تمام امر الٰہی کے تحت رواں دواں ہیں۔ سب تکوینی صورت میں اللہ کی مشیت و اوامر کے تابع ہیں اور اس تکوینی تسبیح کا علم رکھتے ہیں اور سب اللہ کی تسبیح بیان کر رہے ہیں۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝۴۱

ترجمہ: ''اور یہ بھی ان کے لیے ایک نشانی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔''

وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ۝۴۲

''والشمس تجری لا مستقر لھا'' یعنی سورج حرکت کر رہا ہے اور کبھی بھی ٹھہرتا نہیں ہے۔
سورج کی ان دو حرکتوں کے نتیجے میں بہت ہی قوی انرژی پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ سلسلہ خورشید کے مکمل طور پر انرژی میں تبدیل ہونے تک جاری رہے گا۔ (مترجم)

ترجمہ: ''اور ہم نے ان کے لیے اس (کشتی) جیسی اور (سواریاں) بنائیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔''

وَاِنۡ نَّشَاۡ نُغۡرِقۡهُمۡ فَلَا صَرِيۡخَ لَهُمۡ وَلَا هُمۡ يُنۡقَذُوۡنَ ۙ﴿۴۳﴾

ترجمہ: ''اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں پھر ان کے لیے نہ کوئی فریاد رس ہو گا اور نہ ہی وہ بچائے جائیں گے۔''

اِلَّا رَحۡمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيۡنٍ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ''مگر ہماری طرف سے رحمت ہے اور (جس سے) انہیں ایک وقت تک متاع (حیات) مل جاتی ہے۔''

اللہ کی ربوبیت کی نشانیاں

اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے، انہیں بڑے پیار سے ایک ایک نشانی بتاتا ہے کہ دیکھو! جو کچھ تمہارے ارگرد موجود ہے ان میں ذرا غور تو کرو تو تم کو سمجھ آجائے گی کہ میں ہی تمہارا رب ہوں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ سمندروں میں اپنی تدبیر بیان کر رہا ہے کہ سمندری بیڑوں اور کشتیوں پر کس طرح انسانوں کی نسل اور اولاد سفر کرتی چلی آرہی ہے۔ کشتیاں سامان سے بھری ہوتی ہیں، ان کشتیوں کے ذریعہ انسان اپنے تجارتی اموال ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں اور اپنے مقاصد کو حاصل کرتے ہیں۔ ان میں ایسے واقعات و حالات ہیں جو سب کے سب اللہ کے ارادے کے تابع ہیں، انسان کے اختیار سے باہر ہیں۔ اس حوالے سے چند باتوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو سمندروں میں کشتیاں چلانے کے لیے کشتی بنانے کے تعلیم دی۔ آج بحری جہازوں نے تمام کشتیوں کی جگہ لے لی ہے۔

دریائوں میں آج بھی کشتیوں پر سفر کیا جاتا ہے۔ یہ کشتیاں سامان کی نقل و حمل کے کام آتی ہیں اور سواریوں کو بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ پر پہنچاتی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی میں ان کشتیوں کو اٹھانے اور انہیں تیرنے کی صلاحیت رکھ دی ہے۔ اللہ ہی نے تمام حرکت دینے والی قوتوں کو خلق فرمایا ہے۔ یہ سارے وسائل اللہ کے اذن اور امر کے بغیر کسی کو فائدہ نہیں دے سکتے اور ان کا کہیں بھی اثر نہیں ہو سکتا۔ اگر کشتیاں غرق ہو جائیں تو سوائے اللہ کے کوئی انسان کی فریاد پر اس کو نہیں بچا سکتا۔ اللہ ہی کشتیوں پر سفر کو آسان کرتا ہے اور غرق ہونے سے بچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حمل و نقل کے لیے فقط پانی کے ذرائع اور کشتیوں پر سفر کرنے کو ہی خلق نہیں فرمایا بلکہ اس کے علاوہ بھی نقل و حمل کے ذرائع بنائے ہیں جن میں حیوانات ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو معدنیات زمین میں قرار دی ہیں ان سے آئرن، فولاد اور دیگر دھاتوں کے ذریعہ گاڑیاں، کاریں، بسیں، جہاز بنائے جا رہے ہیں۔ دریاوں کو عبور کرنے کے لیے پل قرار دیئے جاتے ہیں، ریل کی پٹڑیاں بچھائی جاتی ہیں، پختہ سڑکیں بنائی جاتی ہیں یہ سب کچھ اللہ کے امر سے وجود میں آیا ہے۔ خدا ہی ہے جو اس پورے نظام کو چلا رہا ہے، یہ سب نشانیاں ہیں کہ انسان اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرے، اللہ پر ایمان لے آئے۔

اللہ ہی انسان کو غرق ہونے سے بچاتا ہے۔ اگر اللہ کا ارادہ اس کے غرق کرنے پر ہو تو اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اللہ کی رحمت کے آثار سے انسان کی بقاء ہے اور اس کی بقاء کے وسائل اللہ نے قرار دیئے ہیں اور یہ سب کچھ ایک معین وقت کے لیے ہیں کہ جب اللہ کے ارادہ سے ہر شئی کی بساط الٹ دی جائے گی اور کچھ باقی نہ رہے فقط اللہ کی ذات ہو گی اور پھر قیامت برپا ہو گی۔ انسان کو دوبارہ اٹھایا جائے گا اور اسے حساب کے لیے میدان محشر میں لایا جائے گا۔ اس دن کے لیے انسان کو آمادہ رہنا چاہیے۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ انسان اللہ کی نعمات

سے اس دُنیا میں بہرہ مند ہو رہا ہے اسے چاہیے کہ دُنیا کی نعمات کو اللہ کی ہدایت کے مطابق استعمال کر کے اپنے لیے آخرت کا سامان اور حیات جاودانی کا ذخیرہ قرار دے۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَ مَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس (گناہ) سے بچو جو تمہارے سامنے ہے اور اس (عذاب) سے جو تمہارے پیچھے آنے والا ہے شاید تم پر رحم کیا جائے۔“[1]

وَ مَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: ”اور ان کے رب کی نشانیوں میں سے جو بھی نشانی ان کے پاس آتی ہے وہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔“

مشرکین کی مذمت

سابقہ آیات میں اللہ کی ربوبیت کے دلائل بیان کئے گئے ہیں۔ ان آیات میں مشرکین کی مذمت کی جارہی ہے کہ آیات اور نشانیوں کے آنے کے بعد چاہیے تو تھا مشرکین اپنے حال اور مستقبل کو ٹھیک کر لیتے، بت پرستی چھوڑ دیتے، گذشتہ گناہوں اور شرک سے توبہ کر لیتے اور اللہ کی ربوبیت کو قبول کر کے اللہ کی عبادت کرتے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اگر وہ اپنے ماضی اور حال کی طرف توجہ دیتے اور مشرکانہ عقائد کی وجہ سے ملنے والی سزا کو یاد کر کے ان کے دلوں میں خدا کا خوف آجاتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اللہ تعالی ان پر اپنی رحمت اُتار دیتا،

[1] ۔ تفسیر مجمع البیان میں امام صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ اس آیت کے متعلق ارشاد فرمایا: اپنے آج کے گناہوں سے بچو اور کل کے انجام کے بارے میں ہوشیار رہو۔

ان کی غلطیوں کو معاف کر دیتا لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ جب بھی اللہ کی آیات ان کے لیے پڑھی جاتی ہیں یا ان کے سامنے معجزات پیش کئے جاتے ہیں، اللہ کی نشانیاں ان کے لیے بیان ہوتی ہیں تو یہ انہیں تسلیم کرنے اور ان سے عبرت پکڑنے اور اللہ پر ایمان لانے کی بجائے انکار کرتے ہیں اور حق سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

پیغام: اللہ کی آیات کا انکار نہ کیا جائے، خود کو اللہ کے عذاب سے محفوظ نہ سمجھا جائے، اپنے اگلے اور پچھلے گناہوں پر مرتب ہونے والے اثرات پر توجہ دینی چاہیے۔

وَ اِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنُطۡعِمُ مَنۡ لَّوۡ یَشَآءُ اللّٰهُ اَطۡعَمَهٗۤ ٭ۖ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو رزق تمہیں اللہ نے عنایت کیا ہے اس سے کچھ (راہ خدا میں) خرچ کرو تو کفار مومنین سے کہتے ہیں: کیا ہم اسے کھلائیں جسے اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا؟ تم تو بس صریح گمراہی میں مبتلا ہو۔''

عبادت کے دو اہم رکن کا انکار

کافروں کو عبادت کے پہلے رکن کی دعوت دی گئی کہ وہ اللہ پر ایمان لائیں، اللہ کی اطاعت کریں تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔ پھر انہیں عبادت کے دوسرے رکن کی دعوت دی گئی کہ مخلوق پر مہربان رہیں جو طبقہ محروم ہے ان پر شفقت و مہربانی کریں تو پھر بھی انہوں نے منفی جواب دیا۔

حقیقی مالکیت

تمام اشیاء کا حقیقی مالک اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے روزی کے وسائل بنائے اور ان ذرائع کو روزی حاصل کرنے کے لیے استعمال میں لانے کی صلاحیت بھی اللہ نے انسان کو دی ہے۔ انسان کو ان اموال کا مالک بنایا ہے، فقراء و مساکین اللہ کی مخلوق ہیں انہیں محتاج بنایا ہے تاکہ مالدار لوگ اپنے اموال سے متعین شدہ مالیات ان فقراء کو دیں تاکہ ان کی احتیاج دور سکے۔ مالداروں کے پاس اپنے ضروری اخراجات سے جو کچھ بچ جائے اسے فقراء و مساکین کو دیں (خمس، زکوۃ اور دیگر واجب اور مستحبی صدقات و کفارات کی شکل میں مالداروں پر مالی واجبات قرار دیئے گئے ہیں ان میں سے مالداروں نے فقراء پر خرچ کرنا ہے)۔

اللہ کا تشریعی اور تکوینی ارادہ

کفار اور مشرکین کو فقراء پر خرچ کرنے کا حکم اللہ کا تشریعی حکم ہے۔ یعنی اسلام میں یہ قانون اللہ نے بنا دیا ہے کہ مالدار اپنے اموال سے طے شدہ طریقہ اور مالی قوانین کے مطابق اپنے اموال سے فقراء و مساکین کی ضروریات کو پورا کریں۔ کافروں نے جس طرح اللہ پر ایمان لانے سے انکار کیا، اس اسلامی قانون کا بھی انکار کر دیا اور مومنین سے کہنے لگے یہ کیسا حکم ہے ؟ اللہ ہی سب کچھ دینے والا ہے، اللہ کے فرمان کے بغیر تو کچھ بھی نہیں ہوتا، اگر اللہ چاہتا تو ان فقراء کو مالدار بنا دیتا اور انہیں ان کی ضروریات فراہم کرتا۔ اللہ نے جب اس کا ارادہ نہیں کیا تو ہم ایسا کیوں کریں؟ اس طرح انہوں نے مغالطہ کرنے کی سعی کی ہے کیونکہ اللہ کے دو قسم کے ارادے ہیں ایک تکوینی ارادہ ہے یعنی کس کو کس حالت میں بنانا ہے؛ یہ اللہ کے تکوینی ارادہ سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارادہ تکوینی کے تحت کوئی امیر ہے تو کوئی غریب ہے۔ کسی کے پاس مال کی فراوانی ہے اور کوئی کوڑی کا محتاج ہے۔ دونوں ہی اللہ کے ارادہ تکوینی کے تابع ہیں اوران سب کا مالک اللہ ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں

کے لیے ایک قانون بنایا، قانون سازی اللہ کا حق ہے، انسان پر اسی کا قانون چلتا ہے۔ اس مقام پر اللہ کا قانون یہ ہے کہ مالدار اپنے مال سے فقراء و مساکین پر خرچ کریں، اگر ایسا نہیں کریں گے تو ان کو سزا ملے گی۔[1]

ارادہ تکوینی میں تخلف ممکن نہیں ہے لیکن ارادہ شریعی میں تخلف کا امکان موجود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے معاشرہ کے امن اور خوشحالی کے لیے قوانین بنائے ہیں اگر ان پر عمل ہو گا تو مطلوبہ نتائج نکلیں گے، اگر عمل نہ ہو گا تو مطلوبہ نتائج نہ نکلیں گے کیونکہ قوانین پر عمل کرنا انسان کے اختیار میں ہے، اپنے اختیار سے اللہ کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرے گا تو ثواب پائے گا، اگر مخالفت کرے گا تو سزا پائے گا۔ کفار مومنین سے یہ مغالطہ آمیز بات کرنے کے بعد کہنے لگے یہ بڑی واضح بات ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ان فقراء کو خود ہی کھانا کھلاتا، اب جب ایسا نہیں کیا تو تم کیسے کہہ رہے ہو کہ اللہ نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ تم تو کھلی گمراہی میں ہو۔ جبکہ جس طرح اوپر بیان ہوا کفار غلطی پر تھے نہ کہ مومنین۔ کیونکہ یہ اللہ کا تشریعی ارادہ ہے جو سب انسانوں کے لیے ہے چاہے وہ مومن ہوں یا کافر۔[2]

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾

---

[1] ۔ حدیث قدسی میں اللہ کا فرمان ہے: تمام مال میرا ہے، مالدار لوگ میرے مال کے امانت دار ہیں اور فقراء (محتاج لوگ) میرے عیال ہیں جو مالدار میرے مال سے میرے عیال پر خرچ نہ کرے گا اسے جہنم میں داخل کروں گا اور میں کسی کی پرواہ بھی نہ کروں گا۔

2۔ اسی قسم کے مغالطہ پر مبنی گفتگو مشرکین نے بتوں کی پوجا پاٹ کے بارے بھی کہی ہے کہ سورہ زخرف آیت ۲۰ میں ہے: ”اور وہ کہتے ہیں: اگر خدائے رحمٰن چاہتا تو ہم ان (فرشتوں) کی پوجا نہ کرتے، انہیں اس کا کوئی علم نہیں یہ تو صرف اندازے لگاتے ہیں۔“ اب جبکہ ہم ان کی عبادت کر رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی مشیت اسی میں ہے، یہاں بھی ارادہ تکوینی کو ارادہ شریعی کے ساتھ ملا دیا گیا ہے اور اس طرح مغالطہ کیا ہے۔

ترجمہ: ”اور وہ کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ) یہ وعدہ (قیامت) کب (پورا) ہو گا؟“

مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿٤٩﴾

ترجمہ: ”(در حقیقت) یہ ایک ایسی چیخ کے منتظر ہیں جو انہیں اس حالت میں گرفت میں لے گی جب یہ لوگ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے۔“

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٥٠﴾

ترجمہ: ” پھر نہ تو وہ وصیت کر پائیں گے اور نہ ہی اپنے گھر والوں کی طرف واپس جا سکیں گے۔“

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿٥١﴾

ترجمہ: ”اور جب صور میں پھونک ماری جائے گی تو وہ اپنی قبروں سے اپنے رب کی طرف دوڑ پڑیں گے۔“

قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٥٢﴾

ترجمہ: ”کہیں گے: ہائے ہماری تباہی! ہماری خوابگاہوں سے ہمیں کس نے اٹھایا؟ یہ وہی بات ہے جس کا خدائے رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔“

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿٥٣﴾

ترجمہ: ”وہ تو صرف ایک چیخ ہو گی پھر سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کیے جائیں گے۔“

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: ''اس روز کسی پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور تمہیں بس وہی بدلہ دیا جائے گا جیسا تم عمل کرتے رہے ہو۔''

قیامت کے بپا ہونے کے بارے

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی طرف سے پیغمبر اکرم ﷺ اور مومنین پر اٹھائے جانے والے اعتراض اور تمسخر کا جواب دیا ہے۔

سب سے پہلا اعتراض یہ کیا کہ تم لوگ کہتے ہو کہ اگر ایمان نہیں لاوگے تو تم پر عذاب آجائے گا، تو پھر بتاو کہ وہ عذاب کب آئے گا؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ ایک آواز کی مار ہیں، جب وقت آجائے گا تو ان کے پاس کچھ مہلت نہ ہو گی، آپس میں جھگڑ رہے ہونگے کہ بلاوا آجائے گا، اپنی اولاد اور مال کے بارے میں وصیت بھی نہ کر سکیں گے، اور نہ ہی اچانک موت کے سبب اپنے اہل و عیال کے پاس واپس جا سکیں گے۔ اس جگہ کفار کو موت کا وقت یاد دلایا گیا ہے کہ جب موت آئے گی تو کوئی بھی خود کو نہیں بچا سکے گا چاہے یہ موت گھر سے باہر آئے یا گھر کے اندر وہ کسی کے بارے کچھ کہنے یا وصیت کرنے کے قابل نہیں رہیں گے۔

دوسرا مرحلہ انہیں قبروں سے اٹھانے کا ہے۔ اس وقت بھی بس ایک آواز ہی آئے گی اس آواز کے آنے سے سارے لوگ قبروں سے نکل پڑیں گے اور بڑی تیزی سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہو جائیں گے۔ سب میں خوف و ہراس ہو گا، سب دہشت زدہ ہوں گے، حیرت میں ڈوبے ہوئے ہوں گے، قیامت کا انکار کرنے والے اس جگہ یہ جملہ کہیں گے: ہمارے اوپر وائے ہو! یہ کیا ہو گیا کس نے ہمیں قبرستانوں سے نکال باہر کیا ہے؟ یہ لوگ روز جزاء کے انکاری اور مشیت الٰہی کے منکر تھے۔

انبیاء کے وعدہ کی تصدیق

اس جگہ انہیں انبیاء کا وعدہ یاد آئے گا اور وہ اللہ کی رحمت کی پناہ چاہیں گے اور فوراً یہ کہہ اٹھیں گے کہ ہمیں تو رحمٰن نے قبروں سے اٹھایا۔ مشرکین ہمیشہ اللہ کی رحمت کا انکار کیا کرتے تھے اور آخرت میں انبیاء کے وعدہ کی تصدیق کریں گے اور کہیں گے کہ یہ تو وہ وعدہ ہے جو انبیاء کے توسط سے رحمٰن نے ہمارے لیے دیا تھا۔ رحمٰن کے رسول سچے تھے، ہم نے دُنیا میں انہیں جھٹلایا تھا۔

میدان محشر میں حاضری

اللہ تعالیٰ نے صور پھونکنے اور سب کا قبروں سے باہر آنے کے بعد کے مرحلہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ سب لوگ قبروں سے نکلیں گے تو بلا تاخیر، رکاوٹ اور مہلت کے سب ہمارے پاس حساب دینے کے لیے حاضر ہو جائیں گے۔ قیام قیامت صرف ایک زوردار آواز سے ہو گا، حساب براہ راست اللہ تعالیٰ خود لے گا۔ دنیا میں انجام دئے گئے اعمال، واجب الاداء حقوق اور کوتاہیاں سب کا ذرہ ذرہ حساب ہو گا۔ وہاں سب کے ساتھ انصاف ہو گا کسی پر زیادتی نہ ہو گی، کسی کے ساتھ کسی بھی قسم کا ظلم نہ ہو گا۔ وہ اپنے انجام دیئے گے اعمال کا جزا اور بدلہ بغیر کسی کمی بیشی کے کامل طور پر وصول کریں گے۔ ہر شخص کے عمل کی جزاء اس دن وہی ہے جو اس نے دنیا میں انجام دیا ہے۔ ایسی جزا جس میں ظلم کا تصور بھی نہیں کیا جائے گا اس سے عادلانہ جزا کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ پس قیامت کے دن ہر ایک اپنا عمل موجود پائے گا، سعادت مند ہو یا بدبخت و شقی، جو اس نے کیا ہے اچھا یا برا وہ اپنے عمل کی جزا موجود پائے گا۔

اِنَّ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّۃِ الۡیَوۡمَ فِیۡ شُغُلٍ فٰکِہُوۡنَ ﴿۵۵﴾

ترجمہ: ''آج اہل جنت یقیناً کیف و سرور کے مشغلے میں ہوں گے۔ (وہ بھرپور نعمتوں میں لطف اندوز ہو رہے ہوں گے)''

هُمْ وَ اَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: ''وہ اور ان کی ازواج سایوں میں مسندوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔''

لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّ لَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾

ترجمہ: ''وہاں ان کے لیے میوے اور ان کی مطلوبہ چیزیں موجود ہوں گی۔''

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: ''مہربان رب کی طرف سے ان کے لیے سلام کہا جائے گا۔''

قیامت کے دن بہشتیوں کی حالت

ان آیات میں قیامت کے دن بہشتیوں کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ پہلے ان کے آرام اور سکون کی بات کی گئی ہے۔ اس دن بہشتی اس قدر خوشحال ہوں گے کہ انہیں کوئی پریشانی نہ ہو گی۔ وہ ہر فکر سے فارغ فقط مزے لینے میں مصروف ہوں گے۔ ہر ایک اپنے ہمسروں کے ساتھ پلنگوں پر براجمان ہوں گے تکیہ لگائے ہوں گے۔ ان کے پہلو میں ان کی بیویاں ہوں گی جو جنتی حوریں ہوں گی وہ انہیں ہر طرح کا سکون پہنچا رہی ہوں گی۔ ان کی دنیاوی مومنہ بیویاں بھی ان کے ساتھ موجود ہوں گی۔ ازواج سے جنتی حوریں اور جنتی مومنہ بیویاں دونوں مراد ہیں۔ وہ ایک سائبان یا مخصوص قسم کے سائے تلے موجود ہوں گے جو ہر قسم کی گرمی اور تپش سے محفوظ رہ سکیں گے وہ بہت باوقار، معزز و مکرم ہوں گے۔ ان کے لیے ہر قسم کے میوہ جات موجود ہوں گے، کھانے پینے کی ہر طرح کی لذات سے لطف اٹھا رہے ہوں گے۔ ان کی ہر خواہش پوری کی جائے گی۔ ان کی تعظیم و تکریم کے لیے رب رحمان کی طرف سے سلام لے

جایا جائے گا جس کا لطف و ایسی لذت ہو گی جس کی توصیف ممکن نہیں ہے۔ اس دن جو کچھ بہشتیوں کو ملے گا اور اس سے جس قدر وہ خوشحال ہوں گے، اس کا دنیاوی سکون و آرام اور خوشی و مسرت کے پیمانوں کے ساتھ اس کا تقابل نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اس کیفیت کو تصور وخیال میں سمویا جاسکتا ہے۔

پیغام: ہر انسان کو دنیا کی عارضی لذتوں کو اخروی لذات پر قربان کرنا چاہیے۔ جو لوگ دنیاوی فناء ہونے والی وقتی لذات میں گم ہو کر اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اور بہشتی نعمات کو ضائع کر بیٹھتے ہیں تو ان کو معلوم رہے وہ سخت نقصان میں ہیں۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: ”اے مجرمو! آج تم الگ ہو جاؤ۔“

قیامت گناہگاروں اور نیکوکاروں کی جدائی کا دن

قیامت کا دن نیک و بد اور اچھے و برے میں امتیاز اور جدائی کا دن ہے۔ قیامت کے دن با قاعدہ آواز دے کر یہ اعلان ہو گا کہ گناہگار مومنوں سے، جہنمی بہشتیوں سے الگ ہو جائیں جیسا کہ سورہ ص آیت ۲۸ میں ہے: ام نجعل المتقین کالفجار، (کیا تقوی اپنانے والوں کو گناہگاروں کے برابر قرار دے دیں) (ایسا نہیں ہو سکتا یہ دونوں الگ الگ ہیں)، سورہ جاثیہ کی آیت ۲۱ میں ہے: اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ۔

ترجمہ: ”برائی کا ارتکاب کرنے والے کیا یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم انہیں اور ایمان لانے والوں اور نیک اعمال بجالانے والوں کو ایک جیسا بنائیں گے کہ ان کا جینا اور مرنا یکساں ہو جائے؟ برا فیصلہ ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں“

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ﴿٦٠﴾

ترجمہ: ''اے اولاد آدم! کیا ہم نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی پرستش نہ کرنا؟ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾

ترجمہ: ''اور یہ کہ میری بندگی کرنا، یہی سیدھا راستہ ہے۔''

وَ لَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٢﴾

ترجمہ: ''اور بتحقیق اس نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کر دیا ہے، تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟''

اللہ کا انسانوں سے خطاب

اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر پہلے تو بروں اور نیکوں کے انجام کو بتا دیا پھر اس جگہ سب سے یہ بات کہی اور خاص کر گناہگاروں سے بات کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کے رب نے تو سب انسانوں سے یہ پیمان لیا تھا کی شیطان کی پیروی نہ کرنا ان کیونکہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور اس نے انسان کے ساتھ اپنی دشمنی کا کھلے الفاظ میں خود بھی اعلان کیا ہے لہٰذا تم پر لازم ہے کہ ابلیس کی دشمنی کو یاد رکھو۔ اس کی اطاعت مت کرو، تم سب نے یہ عہد کیا تھا کہ شیطان کی اطاعت نہ کریں گے لیکن تم شیطان کے وسوسوں میں آگئے اور بہت سارے گروہ گمراہ ہو گئے۔ قرآن مجید میں اس بارے بہت ساری جگہوں پر بیان کیا گیا ہے جیسا سورہ اعراف آیت ۲۷ میں ہے ''يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ''

''اے اولاد آدم! شیطان تمہیں دھوکہ نہ دے جیسا کہ تمہارے ماں باپ کو اس نے بہشتی باغ سے باہر نکال کیا تھا''۔

اس سے مراد اس امر کو یاد دلانا ہے جس کا انسان کی آغاز خلقت پر ابلیس نے اعلان کیا تھا اور کہا تھا کہ وہ آدمؑ اور ان کی اولاد کو ہر جگہ پہنچ کر بھٹکائے گا اور انہیں خدا کی طرف نہیں آنے دے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ بات انسانوں کو یاد دلائی ہے کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے بہت ساروں کو اس نے گمراہ کر دیا ہے تمہیں اس بارے غور کرنا چاہیئے اور جو عہد و پیمان باندھا تھا اسے یاد کرو کہ تم لوگوں کو میری اطاعت کرنی ہے اور اسی میں تمہاری نجات ہے۔

شیطان کے اعلان کو سورہ اسراء کی آیت ۶۲ میں بیان کیا گیا ہے:

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾

ترجمہ: ''پھر کہا: مجھے بتاؤ! یہی ہے وہ جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے؟ اگر تو نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے دی تو قلیل تعداد کے سوا میں اس کی سب اولاد کی جڑیں ضرور کاٹ دوں گا۔''

عبادت کا معیار

شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی کتاب ''اعتقادات'' میں بیان ہوا ہے کہ حدیث میں ہے:

جو شخص کسی خطیب اور بولنے والے کی بات کو کان لگا کر غور سے سنے گا اور اسے قبول بھی کرلے گا اور اس کی بات کو مان لے گا تو گویا اس نے اس بولنے والے کی عبادت کی، اگر بولنے والا خدا کی باتیں بتا رہا تھا تو اس شخص نے خدا کی عبادت کی اور اگر بولنے والا ابلیس کی باتیں بتا رہا تھا تو اس نے ابلیس کی اطاعت و عبادت کی۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے اس امر کو بیان کیا کہ ابلیس کی اطاعت چھوڑنا اور میری عبادت کرنا ہی صراط مستقیم ہے۔ یہ ہی راستہ تمہیں ابدی

سعادت تک پہنچائے گا۔ اس کے بعد ایسے افراد کی مذمت کی ہے کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم سوچتے کیوں نہیں کہ شیطان نے تمہارے بہت سارے گروہوں کو گمراہ کر دیا ہے اور پھر بھی تم اپنے اس کھلے دشمن کے پیچھے چل رہے ہو؟ اس بارے کچھ فکر کرو، اپنے لیے صراط مستقیم اختیار کرو۔

پیغام: شیطان کو اپنا دشمن سمجھو اور اس کی پیروی نہ کرو۔ اللہ کی اطاعت کرو یہی صراط مستقیم ہے۔

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾

ترجمہ: ''یہ وہی جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔''

اِصْلَوْهَا الْیَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: ''آج اس جہنم میں جھلس جاؤ اس کفر کے بدلے میں جو تم کیا کرتے تھے۔''

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾

ترجمہ: ''آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیتے ہیں اور ان کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے اس کے بارے میں جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں۔''

قیامت کے دن ہاتھ اور پاؤں کا تکلم کرنا

ان آیات میں ہے کہ مجرموں کو جب دُنیا میں بتایا گیا تھا کہ اللہ کی نافرمانی کی سزا جہنم ہے تو اس وقت لوگ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے تھے اب قیامت کے دن انہیں جہنم کا نظارہ کروایا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا یہ وہی جہنم ہے جس کا تمہیں دُنیا میں بتایا گیا تھا

اب تم اس جہنم میں جلوگے اور آگ کی گرمی کا مزہ چکھوگے ، کل تم اسی جہنم کا انکار کیا کرتے تھے۔ البتہ یہ عمل جہنم میں داخل ہونے سے پہلے کا ہے۔ مجرموں سے کہا جائے گا اب تم نے ہمیشہ اسی جہنم کے عذاب میں رہنا ہے۔

قیامت کے دن ایک اور کام ہوگا وہ یہ ہے کہ انسان کے منہ پر تالا لگا دیا جائے گا۔ ہر انسان کے ہاتھ اور پاؤں اور دیگر اعضاء بات کریں گے پاؤں گواہی دیں گے کہ اس نے کیا کیا کام کیا۔ ہاتھ بول کر بتائیں گے کہ اس نے کونسے جرائم کا ہاتھوں کے وسیلہ سے ارتکاب کیا۔ گویا قیامت کے دن انسان کے جسم کا ہر عضو اس عمل کے بارے بتائے گا جو عمل اس کے ذریعہ انجام دیا گیا ہوگا۔ انسان یہ دیکھ کر کہے گا کہ تم تو میرے ساتھی تھے میرے خلاف گواہی دے رہے ہو؟ تو وہ اعضاء و جوارح کہیں گے کہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے بلوایا ہے اور ہم تو وہ کہہ رہے ہیں جو تو نے ہمارے ذریعہ انجام دیا ہے۔ ایسی گواہی کے بعد انسان کے پاس اپنے جرائم کے انکار کا کوئی ذریعہ نہ رہے گا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ انسان نے جو عمل کیا ہے خود وہ عمل آخرت میں اس کے سامنے موجود ہوگا۔ اس جگہ یہ بیان کیا جارہا ہے کہ انسان کے تمام اعضاء اس عمل کے بارے گواہی دیں گے جو عمل اس عضو کے ذریعہ انجام دیا گیا ہوگا۔ اس طرح مجرموں پر حجت تمام ہوگی اور پھر انہیں ان کے جرائم کی سزا دی جائے گی۔

پیغام: انسان کو معلوم رہے کہ جو وہ کر رہا ہے اس کا نتیجہ اسے بھگتنا ہے انسان کے اعضاء و جوارح کل اس کے خلاف گواہی دیں گے۔ کل کا دن بہت سخت ہوگا اس لیے آتش جہنم سے بچنے کے لیے اسی دُنیا میں انتظام کریں اور اس کا ایک ہی راستہ ہے کہ اللہ پر ایمان لے آؤ اور عمل صالح بجالاؤ۔)

وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ۝٦٦

ترجمہ: ''اور اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو مٹا دیں پھر یہ راستے کی طرف لپک بھی جائیں تو کہاں سے راستہ دیکھ سکیں گے؟''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیار اور قدرت کو بیان کیا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو اس دنیا میں بھی ان کی بصارت کو ختم کر دیتے، اس صورت میں وہ راہ حق اور جو درست راستے کی طرف لپک کر شوق سے جانا بھی چاہتے تو ان کو وہ راستہ نظر نہ آتا کیونکہ ہم نے ان کی بصارت کو ختم کر دیا۔

وَ لَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٧﴾

ترجمہ: ''اور اگر ہم چاہیں تو انہیں ان ہی کی جگہ پر اس طرح مسخ کر دیں کہ نہ آگے جانے کی استطاعت ہو گی اور نہ پیچھے پلٹ سکیں گے۔''

مسخ کا مطلب ہوتا ہے کہ چیز کو اس کی اصلی صورت سے اس طرح بگاڑ دینا کہ اس کی اصل شکل بگڑ جائے جیسے بندر، خنزیر کی صورت میں بنی اسرائیل کو (انسان) مسخ کیا گیا۔ بندر و خنزیر انسان کی بگڑی ہوئی شکل ہیں۔

اللہ کی قدرت کا اعلان

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اختیار اور قدرت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو کفار جس جگہ موجود ہیں بغیر کسی لمبے چوڑے انتظام کے اسی جگہ انہیں مسخ کر دیں اور ان کی اصل شکل ہی باقی نہ رہے گی۔ اس صورت میں نہ تو عذاب میں جا سکیں گے اور نہ ہی اس سے واپس آسکیں گے اور اپنی پہلے والی حالت کو واپس نہیں لا سکتے۔ ''مضی'' کا لفظ

استعمال کیا گیا ہے یہ کنایہ ہے اس بات کا کہ سلامتی کی حالت میں واپسی نہیں، عذاب اور مسخ کی حالت پر باقی رہ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ اس لیے بتایا کہ اگر کافر دنیا میں آرام سے رہ رہا ہے تو وہ اپنی اس کیفیت سے مطمئن نہ ہو جائے کہ اسے عذاب نہ دیا جائے گا بلکہ اللہ کے اختیار میں ہے وہ جب وہ چاہے عذاب دے سکتا ہے جیسا کہ دوسری آیات میں ہے کہ ان مجرموں کو جو مہلت دی گئی ہے وہ اسلیے کہ ان کے جرائم اور بڑھ جائیں تاکہ ان کی سزامیں اور اضافہ ہو سکے۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾

ترجمہ: ”اور جسے ہم لمبی زندگی دیتے ہیں اسے خلقت میں اوندھا کر دیتے ہیں، کیا وہ عقل سے کام نہیں لیتے؟“

عمر میں اضافہ اور کمی کا اختیار

جو کچھ پہلی دو آیات میں بیان کیا گیا اس پر استدلال اس آیت میں بیان ہوا ہے کہ کسی کی عمر بڑھا دینا، اسے بڑھاپا دینا کسی کو بچپن میں موت دینا، کسی کی جوانی کی بہاروں کو باقی رکھنا اور کسی سے لے لینا یہ سب جب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو پھر کافروں کی آنکھوں کے نور کو چھین لینا یا کافروں کو مسخ کر دینا تو کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ بلکہ ایک معمولی عمل ہے۔ اس کے بعد انسانوں کو دھمکایا گیا ہے کہ تم کیا ہو تم سمجھتے نہیں، تم عقل نہیں رکھتے؟ تمہیں تو عقل دی تاکہ معاملات کو دیکھو۔ اچھے برے میں امتیاز کرو جو صحیح ہے اس کا انتخاب کرو، برائی کو چھوڑ دو، نیکی کا انتخاب کرو اور صراط مستقیم پر باقی رہ کر سعادت مند بن جاؤ۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾ ۙ

ترجمہ: ''اور ہم نے اس (رسول) کو شعر نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ اس کے لیے شایان شان ہے، یہ تو بس ایک نصیحت (کی کتاب) اور روشن قرآن ہے''

لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّ يَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝

ترجمہ: ''تاکہ جو زندہ ہیں انہیں تنبیہ کرے اور کافروں کے خلاف حتمی فیصلہ ہو جائے۔''

قرآن کی توصیف

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی توصیف بیان کی ہے کہ ہمارا رسول جو تمہارے درمیان کلام پڑھتا ہے یہ شعر گوئی نہیں ہے۔ ہم نے اپنے رسول کو شعر گوئی کی تعلیم نہیں دی اور اسے شعر کہنا بھی نہیں ہے، بلکہ شعر تو اس کی شان کے منافی ہے۔ وہ جو کچھ بیان کرتا ہے وہ ذکر ہے اور لوگوں کے لیے نصیحت ہے اور جو وہ کلام کرتا ہے وہ تو کھلا اور واضح قرآن ہے جس کی تلاوت ہمیشہ کی جائے گی۔ یہ کلام روشن معنی والی بات ہے جس کا تعلق پڑھنے اور سمجھنے سے ہے۔ اس کے الفاظ واضح ہیں اور معانی بھی روشن ہیں۔ اس میں کسی قسم کی پیچیدگی اور لغو گوئی اور خیالی بات نہیں ہے بلکہ وہ سب کچھ حقائق پر مبنی باتیں ہیں جو میں نے اپنے رسولؐ کو تعلیم دی ہیں۔ قرآن تو موعظہ ہے، اس میں تذکر ہے، بیداری کی باتیں ہیں، کہیں باطل، جھوٹ موجود نہیں ہے اور نہ ہی لہو و لعب ہے۔

قرآن کے اللہ کی طرف سے نازل ہونے کی دلیل

اس جگہ عمدہ انداز سے قرآن کی حقانیت کو بیان کیا گیا ہے کہ جن کے دل زندہ ہیں، جو بیدار مغز ہیں، جن کی سوچنے کی صلاحیت مردہ نہیں ہوئی انہیں خبردار کیا گیا ہے کہ دلیل و

برہان قائم ہونے کے بعد بھی وہ کفر اختیار کرتے ہیں تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ حتمی ہے اور وہ اللہ کا دردناک عذاب چکھیں گے۔

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّا خَلَقۡنَا لَہُمۡ مِّمَّا عَمِلَتۡ اَیۡدِیۡنَاۤ اَنۡعَامًا فَہُمۡ لَہَا مٰلِکُوۡنَ ﴿۷۱﴾

ترجمہ: ''کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے دست قدرت سے بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے مویشی پیدا کیے چنانچہ اب یہ ان کے مالک ہیں؟''

وَ ذَلَّلۡنٰہَا لَہُمۡ فَمِنۡہَا رَکُوۡبُہُمۡ وَ مِنۡہَا یَاۡکُلُوۡنَ ﴿۷۲﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے انہیں ان کے لیے مسخر کر دیا چنانچہ کچھ پر یہ سوار ہوتے ہیں اور کچھ کو کھاتے ہیں۔''

وَ لَہُمۡ فِیۡہَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ؕ اَفَلَا یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: ''اور ان میں ان کے لیے دیگر فوائد اور مشروبات ہیں تو کیا یہ شکر ادا نہیں کرتے؟''

جانوروں کی خلقت اور ان کے منافع کا تذکرہ

ان آیات میں اللہ کی وحدانیت اور ربوبیت پر ایک اور دلیل دی گئی ہے اس حوالے سے حیوانات کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کا خالق اللہ ہے، ان کی خلقت میں کوئی اور شریک نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حیوانات کو انسان کے لیے مسخر کیا ہے۔ وہ ان کے تابع فرمان ہیں۔ تیسرے مرحلہ میں ان حیوانات کے فوائد شمار کئے ہیں کہ انسان کو ان کی مالکیت اعتباری دی گئی ہے۔ اصل مالک تو اللہ ہے جو ان کا خالق ہے، اللہ ہی

نے ان کی ساری تدبیر اور نظام بنایا ہے کہ یہ حیوانات انسان کے اختیار میں ہوں اور انسان ان سے سواری کا کام لے، ان کے گوشت کو غذا کے لیے استعمال کرے، ان کی کھال کو لباس، جوتوں اور دیگر چمڑے سے بننے والی اشیاء کے لیے استعمال میں لائے۔ ان جانوروں سے اتنے زیادہ فائدے انسان لیتا ہے تو یہ سب اللہ کی طرف سے ایک تدبیر اور نظام کے تحت ہے اس سب کے باوجود وہ اللہ کا شکر بجا کیوں نہیں لاتے اور اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے، اللہ کی اطاعت کیوں نہیں کرتے؟ اللہ کی عبادت درحقیقت ان نعمات کا شکر بجا لانا ہے جو اللہ نے انسان کو بغیر استحقاق کے فراہم کر دی ہیں۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: ”اور انہوں نے اللہ کے سوا اوروں کو معبود بنا لیا ہے کہ شاید انہیں مدد مل سکے۔“

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾

ترجمہ: ”(حالانکہ) وہ (نہ صرف) ان کی مدد نہیں کر سکتے اور وہ الٹے ان معبودوں کے (تحفظ کے) لیے آمادہ لشکر ہیں۔“

مشرکین کا اپنے معبودوں کے متعلق تصور

مشرکین نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے لیے قسم قسم کے خدا بنا رکھے تھے جن میں لکڑی اور پتھر کے بت بھی تھے۔ قوم کے سرداروں اور رعایا نے خداوند یکتا و مہربان کو چھوڑ کر اپنے تخلیق کردہ بتوں کو خدا مان لیا تھا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ ان کے آگے جھکنے سے وہ ان کی ناراضگی سے بچے رہیں گے اور یہی خود ساختہ معبود اللہ کے ہاں ان کی شفاعت و سفارش کریں گے، انہیں

فائدہ دیں گے، ان کے وسیلہ سے انہیں خیر و برکت ملے گی اور وہ معبود ان کے یاور و مددگار ہوں گے۔

اللہ کے سوا کوئی یار و مددگار نہیں

مشرکین کو سمجھ نہیں کہ جن کو انہوں نے معبود بنایا ہے وہ تو کسی چیز کے مالک نہیں۔ خیر و شر، نفع و نقصان ان کے ہاتھ میں نہیں لیکن یہ مشرکین ان خداؤں کے لشکری ضرور ہیں لہٰذا قیامت کے دن ان بناوٹی اور جعلی خداؤں کے ساتھ مشرکین کو بھی بلایا جائے گا تاکہ اپنے ان اعمال کی بنیاد پر جو انہوں نے انجام دیئے انکا حساب کیا جائے۔ لہٰذا جو لوگ کسی سرکش، ظالم کی پیروی کرتے ہیں اس کی خاطر اللہ کی اطاعت کو چھوڑ دیتے ہیں تو ان کے درمیان اور مشرکین کی بت پرستی کے درمیان فرق نہیں ہے۔ پتھر و لکڑی کے بت بے جان ہیں اور یہ ظالم و ستمگر انسانوں کی شکل میں جاندار بت ہیں جس طرح وہ بتوں کے آگے جھکتے تھے اسی طرح یہ لوگ ان ظالم و خونخوار جابر انسانوں کے آگے بھی جھکتے تھے اور ان کی اطاعت میں تھے لہٰذا ان کا احتساب بھی ان ہی کے ساتھ ہو گا اور یہ خود ساختہ معبود ان کو کچھ فائدہ نہ دیں گے۔ قیامت کے دن اللہ واحد قہار کے سوا کوئی انسان کی مدد کو نہ آسکے گا۔

پیغام:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ہی وہ واحد ذات ہے جس نے حیوانات سمیت دنیا کی ہر چیز کو خلق کیا اور انسان کے لیے مسخر کر دیا۔

۲۔ مشرکین اس قدر کج فکری کا شکار ہیں کہ ان معبودوں سے مدد مانگتے ہیں جو خود ان کی مدد کے محتاج ہیں۔

فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٦﴾

ترجمہ: ''لہٰذا ان کی باتیں آپ کو رنجیدہ نہ کریں، ہم سب باتیں جانتے ہیں جو یہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔''

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿٧٧﴾

ترجمہ: ''کیا انسان یہ نہیں دیکھتا کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا ہے اتنے میں وہ کھلا جھگڑالو بن گیا؟''

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٧٨﴾

ترجمہ: ''پھر وہ ہمارے لیے مثالیں دینے لگتا ہے اور اپنی خلقت بھول جاتا ہے اور کہنے لگتا ہے: ان ہڈیوں کو خاک ہونے کے بعد کون زندہ کرے گا؟''[1]

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٧٩﴾

ترجمہ: ''کہہ دیجئے: انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر قسم کی تخلیق کو خوب جانتا ہے۔''

الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ﴿٨٠﴾

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کی پھر تم اس سے آگ سلگاتے ہو۔''

---

[1] ۔ متعدد روایات میں آیا ہے کہ اس سوال کو عاص بن وائل یا عبد اللہ بن ابی نے مطرح کیا تھا۔

مشرکین کے لیے اللہ کی خالقیت کا ثبوت

ان آیات میں اللہ تعالیٰ ایک اور انداز سے اپنی مالکیت، خالقیت بیان کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو اپنے پیغمبر کو تسلی دی ہے کہ ان کی باتوں سے رنجیدہ مت ہوں۔ ہم ان کی تمام باتوں سے آگاہ ہیں جو وہ آشکار کرتے ہیں اور جسے وہ چھپاتے ہیں۔ بتوں کا سہارا جو انہوں نے لے رکھا ہے وہ انہیں کچھ فائدہ نہ دیں گے اور دوسرے بناوٹی معبود بھی ان کو نفع نہیں دے سکیں گے۔ سب کا ہمارے پاس حساب ہونا ہے اور مجرموں کو سزا ملنی ہے۔

انسان کی خلقت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی خلقت یاد دلائی ہے کہ ذرا انسان سوچے کہ وہ تو ایک نطفہ سے بنا ہے، وہ پانی کا ایک نجس اور بے حیثیت قطرہ تھا جس سے وہ انسان بن گیا۔ ایسا اسے کس نے بنایا ہے؟ یقیناً اللہ کی قدرت سے بنا ہے۔ لیکن یہ اپنی خلقت کے آغاز کو بھول جاتا ہے اور بڑا ہو کر اپنے خالق کا انکار کر دیتا ہے کس قدر ناشکرا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد انسان کے دوبارہ زندہ کرنے کی بات بیان کی ہے۔ کہتے ہیں مشرکین سے عاص بن وائل یا عبد اللہ بن ابی نے یہ سوال کیا کہ انسان مرنے کے بعد راکھ بن جاتا ہے اس کی ہڈیاں بوسیدہ ہو جاتی ہیں وہ تو مٹی میں مٹی ہو جاتا ہے کون اس کو دوبارہ انسان کی شکل میں خلق کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کا جواب دیا کہ یہ سوال کرنے والا شخص اور ہمارے لیے ہڈیوں کے بوسیدہ ہونے کی مثال دینے والا اپنی خلقت کو بھول گیا ہے کہ ہم نے تو اسے ایک گندے پانی کے قطرے سے خلق کیا تھا۔ اس کی تو پہلے مثال بھی موجود نہ تھی تو اسے دوبارہ بنانا تو کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اللہ ہی ہے جو تمام مخلوقات کے بارے آگاہ و دانا ہے انسان کی موت اور حیات سے آگاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے خلق کرتا ہے اسے فراموش نہیں کرتا وہ علیم ہے وہ ہر شئی پر قادر ہے۔

اللہ کی قدرت کا نظارہ

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا ایک اور نمونہ بیان کرتا ہے کہ اللہ ہی تو ہے جس نے سرسبز درخت سے آگ کو نکالا ہے، وہ زندہ سے مردہ کو اور مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے وہ ایک سرسبز درخت سے آگ نکالتا ہے جس آگ سے تم فائدہ اٹھاتے ہو، پانی اور آگ دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور منفعت رکھتے ہیں۔ ذرا سوچیں! سرسبز درخت کہاں اور بھڑکتی آگ کہاں؟ یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانی ہے۔ پس مردہ انسان کو زندہ کرنا یہ اللہ کے لیے آسان تر ہے اس سے کہ کسی کو پہلے پہل بنائے۔

اَوَ لَيۡسَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنۡ يَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ ؕ بَلٰى ۚ وَهُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِيۡمُ ۝٨١

ترجمہ: ”جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، آیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو پیدا کرے؟ کیوں نہیں! وہ تو بڑا خالق، دانا ہے۔“

اِنَّمَاۤ اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيۡـًٔـا اَنۡ يَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ۝٨٢

ترجمہ: ”جب وہ کسی چیز کا ارادہ کر لیتا ہے تو بس اس کا امر یہ ہوتا ہے کہ اسے یہ کہے: ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔“

فَسُبۡحٰنَ الَّذِىۡ بِيَدِهٖ مَلَكُوۡتُ كُلِّ شَىۡءٍ وَّاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ۝٨٣

ترجمہ: ” پس پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی سلطنت ہے اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔“

اللہ کی خالقیت و قدرت کے بارے بیان

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے استفہام انکاری سے ایک بات سمجھائی ہے کہ اللہ ہی تو ہے جس نے آسمانوں اورزمین کو خلق کیا ہے۔ اللہ کے سواء کوئی خالق تو نہیں ہے۔ جب اتنی بڑی کائنات کواس نے خلق فرمایا ہے تو پھراس کے لیے یہ کون سی عجز کی بات ہے کہ ان جیسا اور خلق نہ کرسکے۔ جب انسان کو پہلے نطفہ سے بنایا تو پھر دوبارہ مارنے کے بعد اسے خلق کرنا کونسی مشکل بات ہے ؟ اللہ تعالیٰ نے جو حیرت انگیز اس پورے نظام ہستی کو بنایا ہے اور ایک نظام عام پوری کائنات کے لیے قرار دیا ہے جس کے ساتھ پورا عالم چل رہا ہے۔ اتنا بڑا عالم ہے کہ اس کی جزئیات کا شمار ممکن ہی نہیں تو کیا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ وہ ان انسانوں کو مارنے کے بعد ان کی پہلے والی ہیئت، شکل و جسم کے ساتھ دوبارہ زندہ کرے تاکہ ان سے حساب لیا جائے۔ بلکہ اللہ اس سب پر قادر ہے کیونکہ اللہ ایسا خالق ہے جو بہت ہی دانا اور آگاہ ہے۔ اس کا علم ذاتی ہے اور کچھ بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ انسان کی جان اور روح اس کے مرنے سے نہیں مرتی بدن ختم ہوتا ہے روح باقی رہتی ہے جبکہ جس بدن کو دوبارہ زندہ بنایا جائے گا وہ بعینہ وہی نہیں ہوگا بلکہ اسی کی مانند ہوگا جو پہلے تھا جبکہ روح و جان وہی ہے جو اس میں ڈال دی جائے گی اور روح پہلے کی طرح اس کے جسم میں تھی لیکن کسی کی پہچان یا تشخص اس کے روح سے ہے بدن کے مادہ کی ایجاد دوبارہ ہوئی ہے۔ اسی لیے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ وہی پہلے والا آدمی ہے جو دوبارہ زندہ ہوا ہے۔

آج سائنس نے یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ انسان بدن خلیات کا مرکب ہے جو کروڑوں کی تعداد میں ہیں اور یہ بدل رہے ہیں جو آج ہمیں جسم نظر آرہا ہے کل اور ہوگا۔ وہی شکل ہے، وہی صورت ہے، وہی جسم ہے اس میں کچھ تبدیل نہیں ہوا ہے جبکہ خلیات جن سے جسم بنا ہے وہ تبدیل ہو چکے اور مسلسل تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

خلقت الٰہی کا طریقہ

اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی ایجاد کو بھی بیان کیا گیا کہ وہ کس طرح خلق فرماتا ہے۔ اس کے بارے بیان کیا کہ یہ تو اللہ کے ارادہ تکوینی سے ہوتا ہے جس چیز کی خلقت کا اللہ ارادہ کرتا ہے اللہ کے ارادہ ہی سے وہ شئی وجود میں آتی ہے، درمیان میں کچھ فاصلہ یا وقفہ نہیں ہوتا البتہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سمجھانے کے لیے اس بارے اس طرح بیان کیا ہے کہ جب اللہ کسی ہیئت کی خلقت کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لیے فرماتا ہے کہ اے شئی ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے لیکن حقیقت میں وہاں پر لفظ ''کُنْ'' بولنے کا مرحلہ نہیں آتا بلکہ امور تکوینی میں ارادہ تکوینی کارفرما ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہی امر ہے اور امر ہی ایجاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مثال دے کر سمجھایا ہے وگرنہ خلقت وجود میں اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے سوا کسی اور کا محتاج نہیں ہے۔ اللہ کا تکوینی ارادہ ہر شئی کے وجود میں آنے کا سبب ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر سورہ قمر آیت ۵۰ میں فرمایا:

'' وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ ''

ترجمہ: ''اور ہمارا حکم تو ایک ہی بات ہوتی ہے جیسا کہ پلک جھپکنا۔''

سورۂ احزاب آیت ۳۸ میں فرمایا:

وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ۟

ترجمہ: ''امر خدا ہمیشہ حساب زدہ اور پلاننگ منصوبہ بندی کے تحت ہے۔''

ان آیات میں جو بات سمجھانے کے لیے کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو معلوم رہے کہ پوری کائنات کا وجود اور کائنات کے اندر ہر شئی کا وجود سب خالق کے ارادہ تکوینی کے تحت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس انداز خلقت کو حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کے لیے فرمایا ہے: ہو جا بغیر اس کے کہ کچھ بولا

جائے یا زبان سے ادا ہو تو وہ شئی ہو جاتی ہے۔ للہذا کلمہ ''کن'' سے مراد فیض ہستی اور اضافہ وجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام اللہ کے فعل و عمل سے عبارت ہے۔ (البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۱۳، خطبہ ۲۳۲)

اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی

آخر میں اس بات کو بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک، منزہ ہے۔ اس میں کوئی نقص نہیں، اسے کسی کی احتیاج نہیں۔ وہ غنی علی الاطلاق ہے، وہ احد ہے، بے نیاز ہے، ہر چیز کی مالکیت اسی کے لیے ہے کیوں؟ وہ سب کا خالق ہے اور سب کی بازگشت بھی اسی کی طرف ہے کیونکہ سب کا رُخ اللہ کی جانب ہے۔ کچھ اپنے اختیار سے اور کچھ بے اختیاری سے سب اللہ کے فرمان کے تحت موجود ہے اور اپنے وجودی اضافات کو بکھیر رہا ہے۔ کسی کے لیے کچھ بھی ان کا اپنا نہیں ہے۔ اللہ ہی ہر چیز پر مسلط اور غالب ہے، اللہ کے سوا کوئی بھی اس میں شریک نہیں اور اللہ کے غیر کا کسی پر کچھ بھی تسلط اور اختیار نہیں ہے۔

عمومی خطاب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو خطاب کیا ہے مومن، کافر، مشرک سب سے کہا ہے کہ تم سب نے میری طرف پلٹ کر آنا ہے۔ قبروں سے تمہیں اٹھایا جائے گا۔ اللہ کے پاس آؤ گے جس کے پاس تم سب کو پلٹ کر جانا ہے تو اسی کے پاس ہی تمہارا حساب ہونا ہے، جزاء و سزا اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے سب کو اللہ کی اطاعت میں آجانا چاہیے۔ اطاعت گذار ہی کامیاب ہوں گے، دوسروں کے لیے سوائے ناکامی، حسرت اور ندامت کے کچھ نہ ہو گا۔

پیغام:

ا۔ کائنات کا ہر ذرہ اللہ کے ارادہ اور امر تکوینی سے وجود میں آتا ہے۔

۲۔ ہر ایک نے فناء ہونا ہے اور انسان کے تمام اعمال کا حساب ہونا ہے۔

۳۔ سب نے اللہ کے پاس مرنے کے بعد پلٹ کر آنا ہے۔

۴۔ اس پوری سورہ سے جو پیغام ملتا ہے کہ یقینی ثبوت کے تحت سب پر لازم ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لے آئیں۔ اسے واحد واحد مانیں۔ اللہ کے رسولؐ کی دعوت کو قبول کریں۔ قیامت کی آمد پر یقین رکھیں۔ آخرت میں سخت حساب پر یقین رکھیں اور دنیا میں اللہ کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کریں۔

سورۃ الصّٰفّٰت

(مکی۔ کل آیات: 182)

سورہ کے مطالب

توحید الٰہی کا بیان، تکذیب کرنے والوں کے لیے خطرے کا اعلان، معاد کا انکار کرنے والوں کے لیے تنبیہ، مخلص مومنین کے لیے بشارت اور بعض انبیاء کے واقعات کا تذکرہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ الصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ”قسم ہے صف بنانے والوں کی جنہوں نے زبردست صف آرائی کر رکھی ہے۔“

فَالزّٰجِرٰتِ زَجۡرًا ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ”قسم ان کی جو جھڑکتے ہوئے ڈانٹ پلانے والے ہیں۔“

فَالتّٰلِیٰتِ ذِکۡرًا ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ”قسم ہے ان کی جو (قرآن) کی تلاوت کرنے والے ہیں۔“

فرشتوں کا تذکرہ اور ان کے اعمال

ان تین آیات میں صف بنا کر کھڑے ہونے والے، جھڑکنے اور ڈانٹ پلانے والے اور قرآن کی تلاوت کرنے والے تین گروہ کا تذکرہ ہے جن کی اللہ نے قسم اٹھائی ہے۔ ان سے

کون مراد ہیں؟ ظاہری طور پر یہ فرشتوں کے تین گروہ ہیں جو وحی اُتارنے پر مامور تھے اور اس کام کو شیاطین کے شر اور مداخلت سے محفوظ بناتے تھے اور وحی کو محفوظ طریقہ سے پیغمبر اکرم ﷺ کے پاس پہنچا دیتے تھے۔ اس لحاظ سے ان آیات کا ترجمہ اس طرح ہو گا: "قسم ہے ان فرشتوں کی جو وحی کے راستہ میں صف بنائے کھڑے ہیں۔ قسم ہے ان فرشتوں کی جو وحی کو رسول اللہ کے پاس پہنچانے میں شیاطین کی مداخلت کو روکتے ہیں اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو وحی کو پیغمبر اکرم ﷺ پر پڑھتے ہیں۔

قسم اٹھانے کی وجہ

عام لوگ قسم اس لیے اٹھاتے ہیں کہ ان کی بات کے بارے میں جو شک ہے اس کا ازالہ ہو جائے لیکن اللہ کی طرف سے قسم کا مطلب اس واقعہ کی اہمیت اور بزرگی کا اظہار ہوتا ہے اور یہ کہ جو کچھ قسم کے بعد بیان ہوتا ہے حقیقت سے عبارت ہے اس کے برعکس نہیں ہے اور اس کے انکار کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔

إِنَّ إِلَٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝٤

ترجمہ: "اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے (یقینی طور پر اللہ ایک ہی ہے دو نہیں)"

رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝٥

ترجمہ: "(اللہ ہی) آسمانوں اور زمین اور جو کچھ آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے ان کا رب ہے اور (اللہ ہی) مشارق کا رب ہے۔"

اللہ کی وحدانیت اور ربوبیت

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے تین اعمال کا حوالہ دے کر قسم اٹھائی اور اس بات کا اعلان کیا کہ اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اس کے فرشتے مامور ہیں وحی لانے پر اور وہ وحی پیغمبر کے پاس لے آتے ہیں اور اس سے سب لوگ آگاہ ہیں۔ وحی لانے میں کوئی رکاوٹ نہیں اور وحی اللہ کی طرف سے آئی ہے کوئی دوسرا دعویدار نہیں کہ اس نے کسی کے پاس وحی بھیجی ہو۔ یہی بات دلیل ہے کہ اللہ ایک ہے دوسرا اللہ ہوتا تو وہ بھی وحی بھیجتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ ہی رب ہے اس نے قانون بنایا ہے۔ آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس سب میں ایک نظم ہے، اگر نظم موجود نہ ہوتا تو وہ سب درہم برہم ہو جاتے سب اپنی اپنی جگہ پر موجود ہیں اور اپنا اپنا کام کر رہے ہیں کسی کی دوسرے کے کام میں مداخلت نہیں جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان سب کو نظم دینے والا ایک ہی ہے اور وہ اللہ ہے۔

مشارق جمع ہے مشرق کی، اور مشرق اُفق کے اس نقطہ کو کہتے ہیں جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے۔ مشارق سے مراد آفاق کے وہ نقاط ہیں جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے اور سال کے چھار موسموں کو تشکیل دیتا ہے البتہ اس جگہ مشارق سے مطلق ستاروں کے مشارق بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ تمام ستاروں کے طلوع ہونے کے نقاط مراد ہوں یا مطلق مشارق مراد ہو کہ جہاں سے بھی سورج طلوع ہو۔ اس جگہ مغارب نہیں کہا شاید یہ اس وجہ سے ہو کہ بات وحی کی ہو رہی ہے اور آسمانوں سے فرشتوں کے وسیلہ سے پیغمبر اکرمؐ کے لیے وحی کا طلوع ہوتا ہے چنانچہ اس طلوع وحی کی مناسبت سے کائنات میں ستاروں اور سورج کے طلوع کی بات کی گئی ہے (واللہ اعلم)

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر دلیل اس کائنات کا نظم ہے اور کائنات آسمانوں، زمین اور طلوع کے نقاط سے عبارت ہے۔ یہ سب ایک نظم سے عبارت ہے۔

اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِزِیۡنَةِ ۣالۡكَوَاكِبِ ۙ﴿۶﴾

ترجمہ: ''ہم نے دنیا کے آسمان کو ستاروں کی زینت سے مزین کیا،''

وَ حِفۡظًا مِّنۡ كُلِّ شَیۡطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ﴿۷﴾

ترجمہ: '' اور ہر سرکش شیطان سے بچاؤ کا ذریعہ بھی قرار دیا''

لَا یَسَّمَّعُوۡنَ اِلَی الۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰی وَ یُقۡذَفُوۡنَ مِنۡ كُلِّ جَانِبٍ ٭ۖ﴿۸﴾

ترجمہ: '' کہ وہ (شیاطین) عالم بالا کی طرف کان نہ لگا سکیں اور ہر طرف سے ان پر (انگارے) پھینکے جاتے ہیں۔''

دُحُوۡرًا وَّ لَهُمۡ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ﴿۹﴾

ترجمہ: '' دھتکارے جاتے ہیں اور ان پر دائمی عذاب ہے۔''

اِلَّا مَنۡ خَطِفَ الۡخَطۡفَةَ فَاَتۡبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: '' مگر ان میں سے جو کسی بات کو اچک لے تو ایک تیز شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔''

آسمان دُنیا کا بیان

دنیا سے مراد نچلا حصہ اور پائین ترین مراد ہے۔ دُنیا کا آسمان بھی سب سے نچلا آسمان ہے اور ہر آسمان ستاروں سے عبارت ہے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ ہم نے نچلے آسمان

کو ستاروں کے وسیلہ سے زینت بخشی ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے دُنیاوی آسمان سات آسمانوں سے ایک ہے اور آسمان سے مراد وہی فضاء ہے جس نے زمین کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔

ستاروں کا فائدہ

ستارے ایک تو زینت کا سبب ہیں اور دوسرا فائدہ ان کا یہ ہے کہ یہ خبیث اور شریر جنات کے شر سے بچاتے ہیں۔اس طرح کہ شیاطین ملاء اعلیٰ (بلند ترین مقام) تک خود نہیں پہنچ سکتے تاکہ وہاں کی خبریں جان سکیں۔شیاطین کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ غیب کی خبروں کو جان سکیں اگر وہ اس علاقہ کے قریب ہونے کی کوشش کریں تو ہر طرف سے ان پر پتھراؤ ہوتا ہے،اور انہیں اس علاقہ سے دُور بھگا دیا جاتا ہے۔

ملاء اعلیٰ سے مراد

ملاء اعلیٰ (بلند ترین مقام) سے مراد مکرم و معزز فرشتوں کا مقام ہے جہاں پر وہ موجود رہتے ہیں۔یہ فرشتے دُنیاوی آسمان سے جو بلند تر آسمان ہے اس میں رہتے ہیں۔شیاطین ان تک پہنچ کر فرشتوں کی باتیں سننے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے شر سے بچاؤ کا انتظام کر رکھا ہے۔اگر کچھ خبروں کو وہ چرا کر بھاگنا چاہیں تو بھی ان پر حملہ کر دیا جاتا ہے اور وہ اس طرح ناکام و نامراد ہوتے ہیں۔

اہم نکات:

ان آیات سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں:۔

ا۔ایک آسمان جو تمام آسمانوں میں پائین ترین ہے اسے دُنیا کا آسمان کہا گیا ہے۔

۲۔ دُنیا کے آسمان پر جو ستارے موجود ہیں یہ زینت کے علاوہ بالاترین آسمانوں میں موجود فرشتوں کے لیے حفاظتی حصار بھی ہیں۔

۳۔ زمین کے اوپر جنات اور شیاطین موجود ہیں جو دُنیا کے آسمان کو عبور کرکے اوپر جانا چاہتے ہیں تاکہ وہاں کی خبریں جان سکیں اور غیب سے آگاہی پا کر اس سے فائدے اٹھائیں۔

۴۔ دُنیاوی آسمان کے اوپر موجود ستارے شیاطین کو اوپر والے آسمانوں کی جانب نہیں جانے دیتے۔

۵۔ ملاء اعلیٰ بلند ترین مقام پر اللہ کے مکرم و معزز فرشتے موجود ہیں جو اللہ کے پیغامات کے امین ہیں ان تک شیاطین اور شریر جنات نہیں پہنچ سکتے۔ اگر وہ کوئی خبر لے بھی لیں اور اسے دُنیا کی طرف لانا چاہیں تو تیز رفتار ستارہ شہاب ثاقب ان کا پیچھا کرتا ہے اور ان پر حملہ آور ہو جاتا ہے اس طرح وہ ناکام ہو جاتے ہیں۔

۶۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ خبریں فرشتوں سے چرانے میں شیاطین کامیاب ہو جاتے ہیں لیکن ان خبروں کو وہ دُنیا میں نہیں لا سکتے کیونکہ ان کی واپسی کے لیے رکاوٹ موجود ہے۔ ان پر شدید قسم کا حملہ کرکے انہیں ناکام بنا دیا جاتا ہے۔

یہ سب اللہ کے نظام کا حصہ ہے جو اس بات پر دلیل ہے کہ اللہ واحد ہے، وہی رب بھی ہے اور پوری کائنات کا نظام اللہ کے امر کے تحت چل رہا ہے۔ اس میں کسی قسم کا خلل موجود نہیں اور کوئی اس میں رخنہ نہیں ڈال سکتا۔

پیغام:

۱۔ اللہ کے فرشتے محفوظ طریقہ سے وحی کو رسول اللہ کے پاس لاتے ہیں۔

۲۔ اللہ واحد واحد ہے اور اللہ کے امر سے پورا دقیق نظام ہے جس کے تحت کائنات کا وجود ہے پورا نظم و نسق اللہ کے امر سے قائم ہے۔ جو اللہ کے ربوبیت پر دلیل ہے اور اللہ کا رب ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اسی کی اطاعت کی جائے اس کے سواء کوئی لائق عبادت نہیں

پس اِلٰہ ایک ہے جیسے کلمہ توحید میں بیان کیا گیا ہے کہ ”لا اِلٰہ الا ھو“ وہی اِلٰہ ہے اس کے سواء کوئی اِلٰہ نہیں ہے لہٰذا سب کو اللہ پر ایمان لانا چاہیے کہ اللہ کی اطاعت و عبادت کریں کسی اور کی پرستش نہ کریں۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ⑪

ترجمہ: ” تو ان سے پوچھ لیجیے کہ کیا ان کا پیدا کرنا مشکل ہے یا وہ جنہیں ہم نے (ان کے علاوہ) خلق کیا ہے؟ ہم نے انہیں لیسدار گارے سے پیدا کیا۔“

انسان اور دیگر مخلوقات کا تقابل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے یہ فرمایا ہے کہ یہ لوگ میری ربوبیت اور خالقیت پر سوال اٹھا رہے ہیں کہ وہ ہمیں مرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا تو ان سے پوچھ لو کہ آسمانوں اور زمین کا خلق کرنا، فرشتوں کو خل کرنا اور مخلوقات کو خلق کرنا مشکل امر ہے یا انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ خلق کرنا؟ کیونکہ وہ منکر اس بات کے قائل تھے کہ ان سب کا خالق اللہ ہی ہے اس بات سے مقصد یہ تھا کہ جب ان کی توجہ اس طرف ہوگی تو وہ سمجھ جائیں گے کہ انہیں خلق کرنا آسان تر ہے کیونکہ ہم نے اس انسان کو ایک ایسی مٹی سے خلق کیا ہے جو چکنی تھی۔ انسان کی خلقت کے بارے پہلے فرمایا کہ اسے ایک نطفہ سے خلق کیا ہے پانی کے معمولی اور گندے قطرے سے اور اس جگہ فرمایا کہ ہم نے اسے گوندھی ہوئی مٹی سے بنایا ہے البتہ یہ اشارہ ہے انسان کی ابتدائی خلقت کی طرف جب اللہ تعالیٰ نے مٹی اور گارے سے انسان کا پتلا تیار کر لیا جیسا کہ دیگر مقامات پر اسے بیان کیا گیا ہے۔

بَلْ عَجِبْتَ وَ يَسْخَرُوْنَ ۪ ⑫

ترجمہ: " بلکہ آپ تعجب کر رہے ہیں جبکہ وہ لوگ تمسخر کرتے ہیں۔"

وَ اِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ۝١٣

ترجمہ: " اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو نصیحت نہیں مانتے۔"

وَ اِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ۝١٤

ترجمہ: " اور جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔"

وَ قَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝١٥

ترجمہ: " اور کہتے ہیں: یہ تو ایک کھلا جادو ہے۔"

منکرین رسالت کی ہٹ دھرمی

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی ہٹ دھرمی کو بیان کیا ہے کہ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ تیری بات کو مانتے جب معجزہ دکھایا تو ایمان لے آتے۔ جب انہیں سمجھایا گیا تو وہ آسمانوں اور زمین کی خلقت کو دیکھیں اور پھر انسان کی خلقت، تو وہ اس سے پند و نصیحت لینے کی بجائے انکار پر باقی رہتے ہیں۔ نہ فقط ایمان نہیں لاتے بلکہ آپ کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہہ رہا ہے کہ یہ لوگ تیری توہین کرتے ہیں، حق کو ماننے پر آمادہ نہیں، تم ان پر تعجب کرتے ہو یہ تو اس قدر گھٹیا ہیں۔ واضح نشانیوں کے انکاری ہیں جبکہ ہر ایک نشانی کافی تھی کہ وہ ایمان لے آتے۔

ءَ اِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝١٦

ترجمہ: " کیا جب ہم مر چکیں گے اور خاک اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے؟"

أَوَ آبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ﴿١٧﴾

ترجمہ: ”کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی (اٹھائے جائیں گے)؟“

قُلْ نَعَمْ وَأَنتُمْ دَاخِرُونَ ﴿١٨﴾

ترجمہ: ” کہہ دیجیے: ہاں اور تم لوگ ذلت ورسوائی کی حالت میں (اٹھائے جاؤ گے)۔“

فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنظُرُونَ ﴿١٩﴾

ترجمہ: ” وہ تو بس ایک جھڑک ہی ہو گی پھر وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے“

وَقَالُوا يَا وَيْلَنَا هَٰذَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿٢٠﴾

ترجمہ: ”اور کہیں گے: ہائے ہماری تباہی! یہ تو یوم جزا ہے۔“

هَٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿٢١﴾

ترجمہ: ” یہ فیصلے کا وہ دن ہے جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔“

معاد کا اثبات

ان آیات میں مشرکین کے معاد کے متعلق جو خیالات تھے اس کا تذکرہ ہے۔ وہ اپنے انکار کے لیے دلیل دیتے تھے کہ جب ہم مر جائیں گے تو ہم مٹی میں مل جائیں گے، ہماری تو ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہوں گی جسم ریزہ ریزہ ہو چکا ہو گا پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم دوبارہ اٹھائے جائیں؟ (جیساکہ سورہ یسین میں ان کی اس قسم کی بات کو نقل کیا گیا ہے) وہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب ہو کر ایسی باتیں کرتے تھے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارے آباء واجداد جن کو مرے ہوئے صدیاں بیت گئیں وہ بھی دوبارہ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے؟ گویا

ان کا کہنا یہ تھا کہ مرنے کے بعد ہم سو چکے ہوں گے تو ہم دوبارہ سے زندہ ہوں گے؛ ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو پیغمبر اکرم ﷺ نے اللہ کی طرف سے ان کے ان خیالات کا اس طرح جواب دیا کہ یہ اس طرح ہو گا کہ ایک زوردار چیخ آئے گی (جسے صور پھونکنے سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، آواز بھی کہا گیا ہے، چیخ بھی)۔ اس آواز کے آتے ہی سب مرے ہوئے زندہ ہو جائیں گے، خداوند عالم کی بارگاہ میں تم سب قبروں سے اٹھ کھڑے ہوگے اور تمہاری بیچارگی کی حالت یہ ہو گی کہ اچانک اٹھتے ہی تم کہوگے یہ تو وہی قیامت کا دن آگیا جس کا ہم انکار کرتے تھے؟ اس جگہ اللہ کی قدرت کو بیان کیا گیا ہے اور اللہ کی قدرت کی وسعت اور ارادہ کی تاثیر کا حوالہ ہے کہ مردوں کا زندہ ہونا اللہ کے ارادہ سے وابستہ ہے اور ایک ہی آواز پر سب زندہ ہو جائیں گے۔ حیرت زدہ ہوں گے مبہوت ہوں گے، کہہ رہے ہوں گے یہ تو فیصلہ کا دن آگیا ہے جس کا ہم انکار کرتے تھے تو ان کو کہا جائے گا ایسا ہی ہے یہ وہ ہی دن ہے جس کا تم انکار کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ جھوٹ ہے کوئی قیامت نہیں آئے گی، مرکے دوبارہ نہ اٹھیں گے، یہ سب کچھ پلک جھپکنے یا اس سے بھی کمتر لمحہ میں ہو جائے گا۔ سورہ نحل میں ہے: "قیامت کی گھڑی کا معاملہ تو اسکے سوا کچھ نہیں کہ پلک جھپکنے کی مانند ہو گا یا اس سے بھی کمتر"۔ جب اس حقیقت سے آگاہ ہوں گے تو ایسے لگے گا جیسے لمبی نیند سے بیدار ہوئے ہیں، پریشانی کی حالت میں افسردہ ہوں گے، شرمندہ ہوں گے اپنے سابقہ کردار پر افسوس کریں گے کہ ہم تو جھٹلاتے رہے، اب تو حقیقت سامنے ہے اور سب اعمال کا حساب دینا ہے۔ اس جگہ ان سے کہا جائے گا جی ہاں! ایسا ہی ہے وہ دن آگیا جس کا تم انکار کرتے تھے اب حساب کے لیے پیش ہوں۔ مجرموں کو کہا جائے گا: "اے مجرمو! آج کے دن تم الگ ہو کر کھڑے ہو جاؤ، اب تمہارا حساب ہونا ہے۔" ان آیات میں سمجھایا گیا کہ قیامت کا دن حتمی ہے اور مردوں کا اٹھایا جانا یقینی ہے اور یہ اللہ کی قدرت اور ارادہ سے مربوط ہے۔

پیغام:

قیامت کے دن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس دن پیش ہونے کی تیاری کریں، تمام اعمال کا حساب ہو گا، شرمندگی سے بچنے کے لیے آج ہی اللہ کی فرمانبرداری کر لیں۔

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ وَ مَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: " گھیر لاؤ ظلم کا ارتکاب کرنے والوں کو اور ان کے ہم جنسوں کو اور انہیں جن کی یہ پوجا کیا کرتے تھے،"

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: " اللہ کو چھوڑ کر۔ پھر انہیں جہنم کے راستے کی طرف ہانکو۔"

وَ قِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: " انہیں روکو، ان سے پوچھا جائے گا۔"

میدان محشر کا منظر

ان آیات میں بروز محشر تمام لوگوں کو جمع کرنے اور مجرموں کے حساب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ دُنیا میں اللہ کا شریک بناتے تھے، جنہوں نے خود ساختہ معبود بنا رکھے تھے قیامت کے دن فرشتوں سے کہا جائے گا ان سب کو ایک جگہ اکٹھا کرو۔ وہاں عبادت کرنے والے اور جن کی وہ مشرکین عبادت کرتے تھے اور شیاطین جن کی پیروی کرتے تھے سب اکٹھے ہوں گے اور فرشتوں کے لیے یہ حکمنامہ آئے گا کہ تم انہیں جہنم کی طرف لے جاؤ۔ اس میں کچھ مجرموں کے بارے یہ کہا جائے گا کہ انہیں روکو اور ان سے کچھ پوچھ کچھ کر لو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال سب سے نہیں ہونا۔ مشرکوں، بت پرستوں اور کافروں کا معاملہ بڑا واضح ہے اور انہیں ہانک کر جہنم کی جانب لے جایا جائے گا۔ تو کیا یہ سوال خود ان ہی مشرکین سے ہو گا تو بعض مفسرین نے ایسا ہی خیال ظاہر کیا ہے۔ کچھ نے کہا ہے کہ ان سے کلمہ

لاالہ الا اللہ کا پوچھا جائے گا کہ تم نے کلمہ پڑھا تھا؛ اور بعض مفسرین کے مطابق ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ٹھنڈا پانی جو پیا تو اس کا شکر بجالاتے تھے؟ یہ سوال ان سے تمسخر کرتے ہوئے پوچھیں گے۔[1]

ولایت علیؑ کے بارے سوال

بعض مفسرین نے اس جگہ یہ کہا ہے اور اس بارے روایات بھی موجود ہیں کہ یہ سوال مشرکین یا کافروں، بت پرستوں و شیاطین سے نہیں ہوگا بلکہ کچھ ایسے ہوں گے جنہوں نے اسلام قبول کیا اور توحید، نبوت اور معاد پر ان کا عقیدہ تھا، ان کے نامۂ اعمال میں اچھے اعمال بھی تھے؛ مگر جب وہ یہ سوچ کر آگے بڑھیں گے کہ جنت کی طرف جائیں تو انہیں روکا جائے گا اور ان سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تم حضرت علی بن ابی طالب علیہما السّلام کی ولایت رکھتے تھے؟ جب نفی میں جواب دیں گے تو انہیں جہنم کے راستہ پر ڈال دیں گے اور جنت والے راستے پر نہ جانے دیں گے۔

مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ”تمہیں ہوا کیا ہے کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟“

بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ”بلکہ آج تو وہ گردنیں جھکائے (کھڑے) ہیں۔“

مجرموں کی حالت زار

1۔ تفسیر روح المعانی۔

ان آیات میں مجرموں کی حالت زار کا بیان ہے کہ دُنیا میں یہ لوگ بڑے متکبر و مغرور تھے، اللہ کی اطاعت نہ کرتے تھے، اللہ کی مخالفت پر ایک دوسرے کے مددگار تھے لیکن قیامت کے دن ہر شخص اپنی حالت میں غرق ہوگا اسے دوسرے سے سروکار نہ ہوگا۔ جب کہ دُنیامیں وہ ایک دوسرے کے ساتھی تھے۔ ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا اب ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے ہو، تمہیں کیا ہوا ہے؟ وہ بڑی ذلت و خواری میں ہوں گے، اللہ تعالیٰ خود ہی فرماتا ہے "اس دن سب کا غرور خاک میں مل چکا ہوگا"۔ سب نے تسلیم کر لیا ہوگا، اور سب حساب کے لیے حاضر ہوں گے۔ قیامت کے دن مجرموں سے ہر حق کا سوال ہوگا۔ صحیح عقیدہ کیوں اختیار نہیں کیا؟ صحیح عقیدہ والوں سے سوال ہوگا عمل کیوں نہیں کیا؟ خیانت کیوں کی؟ اپنے زمانہ کے امام کو کیوں نہیں مانا؟ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کیوں کی؟ زبان سے اقرار اور عمل سے انکار، منافقت کیوں کی؟ کسی کے پاس کوئی جواب نہ ہوگا اور سب کو جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے گا۔

وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: "اور وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کرکے باہم سوال کرتے ہیں۔"

قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: "کہتے ہیں: تم ہمارے پاس دائیں جانب (طاقت سے) آتے تھے۔"

قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: "وہ کہیں گے: بلکہ تم خود ایمان لانے والے نہ تھے،"

وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: "ورنہ ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا بلکہ تم خود سرکش لوگ تھے۔"

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: ”پس ہمارے بارے میں ہمارے رب کا فیصلہ حتمی ہو گیا، اب ہم (عذاب) چکھیں گے۔“

فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ”پس ہم نے تمہیں گمراہ کیا جب کہ ہم خود بھی گمراہ تھے۔“

مجرموں کا اپنے بڑوں سے مکالمہ

ان آیات میں ایک مکالمہ بیان ہوا ہے جو مجرمین اپنے بڑوں کے ساتھ کریں گے کہ دُنیا میں جن کے کہنے پر انہوں نے حق کا راستہ چھوڑا تھا اور اللہ کی وحدانیت کا انکار کیا، مشرک بن گئے، ایمان نہ لائے؛ وہ اپنے ان بڑے لیڈروں اور راہنماؤں سے کہیں گے کہ تمہی تو تھے جو ہمیں بڑی بڑی خبریں سناتے تھے، بڑے بڑے وعدے کرتے تھے اور ہمیں کہتے تھے کہ یہ سب جھوٹ ہے اور تم نے ہمیں ایمان لانے سے روک دیا تھا۔ جواب میں فاسق و فاجر لیڈر کہیں گے تم غلط کہہ رہو ہم نے تمہارے اوپر جبر نہیں کیا تھا تم آزاد تھے، تم تو خود ہی خراب تھے اور ایمان نہیں لانا چاہتے تھے، اپنے اختیار سے تم نے انکار کیا تھا ہمارا تمہارے اوپر تسلط نہ تھا اور نہ ہی ہم نے تمہارے ارادہ کو تم سے سلب کیا تھا، ہم نے تم پر جبر نہیں کیا بلکہ تمہاری گمراہی کی اصل وجہ یہ ہے کہ تم خود ہی سرکش تھے بے راہ رو اور خواہشات کے پجاری تھے۔ ہم بھی سرکش تھے، تم نے اپنے سرکشی کے نتیجہ میں ہماری پیروی کی لہٰذا ہم اور تم دونوں سرکش تھے اور ا ہم نے ایک دوسرے کی مدد کی اور راہِ حق سے ایک دوسرے کو جدا کیا، کسی کا کسی دوسرے پر تسلط نہ تھا۔ اب تو اللہ کا حکم آچکا ہے ہم سب نے اب جہنم جانا ہے اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں اور یہ سزا ان اعمال کی ہے جو ہم نے خود کیے ہیں۔ اس میں یہ نقطہ بھی

قابل توجہ ہے کہ بڑے کہیں گے کہ ہم کیوں کہ خود گمراہ تھے اس لیے تم بھی ہمارے ساتھ مل کر گمراہ ہو گئے۔ نیک سے نیکی ملتی ہے اور برے سے برائی ملتی ہے لیکن ہمارا آپ پر تسلط و غلبہ نہ تھا اور تمہارا اختیار بھی ہم نے سلب نہ کیا تھا؛ اب ہم سب نے عذاب کا مزہ چکھنا ہے۔

پیغام:

بروں کی صحبت اختیار نہ کرو، گمراہوں سے دُور رہو، ہر شخص صاحب ارادہ اور بااختیار ہے کسی کو دوسرے پر تسلط نہیں ہے۔ قیامت کے دن کوئی کسی دوسرے کی ذمہ داری نہ لے گا، ہر ایک نے خود اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔

فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿٣٣﴾

ترجمہ: ''تو اس دن وہ سب کے سب عذاب میں شریک ہوں گے۔''

إِنَّا كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ﴿٣٤﴾

ترجمہ: ''ہم مجرموں کے ساتھ یقیناً ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔''

تابع اور متبوع کی ایک سزا

دُنیا میں جن لوگوں نے غلط افراد کی پیروی کی ہو گی اور ان کے کہنے پر اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا ہو گا اور ایمان نہ لائے ہوں گے تو قیامت کے دن وہ عذاب میں ہوں گے۔ اسی طرح وہ افراد جن کی وہ پیروی کرتے تھے اور دُنیا میں وہ بڑے بنے ہوئے تھے، رعیت اور سردار کے عنوان سے فرق تھا وہ خود کو بڑی جماعت کے لوگ خیال کرتے تھے لیکن آخرت میں یہ سردار قسم کے لوگ اور لیڈر اپنے پیروکاروں کے ساتھ ہی عذاب بھگت رہے ہوں گے اور اس طرح وہ ذلیل و خوار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تمام مجرموں کے ساتھ ایک جیسا سلوک

ہوگا۔ بڑے چھوٹے سردار ورعیت میں فرق نہ ہوگا کسی کو معافی نہ ملے گی اس طرح مجرموں کو سزا دیں گے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٣٥﴾

ترجمہ: ”جب ان سے کہا جاتا تھا: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو یہ تکبر کرتے تھے،“

وَ يَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿٣٦﴾

ترجمہ: ” اور کہتے تھے: کیا ہم ایک دیوانے شاعر کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟“

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَ صَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٧﴾

ترجمہ: ”(نہیں) بلکہ وہ حق لے کر آئے ہیں اور اس نے رسولوں کی تصدیق کی ہے۔“

جرائم پیشہ افراد کی منطق

جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت توحید کو ٹھکرا دیا ان لوگوں کا تذکرہ ان آیات میں کیا گیا ہے۔ وہ لوگ انکار کرتے اور بڑائی دکھاتے تھے۔ اور رسول اکرم ﷺ کی رسالت کے انکار کے لیے تکبر کا سہارا لیتے بڑی ڈھٹائی سے کہتے تھے کہ یہ تو دیوانہ ہے (معاذ اللہ)، شاعر ہے، جھوٹ بولتا ہے، اس کی بات کا کوئی وزن نہیں، یہ کہتا ہے کہ ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں اور اس کے معبود کو قبول کرلیں۔ اللہ کے کلام کو شعر کہہ کر انکار کر دیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کا جواب دیا ہے کہ یہ لوگ مجرم ہیں، ان کو سخت سزا دی جائے گی، جو کچھ رسول ﷺ لے کر آئے ہیں وہ حق ہے، وہ سچ بولتے ہیں وہ مجنوں یا

شاعر نہیں ہیں، وہ اپنے سے پہلے آنے والے رسولوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ سابقہ رسولوں کی باتوں سے واقف ہیں ان کی تائید کرتے ہیں۔ پس کہ تم یہ کس طرح کہہ رہے ہو ان کی باتیں منطق، دلیل اور صداقت و حق پر مبنی ہیں؟

اِنَّكُمۡ لَذَآٮِٕقُوا الۡعَذَابِ الۡاَلِيۡمِ ۚ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: "بتحقیق تم دردناک عذاب چکھنے والے ہو۔"

وَمَا تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَۙ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: "اور تمہیں صرف اس کی جزا ملے گی جو تم کرتے تھے۔"

سزا کی وجہ

اللہ تعالیٰ بغیر وجہ کے سزا نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے، ارادہ اور اختیار کی نعمت دی ہے اور انسانوں کے درمیان باطنی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ ظاہری رسول اور نمائندے بھیجے جو آخر اللہ کی واضح نشانیاں لوگوں کو بتاتے ہیں۔ جو لوگ ان نشانیوں کو تکبر اور غرور کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے تو اللہ ان کو سخت سزا دے گا۔ عذاب ان کی ہٹ دھرمی، حق کے انکار، متکبرانہ رویہ پر ہی دیا جائے گا۔

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: "سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے۔"

اُولٰٓٮِٕكَ لَهُمۡ رِزۡقٌ مَّعۡلُوۡمٌۙ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: "ان کے لیے ایک معین رزق ہے،"

فَوَاكِهُ ۚ وَهُمۡ مُّكۡرَمُوۡنَۙ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: "(ہر قسم کے) میوے اور وہ احترام کے ساتھ ہوں گے"

فِيۡ جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ ۙ﴿۴۳﴾

ترجمہ: "نعمتوں والی جنت میں۔"

عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيۡنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: "وہ تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔"

يُطَافُ عَلَيۡهِمۡ بِكَاۡسٍ مِّنۡ مَّعِيۡنٍ ۙ﴿۴۵﴾

ترجمہ: "بہتی شراب کے جام ان میں پھرائے جائیں گے،"

بَيۡضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيۡنَ ۚ﴿۴۶﴾

ترجمہ: "جو چمکتی ہو گی، پینے والوں کے لیے لذیذ ہو گی،"

لَا فِيۡهَا غَوۡلٌ وَّلَا هُمۡ عَنۡهَا يُنۡزَفُوۡنَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: "جس میں نہ سر درد ہو گا اور نہ ہی اس سے ان کی عقل زائل ہو گی۔"

وَعِنۡدَهُمۡ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ عِيۡنٌ ۙ﴿۴۸﴾

ترجمہ: "اور ان کے پاس نگاہ نیچے رکھنے والی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی۔"

كَاَنَّهُنَّ بَيۡضٌ مَّكۡنُوۡنٌ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: "گویا کہ وہ محفوظ انڈے ہیں۔"

اللہ کے مخلص بندوں کے لیے انعامات

پہلی بات تو یہ ہے جو اللہ کے مخلص بندے ہیں۔ صاحبان ایمان اور عمل صالح بجالانے والے ہیں ان کے لیے بڑا ثواب ہے۔ان پر کسی قسم کا عذاب نہ ہوگا کیونکہ انہوں نے دُنیا میں وہی چاہا اور وہی کیا جو اللہ کی رضا اور مشیت تھی، خود کو اللہ کے لیے خالص کر دیا، غیر خدا کی ان کی ذات میں کوئی جگہ نہیں ہے، ایسے لوگوں کے لیے اللہ کی طرف سے خاص، طے شدہ رزق ہے، جس سے وہ لطف اندوز ہوں گے اور دوسرے اس سے محروم ہوں گے انہیں بڑے احترام کے ساتھ میوہ جات پیش کیے جائیں گے۔ان کے خلوص کے مطابق انہیں احترام دیا جائے گا جس میں دوسرے ان کے ساتھ شریک نہ ہوں گے۔ وہ بہشتی نعمتوں میں ہوں گے، بہشتی نعمتوں کی حقیقت یہ ہے کہ ان کے لیے اس میں ولایت الٰہی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کے لیے براہ راست خود ان کے امور و معاملات کو دیکھے گا۔ ان کے آرام و سکون و لطف اندوز ہونے کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے کہ آمنے سامنے تخت لگے ہوں گے ان پر خوبصورت چاندنی کی چادریں سجی ہوں گی، تکیے لگے ہوں گے، ان کے لیے خوبصورت غلام اپنے ہاتھوں میں جام لیے کھڑے ہوں گے اور جو شراب ان میں ہو گی وہ بڑی لذت بخش ہو گی، پیاس بجھائے گی، پینے سے تکلیف نہ ہو گی، وہ مست بھی نہیں کرے گی، اس سے جو لطف و لذت اور سکون پینے والے کو ملے گا اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے لیے میوہ جات ہوں گے ان کے پہلوؤں میں بہشتی حوریں ہوں گی، مشکی آنکھیں، دلکش، محبت بھری نگاہیں خاص انداز سے جھکی ہوئی اور دیکھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے والی خمار آلود نگاہیں پوری طرح اپنے ہمسروں کو آرام و سکون پہنچانے کے لیے آمادہ ہوں گی۔ یہ حوریں کنواری ہوں گی، کسی نے ان کو چھوا نہ ہوگا، یہ ایسے چمکتی دمکتی چاندی کی مانند، انڈے کی سفیدی کی جیسے چھلکے میں چھپی ہوتی ہے اسی طرح یہ حوریں بھی چھپی ہو گی اور جیسے ہی اپنا پردہ ہٹائیں گی تو ایسے لگے گا جیسے بہتی ہوئی انڈے کی سفیدی تھی، خود کو اپنے ہمسر کے آگے بچھا دیں گے، خود کو اس کی باہنوں میں ڈال دیں گے ایسا سکون اور لطف آور منظر کہ جس کو دنیا میں کسی مثال سے بیان

نہیں کیا جا سکتا۔ یہ سب کچھ اللہ کے مخلص بندوں کے لیے ہے جنھوں نے دُنیا کی عارضی لذتوں کی خاطر اللہ کی نافرمانی نہ کی ہو گی۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٥٠﴾

ترجمہ: ”پھر وہ آمنے سامنے بیٹھ کر آپس میں باتیں کریں گے۔“

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿٥١﴾

ترجمہ: ”ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا: میرا ایک ہم نشین تھا،“

يَّقُوْلُ ءَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿٥٢﴾

ترجمہ: ”جو (مجھ سے) کہتا تھا: کیا تم (قیامت کی) تصدیق کرنے والوں میں سے ہو؟“

ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿٥٣﴾

ترجمہ: ”بھلا جب ہم مر چکیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہمیں جزا ملے گی؟“

قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿٥٤﴾

ترجمہ: ”ارشاد ہو گا: کیا تم دیکھنا چاہتے ہو؟“

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿٥٥﴾

ترجمہ: ”پھر اس نے جھانکا تو اسے وسط جہنم میں دیکھے گا۔“

قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿٥٦﴾

ترجمہ: "کہے گا: قسم بخدا قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاک کر دے۔"

وَ لَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۵۷﴾

ترجمہ: "اور اگر میرے رب کی نعمت نہ ہوتی تو میں بھی (عذاب میں) حاضر کیے جانے والوں میں ہوتا۔"

اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: "کیا اب ہمیں نہیں مرنا؟"

اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: "ہماری پہلی موت کے بعد ہمیں کوئی اور عذاب نہ ہوگا؟"

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: "کامیابی کی عظمت اس کے دوام کی مدت سے معلوم ہوتی ہے۔ اگر وہ مدت لامحدود اور ابدی ہو تو اس صورت میں اس کامیابی کی عظمت بھی لامحدود ہو گی۔"

لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

ترجمہ: "عمل کرنے والوں کو ایسی ہی کامیابی کے لیے عمل کرنا چاہیے۔"

بہشتیوں کا باہمی مکالمہ

ان آیات میں بہشتیوں کا باہمی مکالمہ بیان کیا ہے جس میں چند مطالب ہیں:۔

ا۔ بہشتی ایک دوسرے سے ملیں گے، آپس میں احوال پرسی کریں گے، آپس میں گفتگو کریں گے۔

۲۔ گفتگو کا موضوع سابقہ زندگی اور اپنے دوستوں کے بارے میں ہو گا۔

۳۔ انہیں یہ یاد ہو گا کہ دُنیا میں کون سا دوست ان کا انہیں قیامت پر ایمان لانے سے روکتا تھا۔

۴۔ بہشتیوں کو جہنمیوں سے بات کرنے کا موقع ملے گا۔

۵۔ بہشتی اپنے برے ساتھیوں کو تلاش کرنے کی خواہش کریں گے۔

۶۔ بہشتیوں کو اپنے دوست کے بارے معلوم ہو جائے گا کہ وہ تو جہنم میں ہے۔

۷۔ اپنے دوست کو جہنم میں دیکھ کر اس سے کہیں گے کہ تم تو مجھے لے ڈوبے تھے اگر میرا رب میری مدد کو نہ آتا تو میں آج تمہارے ساتھ جہنم میں ہوتا۔

۸۔ بہشتیوں کو اپنے رب تعالیٰ کی مہربانیوں کا اعتراف جنت میں ہی ہو گا۔

۹۔ بہشتی ایک دوسرے سے سوال کریں گے کہ اب تو ہم بہشت میں آگئے اب دوبارہ مرنا تو نہیں اور یہ جان کر کہ بس وہ ہی ایک موت تھی جس کا ذائقہ انہوں نے چکھا، اب ان کے لیے موت نہیں ہے وہ خوش ہوں گے۔

۱۰۔ بہشتی اعتراف کریں گے کہ جو کچھ اللہ نے ہمیں دیا ہے یہ بہت بڑی کامیابی ہے جو ہمیں نصیب ہوئی ہے۔

۱۱۔ بہشتیوں کی آرزو ہو گی کہ وہ لوگ جن کے لیے عمل کرنے کا موقع میسر ہے تو انہیں چاہیئے کہ وہ بھی اس جاودانگی زندگی کے حصول کے لیے عمل کریں یعنی اللہ پر ایمان لائیں، معاد پر یقین رکھیں، آخرت پر ایمان لائیں اور اللہ کے احکام کی روشنی میں دُنیا کی زندگی گزاریں۔ اللہ کی نافرمانی دنیا میں نہ کریں بہشتیوں کا یہ جملہ درحقیقت اللہ کے انعامات پر شکر بجالانے کے حوالے سے ہو گا۔

۱۲۔ بہشتیوں کی آرزو ہو گی کہ وہ لوگ جن کے لیے عمل کرنے کا موقع میسر ہے تو انہیں چاہیئے کہ وہ بھی اس جاودانگی زندگی کے حصول کے لیے عمل کریں یعنی اللہ پر ایمان

لائیں، معاد پر یقین رکھیں، آخرت پر ایمان لائیں اور اللہ کے احکام کی روشنی میں دُنیا کی زندگی گزاریں۔ اللہ کی نافرمانی دنیا میں نہ کریں بہشتیوں کا یہ جملہ در حقیقت اللہ کے انعامات پر شکر بجالانے کے حوالے سے ہوگا۔

پیغام:

۱۔ دنیا میں ایسا دوست بناؤ جو اللہ کی اطاعت میں تمہارا امددگار ہو۔ ایسے کو اپنا دوست نہ بناؤ جو تمہیں اللہ کی اطاعت سے روکے۔

۲۔ اپنی خیر کے ساتھ دوسروں کے لیے بھی خیر اور بھلائی چاہو۔ دنیاوی لذتوں کے مقابلہ میں اُخروی نعمات جو نیک اور صالح لوگوں کو ملیں گی "بہت ہی زیادہ ہی نہیں بلکہ دنیاوی لذات کے قابل قیاس بھی نہ ہوں گی۔ لہٰذا اُخروی نعمات کے حصول کے لیے دنیا میں سختیاں برداشت کرو اور تقوی اپناؤ۔

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿٦٢﴾

ترجمہ: "کیا یہ مہمانی اچھی ہے یا زقوم کا درخت؟"

اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٣﴾

ترجمہ: "ہم نے اسے ظالموں کے لیے ایک آزمائش بنادیا ہے۔"

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿٦٤﴾

ترجمہ: "یہ ایسا درخت ہے جو جہنم کی تہ سے نکلتا ہے۔"

طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٦٥﴾

ترجمہ: "اس کے خوشے شیاطین کے سروں جیسے ہیں۔"

فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٦٦﴾

ترجمہ: ”پھر وہ اس میں سے کھائیں گے اور اس سے پیٹ بھریں گے۔“

ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٦٧﴾

ترجمہ: ”پھر ان کے لیے اس پر کھولتا ہوا پانی ملا دیا جائے گا۔“

ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿٦٨﴾

ترجمہ: ”پھر ان کا ٹھکانا بہر صورت جہنم ہو گا۔“

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿٦٩﴾

ترجمہ: ”بلا شبہ انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا۔“

فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿٧٠﴾

ترجمہ: ”پھر وہ ان کے نقش قدم پر دوڑ پڑے۔“

اہل جنت اور جہنمیوں کی کیفیت کا تقابل

جنت میں جانے والوں کے لیے بہت زیادہ نعمات ہوں گی، بہترین لذیذ کھانے دیئے جائیں گے، خوشگوار خوشبودار، آرام بخش سکون آور پاک و پاکیزہ فرحت بخش شراب سے پذیرائی کی جائے گی جبکہ جہنم میں جانے والوں کے لیے توہین، ذلت اور رسوائی کے ساتھ ساتھ ان کے لیے جو پذیرائی کا سامان ہے اس میں انتہائی بے مزہ اور کڑوی و بدبودار غذا ہے جس کا نام زقوم بیان کیا گیا ہے۔ زقوم جہنم کے نچلے طبقہ کی تہہ سے اُگنے والا پودا ہے جس کا پھل شیاطین کے سروں کی طرح ابھرا ہوا ہو گا۔

جبکہ جنتیوں کے لیے خوبصورت، خوش نما خوشبودار، کھانے ہوں گے جبکہ جہنمیوں کے لیے زقوم نام کی غذا ہو گی۔ اس جہنمی پودے پر نکلنے والی شاخیں، پھل، کونپلیں انتہائی بدنما، کانٹے دار، دیکھنے والے کو تکلیف دینے والی، ایسے جیسے شیاطین کے سر ہوں، جسطرح شیطانوں سے خوف آتا ہے اسی طرح اس پودے سے جہنمیوں کے خوف میں اضافہ ہو گا۔ یہ ساری سزا ان کے ظلم کی وجہ سے ہے، انہیں بھوک لگے گی تو یہی زقوم کی غذا کھانے کو ملے گی اسی سے وہ اپنے شکموں کو بھریں گے۔ زقوم کھانے کے بعد پیاس لگے گی تو گرم اور ابلتا ہوا پانی دیا جائے گا۔ غذا تناول کرنے اور پانی پینے کے بعد جہنم میں اپنی مقررہ جگہ پر آجائیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنمی اپنی بھوک مٹانے کے لیے زقوم نامی درخت سے پیٹ بھریں گے اور کھولتا ہوا گرم پانی پییں گے اور پھر اپنی جگہ پر واپس آجائیں گے۔ یہ دردناک عذاب ان کے لیے اس وجہ سے ہو گا کہ وہ اپنے گمراہ آباء واجداد کی پیروی کرتے تھے؛ تیز تیز ان کے پیچھے چلے، غور و فکر نہ کیا، جاننے کے باوجود ان گمراہیوں کی تقلید کرتے رہے لہٰذا قیامت کے دن بھی اپنے انہی آباء کے پیچھے دوڑتے جائیں گے اور ان کے ہمراہ دوزخ میں ہوں گے۔ یہ سب کچھ ان کے برے عمل کا نتیجہ ہے۔

پیغام:

اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں کے لیے جہنم میں جو عذاب مقرر کر رکھا ہے اسے یاد رکھا جائے تاکہ دُنیا میں اللہ کی نافرمانی سے خود کو بچا سکیں۔

وَ لَقَدۡ ضَلَّ قَبۡلَهُمۡ اَكۡثَرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۷۱﴾

ترجمہ: ”اور بتحقیق ان سے پہلے اگلوں کی اکثریت گمراہ ہو چکی ہے۔“

وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا فِيۡهِمۡ مُّنۡذِرِيۡنَ ﴿۷۲﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے ان میں تنبیہ کرنے والے (رسول) بھیجے تھے۔“

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٧٣﴾

ترجمہ: "پھر دیکھو کہ تنبیہ شدگان کا کیا انجام ہوا"

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٧٤﴾

ترجمہ: "سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے۔"

مشرکین مکہ کا پیغمبرؐ کو جھٹلانا

ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جو مشرکین مکہ تھے ان کے بارے بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانے والے اور ان کی بات کو نہ ماننے والے یہ پہلے لوگ نہیں بلکہ ان سے پہلے بہت ساری اقوام کے پاس ہدایت دینے والے، ڈرانے والے آتے رہے اور ان اقوام نے ان کی بات کو نہ مانا، انہیں جھٹلایا اور گمراہ ہو گئے۔ اس گمراہی کی وجہ سے سخت عذاب میں مبتلاء ہوئے۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، بہت تھوڑے تھے جنہوں نے ہدایت دینے والوں کی بات کو قبول کیا اور ہدایت پائی اور انہیں انعامات ملے اور وہ تھوڑے لوگ وہی تھے جو اللہ کے خالص بندے تھے۔ جنہوں نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنایا، اللہ کے نمائندوں کو دل، جان سے قبول کیا۔

لہٰذا ان آیات میں مشرکین مکہ کو سمجھایا گیا کہ اپنے سے پہلی اقوام کے انجام سے عبرت حاصل کریں اور جان لیں کہ اگر آج انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کی بات کو نہ مانا اور انہیں جھٹلایا تو انہیں بھی سابقہ اقوام کی مانند سخت ترین عذاب بھگتنا پڑے گا۔

پیغام:

ماضی کے واقعات سے عبرت حاصل کرنا چاہیے اور ایسے کام جس کے نتیجہ میں ماضی میں بسنے والے لوگوں کو تکلیف سے گزرنا پڑا اس سے خود کو اس حالت سے بچائیں۔

وَ لَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾

ترجمہ: " اور نوح نے ہمیں پکارا تو دیکھا کہ ہم کیسے بہترین جواب دینے والے ہیں۔"

وَ نَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾

ترجمہ: " اور ہم نے انہیں اور ان کے گھر والوں کو عظیم مصیبت سے بچایا۔"

وَ جَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾

ترجمہ: " اور ان کی نسل کو ہم نے باقی رہنے والوں میں رکھا۔"

وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾

ترجمہ: " اور ہم نے آنے والوں میں ان کے لیے (ذکر جمیل) باقی رکھا۔"

سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾

ترجمہ: "تمام عالمین میں نوح پر سلام ہو۔"

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾

ترجمہ: "ہم نیکی کرنے والوں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔"

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾

ترجمہ: " بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔"

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: " پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔"

نوحؑ کے لیے نعمتوں کا تذکرہ

ان آیات میں حضرت نوحؑ کے حوالے سے بات کی گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جن نعمتوں سے نوازا ان کو بیان کیا گیا ہے۔ چند مطالب یہ ہیں:۔

ا۔ حضرت نوحؑ کی دُعا کا تذکرہ کیا گیا ہے، حضرت نوحؑ نے تبلیغی عمل کو ایک ہزار سال سے کچھ کم تک جاری رکھا۔ جب ان کی بات کو نہ مانا گیا بہت تھوڑے افراد تھے جنہوں نے آپ کی بات کو تسلیم کیا تو آپ نے اللہ سے اس طرح عرض کیا:

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (سورہ القمر، آیت: ۱۰)

ترجمہ: پس نوح نے اپنے رب کو پکارا! میں شکست خوردہ ہوں (یعنی میرے اوپر مخالفین غالب آگئے ہیں میری بات نہیں مانتے میرا مذاق اڑاتے ہیں مجھے اذیت دیتے ہیں) اب توں ہی میری مدد فرما۔"

۲۔ حضرت نوحؑ کی دُعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور آپ کے مخالفین کو ہلاکت سے دوچار کیا۔ اس بات کو خصوصی طور پر ذکر کیا کہ ہم نے حضرت نوحؑ کی مناجات کو سن لیا اور بہترین انداز میں ان کی خواہش کو پورا کیا۔

نوحؑ کی قوم کی ہلاکت

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کو اس طرح قبول کیا کہ زمین سے پانی ابل پڑا اور آسمان نے خوب بارش برسائی اس طرح زمین پانی کا سمندر بن گیا اور قوم نوحؑ اس میں غرق ہو گئی۔

حضرت نوحؑ کی کشتی

حضرت نوح علیہ السلام نے خشکی پر بہت بڑا بیڑا لکڑی کا تیار کیا تھا جسے دیکھ کر کافر مذاق اڑاتے تھے کہ یہ بیڑا اور وہ بھی اتنا بڑا خشکی پر کیسے تیرے گا؟ مگر دیکھتے ہی دیکھتے خشک زمین پر پانی کا سمندر بن گیا اور کشتی خود بخود پانی کے اوپر آگئی۔

نوحؑ کے پیروکاروں کی نجات

حضرت نوح علیہ السلام کے تھوڑے سے پیروکار تھے انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی بات کو قبول کیا اور کشتی پر سوار ہو گئے لیکن جو مخالفین تھے وہ مذاق اڑاتے رہے اور کشتی میں سوار نہ ہوئے اس طرح سارے غرق ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بیان کیا ہے کہ ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کو اور ان کے خاندان کو نجات دے دی۔ حضرت نوح علیہ السّلام کا نافرمان بیٹا غرق ہو رہا تھا تو اللہ تعالیٰ سے حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ تو میرا بیٹا ہے اور تو نے فرمایا ہے کہ میرے اہل و عیال کو نجات دے گا تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ یہ تیرے اہل میں سے نہیں کیونکہ اس کا عمل صالح نہیں ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اس جگہ نوحؑ کے اہل و عیال تمام وہ افراد ہیں جنہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی اطاعت کی اور ان کی بات کو تسلیم کیا اور صالحین میں سے تھے وہ نوحؑ کی اُمت تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں نوحؑ کا اہل کہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام، ان کے اہل، ان کے پیروکاروں کو ہر قسم کی پریشانی اور غم واندوہ سے نجات دیدی۔ اللہ نے وعدہ کیا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی توحیدی تبلیغ بعد والی اقوام میں باقی رکھی جائے گی اور یہ سلسلہ ختم نہ ہوگا اور حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آنے والی تمام اقوام اور تمام جہانوں میں آنے والے لوگ حضرت نوح علیہ السلام پر سلام بھیجیں گے۔ قیامت تک جو بھی خیر و صلاح ہوگی اس میں حضرت نوح علیہ السلام کو اس کا

اجر ملے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے لیے ایسا سلام قرار دیا گیا ہے جسے کسی اور کے لیے قرار نہیں دیا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دُعاء کو قبول کیا، ان پر سلامتی نچھاور کی، ان کی اور ان کے خاندان کی نجات اور ان کی اولاد کی حفاظت اور ان کی دعوت کو باقی رکھا، یہ سب کرامات اور انعامات دینے کے بعد فرمایا کہ ہم اسی طرح تمام نیکوکاروں کو جزاء دیں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی مثال دی ہے کہ وہ ہمارے صالح بندے تھے کیونکہ جو صالح بندہ ہوتا ہے وہ وہی مانگتا ہے جو اس کے مولا کی منشاء ہوتی ہے اسی طرح جو حقیقی مومن ہوتا ہے اس کے وجود کے تمام ارکان واعضاء میں حق سرائیت کر چکا ہوتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام میں یہ ساری خصوصیات موجود تھیں کیونکہ جس میں یہ ساری خصوصیات ہوں تو اس سے سوائے حسن و نیکوکاری کے اور کچھ بھی ظاہر نہیں ہوتا۔

آخر میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے غرق ہونے کی بات ہے یہ بھی حضرت نوح علیہ السلام کی دُعا کو قبول کرنے کے حوالے سے ہے کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی نا خلف اور نافرمان قوم کی تباہی کے لیے اس طرح دُعا ہے:

وَ قَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَی الۡاَرۡضِ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ دَیَّارًا (سورہ نوح، آیت: ۲۶)

"اور نوح نے کہا، اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ رکھ، سب کو ہلاک کر دے۔"

پیغام:

۱۔ جو لوگ اللہ کے نمائندوں کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ کے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں تو ان کے لیے سخت سزا ہے اور ہلاکت ان کا مقدر ہے۔

۲۔ اللہ کی اطاعت کرنے والوں کے لیے خیر و سلامتی ہے اور ان کا نام قیامت تک اچھائی کے ساتھ لیا جائے گا۔

۳۔ عذابِ الٰہی سے بچنے کے لیے رشتہ داری کام نہ آئے گی نبی کا بیٹا بھی اگر اللہ کا نافرمان ہو تو اسے بھی سخت عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا اور بدعملی اسے نبی کی نسل سے نکالنے کا سبب بن جاتی ہے۔

وَ اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ: ''اور بتحقیق ابراہیم حضرت نوح کے شیعہ (پیروکاروں) سے تھے۔''

اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾

ترجمہ: ''جب وہ اپنے رب کی بارگاہ میں قلب سلیم لے کر آئے۔''

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا ذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ۚ

ترجمہ: ''جب انہوں نے اپنے باپ (چچا) اور قوم سے کہا: تم کس کی پوجا کرتے ہو؟''

اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ؕ

ترجمہ: ''کیا اللہ کو چھوڑ کر گھڑے ہوئے معبودوں کو چاہتے ہو؟''

ابراہیم اور قلب سلیم

اس جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو وصف بیان ہیں: پہلا: ابراہیم کا دل سالم تھا جو ہر قسم کے شرک سے پاک تھا۔ غیر خدا ان کے دل میں نہ تھا بلکہ اللہ کی محبت اور اللہ پر ایمان سے آباد تھا، ہر شک و شبہ سے محفوظ تھا۔ دوسرا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نوح علیہ السلام کے شیعہ تھے۔ شیعہ کا معنی پیروکار اور ناصر کے ہیں۔ اس سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دُعا کو قبول کیا اور

ان کی دعوت کو بعد میں آنے والوں میں باقی رکھنے کی نوید سنائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے دین پر تھے۔ اس لیے آپ کو کہا گیا کہ آپ حضرت نوح علیہ السلام کے شیعہ تھے۔ نوح علیہ السلام کا دین توحید پر مبنی تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید پرست تھے، اللہ پر ایمان رکھتے تھے اور شرک کی معصیت سے پاک تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کی دعوت

حضرت کی دو صفات بیان کرنے کے بعد حضرت نے جو دعوت دی اس کا احوال بیان کیا ہے۔ آپ کی قوم بتوں کی پوجا پاٹ میں مصروف تھی آپ ان کے پاس جاتے اور حیرانگی اور تعجب کی حالت میں ان سے سوال کرتے کہ تم کس کی عبادت کر رہے ہو؟ کیا تم افتراء، تہمت اور غلط سوچ کے تحت ان بے جان بتوں کی پوجا کر رہے ہو، کیا خدائے واحد کو چھوڑ کر ان بہت سارے بے شعور بتوں کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟ اس سوال کے ذریعہ آپ چاہتے تھے کہ ان کو سمجھائیں کہ تمہارا یہ عمل بہت ہی عجیب اور حیرت انگیز ہے یہ تمہاری طرف سے افتراء ہے۔ محض جھوٹ ہے کیونکہ اللہ واحد کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے، اللہ ہی صرف معبود ہے۔

فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾

ترجمہ: ”پروردگار عالم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟“

حضرت ابراہیمؑ کا تبلیغی انداز

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کے خوابیدہ ضمیروں کو جگانا چاہتے تھے، اس لیے ان سے سوالات کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ان سے سوال کیا کہ ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارا رب العالمین کے بارے کیا خیال ہے؟ کیونکہ سارے جہانوں کا معبود اور رب تو اللہ تعالیٰ ہے جب

ایسا ہے تو پھر تم نے تمام جہانوں سے جدا ہو کر اپنے لیے جعلی ارباب کہاں سے بنا لیے ہیں؟ جن کا اس پورے عالم پر کوئی تسلط نہیں ہے اور نہ ہی اس جہاں کی تدبیر ان کے ہاتھ میں ہے۔ وہ تو اپنے بارے میں بھی اختیار نہیں رکھتے۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ﴿٨٨﴾

ترجمہ: ”پھر انہوں نے ستاروں پر ایک نظر ڈالی،“

فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ﴿٨٩﴾

ترجمہ: ”اور کہا: میں تو بیمار ہوں۔“

فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿٩٠﴾

ترجمہ: ”چنانچہ وہ لوگ انہیں پیچھے چھوڑ گئے۔“

ابراہیمؑ کا اپنی قوم سے جدا ہونا

اس جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک تدبیر کو بیان کیا گیا ہے اور وہ اس طرح ہے شہر والوں کی عید تھی وہ اس دن شہر سے باہر جا رہے تھے بت خانے خالی چھوڑ کر ان کو جانا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی موجودگی میں ستاروں پر نظر دوڑائی اور پھر ان سے کہا کہ میں تو بیمار ہو رہا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم اپنی بیماریوں کے بارے ستاروں کا جائزہ لے کر اندازہ لگایا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی طریقہ کو اپنایا اور ان سے کہا کہ میں بیمار ہوں جبکہ اس بات کے پیچھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک تبلیغی پلان تھا جسے شہر والوں کی عدم موجودگی میں انجام دینا تھا۔ (حضرت ابراہیم علیہ السلام تو ستاروں کی صفت اور ساخت میں غور کر رہے ہوں گے اللہ کی عظمت کو یاد کر رہے ہوں گے لیکن انہیں غافل کرنے کے لیے ایک بڑے مقصد کی خاطر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہہ دیا کہ

میں بیمار ہوں)۔ اس بیماری کے دو معنی ہیں ایک تو بخار اور جسمانی تکلیف ہے اور دوسرا معنی روحانی تکلیف ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وجہ سے پریشانی اور روحانی تکلیف میں تھے کہ ان کی قوم بت پرست کیوں ہے اور اتنی بڑی کائنات کے خالق کی عبادت کیوں نہیں کرتے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں مریض ہوں۔ سننے والوں نے اس سے یہ معنی سمجھا کہ انہیں تو نوبتی بخار ہے جسے اس نے ستاروں کو دیکھ کر اندازہ لگایا ہے جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصد یہ تھا کہ میں تمہاری حالت کی وجہ سے بیمار ہوں، تکلیف میں ہوں کہ تم کس طرح غیر خدا کی پوجا پاٹ میں لگے ہو۔ شہر والوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شہر میں چھوڑ دیا اور اصرار نہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ شہر سے باہر عید منانے ان کے ساتھ جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اکیلے شہر میں رہ گئے۔

فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾

ترجمہ: ”پھر وہ ان کے معبودوں میں جا گھسے اور کہنے لگے: تم کھاتے کیوں نہیں ہو؟“

مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾

ترجمہ: ”تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم بولتے نہیں ہو؟“

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾

ترجمہ: ”پھر انہیں پوری طاقت سے مارنے لگے“

ابراہیمؑ اور بت شکنی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تبلیغ کا انداز یہ تھا کہ وہ ایسے کام کرتے تھے کہ جس سے اپنی قوم کو خواب غفلت سے جگائیں۔ اسی کام کے لیے وہ شہر میں تنہا رہ گئے انہوں نے ہتھوڑا

اٹھایا اور بت خانہ میں چلے گئے، بتوں کے پاس کھانے پینے کی اشیاء پڑی تھیں جسے بت پرست ان کے پاس رکھ گئے تھے کہ جب وہ عید کی تقریبات گزارنے کے بعد واپس آئیں گے تو ان کو کھائیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہتھوڑا اٹھا کر بتوں کے درمیان پہنچے اور کہا تمہیں کیا ہوا ہے نہ بولتے ہو نہ کھاتے ہو؟ پھر ہتھوڑے سے انہیں توڑنا پھوڑنا شروع کر دیا۔ مشرکین ان بتوں کے بارے خیال کرتے تھے کہ ہمارے معاملات کی تدبیر ان کے ہاتھ میں ہے اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے کہتے ہیں بت پرست تمہیں قدرت مند خیال کرتے ہیں، تمہیں اپنے معاملات کی تدبیر کرنے والے سمجھتے ہیں، وہ تمہیں اپنا معبود قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد ان پر حملہ کر دیا، سب کو تہس نہس کر دیا۔ جب سب بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تو بڑے بت کے کاندھے پر ہتھوڑا رکھ دیا تاکہ جب مشرکین واپس آکر اس منظر کو دیکھیں تو انہیں بتایا جائے کہ اس بڑے نے ان کو مارا ہے تاکہ اس طرح ان کے لیے سوال پیدا ہو کہ جب یہ بڑا بت ان کو نہیں بچا سکتا اور ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تو تمہارے لیے وہ کیا کر سکتا ہے۔ یہ انہیں بیدار کرنے کا منصوبہ تھا۔

پیغام:

۱۔ انسان کو کائنات میں موجود اشیاء میں غور و فکر کرنا چاہیئے۔

۲۔ اللہ جو عالمین کے نظام کو چلا رہا ہے انسان کا تکوینی نظام بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے لہٰذا انسان کو چاہیے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی زندگی کے لیے جو قوانین بنائے ہیں ان کی پیروی کرے اور اللہ کے قوانین کی مخالفت نہ کرے۔

فَأَقْبَلُوٓا۟ إِلَيْهِ يَزِفُّونَ ۝٩٤

ترجمہ: ”تو لوگ دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے۔“

قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ۝٩٥

ترجمہ: " ابراہیم نے کہا: کیا تم اسے پوجتے ہو جسے تم خود تراشتے ہو؟"

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

ترجمہ: " حالانکہ خود تمہیں اور جو کچھ تم بناتے ہو (سب کو) اللہ نے پیدا کیا ہے۔"

قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾

ترجمہ: " انہوں نے کہا: اس کے لیے ایک عمارت تیار کرو پھر اسے آگ کے ڈھیر میں پھینک دو۔"

فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾

ترجمہ: " پس انہوں نے اس کے خلاف ایک چال چلنے کا ارادہ کیا لیکن ہم نے انہیں زیر کر دیا۔"

وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۹۹﴾

ترجمہ: " اور ابراہیم نے کہا: میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں وہ مجھے راستہ دکھائے گا"

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾

ترجمہ: " اے میرے پروردگار مجھے صالحین میں سے (اولاد) عطا کر۔"

بتوں کی تباہی پر قوم ابراہیمؑ کا ردعمل

ابراہیم علیہ السلام کی قوم جب عید کی تقریبات سے واپس آئی تو وہ سیدھے بت خانہ میں گئے تاکہ ان کی پوجا پاٹ کریں جب بت خانے میں داخل ہوئے تو اندر کا منظر دیکھ کر سیخ پا

ہو گئے۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ کام ابراہیم کا ہے کیونکہ وہی ان بتوں کے بارے برے خیالات رکھتا ہے ان کی تنقیص کرتا ہے اور وہ آج ہمارے ساتھ عید پر بھی نہیں گیا اور اس نے بیماری کا بہانہ کیا۔ اس طرح انہیں یقین ہو گیا کہ ان کے بتوں کی توڑ پھوڑ کا عمل ابراہیم علیہ السلام کا ہے اس لیے بڑی تیزی سے ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے، انہیں پکڑ لیا اور ان سے سوال کیا کہ تم نے یہ کیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے سوال کیا کہ یہ تم کیا کہہ رہے ہو اس بڑے بت سے سوال کرو کہ جس کے کندھے پر ہتھوڑا رکھا ہے۔ جس پر وہ مبہوت ہو گئے لیکن انکا غصہ اور بڑھ گیا وہ کہنے لگے ایک تو تم نے ہمارے معبودوں کی تذلیل کی ہے پھر ہمارے ساتھ مذاق بھی کر رہے ہو؟ تو اس جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑی جرأت کیساتھ اور نرم لہجے میں ان سے یہ سوال کرڈالا کہ دیکھو یہ سارے بت جو ہیں ان کو تم نے خود پتھر تراش کر بنایا ہے اب ذرا سوچو! جسے تم نے اپنے ہاتھ سے تیار کیا ہے وہ تمہارا معبود کیسے ہو سکتا ہے؟ ان میں یہ صلاحیت کہاں سے آگئی کہ وہ تمہارے معاملات کی تدبیر کریں؟ وہ تمہارے رب نہیں ہو سکتے!

پھر ان سے کہا دیکھو تمہارا خالق اور جو کچھ تم اپنے ہاتھوں سے بناتے ہو سب کا خالق اللہ ہے۔ خلقت اور مخلوق کی تدبیر ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں جو خالق ہے وہی مدیر و مدبر اور رب ہے۔ اللہ تعالیٰ عزیز ہے غالب ہے قادر و متعال ہے، مدبر اور رب ہے وہی تو معبود حقیقی ہے اور تم اس کی عبادت کو چھوڑ کر پتھروں کے تراشے ہوئے خود ساختہ بتوں کے آگے جھکتے ہو۔

اعمال کی اللہ کی طرف نسبت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تمہارا اور تمہارے اعمال کا خالق اللہ ہے ۔انسان کے اعمال کی اللہ کی طرف نسبت دینے کی وجہ یہ ہے کہ انسان جو بھی عمل کرتا ہے وہ

اپنے ارادہ اور اختیار سے انجام دیتا ہے لیکن تکوینی نظام کے تحت عمل کی طاقت اور جس کام کا ارادہ کیا ہے اس کی تاثیر اللہ کی طرف سے رکھی گئی ہے۔ براہ راست جس نے عمل کا ارادہ کیا یہ عمل اسی کا ہے اور اس کا ثواب و سزا بھی اس کے لیے ہو گی لیکن ایک تکوینی نظام ہے جو اللہ نے اپنے ازلی ارادہ سے قرار دیا ہے جو اس بڑی کائنات کے نظام کا حصہ ہے تو اس لحاظ سے اللہ جس طرح انسان کا خالق ہے تو انسان کے اعمال کا خالق بھی اللہ ہے اس سے جبر لازم نہیں آتا کیونکہ عمل کا ارادہ انسان نے کیا اور اختیار بھی اسی کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے اعمال میں صاحب اختیار بنایا ہے البتہ جب وہ کسی عمل کا ارادہ کرلیتا ہے تو پھر سبب اور مسبّب، علت و معلول کے درمیان جو تاثیر ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔

ابراہیمؑ کو سزا دینے کا فیصلہ

ابراہیم کے اس سوال و جواب کے بعد ان کے پاس منطقی جواب نہ تھا لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہے اور حضرت ابراہیم کو سزا دینے کا فیصلہ لیا اور طے کیا کہ ایک آتش کدہ تیار کریں اس میں آگ کا بڑا الاؤ تیار کریں اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو اس میں پھینک دیں۔

اللہ کا اپنا حفاظتی نظام

مشرکین کے منصوبوں کے برعکس اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی قدرت کاملہ سے بچا لیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے جو آگ روشن کی گئی تھی اللہ تعالیٰ نے اس آتش نمرود کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے گلزار بنا دیا۔ خود ایسا منظر ہی ان کی ہدایت کے لیے کافی تھا جب وہ اس طرح ذلیل و رسوا ہو گئے اور پریشان ہو گئے کہ اب کیا کریں ۔ بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی ذمہ داری اس جگہ ادا کر چکے تھے اور فیصلہ کر لیا کہ اس سرزمین کو چھوڑ دیں۔

ابراہیمؑ کی ہجرت

حضرت ابراہیم علیہ السلام سرزمین بابل کو چھوڑتے ہیں اور سرزمین فلسطین کا قصد کرتے ہیں۔ اپنی قوم کو چھوڑ دیا اور اس جگہ کا انتخاب کیا جہاں پر بعد میں بیت المقدس بنا جو قبلہ اول قرار پایا اور وہاں پر بھی اللہ سے صالح اور لائق اولاد (بیٹے) کی دُعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا جس کا تذکرہ بعد والی آیات میں ہے۔

پیغام:

۱۔ جو اللہ کی خاطر قیام کرتے ہیں تو اللہ ان کی مدد کرتا ہے۔

۲۔ جو اللہ کے خالص بندے ہوتے ہیں ان کے بارے دشمنوں کی تمام سازشیں ناکام ہو جاتی ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچانے کے لیے عقل و منطق و دلیل کا سہارا لیا جائے۔ متانت اور سنجیدگی کو اپنایا جائے، جذباتی پن سے دُور رہا جائے۔

۴۔ ہر مشکل میں اللہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

۵۔ جس جگہ پر اللہ کی اطاعت نہ کی جاسکے، انسان تنہائی کا شکار ہو تو اس جگہ کو چھوڑ کر ایسی جگہ پر جائے جہاں پر اللہ کی اطاعت کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: ''چنانچہ ہم نے انہیں ایک بردبار بیٹے کی بشارت دی۔''

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

ترجمہ: ”پھر جب وہ ان کے ساتھ کام کاج کی عمر کو پہنچا تو کہا: اے بیٹا! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، پس دیکھ لو تمہاری کیا رائے ہے، اس نے کہا: اے ابا جان آپ کو جو حکم ملا ہے اسے انجام دیں، اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔“

ابراہیمؑ کی دُعا کی قبولیت اور آپ کا امتحان

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو قبول کیا اور آپ کو ایک فرزند اسماعیلؑ عطا کیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑے ہو گئے، باشعور تھے، سمجھدار تھے، اچھے برے کی تمیز رکھتے تھے تو اس وقت اللہ کی طرف سے ایک نیا امتحان حضرت ابراہیم علیہ اسلام سے لیا گیا۔ البتہ اس کے علاوہ اور بھی امتحانات لیے گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام آزمائشوں میں کامیاب رہے۔ اس جگہ اس امتحان کا ذکر ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ تم اپنے اس بیٹے یعنی اسماعیل علیہ السّلام کو ذبح کردو کیونکہ نبی کا خواب محض خیال نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ کے حکم کی ایک صورت ہوتی ہے۔ لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے جب یہ خواب اپنے بیٹے کو سنایا تو بیٹے نے یہ نہیں کہا کہ بابا یہ تو ایک خواب ہے، ہو سکتا ہے غلط ہو، آپ مجھے ذبح نہ کریں کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام عبد خدا تھے، اس بات کو تسلیم کئے ہوتے تھے کہ میرے بابا اولوالعزم رسول ہیں، اللہ کے امین اور صادق نبی ہیں، اگر خواب میں انہوں نے دیکھا ہے کہ مجھے ذبح کر رہے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے لہٰذا بغیر تامل و سوچ کے خود کہہ دیا کہ بابا جان آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس پر آپ فوراً عمل کریں، دیر نہ کریں مجھے ذبح کرڈالیں! میں صبر کروں گا، چیخ و پکار نہ کروں گا، میں ذبح ہونے سے خوفزدہ نہیں ہوں، یہ تو اللہ کا عطیہ ہے جو اللہ نے مجھے منتخب کیا ہے کہ میں قربان ہو جاؤں، میری جان اللہ کی دی ہوئی ہے جو کچھ میرے پاس ہے یہ اللہ کا ہی ہے۔

فَلَمَّآ اَسۡلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ ۚ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: ” پس جب دونوں نے (حکم خدا کو) تسلیم کیا اور اسے ماتھے کے بل لٹا دیا،“

وَ نَادَيۡنٰهُ اَنۡ يّٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ۙ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ: ” تو ہم نے ندا دی: اے ابراہیم!“

قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۰۵﴾

ترجمہ: ” تو نے خواب سچ کر دکھایا، بے شک ہم نیکوکاروں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔“

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡبَلٰٓؤُا الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۰۶﴾

ترجمہ: ” یقیناً یہ ایک نمایاں امتحان تھا۔“

وَ فَدَيۡنٰهُ بِذِبۡحٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ: ” اور ہم نے ایک عظیم قربانی سے اس کا فدیہ دیا۔“

وَ تَرَكۡنَا عَلَيۡهِ فِى الۡاٰخِرِيۡنَ ۖ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ: ” اور ہم نے آنے والوں میں ان کے لیے (ذکر جمیل) باقی رکھا۔“

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ ﴿۱۰۹﴾

ترجمہ: ” ابراہیم پر سلام ہو۔“

كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ: " ہم نیکو کاروں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔"

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١١﴾

ترجمہ: " یقیناوہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔"

وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١١٢﴾

ترجمہ: " اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق کی بشارت دی کہ وہ صالحین میں سے نبی ہوں گے۔"

وَ بٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَ عَلٰٓى اِسْحٰقَ ؕ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿١١٣﴾ ع

ترجمہ: " اور ہم نے ان پر اور اسحاق پر برکات نازل کیں اور ان دونوں کی اولاد میں نیکی کرنے والا بھی ہے اور اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والا بھی ہے۔"

اسماعیلؑ کی قربانی اور آزمائش میں کامیابی

حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منیٰ لے گئے اور انہیں ذبح کرنے کے لیے لٹا دیا، چھری ہاتھ میں لی اور اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی۔ اسماعیل علیہ السلام کے کہنے پر ان کے ہاتھ اور پاؤں بھی رسی سے باندھ دیئے اور اور تیز چھری کو گردن پر رکھ دیا لیکن اسی دوران تیزی سے پہاڑی سے مینڈھا دوڑتا ہوا آیا، حضرت جبرئیل علیہ السّلام نے اسے اسماعیل علیہ السلام کی جگہ رکھ دیا اور چھری اس کی گردن پر چل گئی، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے پٹی اتاری تو دیکھا اسماعیل علیہ السلام موجود تھے،

مگر دنبہ (مینڈھا) ذبح ہو گیا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پریشان ہوئے تو اللہ کی طرف سے آواز آئی:

"آپ پریشان نہ ہوں آپ نے خواب سچ کر دکھایا اور جو حکم تھا اسے پورا کر دیا ہم نے اس قربانی کو ایک اور وقت کے لیے اٹھا رکھا ہے اور نبی کا بیٹا ذبح ہو گا، وہ ذبح عظیم قرار پائے گا۔"

ذبح عظیم سے مراد

بعض کا خیال تھا کہ ذبح عظیم سے مراد وہی مینڈھا ہی تھا یا دنبہ تھا جو ذبح ہوا اور تکوینی طور پر یہ عمل ہوا۔ لیکن جیسا کہ روایات میں آیا ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں اس قربانی کو رکھ دیا گیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بچا لیا گیا کہ ان کی نسل سے آخری پیغمبر سید الانبیاء والمرسلین محمد مصطفیٰ ﷺ نے ہونا تھا اور یہ شرف حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قرار دیا گیا اور یہ تسلیم کا ثمرہ تھا جو حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے باپ کے خواب بتانے پر کیا اور ذبح ہونے کے لیے تیار ہو گئے تو اللہ نے فرمایا کہ اب یہ قربانی ایک اور ذبح عظیم کے لیے رکھ دی گئی ہے۔ اور وہ اشرف الخلق، اشرف المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرزند امام حسین علیہ السلام کے لیے رکھی گئی اور یوں ذبح عظیم سے سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی عظیم قربانی مراد ہے۔

حضرت ابراہیمؑ پر اللہ کا انعام

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے انعام کا اعلان کیا اور وہ یہ تھا کہ تمہاری توحیدی دعوت بعد والی نسلوں میں زندہ رہے گی۔ نبوت، رسالت و امامت بھی تمہاری نسل میں ہو گی۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا خصوصی سلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے قرار دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک اور بیٹے کی بشارت بھی دے دی جو آپ

کی بڑی زوجہ سے پیدا ہوئے جو بوڑھی ہو چکی تھیں اوراسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا اور حضرت اسحٰقؑ کے لیے اعلان کر دیا کہ وہ نبی ہوں گے، ان کی اولاد میں انبیاء ہوں گے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور اسحٰق علیہ السلام دونوں کو خیر وبقاء عطا کی ہے، ان کی نسل کو بابرکت اور ثمر آور بنایا ہے لیکن ان کی اولاد میں صالح بھی ہوں گے اور اپنے اوپر کھلا وآشکار ظلم وستم کرنے والے بھی ہوں گے۔ بنی اسرائیل اس سرزمین پر فساد کا ایک واضح نمونہ ہیں کہ کس طرح انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا، انبیاء کو قتل کیا اور فساد پھیلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے بعد انسانوں کے پدر دوم حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر کیا ہے، ان کی اولاد میں صالحین کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیل علیہ السلام عطا کیا، ان کو امتحان سے گزارہ اور ان کی نسل میں پاک ذریت قرار دی، آپ آخری پیغمبر ﷺ کے جد قرار پائے اور دوسرا فرزند حضرت اسحٰق علیہ السلام کی صورت میں بڑی بیوی سے عطاء ہوا اور پھر موسیٰؑ وہارونؑ کو بنی اسرائیل میں رسالت عطا ہوئی اور آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا جوکہ زندہ ہیں۔ دوسری طرف اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے رسول اسلام ﷺ اور پھر ذبح عظیم کے مصداق امام حسین علیہ السلام اور پھر پوری دھرتی پر توحید کے اقتدار کے لیے امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے حضرت امام مہدی (عج) کو قرار دیا اور حضرت مہدی (عج) کی تائید وحمایت کے لیے حضرت اسحٰق کی اولاد میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ اس طرح قیادت امام مہدی (عج) کی ہو گی، گواہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہو گی اور پوری دھرتی پر اللہ تعالیٰ کا توحیدی نظام ہو گا۔ اللہ وہ وقت جلد لائے!

وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ: " اور بتحقیق موسیٰ اور ہارون پر ہم نے احسان کیا۔"

وَ نَجَّيْنٰهُمَا وَ قَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۚ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ: " اور ان دونوں کو اور ان دونوں کی قوم کو عظیم مصیبت سے ہم نے نجات دی۔"

وَ نَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۚ﴿۱۱۶﴾

ترجمہ: " اور ہم نے ان کی مدد کی تو وہی غالب آنے والے ہو گئے۔"

وَ اٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۚ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: " اور ہم نے ان دونوں کو روشن کتاب دی۔"

وَ هَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۚ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ: "اور ان دونوں کو سیدھا راستہ ہم نے دکھایا۔"

وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ۙ﴿۱۱۹﴾

ترجمہ: " اور ہم نے آنے والوں میں ان دونوں کے لیے (ذکر جمیل) باقی رکھا۔"

سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

ترجمہ: " موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو۔"

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾

ترجمہ: " ہم نیکی کرنے والوں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔"

اِنَّهُمَا مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۲۲﴾

ترجمہ: ''یہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔''

موسیٰؑ اور ہارونؑ پر انعامات کا تذکرہ

ان آیات میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ پر اللہ تعالیٰ نے جو انعامات فرمائے ان کا تذکرہ ہے جو کچھ اس طرح ہیں:۔

ا۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کی قوم یعنی بنی اسرائیل بڑی مصیبت میں تھے، فرعون کے ظلم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ فرعون نے انہیں کمزور بنا رکھا تھا، ان کی اہانت کرتا تھا، انہیں قتل کرتا تھا، ان کی عورتوں پر ظلم کرتا تھا ان کے بچوں کو ذبح کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مشکلات کو کرب عظیم سے یاد کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام پر اور ان کی قوم پر اس طرح احسان کیا کہ دونوں کو فرعون کے شر سے نجات دی۔ اس طرح ان کی بڑی پریشانی کو دُور کیا۔

۲۔ فرعون خدائی کا دعویدار تھا، اس کی بڑی فوج تھی وہ حضرت موسی علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام اور ان کی قوم کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسی علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کی قوم کو کمزور ہونے کے باوجود فرعون اور اس کی طاقتور افواج پر غلبہ دیا۔ یہ غلبہ اللہ کی نصرت اور مدد سے حاصل ہوا۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں نبی تھے، دونوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے کتاب اُتاری، اس کتاب کا وصف بیان کیا کہ یہ کتاب ایسی ہے جو ان کے لیے مجہول اور نامعلوم باتوں کو روشن کرنے والی ہے۔ اس کتاب سے مراد توریت ہے، ایسے امور جو ان کی دُنیا اور آخرت کے لیے مقصود ہیں اور ایسے قوانین جن پر چل کر وہ ترقی

وکمالات کی منازل طے کر سکتے ہیں اس کتاب میں درج کر دیئے گئے ہیں۔ یہ اللہ کا ان پر بڑا احسان ہے۔

۴۔توریت کے وسیلہ سے ان کے لیے صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کر دی گئی کہ اس راہ پر چلنے والے کبھی گمراہ نہیں ہوتے۔ توریت کا مرکزی نقطہ اللہ کی توحید ہے اور دُنیا کے بعد آخرت میں حساب وکتاب اور پھر اس صراط پر چلنے والوں کے لیے جنت الفردوس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں پر اپنے دو نمائندے موسیٰ اور ہارون ان لوگوں کی ہدایت کے لیے معلم و راہنما بنا کر بھیجے، وہاں پر اپنے ان دو برگزیدہ بندوں پر کتاب ہدایت بھی اتاری جو کتاب اپنے پڑھنے والوں کے لیے صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ یہ بھی اللہ کا بڑا احسان ہے کتاب کی اہمیت کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے اور صراط مستقیم کی ہدایت کا انتظام، یہ بھی اللہ کی نعمت ہے۔

۵۔ ایک اور احسان یہ بیان کیا کہ جو توحیدی نظام کی تبلیغ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے اپنے قوم کے لیے کی تو ہم نے اسے بعد میں آنے والوں کے لیے باقی رکھا۔ان کی محنت کو رائیگاں نہیں ہونے دیا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی تبلیغ کے اثرات کو باقی رکھنا اور اسے دوام بخشنا یہ بھی اللہ کی جانب سے ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے بہت زیادہ اللہ کے پیغام کو پہنچانے میں محنت کی۔ اس راستہ میں تکالیف برداشت کیں تو اللہ نے ان کے لیے یہ خبر دی اور بعد والوں کو بھی بتا دیا کہ ہم نے ان کی محنت کو رائیگاں نہیں ہونے دیا۔ان کے ثمرات اور اثرات بعد والوں کے لیے محفوظ کر دیئے ہیں۔

٦۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر اپنی رضایت کا اظہار فرمایا ہے کہ یہ میرے مومن بندے تھے انہوں نے میرا کسی کو شریک نہیں قرار دیا اور نیک اعمال بجا لائے۔ میری طرف سے ان کو سلام ہے۔ اللہ کا سلام کسی پر ہونا یہ بہت بڑا

انعام ہے اور اس بات کا اعلان بھی ہے کہ ان کے ذمہ جو کام تھا وہ انہوں نے اچھے انداز میں انجام دیا ہے اور اللہ کے ہاں ان کا عمل قبول ہے۔

نیک اعمال بجالانے والے

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے ایک قانون اور ضابطہ بیان کیا ہے کہ ہم نے جو کچھ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے ساتھ کیا تو یہ فقط ان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ الٰہی قانون ہے کہ جو بھی نیک عمل کرتا ہے، ہماری ہدایات کے مطابق عمل کرتا ہے اور ہمارے اوپر ایمان خالص لاتا ہے تو پھر ہم اپنے نیک بندوں پر اسی طرح احسانات کرتے ہیں اور ان کی محنت کا اثر ضائع نہیں کرتے، ان کے نیک اعمال کی ان کو جزا دیتے ہیں۔ ان کے لیے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی مثال سامنے رکھو کہ کس طرح وہ ہمارے مومن بندوں سے تھے، انہوں نے نیک اعمال کئے، ہماری طرف سے ان پر جو ذمہ داریاں تھیں ان کو پورا پورا انجام دیا تو ہم نے ان کے لیے اس کا بدلہ دُنیا میں بھی قرار دیا اور آخرت میں بھی دیں گے۔ یہ ہمارا اٹل فیصلہ اور قانون ہے۔

پیغام:

۱۔ ہر قسم کی پریشانی سے نجات اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی ہو سکتی ہے۔

۲۔ اپنے تمام کام اللہ کے سپرد کرنا چاہیے۔

۳۔ نیک اعمال کے اثرات ہوتے ہیں جو بعد والوں کو ملتے ہیں۔

وَ اِنَّ اِلۡیَاسَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۲۳﴾

ترجمہ: ”اور الیاس بھی یقینا پیغمبروں میں سے تھے۔“

اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِہٖۤ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾

ترجمہ: " جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم اپنا بچاؤ نہیں کرتے ؟"

اَتَدۡعُوۡنَ بَعۡلًا وَّ تَذَرُوۡنَ اَحۡسَنَ الۡخَالِقِیۡنَ ﴿۱۲۵﴾

ترجمہ: " کیا تم بعل (بیل) کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر خلق کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو؟"

اللّٰہَ رَبَّکُمۡ وَ رَبَّ اٰبَآئِکُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۲۶﴾

ترجمہ: " اللہ ہی تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا پروردگار ہے۔"

فَکَذَّبُوۡہُ فَاِنَّہُمۡ لَمُحۡضَرُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾

ترجمہ: " تو انہوں نے ان کی تکذیب کی پس وہ حاضر کیے جائیں گے،"

اِلَّا عِبَادَ اللّٰہِ الۡمُخۡلَصِیۡنَ ﴿۱۲۸﴾

ترجمہ: " سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے،"

وَ تَرَکۡنَا عَلَیۡہِ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۱۲۹﴾

ترجمہ: " اور ہم نے آنے والوں میں ان کے لیے (ذکر جمیل) باقی رکھا۔"

سَلٰمٌ عَلٰۤی اِلۡ یَاسِیۡنَ ﴿۱۳۰﴾

ترجمہ: "آل یاسین پر سلام ہو۔"

اِنَّا کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۳۱﴾

ترجمہ: " ہم نیکی کرنے والوں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔"

اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳۲﴾

ترجمہ: ”بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔“

حضرت الیاسؑ کی تبلیغ کا بیان

حضرت الیاس علیہ السلام اللہ کے رسولوں سے ایک رسول ہیں۔ آپ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کو بعلبک کے لوگوں کے لیے معبوث کیا گیا جو بت پرست تھے۔ آپ نے ان میں اپنی توحیدی تبلیغ کا آغاز منطق اور دلیل سے کیا۔ آپ نے ان سے کہا تم اللہ کا تقویٰ اختیار کیوں نہیں کرتے؟ خود کو اللہ کے غضب سے کیوں نہیں بچاتے؟ بت پرستی کیوں کرتے ہو؟ اللہ کی توحید کے لیے دلیل دیتے ہوئے ان سے کہتے ہیں دیکھو پورے جہان کی تدبیر اللہ کے ہاتھ میں ہے، تمہارے آباء کا خالق اللہ ہے، ان کا رب بھی اللہ ہے۔ اللہ نے سب کے لیے نظام بنایا ہے، قانون اسی کا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، جو خالق ہے وہی رب ہے۔ اسی کی اطاعت کرنا ضروری ہے، بت بے جان ہیں۔ اللہ ہی احسن الخالقین ہے اس نے سب میں کام کی صلاحیت رکھی ہے۔ حضرت الیاس علیہ السلام کی دعوت کو انہوں نے ٹھکرا دیا اور آپ کو جھٹلایا۔

جھٹلانے والوں کے لیے عذاب

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے ایک قانون اور ضابطہ بیان کر دیا ہے جو لوگ اللہ کی اطاعت اور عبادت نہیں کرتے، اللہ کو اپنا رب نہیں مانتے، اللہ کی طرف بلانے والوں کو جھٹلاتے ہیں تو وہ نہ سمجھیں کہ انہیں اسی طرح چھوڑ دیا جائے گا۔ ان سے بازپرس نہ ہو گی۔ ایسا نہیں ہے بلکہ ان کو قبروں سے اٹھایا جائے گا اور اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔ ان کا حساب ہو گا اور ان کے

اعمال کی انہیں سزا ملے گی۔ یہ لوگ قیامت کے دن عذاب اور سزا بھگتنے کے لیے حاضر کئے جائیں گے ان کو کوئی بھی نہیں بچا سکے گا۔

مبلغین کا بدلہ

اللہ تعالیٰ نے اس جگہ اپنے ایک اٹل قانون کو دہرایا ہے کہ میرے نمائندے اور رسول جو تبلیغی عمل کرتے ہیں ان کی محنت رائیگاں نہیں جاتی، ان کے تبلیغی اثرات باقی رہتے ہیں۔ خود ان کا کام بھی باقی رہتا ہے۔ یہ ہمارا قانون ہے کہ ہم نیکوکاروں کو اس طرح بدلہ دیتے ہیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام کی تعریف کی گئی ہے کہ وہ ہمارے مومن بندوں سے تھے، ان کا نام بھی باقی اور ان کا کام بھی باقی رہے گا۔

آل یٰسین پر سلام

اس جگہ آل یٰسین پر سلام آیا ہے۔ یٰسین سے مراد حضور پاک ﷺ کی ذات ہے۔ حدیثی منابع میں آیا ہے کہ آل یٰسین سے مراد آل محمدؐ ہیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ محمد وآل محمد علیہم السلام پر سلام ذکر ہوا۔ اس طرح اشارہ ہے کہ انبیاء کا سارا سلسلہ حضور پاک ﷺ سے متصل ہے اور ان سب کے تبلیغی اثرات حضور پاک ﷺ کے زمانہ تک باقی رہیں گے اور آپ ﷺ کی آل ان انبیاء کے سلسلہ تبلیغ کو باقی رکھے گی، وہ ان کے آثار کو مٹنے نہ دیں گے۔ اس لیے یٰسین اور آل یٰسین پر سلام ہو اور یہ اللہ کا انعام ہے۔

وَ اِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۳﴾

ترجمہ: ” اور لوط بھی یقینا پیغمبروں میں سے تھے۔“

اِذْ نَجَّیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳۴﴾

ترجمہ: ” جب ہم نے انہیں اور ان کے سب گھر والوں کو نجات دی۔“

اِلَّا عَجُوۡزًا فِی الۡغٰبِرِیۡنَ ﴿۱۳۵﴾

ترجمہ: ” سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی۔“

ثُمَّ دَمَّرۡنَا الۡاٰخَرِیۡنَ ﴿۱۳۶﴾

ترجمہ: ” پھر ہم نے سب کو ہلاک کر دیا۔“

وَ اِنَّکُمۡ لَتَمُرُّوۡنَ عَلَیۡہِمۡ مُّصۡبِحِیۡنَ ﴿۱۳۷﴾

ترجمہ: ” اور تم دن کو بھی ان (بستیوں) سے گزرتے رہتے ہو،“

وَ بِالَّیۡلِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾

ترجمہ: ” اور رات کو بھی، تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟“

لوطؑ اور ان کی قوم کا تذکرہ

حضرت لوط علیہ السلام اللہ کے رسول تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دین حق کی تبلیغ کے لیے بھیجا تھا۔ ان کی قوم کے لوگ لواط جیسی کمینگی میں مبتلا تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان میں تبلیغ کی اور انہیں اس برے عمل سے روکا لیکن انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی بات کو قبول نہ کیا بلکہ اپنے جرم پر باقی رہے تو اللہ تعالیٰ نے عذاب کے فرشتے بھیج دیئے کہ جا کر اس بستی کو تباہ کر دیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کو خبر دی گئی کہ ان نافرمانوں پر عذاب آرہا ہے تم خود اور اپنے خاندان کو اس جگہ سے لے کر محفوظ مقام پر چلے جاؤ۔ سوائے ایک بوڑھی نافرمان کے جو حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی تھی اور بدکاروں کا ساتھ دیتی تھی بلکہ جس رات فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس اللہ کا پیغام لے کر آئے ہوئے تھے تو اس نے

جا کر ان بدکاروں کو بتا دیا اور جیسا کہ ایک اور مقام پر بیان ہوا ہے کہ فرشتے خوبصورت انسانوں کی شکل میں آئے ہوتے تھے تو لواطت (ہم جنس پرستی) کے عادی ان کو بھی اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کا ارادہ رکھتے تھے اور اس وقت حضرت لوط علیہ السلام بے بس نظر آئے اور کہا: بد بختو! گھٹیا اور پست فطرت لوگو! یہ تو میرے مہمان ہیں، کیونکہ ان کے متعلق اطلاع ہم جنس پرستوں کو اسی نافرمان بیوی نے دی تھی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس بوڑھی عورت نے چونکہ عذاب کا مزہ چکھنا ہے اس کے علاوہ باقی جو بھی حضرت لوط علیہ السلام کے اہل تھے جس میں آپ کا خاندان اور جنھوں نے آپ کی بات مان لی تھی اور صالح تھے ان کو حضرت کا اہل کہا ہے۔ اس عذاب سے بچ جائیں گے۔ جب حضرت لوط علیہ السلام اپنے اہل کو لے کر علاقہ سے چلے گئے تو اس بستی والوں پر پتھروں کی بارش ہوئی اور سب ہلاک ہو گئے وہ بستی کھنڈر بن گئی اور پھر آباد نہ ہو سکی۔

ویرانی کے آثار سے عبرت لینا

اس جگہ اللہ تعالیٰ اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد مکہ کے مشرکین سے مخاطب ہے کہ اے قریش مکہ تم جب تجارتی کاروان لے کر جاتے ہو تو اس تباہ حال آبادی کے قریب سے گزرتے ہو، دن رات میں آپ کا وہاں سے گزر ہوتا ہے تم اس ویرانے سے عبرت نہیں لیتے؟ تم سوچتے نہیں ہو کہ جو ہمارے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ہمارے رسول کو جھٹلاتے ہیں تو ان کا اس طرح برا انجام ہوتا ہے۔

پیغام:

۱۔ گناہوں کی سزا ہر صورت ملتی ہے۔ سزا کا انتظار کرو خود کو محفوظ نہ سمجھو۔

۲۔ رسول کا نافرمان جو بھی ہو چاہے وہ رسول کی بیوی ہی کیوں نہ ہو اسے سزا ملے گی۔ لہٰذا رسول سے اس کا رشتہ و تعلق اس کے گناہوں کی سزا سے نہ بچا سکے گا۔

۳۔ماضی میں مجرموں کو اللہ نے دُنیاہی میں جو سزائیں دی ہیں ان کے آثار کو دیکھو اور ان آثار سے عبرت حاصل کرو۔

وَ اِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝١٣٩

ترجمہ: ''اور یونس بھی یقینا پیغمبروں میں سے تھے۔''

اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝١٤٠

ترجمہ: ''جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگے۔''

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ۝١٤١

ترجمہ: ''پھر قرعہ ڈالا تو وہ مات کھانے والوں میں سے ہوئے۔''

فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَ هُوَ مُلِيْمٌ ۝١٤٢

ترجمہ: ''پھر مچھلی نے انہیں نگل لیااور وہ (اپنے آپ کو) ملامت کر رہے تھے۔''

فَلَوْ لَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝١٤٣

ترجمہ: ''پھر اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے،''

لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝١٤٤

ترجمہ: ''تو قیامت تک اس مچھلی کے پیٹ میں رہ جاتے۔''

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ سَقِيْمٌ ۝١٤٥

ترجمہ: ''اور ہم نے بیمار حالت میں انہیں چٹیل میدان میں پھینک دیا۔''

وَ اَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ۝١٤٦

ترجمہ: ” اور ہم نے ان پر کدو کی بیل اگائی۔“

وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿١٤٧﴾

ترجمہ: ” اور ہم نے انہیں ایک لاکھ یا اس سے زائد لوگوں کی طرف بھیجا۔“

فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿١٤٨﴾

ترجمہ: ” پھر وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ایک وقت تک انہیں متاع حیات سے نوازا۔“

حضرت یونسؑ کا واقعہ

اس جگہ حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام اللہ کے رسول تھے اور انہیں اپنی قوم کی تبلیغ کے لیے اللہ نے مقرر فرمایا تھا۔ انہوں نے بڑا عرصہ اپنی قوم میں تبلیغ کی لیکن ان کی باتوں کا ان پر اثر نہ ہوا۔ آخر کار انہوں نے اپنی قوم کے لیے اللہ سے عذاب کی درخواست کیا اور خود اپنی قوم پر غضبناک ہو کر قوم کو چھوڑ دیا، نبی کے چلے جانے کے بعد قوم پر عذاب کے آثار نظر آئے تب اس بستی میں ایک عالم موجود تھا جس نے قوم کو نصیحت کی کہ اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے دُعا و مناجات کریں جیسا کہ پہلے بیان کر آئے ہیں، اس طرح عذاب ان سے ٹل گیا۔

یونسؑ کی کشتی کا واقعہ

ادھر حضرت یونس علیہ السلام اپنے علاقے سے نکلتے ہیں سمندر کے کنارے پہنچتے ہیں ایک کشتی جو آدمیوں سے بھری ہوئی تھی اس میں سوار ہو جاتے ہیں، کشتی میں اتنی گنجائش موجود نہ تھی کہ سب اس میں موجود رہتے کہ اچانک کشتی کا راستہ ایک بڑی مچھلی (وہیل) نے روک لیا، کشتی بھاری تھی سب کے غرق ہونے کا اندیشہ تھا للذا طے پایا کہ ایک شخص کشتی

سے اُتر جائے اور اس کے لیے قرعہ نکالنے کا فیصلہ ہوا کہ جس کا نام قرعہ میں آگیا اسے کشتی سے اُتار دیا جائے گا۔ قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام کا نکلا، حضرت یونس علیہ السلام کو کشتی والوں نے اٹھا کر مچھلی کے منہ میں ڈال دیا، مچھلی نے یونس کو نگل لیا اور کشتی سے دور ہو گئی، اس طرح کشتی کے سوار بچ گئے۔ اس حالت میں یونس پر ملامت ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے کا فائدہ

اس جگہ حضرت یونس علیہ السلام کے ایک عمل کا حوالہ دیا گیا ہے کہ وہ تسبیح کرنے والوں سے تھے، اللہ کی تقدیس و پاکیزگی بیان کرتے تھے، وہ اہل ذکر تھے، اللہ کی یاد میں رہتے تھے اور اس عمل کو انہوں نے کسی بھی حال میں نہیں چھوڑا۔ تو اللہ نے فرمایا کہ ان کا یہ عمل سبب بنا کہ ہم نے اسے مچھلی کے شکم میں محفوظ رکھا اور اسے نجات دی۔ اگر انکا یہ عمل نہ ہوتا تو مچھلی کا شکم یونسؑ کی قبر قرار پاتا اور قیامت کے دن وہ اسی قبر سے اٹھائے جاتے۔

مچھلی کے شکم میں یونسؑ کی مناجات

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے شکم میں جو تسبیح اور ورد کر رہے تھے اس کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے:

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٧﴾ (سورۃ الانبیاء آیت ۸۷)

ترجمہ: اور ذوالنون (یونس) کو بھی (اپنی رحمت سے نوازا) جب وہ غصے میں چل دیئے اور خیال کرنے لگے کہ ہم ان پر سختی نہیں کریں گے، چنانچہ وہ اندھیروں میں پکارنے لگے: تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، یقیناً میں ہی زیادتی کرنے والوں میں سے ہوں۔

یونسؑ پر اللہ کا فضل و کرم

حضرت یونسؑ جب مچھلی کے شکم سے باہر آئے تو جسم کی جلد باریک ہو چکی تھی، جس جگہ یونس کو پھینکا گیا وہ کھلی جگہ تھی سایہ کا انتظام نہ تھا اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور کرم سے ان کے سر پر کدو کی بڑی بیل فوراً اُگا دی جس نے ان کے جسم پر سایہ فراہم کیا اور جسم کی تندرستی میں مدد دی۔ کدو کی بیل کے چوڑے پتے ان کے جسم کے لیے سایہ بھی بنے اور لباس کا کام بھی دیا۔ جب وہ صحت مند ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نئی ذمہ داری سونپ دی۔

یونسؑ کی نئی ذمہ داری

ایک امتحان سے گزرنے کے بعد حضرت یونس علیہ السلام کو نئی زندگی مل چکی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نئی ذمہ داری سونپ دی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نینواء کے لوگوں کی طرف بھیج دیا جن کی آبادی ایک لاکھ یا اس سے کچھ زیادہ تھی، وہ ہلاک ہونے کے قریب تھے کہ ان کے پاس اللہ کا رسول آگیا وہ حضرت یونس علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نعمت حیات عطا فرمائی اور انہوں نے اپنی بقیہ زندگی کو پورا کیا یہاں تک کہ ان کی موت کا مقرر وقت آگیا۔

نینواء کی آبادی

سورہ یونس کی آیت ۹۷ تا ۹۸ اور سورہ انبیاء کی آیت ۸۷ تا ۸۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی تبلیغ کا پہلا مرکز بھی یہی نینواء تھا، یہی آپ کی قوم تھی لیکن وہ یونسؑ پر ایمان نہ لائے۔ حضرت یونسؑ نے ان پر عذاب اتارنے کی دعا کی اور غضبناک ہو کر اس جگہ کو چھوڑ دیا لیکن یونسؑ کی قوم نے جب عذاب کے آثار دیکھے تو انہوں نے توبہ کر لی اور ایمان لے آئے۔ اللہ تعالیٰ ے ان سے عذاب کو ٹال دیا لیکن جب یونسؑ کو معلوم ہوا کہ

عذاب تو ان سے ٹل گیا ہے (لیکن وہ اس طرف متوجہ نہ ہوئے کہ ان لوگوں نے توبہ کرلی اور اللہ پر ایمان لے آئے تھے جس وجہ سے اللہ نے عذاب کو ان سے اٹھالیا) ان کی اس ظاہری حالت کو دیکھ کر سوچنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے ان نافرمانوں کو عذاب کیوں نہیں دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی نفرین کو اس قوم کے بارے میں قبول کیوں نہیں کیا؟ جب یہ سارے حادثات و واقعات ہو گئے اور حضرت یونس علیہ السلام دوبارہ صحت مند ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ دوبارہ اپنی قوم کے پاس جائیں۔ جب دوبارہ حضرت یونس علیہ السلام ان کے پاس آئے تو انہوں نے ان کی تصدیق کی، ان کی باتوں کو قبول کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر خیر و برکت اتار دی، ان کی جتنی عمر تھی اتنی زندگی انہیں دی گئی۔ اس طرح وہ نعمت حیات سے بہرہ مند ہوئے۔

پیغام:

۱۔ تبلیغ کے عمل سے گریز نہ کریں۔

۲۔ اللہ کی قدرت پر کامل ایمان رکھیں۔

۳۔ اللہ کے حضور توبہ کا دروازہ کھلا ہے، سچی توبہ اللہ قبول کرتا ہے۔

۴۔ اللہ کی تسبیح کرنے والوں کو اللہ انعام سے نوازتا ہے۔

۵۔ اللہ کے انبیاء کا بھی امتحان لیا جاتا ہے۔

۶۔ نجات ان کے لیے ہے جو اللہ کی تسبیح و تہلیل اور تقدیس و تحمید میں مصروف رہتے ہیں۔

۷۔ ہر حال میں اللہ کا ذکر جاری رکھا جائے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَ لَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾

ترجمہ: ”پس آپ ان سے پوچھیں: کیا تمہارے رب کے لیے تو بیٹیاں ہوں اور ان کے لیے بیٹے ہوں؟“

اَمۡ خَلَقۡنَا الۡمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّ هُمۡ شٰهِدُوۡنَ ﴿۱۵۰﴾

ترجمہ: ”کیا ہم نے فرشتوں کو جب مؤنث بنایا تو وہ دیکھ رہے تھے؟“

اَلَاۤ اِنَّهُمۡ مِّنۡ اِفۡكِهِمۡ لَيَقُوۡلُوۡنَ ﴿۱۵۱﴾

ترجمہ: ”آگاہ رہو! یہ لوگ اپنی طرف سے گھڑ کر کہتے ہیں،“

وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَ اِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ﴿۱۵۲﴾

ترجمہ: ”کہ اللہ نے اولاد پیدا کی اور یہ لوگ یقینا جھوٹے ہیں۔“

اَصۡطَفَى الۡبَنَاتِ عَلَى الۡبَنِيۡنَ ﴿۱۵۳﴾

ترجمہ: ”کیا اللہ نے بیٹوں کی جگہ بیٹیوں کو پسند کیا؟“

مَا لَكُمۡ ۟ كَيۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾

ترجمہ: ”تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟“

اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۱۵۵﴾

ترجمہ: ”کیا تم غور نہیں کرتے؟“

فرشتوں کے متعلق مشرکین مکہ کا نظریہ

ان آیات میں مشرکین مکہ کا فرشتوں کے متعلق جو نظریہ تھا اسے بیان کیا گیا ہے اور ان کے غلط نظریہ پر ان کی سرزنش کی گئی ہے۔ ان کا نظریہ تھا کہ فرشتے مادہ جنس سے ہیں۔

دوسری بات وہ یہ کرتے تھے کہ فرشتے سارے کے سارے اللہ کی بیٹیاں (لڑکیاں) ہیں، حالانکہ وہ مشرکین اپنے لیے لڑکی کو ننگ و عار سمجھتے تھے۔ وہ اس گفتگو سے اللہ تعالیٰ کے مقام ربوبیت کی اہانت کا ارتکاب کرتے گویا خود کو اللہ تعالیٰ سے برتر سمجھتے تھے کہ ان کے لیے بیٹے ہیں اور خدا کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سوچ کو رد کر دیا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو خالق و مالک کائنات کی شان میں ایسی گستاخی کرتے ہیں۔ جو کسی بھی طور پر عاقلانہ نہیں ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے خوابیدہ ضمیر کو جگانے کے لیے یہ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں تو کیا جس وقت اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو خلق کیا یہ لوگ وہاں پر موجود تھے اور ان کی خلقت کے عمل کا مشاہدہ کر رہے تھے اور انہوں نے فرشتوں کے مادہ ہونے کو دیکھ لیا تھا؟ کیونکہ کسی کا مادہ ہونا یا نہ ہونا اس کا اثبات محسوسات سے ہوتا ہے تو ان سے یہ سوال کیا گیا جس کا جواب ان کے پاس موجود نہ تھا وہ جھوٹے اور افتراء پرداز تھے کیونکہ فرشتے تو مشرکین کو بالکل محسوس نہیں ہوتے تھے نہ ہی ان کے حواس خمسہ میں آتے تھے وہ کس طرح نر اور مادہ کا فرق بتا سکتے ہیں۔ جس چیز کو وہ اپنے محسوسات میں نہیں لا سکتے اس کے لیے اس قسم کا فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں؟ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں وہ ناحق بات ہے، افتراء ہے، جھوٹ ہے، فرشتوں کی اصلیت اور حقیقت کا کسی کو علم نہیں، فقط اللہ تعالیٰ اس بارے آگاہ ہے جو ان کا خالق ہے۔

مشرکین نے فرشتوں کی حقیقت کو ولادت کے طریقہ سے پیدا ہونا سمجھا ہے جبکہ انکا یہ کہنا جھوٹ ہے۔ اللہ تو وہ ہے جس سے نہ کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ ہی وہ کسی سے پیدا ہوا ہے، نہ وہ والد ہے اور نہ ہی مولود ہے، اس کی مانند کوئی بھی نہیں۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ پھر ان کی سرزنش کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا ایسا ہے کہ اللہ نے اپنے لیے بیٹیاں پیدا کر دیں اور ان کے لیے بیٹے؟ یہ کیسی غلط بات ہے جو وہ کرتے ہیں۔ بقول ان کے بیٹیاں کمتر ہیں اور بیٹے برتر ہیں تو اپنے اختیار سے کون کمتر کو انتخاب کرتا ہے۔ اگر اللہ نے خود

ہی ایسا کرنا تھا تو پھر یہ کیسے ہوا کہ اس نے اپنے لیے کمتر کا انتخاب کیا؟ یہ نامعقول کیسی بات ہے اور یہ کیسا غلط اندازہ ہے۔ ان کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ اس واضح بات کو سمجھتے کیوں نہیں؟ عاقلانہ سوچ کیوں نہیں رکھتے؟ بے عقلی کی باتیں کیوں کرتے ہیں؟ اللہ کی ذات پاک ہے وہ کسی ارادہ کا محتاج نہیں، سب اس کے محتاج ہیں، وہ غنی بالذات ہے۔

پیغام:

۱۔ بغیر دلیل اور ثبوت کے بات نہ کی جائے۔

۲۔ عقل کو استعمال میں لایا جائے۔ سوچ و بچار کرلی جائے، حقیقت کا انکار نہ کیا جائے۔

۳۔ اللہ کا کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ اللہ پاک و منزہ ہے تمام ان صفات سے جس کا مشرکین اظہار کرتے ہیں۔

۴۔ اللہ کی وحدانیت، ربوبیت اور سچائیت کو بیان کرنا چاہیے کہ انبیاء کی دعوت کی بنیاد اور اساس ہے۔

اَمۡ لَکُمۡ سُلۡطٰنٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۵۶﴾

ترجمہ: ”یا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے؟“

فَاۡتُوۡا بِکِتٰبِکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۵۷﴾

ترجمہ: ”پس اپنی کتاب پیش کرو اگر تم سچے ہو۔“

وَ جَعَلُوۡا بَیۡنَہٗ وَ بَیۡنَ الۡجِنَّۃِ نَسَبًا ؕ وَ لَقَدۡ عَلِمَتِ الۡجِنَّۃُ اِنَّہُمۡ لَمُحۡضَرُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ: "اور انہوں نے اللہ میں اور جنوں میں رشتہ بنا رکھا ہے، حالانکہ جنات کو علم ہے کہ وہ (اللہ کے سامنے) حاضر کیے جائیں گے۔"

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٥٩﴾

ترجمہ: "اللہ ان کے ہر بیان سے پاک ہے۔"

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٠﴾

ترجمہ: "سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے (جو اللہ کی طرف ایسی بات منسوب نہیں کرتے)۔"

مشرکین سے تحریری ثبوت کا سوال

مشرکین یہ دعوای کرتے تھے کہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور ہمارے بیٹے اور فرشتوں کو جنس مادہ قرار دیتے تھے لیکن اس بات پر ان کے پاس سوائے جھوٹ اور افتراء پردازی کے کوئی ثبوت موجود نہ تھا۔ عقل بھی اس طرح کی باتوں کو قبول نہیں کرتی، جب وہ دلیل عقلی اور دوسرے دلائل دینے سے عاجز ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا اگر تم سچے ہو اور تمہارے پاس کوئی تحریری ثبوت ہے تو لے آؤ اور کسی کتاب کا حوالہ ہی دو۔ اس طرح کے سوال سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ جھوٹ کا پلندہ ہے۔ تمہاری اس بات کو نہ تو عقل قبول کرتی ہے نہ ہی محسوسات سے اس کا تعلق ہے اور اس بارے ان کے پاس کوئی تحریری ثبوت بھی موجود نہ تھا۔ جب ثبوت نہیں تو ان کی بات بے اعتبار ہے اور ان کا جھوٹا ہونا واضح ہو جاتا ہے۔

مشرکین کی غلط بیانی

اس جگہ مشرکین کے ایک اور جھوٹ کو بیان کیا گیا ہے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ اور جنات کے درمیان رشتہ داری ہے اور وہ جنات کو اللہ کی اولاد قرار دیتے تھے جبکہ نہ تو اللہ کی کوئی اولاد ہے اور نہ ہی وہ کسی کی اولاد ہے۔ ان کے اس جھوٹ کے بارے میں اللہ فرماتا ہے کہ جو کچھ یہ جنات کے بارے کہہ رہے ہیں، خود جنات بھی اس کے قائل نہیں ہیں، جنات کو معلوم ہے کہ انہیں حساب دینے کے لیے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے اور ان کے اعمال کی روشنی میں انہیں جزاء یا سزا ملے گی۔

اللہ کی ذات کا ہر عیب و نقص سے پاک ہونا

مشرکین کے جھوٹے خیالات اور غلط نظریات کا جواب دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک واضح بات بیان کر دی ہے کہ جو اعتقادات اللہ کے لیے مشرکین نے گھڑے ہوئے ہیں یا جس قسم کی صفات اللہ کے لیے یہ لوگ بیان کرتے ہیں، اللہ کی ذات ان تمام صفات سے پاک ہے کیونکہ ان کے بیان کردہ اوصاف کے مطابق اللہ کی صفات میں سے ایک صفت احتیاج ہے جبکہ اللہ کسی کا محتاج نہیں وہ ہر نقص سے پاک ہے۔

اللہ کے اوصاف

اللہ کے بس وہ ہی اوصاف ہیں جنہیں اللہ کے خالص بندے بیان کرتے ہیں یعنی اللہ کا کوئی شریک نہیں، اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوئے ہیں، اس کی مانند و مثل موجود نہیں۔ اللہ کے خالص بندوں نے غیر خدا کو اپنے دل و دماغ سے نکال دیا ہوتا ہے ان کے نزدیک اللہ کے سوا کوئی قادر و حاکم نہیں۔ وہ اللہ کے ایسے اوصاف بیان کرتے ہیں

جس کے وہ لائق ہے۔ جب وہ اللہ کی توصیف بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی صحیح توصیف بیان کرنے سے عاجز ہیں۔

اللہ کی توصیف میں رسول اللہؐ کا بیان

مخلصوں کے سید و سردار رسول اللہ ﷺ اللہ کی توصیف میں اپنی عاجزی کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں:

''لا أحصی ثناءً علیك أنت کما أثنیت علی نفسك''

''میرے رب میں تیری ثناء کرنے اور تیرے وصف کو بیان کرنے سے عاجز ہوں، تو اس طرح ہے جس طرح خود تو نے اپنا وصف بیان کیا ہے۔''

ہر مخلص مومن کا عقیدہ ہے: ''سبحان الله عما یصفون'' اللہ کی ذات ایسے تمام اوصاف سے پاک و منزہ ہے جن اوصاف کو لوگ اپنی جانب سے اللہ کے لیے بیان کرتے ہیں۔

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿١٦١﴾

ترجمہ: ''پس یقیناً تم اور جنہیں تم پوجتے ہو''

مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿١٦٢﴾

ترجمہ: ''سب مل کر اللہ کے خلاف (کسی کو) بہکا نہیں سکتے،''

اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿١٦٣﴾

ترجمہ: ''سوائے اس کے جو جہنم میں جھلسنے والا ہے۔''

پیغام:

۱۔ اللہ کی طرف سے کوئی ایسی بات منسوب نہ کریں جس سے اللہ کی توہین ہے۔

۲۔ اللہ سبحان ہے ہر نقص و عیب سے پاک ہے اللہ کسی کا محتاج نہیں اللہ کا وصف اس طرح بیان کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لیے وصف بیان کیا ہے۔

گمراہی کا سبب

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ کوئی کسی کو زبردستی غلط راستے پر نہیں لگا سکتا۔ مشرکین اللہ کے راستہ میں رکاوٹ کھڑی نہیں کر سکتے۔ مشرکین اور جن کو انہوں نے اپنا معبود بنایا ہوا ہے اور جن کی وہ پیروی کرتے ہیں سب کے سب اپنے ارادہ و اختیار سے جہنم کے راستہ انتخاب کئے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ خود اپنے پاؤں سے چل کر جہنم کی طرف جارہے ہوتے ہیں۔

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾

ترجمہ: ”اور (ملائکہ کہتے ہیں) ہم میں سے ہر ایک کے لیے مقام مقرر ہے،“

وَّ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾

ترجمہ: ”اور ہم ہی صف بستہ رہتے ہیں،“

وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

ترجمہ: ”اور ہم ہی تسبیح کرنے والے ہیں۔“

فرشتوں کا مشرکین کو جواب

فرشتوں کے بارے مشرکین کے غلط نظریات کا ذکر ہو چکا اور ان کے باطل عقائد پر روشنی ڈالی گئی۔ اس جگہ فرشتوں کی طرف سے ان مشرکین کو جواب دیا جارہا ہے کہ ہم تو اللہ کے اوامر کے پابند ہیں، ہم میں سے ہر ایک کی ایک خاص ذمہ داری ہے، ہم تو ہر وقت اس ذمہ

داری کو نبھانے کے لیے آمادہ رہتے ہیں اور ذرہ برابر بھی غفلت نہیں کرتے، اللہ کی تسبیح میں ہر وقت مصروف رہتے ہیں، اللہ کے احکام کی پیروی کرتے ہیں اور ہمیشہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔

تفسیر روح المعانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ آپ نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: "قیامت میں ہم میں سے ہر ایک کی اعمال کے مطابق معین جگہ ہو گی، ہم ہیں کہ نماز باجماعت میں صف بنائے کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ کی تسبیح کر رہے ہوتے ہیں"۔[1]

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿١٦٧﴾

ترجمہ: "اور یہ لوگ اگرچہ ایسا تو کہا کرتے تھے:"

لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٦٨﴾

ترجمہ: "اگر ہمارے پاس اگلوں سے کوئی نصیحت آجاتی،"

لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٩﴾

ترجمہ: "تو ہم اللہ کے مخلص بندے ہوتے۔"

فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٧٠﴾

ترجمہ: "لیکن (اب) اس کا انکار کر دیا ہے لہٰذا عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔"

قریش مکہ کی بہانہ تراشی

---

[1]۔ (اس کو آیت کی باطنی تفسیر قرار دیا جا سکتا ہے۔ (واللہ العالم)

مشرکین مکہ اپنے غلط عقائد کے باطل ہونے کے بارے قرآن کریم کے واضح بیان کو سننے کے بعد جب لاجواب ہوئے تو بجائے اس کے کہ وہ اپنی ہٹ دھرمی چھوڑ دیتے ہیں اور قرآن پر ایمان لے آتے کہنے لگے اے کاش ہمارے پاس بھی کوئی کتاب آئی ہوتی جس طرح دوسری اقوام کے لیے اللہ کی طرف سے کتاب آئی تو ہم ہدایت پا جاتے اور اللہ کے مخلص بندے بن جاتے، ہمارے پاس تو کوئی کتاب نہیں آئی جس وجہ سے ہم اللہ کے مخلص بندے نہیں بن سکے۔ یہ صرف ان کی بہانہ تراشی تھی، حقیقت میں وہ نبوت اور آسمانی کتاب کے ہی انکاری تھے کیونکہ جب قرآن نازل ہوا تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا جبکہ اس سے پہلے وہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہم پر آسمانی کتاب نازل ہوتی تو ہم ہدایت پا جاتے۔ بہت جلد وہ اس کفر کی سزا بھگتیں گے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ﴿١٧١﴾

ترجمہ: ”اور بتحقیق ہمارے بندوں مرسل سے ہمارا یہ وعدہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔“

اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿١٧٢﴾

ترجمہ: ”یقینا وہ ایسے ہیں کہ جو یقینی طور پر مدد حاصل کرنے والے ہیں (وہ ایسے ہیں کہ جن کی مدد دی جائے گی)“۔

وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿١٧٣﴾

ترجمہ: ”اور یقینا ہمارا لشکر ہی غالب آ کر رہے گا۔“

اللہ کا حتمی فیصلہ

اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے باطل عقائد کو ہر لحاظ سے رد کرنے کے بعد اس مقام پر اپنے حتمی اور اٹل فیصلہ کا اعلان فرمایا ہے۔ اس حوالے سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ اپنے رسولوں کے بارے میں فرماتا ہے کہ وہ ہمارے نصرت یافتہ بندے ہیں، انہیں کوئی شکست نہیں دے سکتا، وہ اپنے مشن میں کامیاب ہوں گے، کیونکہ ان کی ہر بات کا ثبوت موجود ہے وہ دلیل اور منطق سے بات کرتے ہیں، تحریری ثبوت اور شواہد محسوسہ سب ان کے بیانات کی تصدیق کر رہے ہیں لہٰذا مشرکین جان لیں کہ انہیں کوئی شکست نہیں دے سکتا، وہ دُنیا میں بھی کامیاب و منصور ہیں اور آخرت میں بھی کامیابی ان ہی کے لیے ہے۔

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ (سورہ تحریم، آیت ۸)

"وہ ایسا دن ہے (قیامت) کہ جس میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور اپنے رسول کے پیروکاروں کو رسوا نہیں کرے گا (ان کے لیے کامیابی ہو گی)"۔

اللہ کی نصرت

اس مقام پر جند اللہ کا تذکرہ ہوا ہے۔ جند بڑے جمگھٹے اور لشکر کو کہا جاتا ہے۔ اللہ کے لشکر سے اہل توحید، اللہ کے احکام کی پیروی کرنے والے اور عقائد حقہ کو تسلیم کرنے والے مراد ہیں۔ جن کے بارے اللہ اعلان فرما رہا ہے کہ اللہ والے ہی اپنے دشمنوں پر غالب رہیں گے۔ جو لوگ ایمان کی نعمت سے محروم ہونے کے باوجود خود کو انبیاء سے یا انبیاء کے پیروکاروں سے شمار کرتے ہیں انہیں کچھ حاصل نہ ہو گا۔ عمل سے خالی ایمان کا کوئی فائدہ نہیں ہے، ایمان کا تعلق دل سے ہے اور عمل کا تعلق اعضاء و جوارح سے عمل ہے۔ مومنین ہی جند اللہ ہیں اور ان ہی کے لیے غلبہ و کامیابی ہے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۙ﴿۱۷۴﴾

ترجمہ: "لہٰذا آپ ایک مدت تک ان سے منہ پھیر لیں۔"

وَّ اَبۡصِرۡهُمۡ فَسَوۡفَ يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷۵﴾

ترجمہ: "اور انہیں دیکھتے رہیں کہ عنقریب یہ خود بھی دیکھ لیں گے۔"

اَفَبِعَذَابِنَا يَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ﴿۱۷۶﴾

ترجمہ: "کیا یہ ہمارے عذاب میں عجلت چاہ رہے ہیں؟"

فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمۡ فَسَآءَ صَبَاحُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ ﴿۱۷۷﴾

ترجمہ: "پس جب یہ (عذاب) ان کے دالان میں اترے گا تو تنبیہ شدگان کی صبح بہت بری ہو گی۔"

وَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ حَتّٰى حِيۡنٍ ۙ‏ ﴿۱۷۸﴾

ترجمہ: "اور آپ ایک مدت تک ان سے منہ پھیر لیں۔"

وَّ اَبۡصِرۡ فَسَوۡفَ يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷۹﴾

ترجمہ: "اور دیکھتے رہیں عنقریب یہ خود بھی دیکھ لیں گے۔"

پیغمبرؐ کے لیے خصوصی دستور

اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کو خصوصی دستور دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ مشرکین سے توجہ ہٹالیں، ان کے اعمال پر نظر نہ رکھیں وہ جو کر رہے ہیں کرتے رہیں۔ ان پر اتمام حجت ہو چکی۔ یہ دستور زیادہ دیر کے لیے نہیں تھا کیونکہ تھوڑے عرصہ بعد رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ وہ مشرکین مکہ کو اپنے حال پر چھوڑ کر مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کریں۔ اس کے بعد مکہ والوں نے مدینہ پر چڑھائی کا پروگرام بنایا اور جنگ بدر کا معرکہ پیش آیا اور اس جنگ میں مشرکین مکہ کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور اللہ کا وعدہ

پورا ہوا اور مشرکین مکہ نے اپنی ہٹ دھرمی کا مزہ چکھ لیا۔ حالانکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس بارے خبر دی تھی تو وہ مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ عذاب کب آئے گا، وہ جلد بازی کرتے ہوئے کہتے تھے اگر سب کچھ سچ ہے تو پھر عذاب جلدی کیوں نہیں آتا۔ اللہ کا خاص نظام ہے جس میں ہر ایک شئی کا وقت معین ہے۔ عنقریب عذاب ہر طرف سے انہیں گھیر لے گا اور اس سے ان کو چھٹکارا نہ ملے گا اور بہت ہی سخت دن ان کے انتظار میں ہیں۔ مشرکین مکہ کو دُنیا کا پہلا عذاب جنگ بدر میں ناکامی کی صورت میں جھیلنا پڑا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوبارہ حکم دیا کہ انہیں چھوڑ دو اور تبلیغ کا عمل جاری رکھو، آخرت یاد دلاتے رہو دیکھو کہ وہ اس کا کیا اثر لیتے ہیں۔ اگر کفر پر باقی رہیں گے تو قیامت کے دن سخت عذاب سے دوچار ہوں گے اور اس کفر کا بوجھ انہیں بھگتنا پڑے گا۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٨٠﴾

ترجمہ: ''آپ کا رب جو عزت کا مالک ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔''

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٨١﴾

ترجمہ: ''اور پیغمبروں پر سلام ہو۔''

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨٢﴾

ترجمہ: ''اور ثنائے کامل اس اللہ کے لیے ہے جو عالمین کا پروردگار ہے۔''

رب العزت

عزت اور غلبہ اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔ اللہ کا مقام بلند ہے جس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا اور اللہ کی سلطنت میں کسی کی دخالت نہیں ہے۔ ساری عزت، تمام غلبہ، تمام کرامتیں صرف اللہ کے لیے ہیں۔

اللہ کی عظمت وجلالت کا تذکرہ

کفار و مشرکین کا عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ اللہ قادر مطلق، غالب آنے والا اور ہر عیب و نقص و احتیاج سے پاک و منزہ ہے۔

اللہ کے رسولوں پر سلام

اللہ کے سارے نمائندے امن و سلامتی کے مستحق ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے سلامتی قرار دی ہے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور نہ ہی ان کے کاموں میں کوئی رخنہ ڈال سکتا ہے۔ ان کے لیے اللہ کی جانب سے امن و سلامتی ہے، وہ ہر شر سے محفوظ ہیں۔ ان کے دشمن ناکام ہیں۔

اللہ کی تعریف

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، اس کے سواء کوئی اور لائق تعریف نہیں ہے کیونکہ وہ عالمین کا رب ہے جیسا کہ سورہ حمد میں بیان کیا گیا "الحمد للہ رب العالمین" چونکہ حمد و ستائش فعل اختیاری پر ہوتے ہیں اور پورا جہان اللہ کے اختیار میں ہے اس لیے تمام ثناء اور تعریفیں اللہ کے لیے مخصوص ہے، وہی ذات ہی لائق تعریف ہے اللہ کے سواء دوسرا کوئی حمد و ثناء کا مستحق نہیں ہے۔

سورۃ ص

(مکی۔ کل آیات: ۸۸)

سورہ کے مطالب

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے مقصد کا بیان، قرآن کی دعوت توحید کا بیان، سرکشوں اور ظالموں کے لیے عبرت کا سامان، ابلیس کا سجدے سے انکار اور اس کی سزا کا ذکر، عدل و انصاف پر مبنی فیصلہ دینے کی راہنمائی اور اخلاقی اقدار کا تذکرہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

صٓ وَ الۡقُرۡاٰنِ ذِی الذِّکۡرِ ؕ﴿۱﴾

ترجمہ: ” صاد، قسم ہے اس قرآن کی جو نصیحت والا ہے۔“

بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ عِزَّۃٍ وَّ شِقَاقٍ ﴿۲﴾

ترجمہ: ” مگر جنہوں نے (اس کا) انکار کیا وہ غرور اور مخالفت میں ہیں۔“

قرآن کا تعارف اور کفار کی خصوصیت

روایت میں آیا ہے کہ ”ص“ ایک چشمہ کا نام ہے جو عرش کے نیچے جاری ہے۔ شب معراج رسول اللہ ﷺ نے اسی چشمہ سے وضو کیا تھا نیز یہ قرآن کے حروف مقطعات میں سے ہے جن کے متعلق پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ص اللہ کے ناموں سے ایک نام بھی ہے۔ یہ خاص استعارہ ہے جس سے عالمان کتاب ہی آگاہ ہیں۔

قرآن کی قسم

قرآن میں غور کرو کیونکہ اس میں توحید کا بیان ہے، آخرت کا ذکر ہے اور یہ معارف حقہ پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ اس میں تمہارے لیے مکمل یاد دہانی کا سامان ہے، انسان اور کائنات کی خلقت کی حکمت اور اس کے رمز و راز اس میں ہیں۔ اسی حوالے سے رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا ہے کہ آپ کا کام ان لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا، انہیں قرآنی حقائق سے آشنا کرنا اور انہیں یاد دہانی کرنا ہے۔ یہ سارا کام قرآن کے ذریعہ ہی انجام پا سکتا ہے۔

کافروں کا رویہ

اس کے بعد اس حقیقت سے آگاہ کیا گیا ہے کہ کفار مکہ اور قرآن کا انکار کرنے والے سابقہ امتوں کی مانند ہیں جو خود کو بڑا سمجھدار سمجھتے تھے، برتری میں غرق تھے، اختلاف ڈالتے تھے۔ مشرکین مکہ بھی حقائق کا انکار کرتے ہیں، وہ بھی متکبر ہیں اور معاشرہ کی وحدت کو توڑنا ان کا مشن ہے۔

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّ لَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ③

ترجمہ: ” ان سے پہلے ہم کتنی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں پھر (جب ہلاکت کا وقت آیا تو) فریاد کرنے لگے مگر وہ بچنے کا وقت نہیں تھا۔“

کافروں کا انجام

اس آیت میں کافروں کا انجام بتایا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آج جو آپ کا انکار کر رہے ہیں اور حقائق کو نہیں مان رہے، ان کا انجام بھی سابقہ کافروں جیسا ہو گا اور جب عذاب الٰہی آجائے گا تو انہیں کہیں سے کوئی مدد نہیں ملے گی۔

وَ عَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ ۫ وَ قَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ ہٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ۚ﴿ۖ۴﴾

ترجمہ: ”اور انہوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ خود انہی میں سے کوئی تنبیہ کرنے والا آیا اور کفار کہتے ہیں: یہ جھوٹا جادو گر ہے۔“

بت پرستوں کا رویہ

ہٹ دھرمی بت پرستوں کا طریقہ کار رہا ہے لہٰذا جب ان کے پاس ان ہی میں سے ڈرانے والا آیا اور انہیں توحید کی دعوت دی، بت پرستی سے منع کیا انہیں عقلی دلائل سے سمجھایا، ان کو اللہ کا کلام پڑھ کر سنایا تو اسے تسلیم کرنے کی بجائے۔ انہوں نے کہا یہ تو (معاذ اللہ) جادو گرو ہے، جھوٹ بولتا ہے۔ جبکہ ان کے پاس اس دعویٰ کی کوئی دلیل موجود نہیں تھی۔

اَجَعَلَ الۡاٰلِـہَۃَ اِلٰـہًا وَّاحِدًا ۚۖ اِنَّ ہٰذَا لَشَیۡءٌ عُجَابٌ ﴿۵﴾

ترجمہ: ”کیا اس نے بہت سے معبودوں کی جگہ صرف ایک معبود بنا لیا؟ یہ تو یقینا بڑی عجیب چیز ہے۔“

بت پرستوں کا متکبرانہ انداز

بت پرستوں نے رسول اللہ ﷺ کی بات کو سننے، اس سے اثر لینے اور عقل سے سوچنے کے بجائے غیر منطقی باتیں کرنا شروع کیں اور کہنے لگے آپ تو ہم سے بہت سارے معبودوں کی عبادت چھڑا کر ایک معبود کے آگے جھکانا چاہتے ہو۔ عجیب بات ہے! کیونکہ ہر قبیلہ اور ہر گروہ نے اپنے لیے علیحدہ بت بنا رکھے تھے اور وہ ان کو چھوڑ کر ایک معبود کی

عبادت کے لیے تیار نہیں تھے۔ وہ افتراق و انتشار کو عزت اور برتری سمجھتے تھے جبکہ حقیقت میں یہ واضح دھوکہ کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ جھوٹے تھے اور ان کی بات کا نہ کوئی ثبوت تھا اور نہ ہی اس پر ان کے پاس کوئی دلیل تھی۔ اس لیے انہوں نے وحدت پر کثرت کو ترجیح دی اور دعوت توحید کو ٹھکرا دیا۔

وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۚۖ ﴿۶﴾

ترجمہ: ’’اور ان میں سے قوم کے سرکردہ لوگ یہ کہتے ہوئے چل پڑے: چلتے رہو اور اپنے معبودوں پر قائم رہو، اس چیز میں یقیناً کوئی غرض ہے۔‘‘

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚۖ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۚۖ ﴿۷﴾

ترجمہ: ’’ہم نے کبھی یہ بات کسی پچھلے مذہب سے بھی نہیں سنی، یہ تو صرف ایک من گھڑت (بات) ہے۔‘‘

متکبرین کا اندازِ گفتگو

ہر معاشرہ میں کچھ لوگ خود کو بڑا قرار دیتے ہیں اور عموماً عوام قوم قبیلے کے بڑوں کا کہا مان لیتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عوام میں تبلیغ شروع کی تو ان بڑوں کو احساس ہوا کہ لوگ ان کی بات کو مان لیں گے اس طرح ان کی سرداری خطرہ میں پڑے جائے گی تو اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والے اپنے لوگوں میں جا کر ان کو سمجھانے لگے کہ دیکھو ان کی بات مت مانو، تم ان بتوں کی عبادت پر ہی لگے رہو، اس کی بات مت مانو! یہ (معاذ اللہ) جھوٹا، جادوگر ہے، من گھڑت باتیں کرتا ہے، ان کی باتوں پر کان مت دھرو۔ حالانکہ وہ خود بھی گمراہ تھے اور اپنی رعیت کو بھی اسی گمراہی پر باقی رکھنے پر تلے ہوئے تھے۔ ایسا ہر دور میں ہر نبی

کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ وہ اپنی عوام سے کہتے تھے دیکھو! ہم نے تو ایسی بات پہلے کبھی نہیں سنی۔ جبکہ وہ جانتے تھے کہ سابقہ انبیاء بھی اسی طرح کی گفتگو کیا کرتے تھے۔ ان کا مقصد عوام کی عدم آگہی سے فائدہ اٹھانا تھا جو ہر دور میں ہوا کرتا ہے۔

ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ۸ؕ

ترجمہ: ''کیا ہمارے درمیان اسی پر یہ ذکر نازل کیا گیا؟ درحقیقت یہ لوگ میرے ذکر پر شک کر رہے ہیں بلکہ ابھی تو انھوں نے عذاب چکھا ہی نہیں ہے۔''

مشرکین کے بڑوں نے اپنی بات کو عوام میں مقبول بنانے کے لیے یہ کہنا شروع کیا کہ دیکھو اگر کوئی کتاب آنا تھی تو اس علاقے کے بڑے تو ہم تھے، لوگوں کے جھگڑے ہم نمٹاتے ہیں، ہم ہی اہل حق و فتح ہیں لیکن ہم میں سے کسی پر تو کتاب نازل نہیں ہوئی ہے۔ ایک ایسے فرد پر کتاب نازل ہوئی ہے جو ظاہری طور پر بڑوں میں سے نہیں ہے، نہ صرف اس کے پاس سرداری نہیں بلکہ وہ تو یتیم ہے۔ اس طرح انھوں نے اللہ کے کلام کو مشکوک بنانے کے لیے کام کیا اور لوگوں سے کہا کہ تم اپنے بتوں کی حمایت پر ڈٹے رہو اور توحید کی دعوت کو قبول نہ کرو۔ ان کی ساری باتیں غیر منطقی اور کسی ثبوت و دلیل کے بغیر سطحی تھیں۔ لوگوں کی جہالت اور عدم آگہی بھی ان کے کفر میں مددگار بن گئی تھی۔ ان کے انکار کا سبب تکبر و سرکشی تھی، ان کی متکبرانہ سوچ قرآن کے حقائق کو قبول کرنے میں مانع تھی۔ جب ان پر عذاب نازل ہوگا تو پھر وہ اعتراف کرلیں گے لیکن اس وقت کا اعتراف ان کے فائدہ میں نہ ہوگا۔ اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے ان کو خبردار کر دیا کہ تم جو ہٹ دھرمی دکھا رہے ہو تکبر و انتشار پر قائم ہو، حقائق کا انکار کر رہے ہو تو تمہیں معلوم رہے کہ تم عنقریب اپنے اس کفر کا اور ہمارے رسول ﷺ کی نبوت کے انکار کا عذاب بھگتو گے۔

أَمْ عِندَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ﴿٩﴾

ترجمہ: ''کیاان کے پاس تیرے غالب آنے والے فیاض رب کی رحمت کے خزانے ہیں؟''

أَمْ لَهُم مُّلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ ﴿١٠﴾

ترجمہ: ''یا آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب پر ان کی حکومت ہے؟ (اگر ایسا ہے) تو (آسمان کے) راستوں پر چڑھ دیکھیں۔''

جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ﴿١١﴾

ترجمہ: ''یہ لشکروں میں سے ایک چھوٹا لشکر ہے جو اسی جگہ شکست کھانے والا ہے۔''

متکبرین کی باتوں کا جواب

اللہ تعالیٰ نے ان کی ناتوانی اور کمزوری کا حوالہ دیتے ہوئے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا کہ ذرا ان سے پوچھو کہ آسمان، زمین اور جو کچھ ان میں ہے اس کا اختیار ان کے پاس ہے؟ اگر ان کا جواب مثبت ہو تو ان سے کہو اپنے سارے وسائل استعمال میں لے آؤ اور سورج، چاند، ستارے اور جو کچھ کائنات میں ہے ان کی بلندیوں تک پہنچ کر تو دکھاؤ، ان کی حرکت کو روک کر تو دکھاؤ۔ اللہ کے نظام رحمت جس میں ہوا، بارش، فضاء، نظام شمسی، موت و حیات، حیوانات و انسانوں میں توالد و تناسل، نباتات میں نشوونما کا عمل شامل ہے، اس نظام میں کہاں پر ان کا اقتدار ہے؟ کیا ان کا اپنے جسم پر اقتدار ہے؟ کیا یہ لوگ جسم کی نشوونما میں رکاوٹ بن سکتے ہیں؟ بدصورت جسم کو خوبصورت بنا سکتے ہیں؟ واضح ہے کہ تیرے رب کی رحمت میں ان کا کوئی اختیار نہیں ہے، نہ تو وہ

تیرے اوپر آنے والی وحی کو روک سکتے ہیں نہ فرشتوں پر حکم جاری کر سکتے ہیں، یہ سب اس چیز سے عاجز ہیں۔ ان کی مثال ایسی فوج کی ہے جو تعداد میں تو بہت زیادہ ہے لیکن ہر جگہ شکست اس کا مقدر ہے۔ یہ جو اتنا بڑا دعوی کرتے ہیں، بڑی بڑی باتیں کر رہے ہیں اور ہمارے کلام کا انکار کر رہے ہیں یہ سب کے سب شکست خوردہ اور ناکام ہیں۔ یہ بھی ان لوگوں جیسے ہیں جنھوں نے ہمیشہ اللہ کے نمائندوں کے مقابلہ میں لشکر اور افواج بنائے لیکن ہمیشہ شکست کھائی اور اللہ کی دعوت کو نہ روک سکے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: " ان سے پہلے نوح اور عاد کی قوم اور میخوں والے فرعون نے تکذیب کی تھی۔"

وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: "اور ثمود اور لوط کی قوم اور ایکہ والوں نے بھی اور یہ ہیں وہ بڑا لشکر۔"

اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: "ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا تو میرا عذاب لازم ہو گیا۔"

وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: " اور یہ لوگ صرف ایک چیخ کے منتظر ہیں جس کے ساتھ کوئی مہلت نہیں ہو گی۔"

وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''اور وہ (از روئے تمسخر) کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمارا (عذاب کا) حصہ ہمیں حساب کے دن سے پہلے دے دے۔''

سابقہ اقوام کا تذکرہ

قریش مکہ کے سردار اپنی عوام سے کہتے تھے کہ ہم نے تو پہلے والوں سے ایسی باتیں نہیں سنیں کہ انہیں کسی نے توحید پرستی کی دعوت دی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں سابقہ کافر امتوں کے انجام کو بیان کرتے ہوئے چند اقوام کا تذکرہ کیا ہے:۔

۱۔ قوم ثمود نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی تو سخت ترین عذاب سے دوچار ہوئے۔

۲۔ قوم لوط بھی اللہ کے نافرمان تھے۔ انہوں نے حضرت لوط کی نافرمانی کی تو انہیں سخت ترین عذاب دیا گیا۔

۳۔ قوم نوح کو اللہ کے حکم کی نافرمانی کی سزا طوفان کی شکل میں دی گئی۔

۴۔ قوم عاد پر بھی اللہ کا عذاب اُترا۔

۵۔ فرعون اور اس کی قوم پر بھی اللہ کا عذاب آیا۔

۶۔ اصحاب مدین سے مراد حضرت شعیب کی قوم ہے، ان پر بھی سخت عذاب آیا۔

ان اقوام پر آنے والے عذاب کی تفصیلات دوسری سورتوں میں موجود ہے۔ ان سب کو عذاب اس وجہ سے دیا گیا کہ انہوں نے انبیاء کو جھٹلایا، ان کی بات کو نہ مانا، ان کا مذاق اڑایا، انہیں جادو گر اور جھوٹا کہا، انبیاء کے خلاف جماعتیں بنائیں، اللہ کی مخالفت پر ڈٹ گئے۔ جس کے نتیجے میں ان پر اللہ کا عذاب اُترا اور وہ سب ذلیل و خوار ہو گئے، کوئی انہیں بچا نہ سکا اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔

قیامت سے پہلے عذاب کی آرزو

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام کی مثال دے کر اپنے پیغمبر ﷺ سے دو باتیں کہی ہیں:۔

ا۔آپ پہلے نبی نہیں جنہیں اس کی قوم نے جھٹلایا ہو،اس کا مذاق اڑایا ہو۔اس سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔

۲۔ اللہ کی مخالفت کرنے والوں اور اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے والوں پر اسی دُنیا میں ہی سخت عذاب آیااور ان کواس عذاب سے کوئی نہ بچا سکا۔

تیری اُمت میں بھی ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ قیامت سے پہلے انہیں عذاب دے دیا جائے۔آپ کامذاق اڑاتے ہیں، اللہ کے عذاب کے جلدی نازل ہونے کا تقاضا کرتے ہیں اور استہزاء ومذاق میں کہتے ہیں یہ عذاب قیامت سے پہلے ہی کیوں نہیں آتا! ان کی اس بات کا مقصد رسول اللہ ﷺ کو عاجز ظاہر کرنا ہے۔ کیونکہ رسول خداؐ انہیں قیامت کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔ان کے جواب میں اللہ فرمارہا ہے کہ سابقہ اقوام کو یاد کرلیں ہم نے کس طرح انہیں اسی دُنیا میں عذاب دیا۔ان کو بھی عذاب دینے میں دیر نہ لگی، یہ سب ایک چنگھاڑ دار آواز کی مار ہیں۔ جب آواز آئے گی تو سب ڈھیر ہو جائیں گے اور ہمارے عذاب سے انہیں کوئی نہیں بچاسکے گا۔اس بات کا مقصد مشرکین مکہ کو متنبہ کرنا اور ان کی بے بسی کو بیان کرنا ہے۔

اِصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَ اذۡکُرۡ عَبۡدَنَا دَاوٗدَ ذَا الۡاَیۡدِ ۚ اِنَّہٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ’’ اے رسول جو یہ کہتے ہیں اس پر صبر کیجیے اور (ان سے) ہمارے بندے داؤد کا قصہ بیان کیجیے جو طاقت کے مالک اور (اللہ کی طرف) بار بار رجوع کرنے والے تھے۔‘‘

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿١٨﴾

ترجمہ: ’’ہم نے ان کے لیے پہاڑوں کو مسخر کیا تھا، یہ صبح و شام ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔‘‘

وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿١٩﴾

ترجمہ: ’’اور پرندوں کو بھی (مسخر کیا)، یہ سب اکٹھے ہو کر ان کی طرف رجوع کرنے والے تھے‘‘

وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿٢٠﴾

ترجمہ: ’’اور ہم نے ان کی سلطنت مستحکم کر دی اور انہیں حکمت عطا کی اور فیصلہ کن گفتار (کی صلاحیت) دے دی۔‘‘

رسول اللہؐ کو صبر کا حکم

اللہ تعالیٰ نے پچھلی آیات میں سابقہ اقوام کا اپنے دور کے انبیاء کے ساتھ رویہ اور اس کے رویے کے عوض انہیں دی گئی سزا کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ کی قوم پچھلی اقوام سے مختلف نہیں ہے، ان پر بھی عذاب آسکتا ہے اگرچہ وہ تیرا مذاق اڑاتے

ہیں لیکن اے میرے رسول آپ صبر کریں، ان کی زیادتیوں کو برداشت کریں، یہ سزا سے نہیں بچ سکیں گے۔

اقتدار دُنیا اللہ کے ہاتھ میں

مذکورہ بالا آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کا حوالہ دیا گیا ہے اور ان کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں:۔

۱۔ پہاڑ ان کے اختیار میں تھے وہ ان کے ساتھ مل کر تسبیح کرتے تھے۔

۲۔ حضرت داؤد علیہ السلام تمام نامناسب حالات میں اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت ہی مضبوط حکومت عطا کی تھی۔

۴۔ صبح و شام پہاڑ ان کے ساتھ اللہ کی تسبیح کرتے، یعنی جب آپ سبحان اللہ کہتے تو پہاڑوں سے بھی سبحان اللہ کی آواز گونجتی تھی۔

۵۔ وہ ہماری طرف بہت زیادہ رجوع کرتے تھے (یا یہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف بار بار پلٹ کر آتے تھے تاکہ ان کے ساتھ مل کر تسبیح کریں)۔

۶۔ ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط بنایا، انہیں معارف حقہ دیئے جو منفعت بخش تھے، انہیں فصل الخطاب دیا، انہیں حق کو باطل سے جدا کرنے اور صحیح و غلط میں امتیاز کرنے کی صلاحیت دی۔

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿٢١﴾

ترجمہ: ''اور کیا آپ کے پاس مقدمے والوں کی خبر پہنچی ہے جب وہ دیوار پھاند کر محراب میں داخل ہوئے؟''[1]

إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُودَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَاحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ ﴿٢٢﴾

ترجمہ: ''جب وہ داؤد کے پاس آئے تو وہ ان سے گھبرا گئے، انہوں نے کہا: خوف نہ کیجیے، ہم نزاع کے دو فریق ہیں، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے لہٰذا آپ ہمارے درمیان برحق فیصلہ کیجیے اور بے انصافی نہ کیجیے اور ہمیں سیدھا راستہ دکھا دیجیے۔''

إِنَّ هَٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ﴿٢٣﴾

---

[1]۔ تفسیر در منثور میں آیا ہے امام علی رضا علیہ السلام سے عیون اخبار الرضا میں نقل ہوا ہے کہ حضرت داؤدؑ نے خیال کر لیا کہ ان سے زیادہ علم کسی کے پاس نہیں ہے وہ سب کچھ جانتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کی اس غلط سوچ کی وجہ سے امتحان لیا اور دو فرشتوں کو ان کے پاس بھیج دیا جو محراب میں ان کے پاس آکر آپس میں جھگڑنے لگے اور ایک دوسرے پر الزام لگایا بعد میں حضرت داؤدؑ کو ان کے بارے پتہ چلا کہ یہ تو دو فرشتے ہیں ایک فرضی جھگڑا ہے۔

ترجمہ: ” یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے، یہ کہتا ہے کہ اسے میرے حوالے کرو اور گفتگو میں مجھ پر دباؤ ڈالتا ہے۔“

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَ إِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ قَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَ ظَنَّ دَاوٗدُ أَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ أَنَابَ ۩ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ” داؤد کہنے لگے: تیری دنبی اپنی دنبیوں کے ساتھ ملانے کا مطالبہ کر کے یقینا یہ تجھ پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان رکھتے ہیں اور نیک اعمال بجالاتے ہیں اور ایسے لوگ تھوڑے ہوتے ہیں، پھر داؤد کو خیال آیا کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے چنانچہ انہوں نے اپنے رب سے معافی مانگی اور عاجزی کرتے ہوئے جھک گئے اور (اللہ کی طرف) رجوع کیا۔“

فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَ إِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ” پس ہم نے ان کی اس بات کو معاف کیا اور یقینا ہمارے نزدیک ان کے لیے تقرب اور بہتر بازگشت ہے۔“

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ''اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلہ کریں اور خواہش کی پیروی نہ کریں، وہ آپ کو اللہ کی راہ سے ہٹا دے گی، جو اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں ان کے لیے یوم حساب فراموش کرنے پر یقینا سخت عذاب ہوگا۔''

اختلافات حل کرنے کا ضابطہ

اللہ تعالیٰ فرما مارہا ہے اے ہمارے رسول اللہ ﷺ! حضرت داؤد علیہ السلام کو یاد کرو جب اچانک دو افراد ان کے سامنے آگئے، بیان ہوا ہے کہ وہ دیوار پھلانگ کر حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے آکھڑے ہوئے تھے جنہیں دیکھ کر حضرت داؤد علیہ السلام تھوڑے سے گھبرائے تھے لیکن ان میں سے ایک شخص نے فوراً گفتگو شروع کر دی اور بتایا کہ ہم نے ایک دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ کرو۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ۹۹ بھیڑیں ہیں اور میرے پاس صرف ایک بھیڑ ہے۔ میرا بھائی کہتا ہے کہ یہ ایک بھی میں اسے دوں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ سنا تو فوراً ہی فیصلہ سنا دیا کہ یہ تو زیادتی ہے اور باہمی شراکت میں ایک دوسرے پر زیادتی نہیں کرتے۔ تمہارے بھائی نے بھی ایسا کہہ کر تم پر زیارتی کی ہے۔ حضرت داؤد نے دوسرے بھائی کا موقف سنے بغیر جلدی میں یہ فیصلہ کیا تھا۔ اس کی وجہ ان کی نرم دلی، شفقت اور مہربانی کے عنصر کا غالب آنا تھا۔ اس لیے انہوں نے ایک بھائی کی بات سنتے ہی فیصلہ صادر کر دیا تھا، البتہ ساتھ یہ بھی

بتا دیا کہ بہت تھوڑے شرکاء ہی صاحبان ایمان ہوتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں جو ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی نہیں کرتے، ایسے افراد کی تعداد کم ہے۔ لیکن قرائن سے فوراً سمجھ گئے کہ یہ میرا امتحان لیا جارہا ہے اور میں نے دوسرے فریق کا مؤقف سنے بغیر جلدی میں فیصلہ سنایا ہے۔ جس نے دعوی دائر کیا تھا اس کے بارے میں بھی زیادہ تحقیق نہیں کی ہے، اس کی بات سن کر فیصلہ سنا دیا ہے۔ اس لیے حضرت داؤد نے فوراً اللہ کی طرف رجوع کرلیا اور اپنی اس جلد بازی کی معافی مانگ لی، رکوع میں چلے گئے، استغفار کیا اور توبہ کرلی۔

حضرت داؤدؑ کا امتحان

روایات میں آیا ہے کہ وہ دونوں فرشتے تھے، انہوں نے یہ ماجرا اللہ کے حکم سے حضرت داؤد علیہ السلام کے امتحان کے لیے تیار کیا تھا۔ یہ ایک خواب و خیال کی مانند نمائشی ماجراء تھا جس میں حضرت داؤدؑ پر کوئی خاص شرعی تکلیف نہ تھی۔ نمائشی ماجراء میں کسی قسم کا فیصلہ دینا جرم یا گناہ شمار نہیں ہوتا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی خطاء انبیاء کی عصمت کے منافی گناہوں میں سے نہیں تھی۔ یہ بات حضرت آدم علیہ السلام کی خطاء کی بحث میں تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ اگر دونوں فریق انسان کی جنس سے بھی ہوتے تو یقینی بات ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ مفروضہ کے طور پر تھا یعنی انہوں نے شاکی سے کہا کہ اگر ایسا ہے تو پھر یہ تو واضح ظلم ہے اور عام طور پر شرکاء ایسی زیادتی کرتے رہتے ہیں اور تمہارے ساتھی نے بھی ایسی بات کرکے تمہارے اوپر ظلم کیا ہے مگر یہ کہ وہ دلیل و ثبوت لے آئے کہ یہ ایک بھیڑ بھی اسی کی ہے۔ چونکہ حضرت داؤد علیہ السلام معصوم اور گناہ سے پاک تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں فصل الخطاب کا ملکہ بھی عطاء کیا تھا لہٰذا اس واقعہ کی توجیہ کرنا ہوگی جیسا کہ سطور بالا میں اس توجیہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی درخواست قبول کرلی اور ان سے سرزد ہونے والے ترک اولیٰ کی بخش دیا۔

خلافت الٰہی منصب

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت داؤد علیہ السلام کو ملنے والے منصب خلافت کا تذکرہ ہوا ہے۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ نبوت وامامت کی طرح خلافت بھی الٰہی منصب ہے جسے صرف اللہ تعالیٰ ہی کسی بندے کو عطاء کر سکتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام میں یہ صلاحیت پہلے سے ہی موجود تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے عملی پہنانے کا اعلان فرما دیا۔ کسی بندے کے الٰہی خلافت کے منصب پر فائز ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں تمام الٰہی صفات کی جھلک نظر آئے۔ وہ الٰہی اخلاق سے آراستہ ہو، اللہ کے ارادہ اور اس کے حکم کا تابع ہو اور چونکہ اللہ کا حکم حق ہی ہوتا ہے تو خلیفہ کا حکم بھی حق پر مبنی ہوتا ہے۔

داؤدؑ کے لیے اللہ کا فرمان

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا کہ ہم نے تجھے زمین پر اپنا خلیفہ قرار دیا ہے۔ تمہارا حکم ہمارا حکم ہے، لہٰذا لوگوں کے درمیان جب بھی کوئی فیصلہ کرو تو حق پر مبنی فیصلہ کرو۔ ذاتی معاملات کو درمیان میں نہ لاؤ اور نہ ہی نفسانی خواہشات حق فیصلہ دینے میں آڑے آئیں کیونکہ نفسانی خواہشات کی پیروی انسان کو اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیتی ہے۔ اللہ کے راستہ سے دُوری انسان کو یوم حساب سے غافل کر دیتی ہے۔ روزِ قیامت کو بھلانا اور اس سے غفلت، عذاب کا سبب ہے اور گمراہی اور معصیت روز حساب اور قیامت کو بھلانے کا سبب ہیں، تمام گناہ قیامت کو بھلانے کا سبب ہیں۔

پیغام:

۱۔ فیصلہ دینے میں جلدی نہ کی جائے۔
۲۔ روزِ حساب اور روز قیامت کو یاد رکھا جائے۔
۳۔ خود کو الٰہی صفات سے آراستہ کریں۔

۴۔خلافت کا منصب اللہ کی عطاء ہے۔

۵۔انبیاء معصوم ہیں، اگر قرآن میں ان کی طرف کسی خطاء کی نسبت دی گئی ہو تو وہ گناہ نہیں بلکہ ترک اولیٰ ہے۔ترک اولیٰ ایسے کام کو کہتے ہیں جو انبیاء کی شان کے منافی ہو اور ان سے سرزد ہو جائے۔ترک اولیٰ پر انبیاء اللہ سے رجوع کرتے ہیں۔توبہ کرتے ہیں اور اللہ ان کی توبہ کو قبول کرلیتا ہے۔

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ؕ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کو بے مقصد پیدا نہیں کیا، یہ کفار کا گمان ہے، ایسے کافروں کے لیے آتش جہنم کی تباہی ہے۔“

خلقت کا باہدف ہونا

اس آیت میں اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی بے مقصد خلق نہیں کیا ہے۔ زمین وآسمان اور جو کچھ ان میں ہے سب کا ایک مقصد ہے اور وہ سب اس مقصد کو پورا کر رہے ہیں۔انسان کو خلق کرنے کا بھی ایک مقصد ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل اور اختیار دیا ہے۔ اسے مکلّف قرار دیا ہے تاکہ وہ اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق زندگی گزارے۔ انسان اس دُنیا میں آزاد ہے اگر وہ اللہ کے طے شدہ نظام کے تحت زندگی گزارے گا تو اس کی آخرت اچھی ہو گی لیکن اگر اللہ کے نظام کی مخالفت کرے گا تو پھر اسے سزا ملے گی۔ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی سے بازپرس نہ ہو، لہٰذا منکرین اور کافروں کے لیے جہنم ہے۔ کوئی خلقت بغیر مقصد کے نہیں ہے۔اللہ ایسا خالق ہے جو حکیم ہے مجید ہے۔ بنیادی طور پر کائنات میں کسی بھی قسم کی خلقت کا بغیر مقصد کے خلق ہونا محال ہے لہٰذا یہ خیال کہ اس

کائنات کو بے مقصد خلق کیا گیا ہے، اس کی کوئی غرض و غایت نہیں ہے اور نہ ہی یوم حساب ہے ایسا خیال درست نہیں ہے۔ ایسے اعتقادات رکھنے والوں کے حال پر افسوس ہے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہو گا جس کا سبب وہ خود بنے ہیں۔

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ''کیا ہم ایمان لانے اور اعمال صالح بجا لانے والوں کو زمین میں فساد پھیلانے والوں کی طرح قرار دیں یا اہل تقویٰ کو بدکاروں کی طرح قرار دیں؟''

عدل الٰہی کا تقاضا

عقل اور حکمت کا تقاضا ہے کہ نیک اور ایماندار بندے، شریر اور مفسدوں کے برابر نہ ہوں۔ اسی لیے حساب وکتاب اور جزا وسزا کے دن کا ہونا ضروری ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بہت سے نیک اور ایماندار آدمی قسم قسم کے مصائب اور آفات میں مبتلا رہتے ہیں، اس بنا پر لامحالہ ماننا پڑے گا کہ موت کے بعد دوسری زندگی کی جو خبر مخبر صادق نے دی ہے وہ عین متقضائے حکمت ہے، وہاں ہی ہر نیک وبد کو اس کے برے بھلے کام کا بدلہ ملے گا۔ پھر یوم الحساب کی خبر کا انکار کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

اس آیت میں معاد کی دوسری دلیل بیان ہوئی ہے۔ یقیناً انسان بھی باقی موجودات کی طرح کمال تک پہنچنے کے لیے پیدا ہوا ہے اور انسان کا کمال یہ ہے کہ علم و عمل کے میدان میں اپنی بالقوہ استعداد کو حالت فعلیت میں تبدیل کرے۔ اسی لحاظ سے فقط مومن، صالح اور صاحبان تقویٰ انسان ہی مقام کمال کو پا لیتے ہیں۔ اس کے بر عکس زمین میں فساد پھیلانے والے اور اہل فسق و فجور انسانی کمال سے محروم اور ناقص ہیں۔ دنیا میں مادی نعمات سے

فائدہ اٹھانے میں مومن اور فاسق دونوں مساوی ہیں۔ اگر آخرت میں بھی ایسا ہی ہو تو یہ بے عدالتی ہو گی اور کمال کے مقام کو پا لینے والے مومنین کے حق میں ظلم ہو گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایک دن ایسا ہو جس میں سب کا حساب ہو اور سب کے درمیان ان کے اعمال کی بنیاد پر جدائی ڈالی جائے۔ ہر حقدار کو اس کا حق ملے۔ یہی عدل الٰہی کا تقاضا ہے اور خالق کائنات عادل ہے۔ اس کا ہر فیصلہ عدل پر مبنی ہے لہٰذا معاد کا وجود عدل کا تقاضا ہے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٩﴾

ترجمہ: ”یہ ایک ایسی بابرکت کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں تدبر کریں اور صاحبان عقل اس سے نصیحت حاصل کریں۔“

قرآن کے اُتارنے کا ہدف اور تعارف

قرآن ایک بابرکت کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ پورا قرآن کریم حضور پاک ﷺ پر نازل کیا اور پھر تدریجاً آیات کو آپ کے پاس لایا جاتا تھا۔ اس طرح قرآن کریم کا نزول تئیس سال میں مکمل ہوا۔ اس کی برکات خاص و عام سب کے لیے ہے۔ پچھلی آیات کو سامنے رکھ کر یہ بتایا جا رہا ہے کہ جب اللہ کے ہاں نیک اور بد ایک نہیں ہو سکتے تو ضروری تھا کہ حق تعالیٰ کی طرف کوئی کتاب ہدایت اتاری جائے جو لوگوں کو معقول طریقہ سے زندگی گزارنے کے قوانین بیان کرے۔ یہ کتاب قرآن مبین ہے جس کے الفاظ، حروف، نقوش، معانی اور مضامین سب میں برکت ہے۔ اس کتاب کے اتارنے کی غرض یہ ہے کہ لوگ اس میں غور کریں، صاحبان عقل اس کی نصیحتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ اس آیت کو پچھلی آیات کے تناظر میں دیکھ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح صاف اور شفاف اور فطری و معقول طریقہ سے معاد کے مسئلہ کو حل کیا گیا ہے۔ اس آیت میں تدبر سے قوت علمیہ اور تذکر سے

قوت عملیہ کی تکمیل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ باتیں حضرت ہود کے تذکرہ کے ذیل میں بیان ہوئی ہیں۔اس کے بعد اس کی تکمیل میں ارشاد ہوا ہے۔

وَوَهَبۡنَا لِدَاوٗدَ سُلَيۡمٰنَ ؕ نِعۡمَ الۡعَبۡدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ؕ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا جو بہترین بندے اور (اللہ کی طرف) خوب رجوع کرنے والے تھے۔“

اِذۡ عُرِضَ عَلَيۡهِ بِالۡعَشِىِّ الصّٰفِنٰتُ الۡجِيَادُ ۙ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: ”جب شام کے وقت انہیں عمدہ تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے،“

فَقَالَ اِنِّىۡۤ اَحۡبَبۡتُ حُبَّ الۡخَيۡرِ عَنۡ ذِكۡرِ رَبِّىۡ ۚ حَتّٰى تَوَارَتۡ بِالۡحِجَابِ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ”تو انہوں نے کہا: میں نے (گھوڑوں کے ساتھ ایسے) محبت کی جیسے خیر سے محبت کی جاتی ہے اور اپنے رب کے ذکر سے غافل ہو گیا یہاں تک کہ سورج پردہ میں چھپ گیا (اور نماز کا وقت گزر گیا)۔“

رُدُّوۡهَا عَلَىَّ ؕ فَطَفِقَ مَسۡحًۢا بِالسُّوۡقِ وَالۡاَعۡنَاقِ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ”(بولے) انہیں میرے پاس واپس لے آؤ، پھر ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔“

داؤدؑ پر اللہ کی مہربانیاں

ان آیات میں حضرت داؤدؑ کے واقعات بیان ہوئے ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کا تذکرہ ہوا ہے۔ اس حوالے سے اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ ہم نے داؤدؑ کو سلیمان جیسا بیٹا عطا کیا۔ سلیمان جیسے بیٹے کی نعمت کے علاوہ انہیں جہاد میں استعمال ہونے والے بہترین اصیل تندرو گھوڑے پیش کئے گئے جو اپنے پاؤں پر کھڑے چوتھا پاؤں اٹھائے ہوئے تھے، اس طرح کہ ان کے سموں کی نوک زمین پر لگے۔ حضرت سلیمانؑ گھوڑوں کے اس عجیب منظر کے نظارہ میں اس قدر گم ہوئے کہ اللہ کے ذکر اور نماز کا وقت گزر گیا اور آفتاب غروب ہو گیا۔ البتہ حضرت سلیمان کی گھوڑوں سے محبت اور توجہ بھی اللہ کے لیے تھی کیونکہ وہ ان گھوڑوں کو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے سدھار رہے تھے۔ حضرت سلیمانؑ کا گھوڑوں کے درمیان موجود ہونا بھی ایک طرح کی اللہ کی عبادت ہی تھی۔

بعض مفسرین کے نزدیک **"ردوھا"** سے یہ مراد ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت سلیمانؑ نے فرشتوں سے کہا کہ میرے لیے آفتاب کو واپس پلٹاؤ تاکہ اپنی نماز پڑھ سکوں۔ گردن اور پاؤں پر ہاتھ پھیرنے سے وضو مراد ہے۔ سورج واپس پلٹ آیا اور آپ نے نماز ادا کی۔ بعض مفسرین (تفسیر مجمع البیان ج ۸) کا کہنا ہے کہ واپس پلٹانے سے مراد یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے اپنے گھوڑے واپس لانے کا حکم دیا اور ان گھوڑوں پر خاص نشان لگا کر انہیں اللہ کی راہ میں وقف کر دیا تاکہ ان کا یہ عمل اس غفلت کا کفارہ بنے جو گھوڑوں کے معائنہ کی وجہ سے نماز پڑھنے میں تاخیر کا سبب بنی تھی۔ جبکہ کچھ مفسرین کے نزدیک اس سے یہ مراد ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے جہاد کے جذبہ کے تحت انہیں واپس بلایا۔ انہوں نے گھوڑوں سے بہت زیادہ محبت و پیار کیا ان کی پنڈلیاں اور گردنیں پوچھنے لگے ان پر پیار سے ہاتھ پھیرے۔ "حب الخیر" سے اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ خیر سے جہاد مراد

ہے۔ اس آیت کے متعلق تیسرا قول یہ ہے کہ جب گھوڑوں کے معائنہ کی وجہ سے حضرت سلیمان پر غفلت طاری ہو گئی اور وہ نماز کے وقت سے غافل ہوئے اور نماز کا وقت گزر گیا تو اس غفلت کا کفارہ اس طرح ادا کیا کہ گھوڑوں کو واپس بلایا اور تلوار سے ان کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹنا شروع کر دیں۔ شاید ان کی شریعت میں گھوڑوں کی قربانی جائز ہو اور انہوں نے کفارہ میں گھوڑوں کو قربان کیا ہو۔[1]

وَ لَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ وَ اَلْقَیْنَا عَلٰی كُرْسِیِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے سلیمان کو آزمایا اور ان کے تخت پر ایک جسد ڈال دیا پھر انہوں نے (اپنے رب کی طرف) رجوع کیا۔“

حضرت سلیمانؑ کا امتحان

بعض تفاسیر میں آیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی سو بیویاں تھیں۔ انہوں نے سوچا کہ ہر بیوی سے ایک بیٹا ہو تو میرے سو بیٹے ہوں گے، ان کو ساتھ لے کر اللہ کی راہ میں جہاد کروں گا لیکن اس کے ساتھ انہوں نے انشاء اللہ نہ کہا۔ اس لیے ان سو بیویوں میں سے فقط ایک کو حمل ہوتا اور اس سے بھی ناقص بچہ پیدا ہوتا تھا اور دائیہ مرے ہوئے بچے کو ان کے سامنے لا دیتی تھی۔ حضرت سلیمانؑ کو احساس ہوا کہ ان سے غلطی ہوئی ہے۔ فوراً اللہ کی طرف رجوع کیا اور اپنی بات پر انشاء اللہ نہ کہنے پر ندامت کی۔ جبکہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کا ایک بیٹا تھا جس سے وہ بہت محبت کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اسے موت دے دی اور اس کے جسد کو حضرت سلیمانؑ کے تخت پر پھینکا جاتا ہے تاکہ ان کو متوجہ کرایا

---

[1]۔ تفسیر روح المعانی۔

جائے کہ تمام معاملات ان کے ہاتھ میں نہیں ہیں۔ انہیں چاہیے کہ سارے امور کو اللہ کے سپرد کردے۔ اس حالت میں حضرت سلیمانؑ اللہ سے رجوع کرتے ہیں اور دُعا مانگتے ہیں۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: ”کہا: میرے رب! مجھے معاف کردے اور مجھے ایسی بادشاہی عطا کر جو میرے بعد کسی کے شایان شان نہ ہو، یقینا تو بڑا عطا کرنے والا ہے۔“

عظیم سلطنت کی خواہش

میرے رب! مجھے ایسی عظیم سلطنت عطاء فرمادے کہ کسی اور میں ایسی سلطنت لینے کی صلاحیت نہ ہو۔ یہ دُعا حضرت سلیمانؑ کے بخل و کنجوسی کی عکاس نہیں بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ خدا انہیں ایسی سلطنت عطا کرے جسے کوئی ان سے چھین نہ سکے، کیونکہ جابر حکمرانوں کا زمانہ تھا اور سلطنت کے چھن جانے کا خدشہ تھا۔ سلیمانؑ نبی زادے تھے اللہ نے ان کی دُعا کو قبول کیا کیونکہ انبیا کی دعا کا مقصد اللہ کی اطاعت ہی ہوتا ہے، انبیاء کا مطلوب اپنی شوکت ظاہر کرنا نہیں ہوتا بلکہ اللہ کے دین کو ظاہر کرنا، اسے غلبہ دینا اور قانون سماوی کو پھیلانا مقصود ہوتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کی دعاء بھی اسی تناظر میں تھی۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ”پھر ہم نے ہوا کو ان کے لیے مسخر کر دیا، جدھر وہ جانا چاہتے ان کے حکم سے نرمی کے ساتھ اسی طرف چل پڑتی تھی۔“

وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: ” اور ہر قسم کے معمار اور غوطہ خور شیاطین کو بھی (مسخر کیا)۔“

وَّاٰخَرِيۡنَ مُقَرَّنِيۡنَ فِى الۡاَصۡفَادِ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ” اور دوسروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔“

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامۡنُنۡ اَوۡ اَمۡسِكۡ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ” یہ ہماری عنایت ہے جس پر چاہو احسان کرو اور جس کو چاہو روک دو، اس کا کوئی حساب نہیں ہوگا۔“

وَاِنَّ لَهٗ عِنۡدَنَا لَزُلۡفٰى وَحُسۡنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ ع

ترجمہ: ” اور ان کے لیے ہمارے ہاں یقیناً قرب اور نیک انجام ہے۔“

حضرت سلیمانؑ کے اختیارات

ان آیات میں حضرت سلیمانؑ کی دعاء کی قبولیت اور ان کے اختیارات کا تذکرہ ہوا ہے :-

۱۔ ہوا ان کے حکم سے چلتی تھی، جہاں چاہتے تھے ہوا کے دوش پر چلے جاتے تھے۔

۲۔ جنات کو ان کے تابع کر دیا کہ وہ ان کے لیے کام کریں۔ ان میں سے کچھ تعمیراتی کام کرتے اور کچھ سمندروں سے موتی جواہر لانے پر مامور تھے کچھ دوسرے کام کرتے اور کچھ ان کے اوامر کی پیروی کرنے پر مامور تھے۔

۳۔ شرارتی اور سرکش جنات کو قید کر دیا جاتا تھا تاکہ وہ کسی قسم کا نقصان نہ دیں۔

۴۔ انہیں بے حساب نعمتوں سے نوازا گیا، ان کے پاس ہر چیز کی فراوانی تھی۔

۵۔ حضرت سلیمانؑ کو اختیار دیا کہ وہ اللہ کی عطاء کردہ نعمتوں کو جس طرح چاہیں خرچ کریں جسے چاہیں دیں، جسے چاہیں نہ دیں۔

۶۔ آخر میں حضرت سلیمانؑ کی تعریف کی گئی ہے کہ وہ اللہ کے اطاعت گزار بندے ہیں اور وہ مقام قرب پر فائز ہیں۔

۷۔ کیونکہ وہ اللہ کے نیک بندے تھے اور اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے لہٰذا ان کا انجام بھی بہت اچھا ہے۔

وَ اذْكُرْ عَبْدَنَاۤ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ؕ﴿۴۱﴾

ترجمہ: " اور ہمارے بندے ایوب کا ذکر کیجیے جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا: شیطان نے مجھے تکلیف اور اذیت دی ہے۔"

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: " ہم نے کہا اپنا پاؤں ماریں، یہ ہے ٹھنڈا پانی نہانے اور پینے کے لیے۔"

وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَ ذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: " ہم نے انہیں اہل و عیال دیئے اور ان کے ساتھ اتنے مزید دیئے اپنی طرف سے رحمت اور عقل والوں کے لیے نصیحت کے طور پر۔"

وَ خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَ لَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ''ہم نے کہا اپنے ہاتھ میں ایک گچھا تھام لیں اور اسی سے ماریں اور قسم نہ توڑیں، ہم نے انہیں صابر پایا، وہ بہترین بندے تھے، بے شک وہ (اپنے رب کی طرف) رجوع کرنے والے تھے۔''

حضرت ایوبؑ کا امتحان

اس جگہ پیغمبر اکرم ﷺ کے لیے حضرت ایوبؑ کے واقعہ کو بیان کیا ہے تاکہ وہ بھی نامساعد حالات اور مشکلات میں صبر کریں اور پریشان نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے ایوبؑ کو یاد کرو جب اس نے ہمارے سامنے درخواست پیش کی کہ ہم اس پر مہربانی کریں، اسے صحت و عافیت دیں، ان کی بیماری اور تکلیف و مصائب کو برطرف کردیں۔ آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے اپنی درخواست انتہائی ادب سے پیش کی۔ حضرت ایوبؑ نے عرض کیا کہ میرے رب! یہ شیطان ہی ہے جس نے مجھے اس تکلیف و اذیت میں ڈال دیا ہے جس وجہ سے میں خود بھی بیمار ہوا، مال مویشی جاتے رہے اولاد مر گئی۔ یہ ساری تکلیف کے طبیعی اسباب بھی تھے ان اسباب کے طول میں شیطان بھی تھا۔ (روایات میں آیا ہے کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ ایوب تیرا نیک اور بہت اچھا بندہ ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے پاس سب کچھ ہے، مال، مونس، اولاد، خاندان، بیوی بچے ہیں، خوش و خرم زندگی میں ہے۔ ساری نعمتوں سے بہرہ مند ہے۔ اگر ایوب بیماری میں مبتلا ہو، صحت نہ رہے، مال نہ رہے اولاد نہ رہے پھر دیکھا جائے کہ وہ تیرا نیک بندہ رہتا ہے؟ حضرت ایوبؑ کو شیطان کی اس حرکت کا علم تھا اسی لیے انہوں نے کہا کہ جو کچھ میرے اوپر آیا تو سب شیطان کی وجہ سے آیا) اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کی دُعا قبول کی، انہیں صحت کاملہ عطا کی، جسم سے بیماری جاتی رہی، ایوبؑ کھڑے بھی نہیں ہو سکتے تھے، ان سے کہا گیا کہ اپنے پاوں کو زمین سے رگڑو تاکہ ایک صاف و شفاف پانی کا چشمہ اُبل پڑے اس پانی سے پیو اور غسل کرو۔ اس عمل

سے وہ مکمل صحتیاب ہو گئے۔ نامساعد حالات میں ایک بیوی کے سوا سب گھر والے مر چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو ان کے لیے زندہ کر دیا اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اتنی تعداد میں اسے پوتے دیئے کہ سب نے ان کے گرد احاطہ کیا۔ اس بڑی نعمت کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ تاکہ انہیں اپنی خاص رحمت سے نواز دیں اور صاحبان عقل کے لیے یاددہانی ہو جائے اور لوگ حضرت ایوبؑ کی داستان سے نصیحت حاصل کریں اور ان کی داستان اللہ پر ایمان لانے کا ذریعہ بن جائے اور مومنین کے لیے صبر و استقامت کا سبب بنے۔

بیوی کو سو تازیانے مارنے کی قسم

حضرت ایوبؑ نے بیماری کی حالت میں قسم اٹھائی تھی کہ اگر وہ صحت یاب ہو گئے تو بیوی کو ادب سکھانے کے لیے اسے ایک سو تازیانے ماریں گے، جبکہ اللہ جانتا تھا کہ ان کی بیوی بے گناہ ہے۔ حضرت ایوبؑ سمجھ رہے تھے کہ ان کی بیوی نے گناہ کیا ہے اور اسے سزا ملنی چاہیئے جبکہ اس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا تھا؛ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: درخت کی ایک سو باریک اور نازک شاخیں لیں اور ان کا ایک دستہ اکٹھا بنالیں اور وہی بیوی کے بدن پر ایک ہی دفعہ مار دیں تاکہ اس طرح قسم بھی پوری ہو جائے اور وہ قسم توڑنے والوں میں سے نہ ہوں۔[1]

---

[1] ۔ تفسیر قمی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل ہوئی ہے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی حضرت یوسف علیہ السلام کی نواسی (پوتی) تھی، حسن وسیرت میں بے نظیر تھی مشکل ایام میں صدقہ کا روٹی کا ٹکڑا مانگ لاتی تھی جس سے اپنا اور اپنے شوہر کی بھوک مٹاتی تھی۔ ایوبؑ کا آخری امتحان یہ تھا کہ شیطان مرد کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اس کی بیوی کے سامنے آتا ہے جو بہت بھوکی تھی اور بہت ہی کمزور، اس نے کہا کہ روٹی کے ٹکڑے کے بدلے میں اسے اپنے سر کے بال تھوڑے سے کاٹ کر دے دے۔ مجبوری اور لاچاری کی حالت میں اس نے اپنے بال تھوڑے سے کاٹ کر اسے دے دیئے تاکہ ایوب کو بھوک سے بچالے۔ ایوبؑ نے جب اس کے بالوں کو کٹا ہوا دیکھا تو اس سے سوال کیا کہ بال کیوں کٹے ہیں؟

وَ اذۡکُرۡ عِبٰدَنَاۤ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ اُولِی الۡاَیۡدِیۡ وَ الۡاَبۡصَارِ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ”اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجیے جو طاقت اور بصیرت والے تھے۔“

اِنَّاۤ اَخۡلَصۡنٰہُمۡ بِخَالِصَۃٍ ذِکۡرَی الدَّارِ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: ”ہم نے انہیں ایک خاص صفت کی بنا پر مخلص بنایا (وہ) دار (آخرت) کا ذکر ہے۔“

وَ اِنَّہُمۡ عِنۡدَنَا لَمِنَ الۡمُصۡطَفَیۡنَ الۡاَخۡیَارِ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: ”اور وہ ہمارے نزدیک یقینا برگزیدہ نیک افراد میں سے تھے۔“

تین انبیاؑ کا تذکرہ

سارے انبیاءؑ اللہ کے برگزیدہ اور منتخب ہیں، اس مقام پر ان میں سے تین کا تذکرہ اس لیے کیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کا حوصلہ بڑھا دے۔ ان آیات میں چند باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ پہلی بات یہ کہ حضرت ابراہیم، اسحٰق، یعقوب بہت ہی طاقتور

ایوبؑ کی بیوی نے بتایا کہ روٹی کے بدلے میں بال کاٹ کر دیئے ہیں اور شیطان نے بھی ایوبؑ تک یہ بات پہنچائی۔ حضرت ایوب نے بغیر تحقیق اور وجہ کے دریافت کئے بیوی کو گناہگار قرار دے دیا اور قسم اٹھائی کہ اسے ایک سو تازیانے مارے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے وحی کرکے ایوبؑ کو اصل ماجرا سے آگاہ کیا کہ اس کی بیوی گناہگار نہیں ہے۔

اور مضبوط تھے۔ انہوں نے اپنی جسمانی طاقت کو اللہ کی اطاعت میں استعمال کیا، اللہ کی مخلوق کو خیر پہنچانے میں لگے رہے۔ دوسری بات حق کی تبلیغ میں بہت ہی کوشاں رہے۔ تیسری بات سورہ انبیاءؑ کی آیت ۷۳، ۷۲ کو ان آیات کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ امام تھے اور اللہ کی وحی کے ذریعے لوگوں کی ہدایت کرتے تھے۔ اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ وہ لوگوں کو صحیح راستہ کی ہدایت وحی سے حاصل شدہ فرامین کی روشنی میں کرتے تھے اور مال کی زکات دے کر اللہ کے بندوں کی خدمت کرتے، نماز قائم کرتے، خیرات دیتے اور نیک اعمال انجام دیتے تھے۔ چوتھی بات یہ کہ ان میں ایک ایسی صفت موجود تھی جس نے انہیں خالص و پاک کر دیا تھا اور وہ آخرت کی یاد میں ہمیشہ غرق رہتے تھے اور اپنے رب کو ہر وقت یاد کرتے تھے اسی وجہ سے راہ کمال کی انتہاء کو پہنچنے کے لیے بہت زیادہ سعی و کوشش کرتے تھے۔ بعض مفسرین[1] نے "دار" (گھر) سے دنیا مراد لیا ہے۔ اس بنا پر اس کا معنی یہ ہو گا کہ ہم انہیں دنیا کے گھر کے لیے خالص کر دیا ہے کہ جب تک دنیا باقی رہے گی ان کا ذکر خیر زبانوں پر جاری رہے گا۔ اور ان کی یاد کا باقی رہنا ان کے اچھے کاموں اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے، آخرت پر یقین رکھنے اور اللہ کو ہر وقت یاد کرنے کی وجہ سے ہے۔ لیکن پہلا معنی زیادہ مناسب ہے۔

اللہ کے مصطفیٰ بندے

اصطفاء، عقیدہ اور عمل دونوں میں اللہ کے حضور تسلیم محض ہونے کا لازمہ ہے۔ اگر انسان کا عقیدہ صحیح ہو اور اس عقیدہ کے مطابق عمل بھی انجام دے تو وہ آخرت کی یاد میں غوطہ ور رہتا ہے۔ اس میں اللہ کی لقاء (ملاقات) کا شوق ہوتا ہے اور اللہ کے بارے اس کی معرفت کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ اس میں صحیح اور عقائد حقہ کو غیر صحیح اور باطل عقائد سے جدا

---

[1]۔ مجمع البیان ج ۸۔

کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ راہ بندگی میں اللہ کی طرف سے بصیرت کا مالک بن جاتا ہے۔ لیکن جو اللہ کی یاد سے منہ موڑ لیتا ہے اور دنیا کی زندگی چاہتا ہے اس کی سمجھ کی انتہاء یہی مادی زندگی ہوتی ہے، وہ اسی پر اکتفاء کرتا ہے، مادیات میں اس طرح غرق ہوتا ہے کہ اللہ اور آخرت کو بھول جاتا ہے۔

وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ؕ﴿۴۸﴾

ترجمہ: ” اور (اے رسول) اسماعیل اور یسع اور ذوالکفل کو یاد کیجیے، یہ سب نیک لوگوں میں سے ہیں۔“

هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ۙ﴿۴۹﴾

ترجمہ: ”یہ ایک نصیحت ہے اور تقویٰ والوں کے لیے یقینا اچھا ٹھکانا (انجام) ہے۔“

جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ۚ﴿۵۰﴾

ترجمہ: ” وہ دائمی جنتیں ہیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے۔“

مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾

ترجمہ: ” ان میں وہ تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے اور بہت سے میوے اور مشروبات طلب کر رہے ہوں گے۔“

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: ” اور ان کے پاس نگاہیں نیچے رکھنے والی ہم عمر (بیویاں) ہوں گی۔“

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾

ترجمہ: "یہ وہ بات ہے جس کا روز حساب کے لیے تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔"

اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: "یقینا یہ ہمارا وہ رزق ہے جو ختم ہونے والا نہیں ہے۔"

انبیاء اللہ کے مکرم اور صالح بندے

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کا تذکرہ کیا ہے، ان کی خوبیاں بتائی ہیں کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھتے تھے، اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے، آخرت کی یاد میں رہتے تھے، تسلسل کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ اللہ نے انہیں چن لیا ہے، وہ خالص تھے، متقیوں کا انجام بہت اچھا ہے، قیامت کے دن ان کے لیے خوشخبری ہے، بہشت ان کا ٹھکانہ ہے، جیسے ہی وہ قیامت میں وارد ہوں گے انہیں آرام سے بہشت کی جانب لے جایا جائے گا، ان کے لیے بہشت کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے۔ قیامت میں اہل تقویٰ کے لیے بڑی نعمتیں ہیں، جب جنت میں داخل ہوں گے تو دنیا کے بڑے لوگوں کی طرح ان کا احترام ہو گا، ان کے لیے بہت ہی خوبصورت بیویاں ہوں گی، ان کے آرام کا ہر سامان مہیا ہو گا، گاؤ تکیئے لگے ہوں گے ان کے سامنے ہر قسم کے میوہ جات موجود ہوں گے، صاف و شفاف نہریں ہوں گی، خوبصورت سواریاں، دلبر اور انتہائی دلکش منظر کے ساتھ غلمان ان کے سامنے خدمت کے لیے موجود ہوں گے۔ بہشت میں اہل تقویٰ بیویاں اپنے بہشتی شوہروں سے راضی ہوں گی۔ وہ کسی اور کی طرف نہ دیکھیں گی۔ وہ عورتیں بہت ہی ناز و نخرے والی ہوں گی، اپنے شوہروں کے مناسب ہوں گی، حسن و جمال میں شوہر کے مطابق ہوں گی، یعنی ان کا حسن و جمال ان کے شوہر کے نور اور اس کی قدر و شان کی مناسبت سے ہو گا۔ وہاں ان سے خطاب ہو گا یہ وہ نعمات ہیں جن کا تمہیں دُنیا میں وعدہ دیا جاتا تھا۔ اہل تقویٰ کے لیے ختم نہ ہونے والا انعام ہے۔

هٰذَا ۭ وَ اِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿55﴾

ترجمہ: ’’ یہ تو (اہل تقویٰ کے لیے) ہے اور سرکشوں کے لیے بدترین ٹھکانا ہے۔‘‘

جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿56﴾

ترجمہ: ’’ (یعنی) جہنم جس میں وہ جھلس جائیں گے، پس وہ بدترین بچھونا ہے۔‘‘

هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّ غَسَّاقٌ ﴿57﴾

ترجمہ: ’’ یہ ہے کھولتا ہوا پانی اور پیپ جس کا ذائقہ وہ چکھیں‘‘

وَّ اٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ﴿58﴾

ترجمہ: ’’ اور اس قسم کی مزید بہت سی چیزوں کا۔‘‘

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿59﴾

ترجمہ: ’’ یہ ایک جماعت تمہارے ساتھ (جہنم میں) گھسنے والی ہے، ان کے لیے کوئی خیر مقدم نہیں ہے، یہ یقیناً آگ میں جھلسنے والے ہیں۔‘‘

قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿60﴾

ترجمہ: ’’ وہ کہیں گے: تمہارے لیے کوئی خیر مقدم نہیں ہے بلکہ تم ہی تو یہ (مصیبت) ہمارے لیے لائے ہو، پس کیسی بدترین جگہ ہے۔‘‘

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿61﴾

ترجمہ: ”وہ کہیں گے: ہمارے پروردگارا! جس نے ہمیں اس انجام سے دوچار کیا ہے اسے آگ میں دگنا عذاب دے۔“

وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿٦٢﴾

ترجمہ: ”اور وہ کہیں گے: کیا بات ہے ہمیں وہ لوگ نظر نہیں آتے جنہیں ہم برے افراد میں شمار کرتے تھے؟“

اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿٦٣﴾

ترجمہ: ”کیا ہم یونہی ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے یا اب (ہماری) آنکھیں انہیں دیکھ نہیں پاتیں؟“

اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿٦٤﴾

ترجمہ: ”یہ جہنمیوں کے باہمی جھگڑے کی حتمی بات ہے۔“

قیامت کے دن سرکشوں اور فاجروں کا حال

ان آیات میں قیامت کے دن شر پسندوں، سرکشوں اور فاجروں کے حالات کو بیان کیا گیا ہے۔ ان کا انجام بہت ہی برا ہے، وہ آتش کی گرمی کو محسوس کریں گے یہ آگ ہمیشہ ان کے ساتھ ہوگی، کتنا ہی برا بستر ہے جسے انہوں نے اپنے لیے تیار کیا ہے۔ کہا جائے گا کہ انہیں گندا، بدبودار، سخت گرم کھولتا ہوا پانی پلاؤ۔ اس کے بعد جہنمیوں کے آپس کے جھگڑے کو بیان کیا گیا ہے، جس میں تابع اور متبوع، سردار اور رعیت آپس میں جھگڑ رہے ہونگے۔ اللہ کا خطاب پہلے تو پیشواؤں سے ہوگا کہ دیکھو یہ وہ ہیں جنہوں نے تمہاری پیروی کی اور اب یہ جہنم کی طرف گروہ گروہ جا رہے ہیں۔ ان کے پیشوا کہیں گے ان کے لیے کوئی مرحبا اور خیر مقدم

نہیں۔ اس وقت پیروکار پیشواؤں کے جواب میں کہیں گے: وسعت و کشائش تم سے دور ہو، تنگ جگہ میں جاؤ کیونکہ یہ آگ تمہاری وجہ سے ہمیں ملی ہے، تم نے ہمیں اس آگ میں پھینکا ہے، ہم نے تمہاری پیروی کی اور اس آگ میں آگئے اور یہ بدترین قرارگاہ ہماری جگہ بنی۔ اس جگہ پیشواؤں کا جواب بیان نہیں کیا گیا لیکن سورہ صافات آیات ۲۹ ،۳۰ میں انکا جواب بیان ہوا ہے۔ پیشواان سے کہیں گے تم خود ہی اہل ایمان نہ ہوئے وگرنہ ہمارا تمہارے اوپر کوئی تسلط اور غلبہ نہ تھا۔ اس جگہ پیروکاروں کی بات کو نقل کیا گیا ہے کہ وہ پروردگار کے حضور عاجزی اور شرمندگی سے عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب! جو ہمارے اس عذاب کا سبب بنا ہے اسے دوبرابر عذاب دے اور انہیں ہم سے پہلے آگ میں ڈال دے۔

اہل دوزخ کا اپنی دُنیاوی کیفیت کو یاد کرنا

یہ دوزخی دنیا میں مومنین سے کہی گئی اپنی باتیں یاد کریں گے اور کہیں گے دنیا میں ہم جنہیں فسادی سمجھتے تھے وہ ہمیں اس جگہ نظر نہیں آرہے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم جن کا ٹھٹھہ مذاق اڑاتے تھے، جن کا مسخرہ کرتے تھے، ہم اس بارے غلطی پر تھے وہ تو اہل نجات ہیں یا وہ ہماری نظروں کے سامنے نہیں ہیں جس وجہ سے ہم ان کو نہیں دیکھ پا رہے؟ پھر فرمایا کہ دوزخیوں کے درمیان اس طرح کا جھگڑا یقیناً ہوگا، اس میں کسی قسم کی تردید و شک نہیں ہے۔ اس دن اس طرح کا جھگڑا اس وجہ سے ہوگا کہ ہر چیز کھل کر سامنے آئے گی۔ دنیا میں بھی وہ اس طرح آپس میں جھگڑتے تھے، ان کی طبیعت میں یہ بات موجود تھی، البتہ قیامت کے دن جب ہر شئی کھل کر سامنے آجائے گی تو ان کا آپس میں ایک دوسرے کو کوسنا اور اپنی غلطیوں کو دوسرے پر ڈالنا واضح امر ہے۔

مومنین آرام میں ہوں گے وہ تو جنت میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے، دعا دیں گے، پیاری پیاری باتیں کریں گے، لیکن جہنمی آپس میں لڑیں گے، ایک دوسرے کو غصے اور نفرت سے گھوریں گے، ایک دوسرے سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾

ترجمہ: ''آپ کہہ دیجیے: میں تو صرف تنبیہ کرنے والا ہوں اور یہ کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے جو واحد، قہار ہے۔''

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾

ترجمہ: '' وہ آسماں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا مالک ہے، وہ بڑا غالب، بڑا معاف کرنے والا ہے۔''

ہر قوم کے لیے ایک ہادی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دیا جارہا ہے کہ لوگوں کو یہ بات بتائیں کہ میں تو فقط تمہیں ڈرانے والا ہوں، اللہ تعالیٰ ہر قوم کے لیے ایک ہادی بھیجتا ہے اور میں بھی تمہارے پاس اللہ کی طرف سے تمہیں ڈرانے اور ہدایت دینے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ پیغام رسانی کے عوض میں تم سے کچھ بھی معاوضہ نہیں مانگتا تاکہ تم اسے بہانہ بنا کر میری دعوت سے رخ نہ موڑ لو۔

پیغام:

۱۔ ہر حال میں اللہ کے شاکر رہو اور ہر قسمی مصائب وآلام پر صبر کروں۔
۲۔ سب نعمتیں اللہ کے تذکرہ میں ہیں اور یہ سب ہی صالح، نیک و معصوم ہیں۔
۳۔ اللہ اپنے نیک بندوں کی دعاء سنتا ہے، قبول کرتا ہے،

۴۔ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ملے گا۔ اس میں کسی سے زیادتی نہ ہو گی۔

۵۔ خلق اور تدبیر کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ کائنات کی ہر شئی کو اللہ تعالیٰ نے عدل وانصاف کے تحت حکمت و مصلحت کو سامنے رکھتے ہوئے خلق کیا گیا ہے۔

۶۔ جھوٹوں، نافرمانوں کی اطاعت نہ کی جائے۔

۷۔ دنیاوی امام و پیشوا اپنے پیروکاروں کو کوئی فائدہ نہ دیں گے وہ جلد بیزاری کا علان کریں گے۔

۸۔ اللہ ہی غالب ہے، اللہ غفور و مہربان بھی ہے ۔اللہ اپنے بندوں پر رحمت ومغفرت اُتارتا ہے اور جلد ہی راضی ہو جاتا ہے اور توبہ کو قبول کرتا ہے۔

خدا واحد و قہار و یکتا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم کو بتایا کہ یاد رکھو! اللہ ایک ہے وہ یکتا ہے اور الوہیت میں وہ اکیلا ہے، تنہا وہی لائق عبادت ہے، وہ ہر شئی پر غالب اور قہار ہے اسلیے اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے اور عالم وجود میں کوئی چیز بھی اس کی نظیر، مماثل و مانند نہیں ہے ،اس کا کمال لامتناہی ہے اور وہ معبود برحق ہے، ہر چیز اس کے سامنے قانع و خاشع ہے اور سب اس کے بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا الوہیت اور عبادت میں یکتا ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کے سوا دوسرا کوئی معبود نہ ہو۔ حقیقت بات یہ ہے کہ اگر اسلام اور شرک میں کوئی اختلاف ہے تو وہ اختلاف الہ اور معبود کے مصداق میں ہے، اسلام کی نظر میں معبود کا مصداق اللہ تعالیٰ کی ذات سے منحصر ہے جبکہ مشرکین بہت سارے خداؤں کو الہٰ اور معبود مانتے ہیں۔

اللہ کی وحدانیت کی دلیل

ان آیات میں پورے جہاں کی تدبیر کو الوہیت اور معبودیت میں اللہ کی یکتایی کی دلیل قرار دی گئی ہے۔ پورا جہاں ایک نظم کے تحت چل رہا ہے اور کائنات میں تمام موجودات ایک دوسرے سے متصل اور مربوط ہیں۔ جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ پورے جہاں کا خالق اور مالک ایک ہے اور وہ ہی اس پورے جہاں کو ایک نظم کے ساتھ چلا رہا ہے۔ کیونکہ خلقت اور تدبیر ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔ تدبیر کا مطلب یہ ہے کہ تمام موجودات ایک کے بعد دوسرا، ایک نظم اور ترتیب میں ہر ایک اس جگہ پر ہو جو اس کے لیے مناسب ہے جس طرح انہیں خلق کیا گیا ہو۔ اس اعتبار سے خلقت اور تدبیر ایک ہی امر ہے، ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔ اور خلقت کا معنی عدم سے وجود میں لانا ہے۔ اس خلقت کا ترتیب وار ہونا، ایک نظم کے تحت ہونا ہر ایک کا اسی جگہ پر ہونا جو اس کے لیے مناسب ہو، کوئی دوسرے کے مزاحم نہ ہو اور ہر کوئی اپنا عمل جاری رکھے، یہ تدبیر ہے۔ تمام مشرکین اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کے پورے جہاں کا خالق ایک ہے اور وہ اللہ ہے لہٰذا پورے جہاں کا مدبر اور مدیر و رب بھی وہی ایک ہے۔ وہ قادر ہے جو ہر نعمت کا اضافہ بھی کر سکتا ہے اور ہر نعمت کو اٹھا بھی سکتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی اس جہاں میں مستقل تاثیر رکھنے والا نہیں ہے۔

عزیز و غفار اللہ

اس کے بعد اللہ کی دو صفات بیان ہوئی ہیں کہ اللہ عزیز یعنی ہر چیز پر غالب ہے۔ اس کے مقابلے میں ہر شیٔ کمزور اور اس کے حکم کی تابع ہے۔ گذشتہ سطور میں بیان ہوا کہ عبادت کسی کے سامنے خود کو جھکانا، اس کے سامنے اپنی ذلت و کمزوری کا اظہار کرنا، خود کو اس سے کمتر اور پست جاننے کے معنی میں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ سامنے والا باعزت، باوقار، غالب اور

زبردست ہے جس کے سامنے اظہار عجز کیا جارہا ہے۔ اب جبکہ اللہ کے سوا کوئی اور عزیز نہیں ہے، وہی عزیز مطلق ہے لہٰذا پورے جہاں کا معبود وہی ایک ہے۔

اللہ کی دوسری صفت غفار ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کو رحمت دینے میں وہ مستقل ہے اور اس کی رحمت کے خزانے کبھی خالی نہیں ہوتے اور اس میں سے کچھ کم نہیں ہوتا۔ وہی بخشنے والا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ہر آدمی مغفرت اور بخشش کے لیے اسی سے امید لگائے، اسی کی عبادت کرے کیونکہ عبادت کا ہدف معبود کا قرب حاصل کرنا اور معبود کی دوری کو ختم کرنا ہے اور یہ امر تو گناہ کی مغفرت سے عبارت ہے اور گناہ کو بخش دینا اللہ تعالیٰ کی شان ہے، پس اسی سے رابطہ کیا جائے۔

قُلۡ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيۡمٌ ۙ ﴿۶۷﴾

ترجمہ: ''کہہ دیجیے: یہ ایک بڑی خبر ہے''

اَنۡتُمۡ عَنۡهُ مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۶۸﴾

ترجمہ: '' جس سے تم منہ پھیرتے ہو۔''

قرآن کے متعلق بیان

اس آیت میں لوگوں کو یہ بتایا جارہا ہے کہ توحید کی جانب تمہیں دعوت دینا اور اس امر کے لیے قرآن کا تمہارے درمیان اللہ کی طرف سے نازل ہونا یہ ایک بہت بڑی خبر ہے جس میں تمہارے لیے رحمت اور خیر و برکت ہے۔ لیکن تم اسے غلط سمجھ رہے ہو اور دنیا و آخرت کی سعادت کی ضامن خبر کو ٹھکرا رہے ہو اس سے رخ موڑ رہے ہو۔

مَا كَانَ لِیَ مِنۡ عِلۡمٍۭ بِالۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰۤی اِذۡ یَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿۶۹﴾

ترجمہ: '' مجھے عالم بالا کا علم نہ تھا جب وہ (فرشتے) بحث کر رہے تھے۔''

اِنۡ یُّوۡحٰۤی اِلَیَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۷۰﴾

ترجمہ: ”میری طرف وحی محض اس لیے ہوتی ہے کہ میں نمایاں طور پر فقط تنبیہ کرنے والا ہوں۔“

پیغمبر اور وحی

ان آیات میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ میری تمام معلومات کا ذریعہ وحی ہے۔ میں جب انسان کی خلقت اور فرشتوں کے لیے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم اور وہاں پر فرشتوں کے اللہ سے سوال کرنے کے متعلق بات کرتا ہوں اس طرح کی اطلاع میرے پاس پہلے تو موجود نہ تھی اس کے متعلق تو اللہ نے مجھے وحی کے ذریعے آگاہ کیا ہے۔ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں، تمہیں خطرات سے آگاہ کرتا ہوں اور اللہ کی نافرمانی پر ملنے والی سزا سے تمہیں ڈراتا ہوں۔

پیغام:

۱۔ قرآن اللہ کی کتاب ہے اس میں بیان کردہ مطالب میں شک نہ کیا جائے۔

۲۔ رسول للہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر بیان اللہ کی جانب سے وحی شدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعہ اپنے رسول کو خلقت کے بارے تفصیلات سے آگاہ فرماتا ہے۔

۳۔ رسول اللہ کے پاس جو بھی معلومات ہیں وہ اللہ کی طرف سے عطاء کردہ ہیں۔

اِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِیۡنٍ ﴿۷۱﴾

ترجمہ: ”جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔“

فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ ﴿۷۲﴾

ترجمہ: ” پس جب میں اسے درست بنالوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تواس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔“

خلقت آدم اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ فرشتوں کی گفتگو

ان آیات میں آدم کی خلقت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو دئے گئے حکم کا تذکرہ ہوا ہے۔ فرشتوں نے اللہ کے حکم کی اطاعت کی جبکہ ابلیس نے اس حکم کو ماننے سے انکار کیا۔ اس جگہ حضرت آدمؑ کے لیے بشر کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی انسان کے بدن کی چمڑی ہے۔ انسان کی چمڑی اور اوپر والا حصہ باقی حیوانات سے مختلف ہے کیونکہ حیوانات کی جلد پر بال ہوتے ہیں، اون ہوتی ہے، جبکہ انسان کے بدن پر ایسا نہیں ہے اس لیے انسان کو بشر کہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی خلقت کے بارے میں فرشتوں کو بتایا کہ میں گیلی مٹی (کیچڑ، گارا) سے بشر کو خلق کررہا ہوں جب میں نے اس کے اعضاء کو متناسب و متعادل و بالترتیب بنادیا اور اس کی خلقت مکمل ہوئی اور میں نے اس میں (اپنی مخلوق) روح کو پھونک دیا تو تم سب اس کے سامنے سجدریز ہوجاو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ روح کے ساتھ متکلم کی ضمیر لگائی ہے کہ میری روح، روح اللہ کی مخلوق ہے اسے اپنی طرف نسبت دیکر اس مخلوق کو مقام و شرف بخشا ہے یعنی جب میں اس میں ایک شرافت مند روح ڈال دوں۔ تو تم سب اس کے سامنے سجدہ میں چلے جانا، اللہ کے اسی فرمان کے تحت سب فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا اور کسی نے خلاف ورزی نہیں کی لیکن ابلیس نے جو جنات میں سے تھا، حضرت آدمؑ کو سجدہ نہ کیا اس طرح اس نے اپنے باطنی کفر سے پردہ ہٹادیا۔ توابلیس راندہ درگاہ الٰہی بن گیا۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿٧٣﴾

ترجمہ: " چنانچہ تمام کے تمام فرشتوں نے سجدہ کیا"

اِلَّآ اِبۡلِيۡسَ ؕ اِسۡتَكۡبَرَ وَ كَانَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: " سوائے ابلیس کے جو اکڑ بیٹھا اور کافروں میں سے ہو گیا۔"

قَالَ يٰۤاِبۡلِيۡسُ مَا مَنَعَكَ اَنۡ تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ بِيَدَىَّ ؕ اَسۡتَكۡبَرۡتَ اَمۡ كُنۡتَ مِنَ الۡعَالِيۡنَ ﴿۷۵﴾

ترجمہ: " فرمایا: اے ابلیس! جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے اسے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا؟ کیا تو نے تکبر کیا ہے یا تو اونچے درجے والوں میں سے ہے؟"

قَالَ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ ؕ خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِيۡنٍ ﴿۷۶﴾

ترجمہ: " اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔"

قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا فَاِنَّكَ رَجِيۡمٌ ۚۖ ﴿۷۷﴾

ترجمہ: " فرمایا: پس نکل جا یہاں سے کہ تو یقینا مردود ہے۔"

وَّ اِنَّ عَلَيۡكَ لَعۡنَتِىۡۤ اِلٰى يَوۡمِ الدِّيۡنِ ﴿۷۸﴾

ترجمہ: " اور یوم جزا تک تم پر میری لعنت ہے۔"

ابلیس سے اللہ کا مکالمہ

جب ابلیس نے حضرت آدمؑ کو سجدہ نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے پوچھا کہ تو نے آدمؑ کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو خود کو بڑا سمجھتا ہے، تکبر کیا ہے یا تو عالین میں سے ہے؟ ابلیس نے جواب دیا کہ میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے خلق کیا ہے اور اسے گیلی مٹی سے۔ اس نے قیاس کیا اور آگ کو مٹی سے بہتر قرار دے کر اپنی برتری پیش کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے کہا میں نے آدمؑ کو اپنی قدرت مطلقہ سے خلق کیا ہے، میں نے اسے شرافت و مقام دیا ہے اور اس کی خلقت کا خاص اہتمام کیا ہے۔ تو نے تکبر کیا اور اس کو سجدہ نہیں کیا ہے، خود کو بڑا بنا لیا ہے جبکہ تیری شان تو اس سے بلند نہیں ہے۔ حضرت آدمؑ کو سجدہ نہ کرنے کے لیے ابلیس اپنی شرافت کا حوالہ دیتا تھا اور اس بیان اس سے اقرار نے کر لیا کہ اس نے اللہ کے فرمان کی خلاف ورزی کی ہے وہ اس سے غافل تھا کہ اللہ نے ایک خشک ڈھانچہ میں روح ڈالا تو وہ مخلوق زندہ ہو گیا۔ ابلیس کے جواب میں اس امر کا اشارہ بھی موجود ہے کہ اس کے خیال میں اللہ کے حکم کی اطاعت اس وقت واجب ہے جب وہ بر حق ہو اور وہ سمجھتا تھا کہ آدم کو سجدہ کرنا درست نہیں ہے اس لیے اس نے اللہ کے حکم کی اطاعت ضروری نہیں سمجھی۔ وہ تسلیم محض کی منزل پر نہ تھا اس طرح اس نے اللہ کی مالکیت اور اس کی حکمت کا انکار کیا اور یہی بات تمام گناہوں کی جڑ ہے کیونکہ معصیت اس وقت ہوتی ہے جب انسان اللہ کی عبودیت سے باہر نکل جائے۔

ابلیس کی سزا

اس نافرمانی پر اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو قرب کے مقام سے دور کر دیا اور ہمیشہ کے لیے اس پر پھٹکار کر دیا۔ مقام قرب سے دور کرنے کا معنی اللہ کی رحمت اور فرشتوں کے اجتماع سے باہر کرنا ہے۔ البتہ جیسا کہ دوسری آیات میں بیان ہوا ہے ابلیس جنات میں سے تھا، اس نے

ہزاروں سال اللہ کی عبادت کی تھی جس کے بدلے میں اسے یہ اجر ملا تھا اور وہ فرشتوں کا ہم نشین ہو گیا تھا۔ اس لیے جب فرشتوں کو سجدے کا فرمان دیا گیا تو وہ فرمان اس کے لیے بھی تھا کیونکہ وہ ان میں موجود تھا لیکن اس نافرمانی سے اس کی باطنی خباثت سامنے آگئی۔ اس بات کی اس طرح توجیہ کر سکتے ہیں کہ وہ پہلے سے ہی کافروں میں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی عبادت کے بدلے میں اسے قیامت تک زندہ رہنے کی مہلت دے دی ۔ اس بارے دیگر مقامات میں تفصیل بیان ہو چکی ہے۔

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾

ترجمہ: ” اس نے کہا: میرے رب! پس (ان لوگوں کے) اٹھائے جانے کے روز تک مجھے مہلت دے۔“

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۸۰﴾

ترجمہ: ”فرمایا: تو مہلت ملنے والوں میں سے ہے“

اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾

ترجمہ: ”معین وقت کے دن تک“

ابلیس کی درخواست

ابلیس کی اس درخواست سے چند مطالب سامنے آتے ہیں:۔

۱۔ ابلیس تسلیم کرتا ہے کہ کائنات کا نظم اور تدبیر اللہ کے پاس ہے۔

۲۔ ابلیس روز قیامت پر عقیدہ رکھتا ہے۔

۳۔ ابلیس کا عقیدہ ہے کہ اللہ اتنی لمبی عمر دینے کی قدرت رکھتا ہے۔

۴۔ ابلیس کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اگرچہ میں نے اللہ کے امر کی مخالفت کی ہے لیکن وہ اپنی کریمی سے میرے التجا کو ضرور قبول کرے گا۔

۵۔ ابلیس نے انسان کو گمراہ کرنے کے لیے اللہ سے مہلت مانگی ہے۔ لیکن وہ انسان کے اختیار اور ارادے کو سلب نہیں کر سکتا، وہ جس طرح چاہے اور جو کرنا چاہے آزاد نہیں۔ اس نے اللہ سے اپنی آزادانہ حرکت کی مہلت مانگی ہے اور اسے یہ مہلت مل گئی لیکن وہ انسان کو کسی کام پر مجبور نہیں کر سکتا ہے۔

۶۔ ابلیس کو وقت معلوم تک مہلت دی گئی ہے، وقت معلوم سے قیامت کا دن مراد نہیں ہے۔ جیسا کہ روایات میں آیا ہے کہ وقت معلوم سے مراد امام مہدی قائم (عج) کا زمانہ ہے کیونکہ جب آپ کا ظہور ہوگا تو دنیا سے شر کا خاتمہ ہوگا۔ چونکہ ابلیس شر پھیلانے کا ایک بڑا ذریعہ ہے اس کا بھی خاتمہ ہوگا۔ حضرت امام مہدی (عج) کے ہاتھوں زمانہ رجعت میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں بیت المقدس میں صخرہ کے مقام پر ابلیس کو قتل کیا جائے گا۔

۷۔ ابلیس کو دی گئی مہلت و اختیار کا برزخی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ مہلت وقت معلوم کے بعد ختم ہو جائے گی۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٢﴾

ترجمہ: "کہنے لگا: مجھے تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو بہکا دوں گا"

إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿٨٣﴾

ترجمہ: "ان میں سے سوائے تیرے خالص بندوں کے"

ابلیس کا اعلان

جب ابلیس کی درخواست قبول ہو گئی تو اس نے انسان کے ساتھ اپنی کھلی دشمنی کا اعلان کر دیا۔ وہ اپنے مذموم مقاصد پر پردہ نہیں ڈالا اور قسم اٹھا کر کہنے لگا کہ میں تمام انسانوں کو گمراہ کروں گا، تیرے راستہ سے انہیں بھٹکاؤں گا، تیری طرف انہیں آنے نہیں دوں گا، ان کے دلوں میں وسوسے ڈالوں گا، انہیں آخرت کا منکر بناؤں گا اور ان کو دھوکہ سے تجھ سے دُور کر دوں گا۔

اللہ کے مخلصین

ابلیس نے بعض انسانوں کو مستثنیٰ کیا اور کہا فقط تیرے خالص بندے جنہیں تو نے اپنے لیے خالص کر لیا ہے جن میں تیرے سوا کسی کا کوئی حصہ نہیں ہے وہ فقط تیرے ہیں اور تو ان کا ہے، تو ایسے افراد کو میں گمراہ نہیں کر سکتا اور ان میں میرا حصہ نہیں ہے۔ اس چیز کا اعتراف خود ابلیس کرتا ہے کہ انہیں میں گمراہ نہیں کر سکوں گا۔ مخلص بندوں کے متعلق وہ اپنی عاجزی کا اعتراف کر رہا ہے کہ ان تک اس کی رسائی نہیں ہے۔

پیغام:

۱۔ اللہ کے حکم کی نافرمانی کی سزا اللہ کی رحمت دوری ہے۔

۲۔ بعض دفعہ ایک گناہ سبب بن جاتا ہے کہ تمام نیک اعمال رائیگاں چلے جائیں۔ اس لیے انسان کو چوکنا رہنا چاہیے اور اللہ کی نافرمانی سے خود کو بچائے رکھے۔

۳۔ ابلیس کو مہلت دینے کا مطلب یہ نہیں کہ اسے انسانوں پر مکمل غلبہ دے دیا ہے بلکہ انسان کے پاس اختیار ارادہ کی طاقت ہے جسے انسان استعمال کر کے خود کو شیطان کے شر سے بچا سکتا ہے۔

۴۔ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اس سے مقابلہ کے لیے انسان کو ہر وقت تیار وآمادہ رہے۔

قَالَ فَالۡحَقُّ ۫ وَ الۡحَقَّ اَقُوۡلُ ۚ﴿۸۴﴾

ترجمہ: ”فرمایا: حق تو یہ ہے اور میں حق بات ہی کرتا ہوں“

لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكَ وَ مِمَّنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۸۵﴾

ترجمہ: ”کہ میں تجھ سے اور ان میں سے تیری پیروی کرنے والوں سے جہنم کو ضرور پر کردوں گا“

اللہ کے نافرمان بندوں کا ٹھکانہ

اللہ تعالیٰ نے واضح اعلان کیا ہے کہ اس کے حکم کی نافرمانی کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہے:

1. ابلیس جہنم میں ہوگا۔
2. ابلیس کی پیروی کرنے والے بھی جہنم میں ہوں گے۔
3. ابلیس کے سارے کارندے جہنم میں ہوں گے۔
4. اللہ کی مخالفت کرنے والوں کے لیے کوئی رعایت نہ ہوگی یہ فیصلہ اٹل ہے اس میں کوئی تبدیلی بھی نہیں ہوگی۔

پیغام:

اللہ کی مخالفت نہ کریں جس کسی نے بھی اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کی اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُتَكَلِّفِيۡنَ ﴿۸۶﴾

ترجمہ: " کہہ دیجیے: میں تم لوگوں سے اس بات کا اجر نہیں مانگتا اور نہ ہی میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں"

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۷﴾

ترجمہ: " یہ تو عالمین کے لیے صرف نصیحت ہے"

وَ لَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِیْنٍ ﴿۸۸﴾

ترجمہ: " اور تم اس خبر کے بارے ایک مدت کے بعد ضرور جان لوگے۔"

اللہ کا پیغام پہنچانے کی اُجرت

اللہ تعالیٰ ان آیات میں اپنے رسول ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمارہا ہے اے میرے حبیب ان سے کہہ دیجئے کہ میں تمہارے پاس اللہ کا پیغام دینے آیا ہوں، اس کام میں میری کوئی مادی غرض و مقصد نہیں ہے، میرا یہ کام دیکھاوا اور بناوٹ کے لیے بھی نہیں، میں اس کے بدلے دنیوی اجر کا مطالبہ بھی نہیں کرتا، میں ان افراد میں سے نہیں ہوں جو ظاہر داری اور بناوٹ سے کام لیتے ہیں۔ میں تو تمہارے پاس قرآن لے کر آیا ہوں جس میں تمہارے لیے یاد دہانی ہے، تمہیں غفلت سے جگانے کا سامان ہے، یہ قرآن تمام انسانوں کے لیے ہے، کسی خاص گروہ یا جماعت کے لیے نہیں ہے، یہ آسمانی کتاب عالمین کے لیے ہدایت ہے۔اس میں وعظ و نصیحت ہے، تذکُرّ ہے۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ معلوم ہو جائے گا کہ قرآن کی خبریں اور پیشین گوئیاں پوری ہو کر رہیں گی اور دین اسلام کے دیگر ادیان پر غلبہ پانے کے متعلق قرآن کریم کی خبر بھی سچ ثابت ہو گی۔ "بعد حین" "یعنی وقت گزرنے کے بعد" سے کیا مراد ہے؟اس بارے مفسرین نے چند احتمال دیئے ہیں:

1. اس سے روز قیامت مراد ہے۔

2. اس سے موت کا وقت مراد ہے۔
3. اس سے جنگ بدر کا دن مراد ہے۔
4. اور بعض کے نزدیک اس سے حضرت امام مہدی (عج) کے ظہور کا دن مراد ہے۔

اس کے علاوہ کچھ اور احتمالات بھی دیئے جاسکتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن میں مختلف خبریں ہیں، قرآن نے جس وقت یہ خبر دی تھی اس وقت تو وہ پوری نہ ہوئیں لیکن جب ان کا وقت آئے گا تو وہ ضرور پوری ہو جائیں گی۔ قرآن کریم کی پوری ہونے والی بعض پیشین گوئیوں میں سے جنگ بدر میں مشرکین کی ذلت و خوارگی اور روم پر مسلمانوں کا غلبہ قابل ذکر ہیں۔ موت کے وقت اور موت کے آنے کے بعد اور قیامت آنے پر قیامت کے دن کے بارے جو کچھ قرآن میں ہے وہ پورا ہو جائے گا۔ اسی طرح دین اسلام کا تمام ادیان پر عملی طور پر غالب آجانا، امام مہدی (عج) کے ظہور پر پورا ہو جائے گا۔

پیغام:

۱۔ قرآن سے وعظ و نصیحت لو، قرآن کو سمجھو اور قرآن نے جو خبریں دی ہیں اور ان میں جو پوری ہو چکی ہیں ان کو سامنے رکھ کر ان خبروں کی بھی تصدیق کرو جو ابھی تک پوری نہیں ہوئیں۔

۲۔ خود کو آخرت کے احتساب کے لیے ابھی سے ہی آمادہ کرلو۔

۳۔ اللہ کے ہاں کسی کے لیے کوئی رعایت نہیں ہے، اللہ پر ایمان لانا اور اس کے تمام فرامین کو تسلیم کرنا اور ان پر عمل کرنا ہی نجات کا واحد ذریعہ ہے۔ شفاعت بھی اللہ کے اوامر میں سے ایک امر ہے اس کا بھی اپنا مقام ہے۔ اللہ کے حضور تسلیم محض سے انسان کمال کی منزلیں پاسکتا ہے۔

سورۃ زمر

(مکی۔ کل آیات: ۷۵)

سورہ کے مطالب

اللہ کے دین میں اخلاص کی اہمیت' اللہ کی توحید اور الوہیت کے دلائل، مومن اور مشرکین کا تقابل اور ان کی حیات اور ان کی سزا و جزا کا تذکرہ، معاد کا بیان اور انسانوں کا دوبارہ زندہ کیا جانا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ①

ترجمہ: ''اس کتاب کا نزول بڑے غالب آنے والے اور حکمت والے اللہ کی طرف سے ہے۔''

ترجمہ:

کتاب خدا کی خصوصیت

یہ کتاب تدریجاً اتاری گئی ہے۔ البتہ قرآن کا نزول تدریجی اس بات سے منافات نہیں رکھتا ہے کہ ایک دفعہ مکمل کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک پر اتاری گئی ہو اور پھر تدریجاً اس کی آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بیان کی گئی ہوں اور اسی ترتیب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان آیات کو پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو۔ اللہ عزیز ہے، عزت والا ہے۔ اس نے قرآن کو مقام بلندی و عزت نازل کیا ہے۔ اللہ غالب ہے، زبردست ہے تو اس کی کتاب بھی غالب اور زبردست ہے اور اس کے احکام نافذ ہو کر رہیں گے اور سب پر غالب آئیں گے۔ اس کے نفاذ کو کوئی نہیں روک سکتا اور کوئی اس کے مقابل نہیں ٹھہر سکتا۔ اس کتاب کو بھیجنے والا حکیم ہے

۔اس کی کتاب حکمتوں سے بھری پڑی ہے۔اس کا مقابلہ کوئی بھی دوسری کتاب نہیں کر سکتی ہے۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰہَ مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ ؕ﴿۲﴾

ترجمہ: ”ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب برحق نازل کی ہے لہٰذا آپ دین کو اسی کے لیے خالص کرکے صرف اللہ کی عبادت کریں۔“

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ بات اسی طرح ہی ہے جس طرح ہم نے اس کتاب کو تم پر اتارا ہے جو حق پر مبنی ہے۔لہٰذا تم اللہ کی عبادت کرو۔اسی طرح دین کو اللہ ہی کے لیے خاص جانو۔اس میں کسی قسم کا شائبہ اور شک و تردید نہ ہو۔

اَلَا لِلّٰہِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ ؕ وَ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ۘ مَا نَعۡبُدُہُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلۡفٰی ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَحۡکُمُ بَیۡنَہُمۡ فِیۡ مَا ہُمۡ فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ۬ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِیۡ مَنۡ ہُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ ﴿۳﴾

ترجمہ: ”آگاہ رہو! خالص دین صرف اللہ کے لیے ہے اور جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اوروں کو سرپرست بنایا ہے (ان کا کہنا ہے کہ) ہم انہیں صرف اس لیے پوجتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرب بنادیں، اللہ ان کے درمیان یقینا ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں، اللہ جھوٹے منکر کو یقینا ہدایت نہیں کرتا ہے۔“

غیر اللہ کو اولیاء بنانا

یہ بات معلوم رہے اور اس میں کسی قسم کا شک نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ صرف خالصانہ عبادت کرنے والوں کی عبادت کو قبول کرتا ہے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اولیا بنایا اور ان کی عبادت کی تاکہ وہ انہیں اللہ کا قرب دلائیں تو خدا ایسے لوگوں کی عبادت کو کبھی بھی قبول نہیں کرے گا۔ بتحقیق اللہ ہی ہے جو ان کے درمیان موجود اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے اور یہ بات طے ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹے اور حقائق کا انکار کرنے والے کی ہدایت نہیں فرماتا ہے۔

رسول اللہؐ کا اعزاز

اس آیت میں اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھو اس کتاب کو ہم ہی نے تم پر نازل کیا ہے اور یہ کتاب ایسی ہے جس میں سب کچھ حق ہے، اس میں کچھ بھی باطل نہیں ہے۔ جب ایسا ہے تو آپ کو فقط اللہ کی عبادت کرنی چاہیے۔ دین (نظام) بس اللہ ہی کا دیا ہوا ہے۔ اس میں کسی اور کی شراکت نہیں ہے۔ یہاں پر دین سے مراد عبادت اور اللہ کی اطاعت ہے کہ دین جو ہمارا نظام ہے، ہم نے انسان کی زندگی کے لیے نظام بنایا ہے، اس میں صرف ہماری اطاعت ہونی چاہئے۔ اس میں کسی اور کی شراکت نہ ہو۔ انسانی معاشرہ کی سعادت کے لیے وہی طریقہ طے شدہ ہے جسے ہم نے بیان کیا ہے۔ ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اعزاز بخشا گیا ہے کہ آپؐ اپنی قلبی عبودیت اور اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں اور حالات میں اس بات کی پیروی کرتے ہو جس کا اللہ نے حکم دیا ہے، تم اس چیز کا اظہار بھی کرو۔ معلوم ہے کہ رسول اللہ اپنی عبادت اور زندگی کے تمام معاملات میں وہی انجام دیتے ہو جس کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اللہ ہی کے لیے دین کو خالص سمجھتے ہو اور اس کا اپنے عمل سے اظہار بھی کرتے ہیں۔

عوام کے لیے واضح اعلان

تیسری آیت میں یہ بات بیان کی جارہی ہے کہ سب لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کا یہی دین ہے۔ لہٰذا سب کو اللہ کی اطاعت اور بندگی کرنی چاہئے۔ اس کی عبادت شرک و ریاء وغیرہ سے پاک ہو اور رسول اللہ ﷺ کو کہا جارہا ہے کہ تم جہاں خود عمل کرتے ہو وہاں پر یہ اعلان کردو کہ اللہ صرف اس کی بندگی کو قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لیے ہو۔ جو عمل اخلاص سے خالی ہو اللہ کے ہاں اس کی کچھ حیثیت نہیں ہے۔

مشرکوں کا بیان اور اس کی حیثیت

مشرکین اور بت پرست ایک طرف تو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ زمین وآسمان کا خالق اللہ ہے لیکن پھر غیر اللہ کی پوجا پاٹ کرتے ہیں اور اس عمل کے متعلق یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم بڑے خدا کے نزدیک ہونے کے لیے ان جھوٹے خداؤں اور دیوتاؤں کی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس خیال کو رد فرمارہا ہے کہ ان کا خیال درست نہیں ہے۔ جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو پکارتے ہیں یا کسی اور کا سہارا لے کر اللہ کے قرب کو چاہتے ہیں وہ غلطی پر ہیں اور جھوٹے ہیں۔ مشرکین کی عبادت، بت پرستوں کی اطاعت درگاہ الٰہی میں قبول نہیں ہے۔ تم لوگ خالص توحید کے بارے میں جو عقیدہ رکھتے ہو اور جھگڑ رہے ہو اور اہل حق کے ساتھ اختلاف کر رہے ہو تو اسکا فیصلہ تم نے نہیں کرنا، اللہ نے کرنا ہے اور اس کا عملی فیصلہ آگے چل کر ہو جائے گا اور تمہیں پتہ چل جائے گا۔ جو لوگ سوچتے ہیں کہ غیر اللہ کو وسیلہ بنا کر اللہ کے قریب ہو جائیں گے، ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اور ان کے بنائے ہوئے اولیاء اور اہل حق مومنین کے درمیان فیصلہ دے گا اور ہر ایک کو اس کے عمل کی مناسبت سے سزا یا جزا دے گا اور اللہ تعالیٰ کی سنت رہی ہے کہ وہ جھوٹے اور کفران نعمت کرنے والے افراد کی ہدایت نہیں فرماتا۔ یقیناً قیامت کے دن اللہ کا فیصلہ مشرکین کے

خلاف آئے گا اور انہیں ہدایت کی جگہ گمراہی اختیار کرنے اور اللہ کی نعمتوں کا کفران کرنے کی وجہ سے آتش جہنم نصیب ہوگی۔

پیغام:

۱۔ اللہ کی عبادت و اطاعت میں کس کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

۲۔ خالص عبادت ہی اللہ کے ہاں قبول ہے۔

۳۔ غیر اللہ کو اپنا ولی و سرپرست نہ بناؤ۔

۴۔ جھوٹوں اور کفران نعمت کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

۵۔ قیامت کے دن فیصلہ اللہ نے دینا ہے گمراہوں کو ان کی گمراہی کی سخت سزا ملے گی۔

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰی مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۴﴾

ترجمہ: ”اگر اللہ کسی کو اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا منتخب کر لیتا، وہ پاکیزہ ہے اور وہ اللہ یکتا، غالب ہے۔“

اللہ کی کوئی اولاد نہیں

اولاد ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ والد اور اولاد کے درمیان شراکت موجود ہو۔ اگر اولاد حقیقی ہو تو وہ باپ سے مشتق (نکلنا) ہے۔ جس کا لازمہ یہ ہے کہ باپ اور بیٹے کے درمیان ذات اور ذاتی آثار میں شراکت ہو۔ اور اگر اولاد اعتباری ہو تو بھی بعض خصوصیات میں شراکت ضروری ہے، جیسے سیادت، مالکیت، آبرو، وراثت اور دوسری اعتباری اسناد ہیں جو قانونی حیثیت رکھتے ہونگے، جس بنیاد پر اس حیثیت کا اعتبار کیا گیا ہو۔ کیونکہ اس میں قرارداد

کے تحت ہی کچھ امتیازات ہوتے ہیں۔ جیسے سو روپے کا نوٹ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے اس پر لکھ دیا جاتا ہے کہ حکومت پاکستان کے پاس اعتبار یہ ہے کہ جس کے پاس کاغذ کا یہ ٹکڑا ہو اس کے لیے سو روپے مالیت بذمہ حکومت پاکستان ہوگی۔۔ اسی طرح اگر کسی کو اللہ کے بیٹے ہونے کا شرف مل رہا ہے تو یہ حقیقی نہیں بلکہ اعتباری ہے یعنی اس کا کچھ امتیاز ہوگا تو اس کے واسطے قرار پائے گا جسے اللہ کا بیٹا قرار دیا گیا ہے۔ اللہ کے لیے بیٹے کا ہونا دونوں لحاظ سے باطل اور محال ہے۔ اس آیت شریفہ میں اس تصور کو رد کرنے کے لیے. برہان استثنائی قائم کیا گیا ہے کہ اس میں پہلے نقیض مقدم کا استثنا ہوا ہے تاکہ نقیض تالی نتیجہ دے اس طرح کہ اگر خداوند تبارک و تعالیٰ اپنے لیے کسی کو بیٹا قرار دیتا تو اس کے لیے اپنی مخلوقات سے ہی کسی کو بیٹا بناتا لیکن اللہ کے لیے اپنے واسطے کسی کو بیٹا بنانا ممتنع و محال ہے کیونکہ وہ ہر نقص وعیب سے پاک ہے۔ (وہ کسی کا محتاج نہیں ہے)۔ وہ واحد ہے (اکیلا ہے) قہار ہے (سب پر غالب ہے) لٰہذا اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔

برہان استثناء کی وضاحت

اللہ سبحانہ اپنی ذات اور صفات میں پاک و منزہ ہے، کوئی بھی چیز اس کے مشابہ نہیں ہے۔ نہ ہی کسی چیز کی اس سے مشارکت ہے۔ اس کی صفات عین ذات ہیں، وہ تمام صفات جیسے علم و قدرت جو اس کی ذات کا لازمہ ہیں یا صفات فعل جیسے خلق، تدبیر، وہ ملک میں یگانہ اور واحد ہے۔ کسی موجود کی اس کے ساتھ مشارکت نہیں ہے۔ لہٰذا اللہ اپنی ذات و صفات وجودی سب میں مستقل ہے۔ مخلوقات مقہور اور مغلوب ہیں۔ مخلوقات میں سے کسی کا وجود مستقل نہیں ہے اور کوئی بھی االلہ سے مستغنی نہیں ہے۔ پورا جہاں ذلیل، مقہور، مملوک اور اس کا محتاج اور اس کا بندہ ہے لہٰذا اسے نہ تو کسی کو بیٹا بنانے کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی کو اپنا شریک ٹھہرانے کی ضرورت ہے۔

(خالق اور مخلوق کسی درجہ میں بھی ہوں ان میں نوعی یا جنسی اشتراک نہیں ہوتی۔ پھر وہ آپس میں باپ بیٹا کیسے بن سکتے ہیں، جب خالق اور مخلوق میں ایسا تعلق محال ہے تو اللہ کے لیے ایسا ارادہ کرنا بھی محال ہے۔ دوسری بات یہ کہ اولاد بنانے کی غرض اور حاجت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ تو کسی کا محتاج نہیں ہے وہ سب پر غالب ہے وہ اپنے لیے اولاد کیسے قرار دے سکتا ہے؟)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَى النَّهَارِ وَ یُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّیْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ۝۵

ترجمہ: ”اسی نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے، وہی رات کو دن پر پلٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا ہے، یہ سب ایک مقررہ وقت تک چلتے رہیں گے، آگاہ رہو! وہی بڑا غالب آنے والا اور معاف کرنے والا ہے۔“

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ؕ یَخْلُقُكُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝۶

ترجمہ: ''اسی نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا اور اسی نے تمہارے لیے چوپاؤں میں سے آٹھ جوڑے بنائے، وہی تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں میں تین تاریکیوں میں ایک خلقت کے بعد دوسری خلقت دیتا ہے، یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے، اسی کی بادشاہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟''

(اتنی ساری نشانیاں تو تمہارے سامنے موجود ہیں جن میں غور کرنے سے تم ہدایت پا سکتے ہو)

اللہ کی ربوبیت اور معاد کا ثبوت

ان دو آیتوں میں دو اہم اور بنیادی نکات بیان ہوئے ہیں۔

۱۔ ربوبیت اللہ کے ہاتھ میں ہے لہٰذا پرستش اور تدبیر بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

۲۔ معاد میں سب کو واپس پلٹ کر آنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے زمین اور آسمانوں کو برحق خلق کیا ہے یعنی ان کی خلقت کا ہدف ہے۔ اسی کے ضمن میں معاد اور دوبارہ اٹھائے جانے کا مسئلہ پیش ہوا ہے اس بات کو جاری رکھتے ہوئے نمونہ کے طور پر آسمانوں میں اللہ کی تدبیر کا حوالہ دیا گیا ہے کہ دن اور رات کا وجود میں آنا، سورج اور چاند کا اپنے مرکز میں حرکت کرنا کسی ہدف کے تحت ہے۔ تکویر کسی چیز کو دوسری چیز پر اسی طرح ڈال دینے کو کہتے ہیں کہ وہ اس میں چھپ جائے، یعنی جسے پھینکا گیا ہے وہ اسے اپنی لپیٹ میں لے لے۔ اللہ تعالیٰ رات کو دن پر ڈال دیتا ہے تو دن چھپ جاتا ہے اور دن کو رات پر ڈال دیتا ہے تو رات چھپ جاتی ہے۔ شب و روز کی پیدائش مسلسل اور بغیر انقطاع کے ہے۔ اس میں یہ نکتہ بھی پوشیدہ ہے کہ کرہ زمین پر کہیں رات تو کہیں دن ہے۔ جس حصہ پر رات چھا جاتی ہے دن غائب ہو جاتا ہے اور جس حصہ پر

دن ہوتا ہے تو رات پردے میں چلی جاتی ہے۔ یہ ایک چکر ہے جو مسلسل چل رہا ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی الوہیت میں یگانگی اور جہان میں نظم کی برقراری کی روشن اور واضح دلیل ہے۔ اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سورج اور چاند کو مسخر (کنٹرول) کیا ہے۔ تاکہ یہ دونوں زمین پر حاکم نظام کو جاری رکھ سکیں۔ ان دونوں کی حرکت کی مدت معین ہے اس معینہ مدت سے وہ نہ آگے بڑھتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹتے ہیں۔ یہ بھی اللہ کی ربوبیت پر دلیل ہے کہ وہی ذات جس نے نظام ہستی کو بنایا ہے وہی اسے چلا رہی ہے۔ اس کے بعد اللہ کی دو صفات بیان کی گئی ہیں۔ اللہ عزیز یعنی عزت والا اور غالب آنے والا ہے، وہ کبھی شکست نہیں کھاتا، ذلت اس کے مقام ربوبی سے دور ہے، وہ غفور یعنی بخشنے والا ہے تاکہ انسان بخشش اور معافی کی امید سے اس کی طرف رجوع کرے، اس پر ایمان لے آئے تاکہ وہ اپنی عزت کی بلندی و برتری سے اس کے گناہوں کو معاف کردے۔

اردو تراجم میں اس طرح اس آیت ۴ اور ۵ کا ترجمہ لکھا ہے جس میں اوپر ذکر کئے گئے سارے مفہوم کو بیان کر دیا ہے۔ مغرب کے وقت مشرق کی طرف دیکھو۔ معلوم ہوگا کہ افق سے ایک چادر تاریکی کی اٹھتی چلی آرہی ہے۔ اور اپنے آگے سے دن کی روشنی کو مغرب کی طرف لپیٹتی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح صبح صادق کے وقت نظر آتا ہے کہ دن کا اجالا رات کی ظلمت کو مشرق سے دھکیلتا ہوا آرہا ہے۔ ایک پر دوسرا چلا آتا ہے۔ کچھ ٹوٹتا نہیں۔ اس زبر دست قدرت سے اللہ نے نظام قائم کیا ہے اور اسے تھام رکھا کہ لوگوں کے لیے اس میں نشانیاں ہیں اگر یہ سارا نظام ہی درہم برہم کر دیا جائے تو کائنات کا وجود نابود ہو جائے گا لیکن اللہ بڑا ہی بخشنے والا ہے وہ ایسا نہیں کرتا۔ اور وہ مدد کرنے والا ہے اپنی شان عفو وی و درگذر کرنے کی ریت۔

(انسان کو مہلت دین کے لیے البتہ ایسا دن آئے گا کہ وہ خود اس سارے نظام کو لپیٹ کر رکھ دے گا اور پھر دوبارہ سب کو حساب دینے کے لیے اٹھائے گا۔

انسان کی خلقت اور اس کے فائدہ کے لیے چوپاؤں کی خلقت کا تذکرہ: اللہ تعالیٰ نے اس آیت مین انسان کی خلقت اور چوپاؤں کی خلقت کو اللہ تعالیٰ کی توحید ربوبی کے لیے دلیل قرار دیا ہے۔ ارشاد تعالیٰ ہے۔

آپ سب بنی نوع انسان کو ایک تن (حضرت آدمؑ) کو خود ان کی (حضرت آدمؑ) کی جنس سے قرار دیا ہے۔ آٹھ جوڑے چوپاؤں کے خلق فرمائے۔ نر و مادہ بنائے۔ اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ بکری، گھوڑا خچر، اپنی رحمت کے بڑے بے کراں خزائن سے ان چوپایوں کو انسانوں کے فائدے کے لیے زمین پر اتارا۔ اس میں خطاب تو انسان کے لیے ہے لیکن حیوانات میں بھی ایسا ہی ہے۔ کیونکہ تمام انواع پر عقل رکھنے کی وجہ سے انسان کے لیے اولیت ہے اسی خدا نے تمہیں تین تاریکیوں کے اندر پروان چڑھایا جہاں تم خلقت کے ایک مرحلے سے گزر کر دوسرے مرحلے میں داخل ہوتے رہے اس سے مراد جنین کی تخلیق کے مراحل ہیں جو نطفے سے شروع ہوتے ہیں پھر علقہ پھر مضغہ پھر عظام پھر ان کے اوپر لحم کا چڑھایا جانا اور روح بدن میں ڈالا جانا مراد ہے اور ان تین تاریکیوں سے مراد ماں کا پیٹ، رحم اور جھلی ہے۔ جھلی میں بچہ کی حفاظت کی جاتی ہے۔ جھلی رحم میں ہوتی ہے اور رحم ماں کے شکم میں ہے۔ یہ وہی تاریکیاں ہیں جھلی سمیت بچہ ماں کے شکم سے باہر آتا ہے۔ اور جھلی باہر آکر پھٹتی ہے اور اس سے بچہ باہر آکر اپنی زندگی کا اعلان رو کر کرتا ہے کہ میں بھی آگیا ہوں۔ ایک نیا انسان بشری کاروان کا حصہ بنتا ہے پھر یہ انسان کن کن مراحل سے گزرتا ہے تم ذرا غور تو کرو ایسا باتدبیر خالق ہی تو تمہارا اللہ ہے وہی تمہارا رب ہے۔ اس نے یہ سارا نظام بنایا ہے۔ پورے جہاں میں تصرف فقط اسی کا ہے۔ کسی اور کا اس میں دخل نہیں ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کیونکہ الوہیت اور معبود ہونا فرع ہے ربوبیت کی۔ جس کے ہاتھ تدبیر نظام ہے، جو نظام کو

چلاتا ہے جس کا قانون ہے تو وہی مالک ہے جو مالک ہے وہی خالق ہے۔ جب سارے امور کی تدبیر اللہ کے پاس ہے تو اس کی رضا کی خواہش عین فطرت ہے۔ اور اس کی ناراضگی سے بچنے کی خواہش طبعی ہے۔ عبادت یا طمع سے ہوگی یا خوف سے یا پھر اس کی بے حساب نعمات و عنایات کا شکر بجالانے کے لیے عبادت ہوگی۔ بس اللہ ہی ہے کہ انسان جس سے کچھ حاصل کرنے کے لالچ میں یا اس کے غضب سے بچنے کے لیے یا اس کی نعمات کا شکر بجالانے کے لیے اسی کی عبادت کرے۔ لہٰذا ان روشن اور واضح دلائل کے ہوتے ہوئے تم کس طرح اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر غیر اللہ کی عبادت کرنے جاتے ہو۔ جبکہ تمہارا رب تمہارا مالک، تمہارا خالق اور تمہارے اوپر حاکم تو اللہ ہے پس اللہ ہی کی عبادت کرو کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْكُمْ ۫ وَ لَا یَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَ اِنْ تَشْكُرُوْا یَرْضَهُ لَكُمْ ؕ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۷

ترجمہ: ''اگر تم (ان تمام نشانیوں کے باوجود) کفر کرو تو یقیناً اللہ تم سے بے نیاز ہے (اسے تمہاری ضرورت نہیں) اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو (اس کی اطاعت میں آجاؤ اس کی عبادت کرو) تو وہ اسے تمہارے لیے پسند کرے گا اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تمہیں اپنے رب کی بارگاہ کی طرف لوٹنا ہے (جب تم اس کے پاس پہنچو گے) پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو، یقیناً وہ دلوں کا حال خوب جاننے والا ہے۔''

اللہ کی بے نیازی اور انسان کی احتیاج کا تذکرہ

اس آیت میں ایک شبہ کا جواب دیا گیا ہے کہ شاید کوئی یہ خیال کرے کہ اللہ کو انسانوں کی عبادت کی ضرورت ہے۔ اس لیے انہیں اپنی توحید کی طرف دعوت دیتا ہے۔ لہٰذا واضح بتایا گیا کہ اللہ تمہاری عبادت کا محتاج نہیں ہے۔ بلکہ یہ دعوت اس لیے کہ خدا کی انسان پر شفقت و مہربانی و عنایت ہے۔ یہ انسان اپنے اختیار سے سعادت مند زندگی پائے اور کمال کی منزلیں طے کرے۔ اسی لیے سارے انسانوں کو اس جگہ خطاب کیا گیا ہے کہ اگر تم سب اللہ کا کفر کروگے اور اسے یگانہ و یکتا نہ مانوگے تو معلوم رہے کہ اللہ تعالیٰ ذاتاً تم سے بے نیاز ہے۔ اس کی قدرت ہر قسم کی احتیاج سے منزہ و پاک ہے وہ سبحان ہے۔ لہٰذا تمہارے ایمان لانے سے اس کو کچھ فائدہ نہ ہوگا ور تمہاری معصیت و نافرمانی سے اسے کچھ نقصان نہ ہوگا۔ ان سب کچھ کے باوجود وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا ہے کہ اس کے بندوں اس کی نعمتوں کا کفر کریں اور ناشکرے بنیں وہ یہ بات پسند کرتا ہے کہ اس کے بندوں اس کی نعمات پر شکر گزار بنیں۔ اللہ کی عبادت کا تقاضا ہے کہ انسان کو اس کمال تک پہنچائے جس کے لیے اس انسان کو خلق کیا ہے۔ اسی دلیل کے تحت اگر تم بندگی کا تقاضا پورا کرو۔ دین میں اخلاص ہو۔ اللہ کے شاکر بنو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اس عمل کو پسند کرتا ہے۔ تمہیں تمہاری مطلوبہ سعادت اور جو تمہارے بارے میں کمال مد نظر ہے اس تک پہنچادے گا۔ اللہ کا شکر تب ہی ہوگا کہ اللہ پر ایمان لے آؤ اور اس کی نعمات کے کفران کا مطلب یہ ہوتا کہ تم اللہ کے منکر ہو اور کسی ربوبیت کے قائل نہیں ہو۔

کسی کا گناہ دوسرے کے سر نہیں تھوپا جائے گا

اس کے بعد ایک اور معاشرتی مسئلہ کو بیان کیا ہے کہ جس نے غلطی کی ہے اس کا خمیازہ اسے ہی بھگتنا ہوگا۔ کوئی بھی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ مالک کو اپنے گناہ کا نتیجہ بھگتنا ہوگا سرانجام قیامت کے دن تم سب لوگوں نے اللہ کے پاس ہی پہنچنا ہے اور وہاں پر تمہارا حساب ہونا ہے اور تمہارے اعمال کی حقیقت وہاں پر تمہارے لیے ظاہر ہوگی اور تمہارے دلوں میں جو کچھ چھپا ہوا تھا اور اعمال کے بارے میں جو تمہاری نیت تھی اس کے مطابق تمہارا حساب ہوگا۔ ہر ایک کو اپنا اپنا حساب دینا ہوگا۔ وہاں پر کوئی کچھ نہیں چھپا سکے گا۔ اللہ دلوں کے راز سے آگاہ ہے اور وہاں سب کا پردہ چاک ہوگا۔ جس نے جو کیا ہے اس سے اسی کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔

وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِیْبًا اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِیَ مَا كَانَ یَدْعُوْۤا اِلَیْهِ مِنْ قَبْلُ وَ جَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِیْلًا ۖۗ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۞

ترجمہ: ''جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف رجوع کرکے اسے پکارتا ہے، پھر جب وہ اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت دیتا ہے تو جسے پہلے پکارتا تھا اسے بھول جاتا ہے اور اللہ کے لیے شریک بنانے لگتا ہے تاکہ اس کی راہ سے (دوسروں کو) گمراہ کردے، کہد یجیے: اپنے کفر سے تھوڑا سا لطف اندوز ہو جا، یقیناً تو جہنمیوں میں سے ہے۔''

انسان کی کمزوری اور ناشکری کا بیان

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی کمزوریوں کو بیان کیا ہے کہ اس کی حالت یہ ہے کہ جب اس پر مصیبت آتی ہے حالات اس کے ناموافق ہو جاتے ہیں۔، قحط و بیماری اور دوسری تکالیف کا اسے سامنا ہوتا ہے تو اس سخت پریشانی کی حالت میں اسے اللہ یاد آتا ہے۔؛ وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ لمبی لمبی دعائیں مانگتا ہے۔ اللہ کے حضور گریہ وزاری کرتا ہے کہ اللہ اسے مشکل سے نکال دے۔ اس حالت میں وہ اپنی پریشانیوں کا مداوا صرف اللہ سے ہی چاہتا ہے۔ کسی اور سے نہیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ اسے نعمت سے نوازتا ہے۔ اس کی پریشانی کو دور کر دیتا ہے تو وہ خوشحالی کے عالم میں اللہ کی دی ہوئی نعمات سے بہرہ ور ہتا ہے اور اس قدر خوشحال ہوتا ہے کہ اپنی سابقہ حالت کو بھول جاتا ہے ا۔ اللہ کے لیے شرکا بنالیتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ یہ اللہ کے امر سے الوہیت اور ربوبیت میں اللہ کے شریک ہیں۔ اس طرح کی حالت جس میں آتی ہے تو یہ سبب بنتی ہے کہ دوسرے لوگ بھی اللہ سے روگردانی کرلیں اور وہ بھی اسی کی پیروی کرنے لگ جاتے ہیں۔ طبعی اسباب پر اپنے مسائل کو حل کرنے کو موثر حقیقی سمجھ لیتے ہیں اور انہیں اپنا رب بنا لیتے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے کہ ان کافروں کو بتادیں کہ تم چند روز کے لیے مزے لے لو۔ا۔ لذتوں میں چند دن گزار لو۔

غافل انسان تم اسی بے خبری میں رہو اور اپنے کفر کے گرداب میں پھنسے رہو اور خر مستی میں اپنے رب کو بھول جاؤ کیونکہ یہ سب کچھ عارضی ہے۔ اس نے ختم ہو جانا ہے۔ آخر کار تمہارا ٹھکانہ آتش جہنم ہی ہے۔ تم نے عمل سے اسی جگہ کو حاصل کرنے کے لیے پوری سعی و کوشش کی ہے تو اب تم ہمیشہ کے لیے اس جہنم میں جلو، سڑو مروگے کبھی بھی آرام و سکون تمہیں نصیب نہ ہوگا۔ اس پیغام میں ایسا انداز ہے جو بھٹکے ہوؤں کو اصلی راستہ پر لانے کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔

اَمَّنۡ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیۡلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا یَّحۡذَرُ الۡاٰخِرَۃَ وَ یَرۡجُوۡا رَحۡمَۃَ رَبِّهٖ ؕ قُلۡ هَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ؕ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۹﴾

ترجمہ: ''(مشرک بہتر ہے) یا وہ شخص جو رات کی گھڑیوں میں سجدے اور قیام کی حالت میں عبادت کرتا ہے، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت سے امید لگائے رکھتا ہے، کہد یجیے: کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے یکساں ہو سکتے ہیں؟ بے شک نصیحت تو صرف عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔''

عبادت کرنے والا اور غافل، عالم و جاہل کا تقابل

آیت میں لفظ قنوت آیا ہے جس کا معنی ہمیشہ عبادت میں مشغول رہنا۔ آناء کا معنی اوقات ہے۔

اس آیت کا تعلق بھی پچھلی آیت سے ہے ایک سوال انکاری کیا گیا ہے کہ ایک تو وہ انسان ہے جو اللہ کو یاد نہیں کرتا۔ اللہ کو بھلایا ہوا ہے اور دوسرا وہ جو مسلسل اللہ کی عبادت میں رہتا ہے ۔ دعائیں مانگتا ہے۔ سجدے کرتا ہے۔ رات کو قیام ور کوع کی حالت میں گزارتا ہے۔ اسے ہر وقت آخرت کی فکر لگی رہتی ہے۔ اللہ کی پکڑ کا اسے خوف ہوتا ہے۔ اسے معاد کا یقین ہے۔ اللہ کی رحمت کا امیدوار ہے۔ اسے یقین ہے کہ اس کے تمام کاموں کا مدبر اللہ ہے اور وہ بڑا ہی مہربان ہے۔ وہ ایمان پر ہے اور عمل صالح اللہ کے کرم سے اچھے ہوئے ہیں۔ مال دنیا عارضی ہے۔ دنیا کے لیے ہے۔ ایسا شخص اور کافر برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ بڑی واضح بات ہے۔

لیکن اس تذکر اور یاد دہانی سے صرف صاحبان عقل و خرد ہی استفادہ کرتے ہیں۔ عقلمندوں اور علما کی جاہلوں پر برتری اس حوالے سے ہی ہے کہ علماء معاملات کے حقائق سے

تذ کر لیتے ہیں۔ حقائق کا اثر لیتے ہیں۔ اسی لیے تذ کر تعقل سے جدا نہیں۔ ان سب میں نشانیاں ہیں۔ ان کے لیے جو قلب سلیم کے مالک ہیں اور سننے والے کان رکھتے ہیں۔ اور یہی گواہ ہونگے۔ سورہ ق میں آیا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ (سورہ ق/37)

ترجمہ: ''بلاشک وتردد اس میں یادآوری ہے۔ اس کے لیے جس کا قلب سلیم ہے اور اس نے سننے پر کان دھرا ہے۔ (توجہ سے بات کو سنا ہے) اور وہی تو اس بات پر گواہ ہے (کہ پورا جہاں اللہ کے دیئے ہوئے نظم پر چل رہا ہے اور اللہ ہی رب العالمین ہے)''

قُلْ یٰعِبَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّکُمْ ؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ ؕ وَ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''کہہ دیجیے: اے میرے مومن بندو! اپنے رب سے ڈرو، جو اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لیے بھلائی ہے اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے، یقینا بے شمار ثواب تو صرف صبر کرنے والوں ہی کو ملے گا۔''

مومنین کے لیے اللہ کا پیغام

اس جگہ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ مومنین تک اللہ کا پیغام پہنچا دیں کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ یعنی اللہ کے اوامر کی پیروی کریں اور اللہ نے جن کاموں سے منع کیا ہے وہ کام انجام نہ دو کیونکہ جو لوگ مسلسل نیک عمل بجالاتے ہیں ان کے عقیدہ اور عمل میں ہم آہنگی ہے۔ اچھائی کو اختیار کرتے ہیں ان کے لیے ایسا رب ہے جس کی توصیف نہیں کی جاسکتی۔ دنیوی اور اخروی فوائد ان کے نصیب ہوتے ہیں۔ جیسے نفس کی پاکیزگی، روح کی

سلامتی ان کیفیات سے محفوظ رہنا جن میں کافر لوگ مبتلا ہیں کہ کافر ہمیشہ پریشان ہے۔ اس کا دل تنگ رہتا ہے اور واویلا کرتا ہے۔ پریشان ہوتا ہے۔ کافر دنیاوی زندگی بے سکونی میں گزارتا ہے جبکہ مومن مطمئن ہوتا ہے۔ آخرت میں مومنوں کے لیے حیات جاودانی ہے۔ وہ مومنین جو نیکوکار ہیں وہ ہمیشہ آرام وسکون میں ہونگے۔

مومنین کی تشویق

اس جگہ مومنوں کا حوصلہ بڑھایا گیا ہے۔ وہ مومنین جو مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ آئے تھے مکہ میں مشرکین کی اذیتیں برداشت کرتے رہے تمام تر سختیوں کے باوجود اللہ پر ایمان لائے اور اس ایمان کی وجہ سے جو بھی مشکلات جھیلنا پڑیں ان پر صبر کیا۔ اس جگہ خصوصیت کے ساتھ مومنین مہاجرین کے لیے خوشخبری دی گئی ہے البتہ یہ حکم عمومی بھی ہے تمام مومنین جو صبر کرنے والے ہیں ان سب کے لیے یہ خوشخبری ہے۔ اس جگہ صابروں کے لیے لفظ انّما کہا گیا ہے۔ جس سے اشارہ ملتا ہے کہ تمام مومنین جو نیک عمل کرتے ہیں ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ لیکن ان مومنین میں جو لوگ صابرین ہیں صبر میں عمومیت ہے اللہ کی اطاعت کرنے پر صبر، اللہ کی معصیت چھوڑنے پر صبر، زندگی کے ناموافق حالات پر صبر تو ان کے لیے ایک اجر ہے لیکن کچھ وہ ہیں جو دنیا کے مصائب و مشکلات پر صبر کرتے ہیں۔ کافروں کی طرف سے جو تکالیف آتی ہیں ان کا اقتصادی محاصرہ کیا جاتا ہے ان پر جنگ مسلط کی جاتی ہے اہل کفر کی طرف سے آنے والے مشکلات کا سامنے ڈٹ جاتے ہیں۔ گھبراتے نہیں صبر کرتے ہیں۔ آیت میں جو گفتگو ہو رہی ہے اس کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ صابرین سے مراد اس قسم والے صابرین ہیں ورنہ ہر مومن ایک حوالے سے صابر ہوتا ہے۔ لیکن ان صابروں کا اجر سوا ہے۔ ان کا خدا پر ایمان ہے۔ اعمال صالحہ بجالاتے ہیں اور دشمنان دین کی طرف سے آنے والی تمام سختیاں برداشت کرتے ہیں دین کو اللہ کے لیے

خالص قرار دیتے ہیں۔ صبر کے ساتھ تقویٰ الٰہی رکھتے ہیں ان کو پورا پورا اجر ملے گا ان کا حساب نہیں ہوگا یہ لوگ بغیر احسان کے اپنا پورا پورا اجر لیں گے اور جنت الفردوس میں پہنچیں گے۔ اس میں اس بات کی طرف تو اشارہ دیا ہے کہ اللہ کی زمین وسیع ہے اگر ایک جگہ پر اللہ کی اطاعت کرنا مشکل ہو تو دوسری جگہ پر چلے جاؤ اور اللہ کی راہ میں ترک وطن کرنے پر جو سختیاں آئیں اس پر جو تم صبر کروگے تو تمہیں اس کا علیحدہ اجر ملے گا۔ اور ایسا ثواب کہ اس کے مقابلہ میں دنیا کی ساری سختیاں اور مشکلات ہیچ ہیں۔

قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: کہہ دیجیے: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں دین کو اس کے لیے خالص کرکے اللہ کی بندگی کروں۔

وَ اُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: مجھے یہ حکم بھی ملا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلم بنوں۔

(عالم شہادت میں اس امت کے لحاظ سے آپ پہلے مسلم ہیں اور عالم عبودیت کے اعتبار سے آپ اولین اور آخرین میں سب سے پہلے اللہ کا حکم قبول کرنے والے ہیں۔ ہر دو عالم حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی پہلے مسلم ہیں)

قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: کہہ دیجیے: اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''کہہ دیجیے: میں اللہ ہی کی بندگی کرتا ہوں اپنے دین کو اس کے لیے خالص رکھتے ہوئے۔''

فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''پس تم اللہ کے علاوہ جس جس کی بندگی کرنا چاہو کرتے رہو، کہہ دیجیے: گھاٹے میں تو یقینا وہ لوگ ہیں جو قیامت کے دن خود کو اور اپنے عیال کو گھاٹے میں ڈال دیں، خبردار! یہی کھلا گھاٹا ہے۔''

رسول اللہؐ کے لیے خصوصی فرمان

ان آیات میں پہلے تو رسول اللہ ﷺ کو فرمان دیا ہے کہ وہ اپنے توحیدی عقیدہ اور قیامت کے بارے میں اپنے نظریہ کا اعلان کریں۔ کہ میں اللہ پر ایمان رکھتا ہوں
میں ہی عالم شہادت اور عالم عبودیت میں پہلا مسلمان ہوں اور عبادت اللہ کے لیے خالص ہے اور اللہ کا دین خالص ہے۔ خالص دین ہی قبول ہے۔
قیامت برحق ہے۔ قیامت کے دن مشرکوں کو سزا ملے گی۔ میں بھی اگر اللہ کی مخالفت کروں تو میں بھی اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکتا۔

کفار اور مشرکین کے لیے واضح اعلان

اس جگہ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان مشرکوں اور کافروں کو بتادیں کہ تم جس کی مرضی آئے عبادت کرو یہ تمہارا اختیار ہے۔ لیکن جو جرم خود تم کروگے اس کی سزا ہے اس کا نقصان تمہیں اٹھانا پڑے گا۔ اور تمہارے گھر والے جو تمہارے زیر کفالت تھے یا

تمہارا خاندان اور تمہارے دوست احباب جو تمہارے راستہ پر ہیں وہ بھی نقصان اٹھائیں گے اور تمہیں بھی نقصان اٹھانا پڑے گا۔

قیامت کے دن کا اختیار اللہ کے پاس ہے اس دن اعمال کا حساب ہوگا مجرموں کے لیے سخت عذاب ہے قیامت کا دن بڑا دن ہے اس دن کا عذاب نا قابل برداشت ہے اس کا ازالہ نہ ہوگا اور یہی تو کھلا اور واضح نقصان ہے۔ اس جگہ کافروں اور مشرکوں کو اس بیان میں یہ سمجھایا جارہا ہے کہ تم نے خود اپنا ذاتی سرمایہ ضائع کر دیا اپنا اختیار غلط استعمال کیا اور کفر کے راستہ میں جا کر اس الٰہی عطیہ کو ضائع کر دیا۔ خود بھی ہلاک ہوئے اور اپنے خاندان کو بھی ہلاک و برباد کر دیا ہے۔ کیونکہ ان کو تم نے کفر و ناشکری کے لیے آمادہ کیا تھا یہ حقیقی خسارہ ہے ابدی خسارہ ہے دنیا میں مال کا خسارہ ہوتا ہے جو عارضی ہے کیونکہ دنیا ناپائیدار ہے زوال پذیر ہے اور اس کا ازالہ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن جو اخروی خسارہ ہے زوال پذیر نہیں اور اس نے کبھی بھی ختم نہیں ہونا ہمیشہ اس نقصان کو بھگتنا پڑے گا۔

اہل سے مراد

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ بات قیامت کی ہو رہی ہے۔ قیامت میں رشتہ داری ختم ہوگی۔ نسبت باقی نہیں رہے گی۔ سورہ مومنون آیت ۱۰۱ میں ہے۔ ”فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ“

قیامت کے دن ان کے درمیان کوئی نسبت و رشتہ باقی نہیں رہے گا ہر شخص الگ اپنی ذات میں گرفتار ہوگا سب کو اپنی فکر ہوگی۔ کسی کی وہاں کوئی تعلق داری کسی سے نہ ہوگی لہٰذا اس جگہ اہل سے مراد بہشتی حوریں اور غلمان ہیں کہ اگر اچھے اعمال کریں، توحید پرست ہوئے تو انہیں بہشتی خاندان نصیب ہوتا جنتی بیویاں ملتیں غلمان خدمت گزار ملتے۔ جنت میں جواں اور نعمات سے متنعم ہوتے۔ جو سکون اور اطمینان اور آرام کا ذریعہ ہوتے اس پر ان کا اختیار ہوتا جبکہ کافر دنیا جیسے خاندان بھی ہاتھ سے دے بیٹھے ہیں۔ اور آخر سامعین بھی اپنے

اہل گنوا بیٹھے ہیں گناہگار قیامت کے دن اللہ کی بہشتی نعمات سے محروم کر دئے جائیں گے اور یہ خسارہ سب سے بڑا خسارہ ہے۔

رسول اللہؐ اور عوام سے خطاب

یہ محاورہ ہے کہ بیٹی سے بات کرو اور بہو کو سناؤ۔

(دہی آکن کر نونھ آسن)

بیٹی تم غور سے سنو اور بہو کی موجودگی میں بات ہو رہی ہے تو اصل میں بہو سے بات کی جارہی ہوتی ہے کہ یہ ساری باتیں تمہارے لیے ہیں۔

ان آیات میں بھی خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے لیکن اصل میں انسان کو مخاطب کیا جارہا ہے کہ تم کان کھول کر سن لو اللہ کی عبادت کرو مسلمان بنو قیامت کے عذاب سے ڈرو۔ تمہاری ذمہ داری ہے کہ اسلام پر عمل کرو وگرنہ آخرت کا سخت عذاب ہے اور تمہیں بڑے نقصان کا سامنا ہوگا۔

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''ان کے لیے ان کے اوپر آگ کے سائبان اور ان کے نیچے بھی شعلے ہوں گے، یہ وہ بات ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، پس اے میرے بندو! مجھ سے ڈرو۔''

عذاب کی کیفیت

اس آیت میں قیامت کے دن عذاب کی کیفیت کو بیان کیا جارہا ہے۔ عذاب آگ کا ہوگا۔ آگ مجرموں کو ہر طرف سے اپنے گھیرے میں لے لے گی۔ اللہ اپنے بندوں کو اس

قسم کے عذاب کی یاد دلا کر انہیں ڈرا رہا ہے کہ وہ ٹھیک ہو جائیں اور اللہ کی نافرمانی نہ کریں اس قسم کے سخت آتش کے عذاب سے بچنا ہے تو پھر اللہ کی عبادت کرو۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ ایمان لے آؤ۔ خود کو آگ کے لیے تیار نہ کرو۔

پیغام:

۱۔ اپنے اختیار کا صحیح استعمال کیا جائے۔

۲۔ قیامت کے عذاب سے ڈرنا چاہیے

۳۔ اللہ کی عبادت کی جائے۔

۴۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کیا جائے کہ اللہ کے اوامر پر عمل کریں اور اللہ کے مناہی سے رک جائیں۔

وَ الَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَ اَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''اور جن لوگوں نے طاغوت کی بندگی سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا ان کے لیے خوشخبری ہے، پس آپ میرے ان بندوں کو بشارت دے دیجیے''

الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ''جو بات کو سنا کرتے ہیں اور اس میں سے بہتر کی پیروی کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے اور یہی صاحبان عقل ہیں۔''

طاغوت سے نفرت اور اللہ کی اطاعت

طاغوت قرآنی اصطلاح میں ہر وہ قوت، فرد یا جماعت ہے جو انسان کو اللہ کی اطاعت سے روکے۔ جو بھی خدا سے دور کر دے وہ طاغوت کہلاتا ہے۔ سب سے بڑا طاغوت ابلیس ہے اور پھر ابلیس کے کارندے آتے ہیں۔۔ اس جگہ یہ بات بیان کی جارہی ہے کہ جو لوگ غیر اللہ کی باتیں نہیں سنتے جو انسان کو اللہ سے دور کرتے ہیں۔ ان کی باتوں میں نہیں آتے اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اللہ کی طرف سے جو تعلیمات آئی ہیں ان پر توجہ دیتے ہیں ایسے افراد کے لیے بہترین بشارت ہے۔

اس جگہ یہ اشارہ بھی دیا گیا ہے کہ صرف طاغوت سے دوری کا اعلان کر دینا کافی نہیں بلکہ اس پر ایمان لانا اور اللہ کی اطاعت کرنا سود مند ہے۔ دین کی تعلیمات اور خالص عبادت یہ ہے کہ انسان اللہ کی عبادت کرے اور غیر اللہ کی تمام صورتوں، شکلوں اور کیفیات کی نفی کرنا ہے۔

رسول اللہؐ کے لیے خصوصی فرمان

اس جگہ اللہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک خصوصی فرمان دیا گیا ہے کہ تم ایسے افراد کو بشارت دو جو مختلف اقوال و نظریات کے بارے میں آگاہ ہوتے ہیں اور مختلف بحثوں میں حصہ لیتے ہیں۔ دوسروں کی بات سننے سے گریز نہیں کرتے۔ بڑی توجہ سے دوسرے کی بات سنتے ہیں۔ لیکن اپنی عقل کو استعمال میں لاتے ہیں۔ ان تمام اقوال اور باتوں میں سے جو سب سے بہتر بات ہے اور جس بات میں دنیا و آخرت کا مفاد ہوتا ہے اس کو لے لیتے ہیں اور اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ بہترین قول وہ ہے جو آدمی کو بہترین طریقہ

سے حق تک پہنچا دے۔ اس کے لیے ناصحانہ تر ہو اور خیر کثیر اس میں موجود ہو۔ انسان فطری طور پر حسن و جمال کو پسند کرتا ہے حسن اور کمال و جمال کی طرف خواہ مخواہ متوجہ ہوتا ہے۔ ہمیشہ زیبا تر، احسن، اکمل اور زیادہ خوبصورت اور زیادہ پسندیدہ کا انتخاب کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے بندوں فطری طور پر حق کے تابع ہیں۔ اور حق و حقیقت تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ جب حق اور باطل کا سامنا ہوتا ہے تو وہ حق کا انتخاب کرتے ہیں اور جب حق کا انتخاب کرتے ہیں تو وہ اعمال جو صحیح ہیں بر حق ہیں ان میں بھی ان اعمال کو انتخاب کرتے ہیں جس کا فائدہ اور ثواب زیادہ ہو وہ ہمیشہ احسان کی طرف جاتے ہیں۔ وہ اپنے نفس کی پیروی اور نفسانی خواہشات کے پیچھے نہیں چلتے وہ ہر بات کو بغیر سوچے سمجھے رد نہیں کرتے۔ بلکہ جو بات کہی جاتی ہے اس کے بارے میں فکر کرتے ہیں۔ سوچتے ہیں۔ اگر حق بات ہوتی ہے تو اسے لے لیتے ہیں اور اگر حق بارے گفتگو ہو رہی ہو تو اس میں جسے بہتر سمجھتے ہیں اس کو اختیار کرتے ہیں۔

ایسے لوگ وہ ہیں جن کو اللہ کی طرف سے ہدایت ملی ہے اس ہدایت سے مراد حق کی پیروی کرنا اور خود کو حق کے انتخاب کے لیے آمادہ پانا ہے۔ یہ امر ہدایت اجمالی ہے کہ تمام تفصیلی ہدایات جو الٰہی معارف کے بارے میں حاصل ہوتی ہیں ان سب کا مرجع اور سب کی بازگشت اسی اجمالی ہدایت کی طرف ہے صاحبان خرد ہی ایسا کرتے ہیں کیونکہ عقل ایسی استعداد و صلاحیت اور قوت سے عبارت ہے جس کے ذریعہ حق کو پایا جاتا ہے۔ عقل کی علامت حق کی پیروی کرنا ہے۔

حدیث میں ہے:

''العقل ما عبد به الرحمن و اکتسب به الجنان''

''عقل وہ ہے جس کے ذریعہ رحمٰن کی عبادت کی جاتی ہے اور اسی کے وسیلہ سے جنت حاصل کی جاتی ہے''۔

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ۝١٩

ترجمہ: ''بھلا جس شخص پر عذاب کا فیصلہ حتمی ہو تو گیا ہو کیا آپ اسے بچا سکتے ہیں جو آگ میں گر چکا ہو؟''

(یقینی بات ہے کہ کہ جس پر عذاب حتمی ہو جاتا ہے تو پھر کوئی بھی اسے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔)

بداعمالیوں اور بداعتقادی کا نتیجہ

جو شخص اپنی کوتاہ نظری اور بد انتخابی سے راہ حق کو چھوڑ دیتا ہے اللہ کا انکار کر دیتا ہے یا اللہ کا شریک بنادیتا ہے وہ گمراہ ہوا ہے اس نے اپنے لیے غلط راستے کا انتخاب کیا ہے اب وہ آگ کے گڑھے میں جا گرا ہے جو خود اپنے لیے آگ کا انتخاب کر دیتا ہے کون اسے اس سے نکال سکتا ہے ایسا شخص راہ راست پر نہیں آسکتا اور یہ طے شدہ بات ہے جب حضرت آدمؑ زمین پر اتارے گئے تو اس وقت حضرت آدمؑ سے یہ بات کہہ دی گئی کہ

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (سورۃ البقرۃ، آیت: ۳۹)

ترجمہ: اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے اور ہماری آیات کو جھٹلا دیا ہے تو ایسے لوگ جہنمی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اس آیت میں میں استفہام انکاری ہے کہ کافر جن پر عذاب حتمی ہو گیا کیا وہ نجات پالیں گے؟ کیا کوئی انہیں کوئی نجات دے سکتا ہے تو اس کا جواب ہے کہ ہرگز نہیں۔

پیغام:

۱۔ اپنی عقل کا استعمال کریں اور اپنے لیے حق کا راستہ انتخاب کریں۔

۲۔ جو کافر ہیں ان کے لیے عذاب جہنم حتمی اور اس سے نجات کا امکان نہیں ہے۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ۝۲۰

ترجمہ: ''لیکن جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے لیے بالا خانے ہیں جن کے اوپر (مزید) بالا خانے بنے ہوئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔''

اللہ کا جو اعلان ہے وہ اسی طرح ہی پورا ہوتا ہے جیسے یہاں ہوا ہے۔اس میں تبدیلی ممکن نہیں کیونکہ اللہ کا وعدہ ہے۔

اہل تقویٰ کا مقام

اس جگہ کافروں کے مد مقابل کا تذکرہ ہے جو صاحبان ایمان ہیں جنہوں نے تقوی الٰہی اپنایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے محل نما، اوپر نیچے، خوبصورت رہائش گاہیں بنادی ہیں اور ان کی بالائی منزلوں سے جب نیچے کی طرف نگاہ کریں تو نیچے پانی کی نہریں جاری ہیں۔ جن کے نظارے سے جنتی لطف اندوز ہونگے۔ جبکہ منکرین اور کافروں کے عذاب بارے بیان ہو چکا ہے کہ جہنم ہے اوپر نیچے آگے پیچھے ہر طرف سے انہیں آگ اپنے گھیرے میں لے لے گی اور ایسا عذاب ہوگا جو ہر آن تازہ اور نیا ہوگا یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ پس مومنوں کو معلوم رہے کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جنت میں آرام و سکون کے واسطے مکان بنا رکھا ہے جس میں انہوں نے جانا ہے ایسی بہشت جس کی وسعت زمین وآسمان کی وسعتوں کے برابر ہے۔

پیغام: انسان کو صاحب تقویٰ ہونا چاہئے تاکہ جنت الفردوس اس کا ٹھکانہ ہو۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿٢١﴾

ترجمہ: ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے پھر چشمے بنا کر اسے زمین میں جاری کرتا ہے پھر اس سے رنگ برنگی فصلیں اگاتا ہے، پھر وہ خشک ہو جاتی ہیں تو تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد پڑ گئی ہیں پھر وہ اسے بھوسہ بنا دیتا ہے؟ عقل والوں کے لیے یقیناً اس میں یادآوری اور سمجھنے کا وسیلہ ہے۔''

تدبیر الٰہی

اس آیت میں اللہ کی ایک تدبیر کا بیان ہے اور وہ ہے بارش کا اتارنا۔ اور پھر اس بارش سے جو زمینی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اس کو بیان کیا جا رہا ہے اسی طرح ربوبیت میں توحید کو بیان کیا ہے آسمان سے پانی زمین پر آیا زمین کی رگوں میں سرایت کر گیا پھر اسی جذب شدہ پانی سے پانی کے چشمے نمودار ہوئے اسے بہترین دریا وجود میں آئے پھر اسی پانی کو کھیتی باڑی کے لیے استعمال کیا گیا اور زمین سرسبز و شاداب ہوئی۔ مختلف قسم کے نباتات، اناج، پھل، میوہ جات لگے، درخت وجود میں آئے۔ پھر ایک منظر کو بیان کیا ہے کہ سبزہ زرد ہوتا ہے اور زردی سے خشکی کی طرف جاتا ہے خشک ہونے کے بعد دانے جدا بھوسہ جدا کر لیا جاتا ہے۔ یہ سب اسی تدبیر ربوبیت کے نمونے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ زمین سے چشمے نکالتا ہے اسی طرح جنت میں گھروں کے سامنے پانی کی نہریں اللہ جاری کرے گا۔ جس طرح زمین پر اگنے والی اشیا مختلف ہیں آپس میں مخلوط ہیں تو ایک وقت آتا ہے کہ ان کو جدا کیا جاتا ہے۔ ردی کو

اچھے سے جدا کرنا ہوتا ہے یہ سب اللہ کی تدبیر ہے اس پر توجہ دیں تو اللہ کی وحدانیت ثابت ہوتی ہے۔ اور اللہ ہی رب ہے کوئی اور نہیں اس بیان میں غور کرنے سے ہدایت کے لیے راستے کھلتے ہیں۔

پیغام: اللہ کی آیات میں غور کرنا چاہئے، اور جو کچھ اس جہان میں شب و روز ہو رہا ہے ان پر توجہ دی جائے۔ بارش، ہوا، سبزہ، خشکی سب پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ زمین پر موجود ہر چیز اللہ کے وجود کی نشانی ہے۔ان میں رونما ہونی والی تبدیلیاں اللہ کی خالقیت، مدیریت ومدبریت وربوبیت پر دلالت کرتی ہیں۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ”کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو اور جسے اپنے رب کی طرف سے روشنی ملی ہو (سخت دل والوں کی طرح ہو سکتا ہے؟)، پس تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل ذکر خدا سے سخت ہو جاتے ہیں، یہ لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔“

شرح صدر

شرح صدر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو سوچنے کی استعداد دے رکھی ہے تو اس کا سینہ کھلا ہے اس میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہے اور یہ سب انسانوں میں برابر ہے۔ اس میں ایک وہ انسان ہے جو اس استعداد کو استعمال میں لاتا ہے اور اس کا دل بند نہیں ہے وہ اسلام کو قبول کرتا ہے اور دین کو مان لیتا ہے اللہ کے احکام کی پیروی کرتا ہے۔

دوسرا وہ ہے جو اللہ کی دی ہوئی استعداد کو استعمال میں نہیں لاتا اس کا دل بند ہے یعنی سوچنے سے عاری ہے اس کے اپنے وجود اور ارد گرد میں جو کچھ ہے اس کا اثر نہیں لیتا اور نہ ہی اللہ کی نشانیوں میں غور کرتا ہے ایسا انسان پتھر دل ہے جس طرح پتھر پر کچھ اثر نہیں ہوتا بارش کے قطرے اس پر پڑتے ہیں لیکن وہ ان کو اپنے اندر جذب نہیں کرتا۔ اسی طرح وہ دل جس پر اللہ کی نشانیاں ظاہر ہوتی ہیں لیکن وہ ان سے اثر نہیں لیتا تو یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ جو گمراہ ہے ان کے لیے ویل ہے۔ پھٹکار ہے تباہی ہے۔ گمراہی کا نتیجہ جہنم ہے۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ ۖ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ۚ ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَ قُلُوۡبُهُمۡ اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ هَادٍ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ”اللہ نے ایسی کتاب کی شکل میں بہترین کلام نازل فرمایا ہے جس کی آیات باہم مشابہ اور مکرر ہیں جس سے اپنے رب سے ڈرنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ان کی جلدیں اور دل نرم ہو کر ذکر خدا کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں

اور اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔یہی اللہ کی ہدایت ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کتاب سے ہدایت دیتا ہے اور جسے اللہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔"

قرآن کا تعارف

قرآن مجید تو بہترین مطالب پر مشتمل خوبصورت الفاظ اور مرتب ترکیب کے ساتھ اتارا ہے قرآن کے لیے احسن الحدیث کی صفت بیان کی ہے کہ قرآن حق محض پر مشتمل ہے قرآن کے مطالب ایسے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی تشریح کررہے ہوتے ہیں۔جو لوگ اللہ کے لیے خشیت رکھتے ہیں اللہ کا خوف ان کے دلوں میں ہے جب وہ اللہ کی آیات سنتے ہیں تو وہ ان سے نصیحت پکڑتے ہیں اثر لیتے ہیں عظمت الٰہی کے اثرات ان کے جسم و جان پر ظاہر ہوتے ہیں ان کے دل پر سکون ہوتے ہیں ان کے دلوں پر اللہ کا خوف طاری ہوتا ہے لیکن جب اللہ کی رحمت پر نظر پڑتی ہے تو ان میں اطمینان پیدا ہوتا ہے اور وہ پرسکون ہو جاتے ہیں اور اس کے اثرات ان کے جسم پر بھی نظر آتے ہیں۔

ان میں اللہ کی خشیت سے جو حالت پیدا ہوتی ہے کہ ان کے جسم کا ذرہ ذرہ کھڑا ہو جاتا ہے دل خوف کے مارے دھک دھک کر رہا ہوتا ہے پھر اللہ کی رحمت کی طرف دیکھ کر وہ آرام اور سکون میں آجاتے ہیں یہ سب اللہ کی طرف سے ہدایت کا ثمر ہے کہ ایسے افرد نے اللہ کی جانب سے ہدایت کے لیے جو استعداد عطا ہوئی ہے اسے ضائع نہیں کیا لیکن اس کے برعکس جن لوگوں نے فسق و فجور اور گناہوں کے نتیجہ میں ہدایت پذیری کی صلاحیت اور استعداد کو ہاتھ سے جانے دیا ہے تو اب ان کے لیے ہدایت نہیں ہے کہ اللہ کا نظام اسباب اور علل کے تابع ہے۔ ہدایت کا سبب جب نہ ہو تو پھر گمراہی کا سبب آجاتا ہے اور اس سبب کا اثر یقینی ہے اس لیے کہا ہے کہ کہ پھر اللہ جس کو گمراہ کردے یعنی گمراہی کا سبب جو اللہ نے بنایا

ہے جس شخص نے اسے اپنا لیا تو پھر وہ ہدایت نہیں پا سکتا اسے کوئی اور بھی ہدایت نہیں دے سکتا۔

پیغام:

قرآن کو پڑھا جائے اس میں غور کیا جائے اور اس سے ہدایت حاصل کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر جو استعداد اور صلاحیت ہدایت پذیری کے لیے رکھی ہے ہم اسے اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیں اور ایسے اعمال نہ کریں کہ جس کے نتیجہ میں ہمارے اندر جو استعداد ور صلاحیت موجود ہے وہ ہاتھ سے چلی جائے۔

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ قِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ''کیا وہ شخص جو قیامت کے دن برے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے منہ کو سپر بناتا ہے (وہ امن پانے والوں کی طرح ہو سکتا ہے؟) اور ظالموں سے کہا جائے گا: چکھو اس کا ذائقہ جو تم کماتے تھے۔''

ہدایت یافتہ اور گمراہوں کا تقابل

اس جگہ استفہام انکاری ہے، تقابل کیا گیا ہے دو گروہوں کا۔

ا۔ وہ گروہ جو ہدایت میں رہ کر اچھے اعمال بجالاتا ہے اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے اس طرح قیامت کے دن میں جو برا عذاب مجرموں کے لیے ہے، اس سے وہ خود کو بچالیتا ہے۔

۲۔ دوسرا گروہ ظالموں کا ہے جنہوں نے اپنے اوپر ستم کیا ہے اور اللہ کے احکام کو تسلیم نہیں کیا برائی کے راستہ کا انتخاب کیا دنیا میں برے اعمال انجام دیئے۔

یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے دوسرے گروہ سے عذاب کے فرشتے کہیں گے کہ یہ جو تمہیں عذاب دیا جارہا ہے یہ تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے جو کچھ تم نے دنیا میں کیا ہے تو اب اس کا مزہ چکھو اور اس کے نتائج کو بھگتو۔ ان کے ظلم و ستم کا نتیجہ ہے کہ ان سے اس طرح کی بات کی جائے گی۔

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۲۵

ترجمہ: ''ان سے پہلوں نے تکذیب کی تو ان پر ایسی جگہ سے عذاب آیا جہاں سے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔''

فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۶

ترجمہ: '' پھر اللہ نے انہیں دُنیاوی زندگی میں رسوائی کا ذائقہ چکھا دیا اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے، اے کاش! وہ جان لیتے۔''

الٰہی مجازات

اللہ تعالی کی سنت اور طریقہ ہے کہ وہ مجرموں کو سزا دیتا ہے۔ للذا اس جگہ بتایا گیا کہ ان سے پہلے جو اقوام گزری ہیں انہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا تو انہیں اس دنیا میں ہی سزا دی گئی اچانک ان پر عذاب آن پڑا جس کا وہ احتمال بھی نہیں دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ذلت و خواری کا عذاب اسی دنیا میں انہیں دیا جیسے غرق آب ہونا، زمین میں دھنس جانا، مسخ ہو جانا، زوردار چنگھاڑ سے سب کا مر جانا، زمین میں زلزلہ، آگ برسنا اور تباہ کن سیلاب وغیرہ۔ ساتھ بیان کر دیا کہ یہ تو دنیا کا عذاب تھا جو انہیں دیا گیا لیکن آخرت کا جو عذاب ہے اس سے کہیں زیادہ اور شدید تر اور سخت تر ہوگا۔

سابقہ اقوام کے ساتھ جو کچھ ہوا یہ تاریخ ہے اور گمراہوں سے یہ کہا جارہا ہے کہ انہیں سابقہ اقوام کے مختلف عذابوں میں مبتلا ہونے کا علم ہے۔ للذا یہ بیان کرکے انہیں سمجھایا جارہا ہے کہ تم بھی اللہ کی پکڑ سے بچ نہ سکو گے للذا ٹھیک ہو جاؤ اور اللہ کی نشانیوں کو مت جھٹلاؤ۔

وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٧﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر طرح کی مثالیں دی ہیں شاید وہ نصیحت حاصل کریں۔''

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٢٨﴾

ترجمہ: ''ایسا قرآن جو عربی زبان میں ہے، جس میں کوئی عیب نہیں ہے تاکہ یہ تقویٰ اختیار کریں۔''

قرآن کی خوبی

قرآن کتاب ہدایت ہے اس میں جتنے مطالب بیان کئے گئے ہیں وہ انسانوں کی رہنمائی کے لیے ہیں مطالب کو آسان زبان میں بیان کیا گیا ہے تاکہ بات ذہن میں بیٹھ جائے اور یہ کہ مخاطب سے قرآن جو کچھ کہنا چاہتا ہے وہ ان کی سمجھ میں آجائے۔ لہٰذا قرآن مثالیں اور نظیر بیان کرتا ہے تاکہ اسی طرح کا جو واقعہ پہلے ہوا ہے اس کو یاد کرکے اس سے سبق لیں اور اس طرح خود کو ہلاکت سے بچائیں۔ اللہ پر ایمان لائیں، اللہ کا تقویٰ اختیار کریں۔ عبودیت کا لباس زیب تن کرکے اپنے لیے نجات کا راستہ اپنالیں اور قرآن کو عربی میں اتارا گیا ہے کہ ان لوگوں کی زبان بھی عربی ہے جن کے درمیان اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر ﷺ کو بھیجا ہے تاکہ ان کے لیے الٰہی پیغام کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

پیغام:

قرآن میں سابقہ اُمتوں کے جو حالات بیان ہوئے ہیں ان پر خصوصی توجہ دی جائے اور ان کے حالات سے عبرت حاصل کریں اور اس طرح خود کو ہدایت کے راستہ پر لے آئیں۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ''اللہ ایک شخص (غلام) کی مثال بیان فرماتا ہے جس (کی ملکیت) میں کئی بدخو (مالکان) شریک ہیں اور ایک (دوسرا) مرد (غلام) ہے جس کا صرف ایک ہی آقا ہے، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ الحمد للہ، بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے شراکت داری۔''

توحید پرست اور مشرک کی مثال

اللہ تعالیٰ نے یہاں پر توحید پرست اور مشرک کے لیے ایک مثال پیش کی ہے۔ مشرک اس مقام پر اس نوکر کی مانند ہے جس کے کئی مالک ہیں کیونکہ مشرکین نے اپنے لیے کئی ارباب بنا رکھے ہیں اور سارے ارباب اس ایک علوم میں شریک ہیں اور ان ارباب کا آپس میں جھگڑا رہتا ہے ایک کہتا ہے کہ وہ میرے حکم کی تعمیل کرے دوسرا کہتا ہے میرے حکم کو بجالائے۔ تیسرا کہتا ہے کہ نہیں وہ پہلے میرا کام کرے۔ اب اس کی حالت پر غور کرو، جبکہ دوسرا شخص جو توحید پرست ہے اس کا مالک ایک ہی ہے اور وہ اللہ ہے۔ وہ فقط اس ایک کے ارادہ کے مطابق عمل کرتا ہے یہ شخص آسودہ حال ہے یہ دونوں برابر نہیں ہیں ایک پر سکون ہے دوسرا پریشان ہے۔ یہ ایک سادہ مثال ہے اور جس میں تھوڑی سی سمجھ ہو وہ اس مثال سے ہدایت پا سکتا ہے۔ درحقیقت یہ بھی اس برہان کا ایک بیان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سورہ انبیا آیت ۲۲ میں بیان فرمایا ہے۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ

ترجمہ: ''اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا معبود ہوتے تو دونوں (کے نظام) درہم برہم ہو جاتے''

اب چونکہ یہ نظام باقی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا حکم دینے والا ایک ہی ہے اور وہ ایک ہی خدا کا نظام ہے دوسرا موجود نہیں ہے۔

جس میں تھوڑی سی بصیرت ہو وہ اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے لیکن زیادہ تر لوگ اس طرح کے ہیں کہ وہ اس امر کی طرف توجہ نہیں دیتے اور اس بات کو نہیں سمجھتے۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: ''(اے رسول) یقیناً آپ کو بھی اس دنیا سے انتقال (موت آنا ہے) کرنا ہے اور انہیں بھی یقینا مرنا ہے۔''

ثُمَّ اِنَّكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ تَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: '' پھر قیامت کے دن تم سب اپنے رب کے سامنے مقدمہ (ایک دوسرے کے خلاف اپنا) مقدمہ پیش کروگے۔''

موت کا برحق ہونا اور قیامت کا دن

اس جگہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے کہ تیرا انجام اور ان سب مشرکین کا انجام موت ہے۔ موت کا ذائقہ سب نے چکھنا ہے۔

كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ؕ (سورہ آل عمران آیت ۱۸۵)

لیکن موت کے بعد تم سب نے اپنے رب کے سامنے حاضری دینا ہے اور وہاں پر جھگڑا کروگے یہ جھگڑا رسول اللہ ﷺ اور مشرکین کے درمیان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں آگاہ کر رہا ہے سورہ فرقان میں بھی اس طرف اشارہ ہوا ہے۔

وَ قَالَ الرَّسُوۡلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِى اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا (سورہ فرقان آیت ۳۰)

اے میرے رب میری قوم نے (میری بات کو نہ مانا اور) قرآن کو چھوڑ دیا۔ (اس سے ہدایت نہ لی)۔ سابقہ آیت کو اس کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو مطلب اس طرح بنتا ہے کہ توحید پرست اور مشرک رسول اور اس کی امت قیامت کے دن سب اکٹھے اللہ کے حضور میں ہونگے۔ وہاں پر مشرکین الٹی سیدھی حجتیں اور دلیلیں گڑھیں گے۔ رسول اکرم ﷺ اور توحید پرست اللہ کو جواب دینگے۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے زمین و آسمان گواہی دینگے۔ مشرکوں کے اعضا، ہاتھ پاؤں، کان ان کے خلاف گواہی دینگے۔ میدان محشر کے منظر کو اس آیت یں بیان کیا گیا ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ''پس اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور جب سچائی اس کے پاس آئی تو اسے جھٹلا دیا؟ کیا کفار کے لیے جہنم میں ٹھکانا نہیں ہے؟''

وَ الَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ''اور جو شخص سچائی لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ اہل تقویٰ ہیں۔''

لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ''ان کے لیے جو کچھ وہ چاہیں ان کے پروردگار کے پاس ہے، نیکی کرنے والوں کی یہی جزا ہے۔''

لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَ يَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: ''تاکہ اللہ ان کے بدترین اعمال کو مٹا دے اور جو بہترین اعمال انہوں نے انجام دیئے ہیں انہیں ان کا اجر عطا کرے۔''

جنتیوں اور جہنمیوں کے جھگڑے کا نتیجہ

جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا، اللہ کے لیے اولاد قرار دی اور اللہ کے شریک ٹھہرائے اللہ کی طرف ایسی صفات کی نسبت دی جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور انبیا علیہم السلام جو سچی باتیں لائے ان کو سنتے ہی جھٹلا دیا، سوچنے سمجھنے کی تکلیف بھی گوارا نہیں کی بلاشبہ جو شخص سچائی کا اتنا دشمن ہو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے؟ ایسے ظالموں کا ٹھکانہ دوزخ کے سوا اور کہاں ہوگا خدا سے ڈرنے والوں کی شان یہ ہوتی ہے کہ سچی بات لائیں اور ہمیشہ سچ کی تصدیق کریں جو سچی بات لائے وہ نبی اور جس نے تصدیق کی وہ مومن ہے۔ اس جگہ بیان کیا جارہا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی ہے پھر انہوں نے نیک عمل کئے ہیں انبیاؑ کی پیروی کرتے ہیں یہی لوگ صاحب تقویٰ ہیں ایسے لوگوں کے لیے اللہ کے ہاں بڑے انعامات ہیں وہ جو چاہیں گے اللہ انہیں دے گا بہشت میں ان کے ارادہ اور مرضی پر ہی ہر چیز ان کے سامنے حاضر کردی جائے گی جو چاہا وہ اسی وقت بلا وقفہ مل گیا نہ تکلیف نہ انتظار اس کے ساتھ انہیں قرب الٰہی کا اعزاز بھی حاصل ہوگا۔ یہ سب کچھ نیکوکاروں کے عمل کا ثمر ہے نیک عمل ان سب کا اصلی سبب ہے۔

قولی و عملی تصدیق

اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ پہلے والی آیت میں جس تصدیق کی بات کی گئی اس سے مراد صرف عقیدہ نہیں بلکہ صحیح اعتقاد کے ساتھ اس کے مطابق عمل کرنا بھی مراد ہے قولی اور عملی تصدیق مراد ہے انبیا کے دستور پر چلے جو انہوں نے کہا اسے تسلیم کیا اور جو انہوں نے کہا اس کے مطابق عمل کیا اللہ کا تقویٰ اختیار کیا یعنی اللہ کے اوامر کو بجالایا اور نواہی سے احتراز کیا۔

ایمان سے پہلے کے اعمال

قیامت کے دن ان کے ساتھ اس طرح معاملہ ہوگا کہ ایمان لانے سے پہلے جو شرک جیسا بڑا گناہ کیا تھا اللہ کی وحدانیت کا انکار کرکے جس بڑے ظلم کا ارتکاب کیا تھا اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے سے وہ جرائم ساقط ہو جائیں گے ان کا مواخذہ نہ ہوگا اور ان کے جو بہترین اعمال ہیں ان کو سامنے رکھا جائے گا ان کے اعمال انہیں بلندیوں پر پہنچائیں گے ان کے اعمال کی وجہ سے جو کمال کا درجہ ملے گا جہاں تک وہ پہنچتے ہیں تو یہ سب کچھ اس کا اللہ کی طرف پلٹنا، ایمان لانا اور ایمان کے مطابق اعمال صالحہ بجالانے کا صلہ ہے۔

پیغام:

۱۔ اللہ کے رسولوں کے بیانات کی تصدیق کریں اور اللہ کا تقوی اختیار کریں۔ ایمان لانے سے پہلے کے گناہ اللہ معاف کردے گا۔

۲۔ ایمان اور تقوی کا نتیجہ اللہ کی طرف سے بڑے انعامات اور جنت الفروس ہے جبکہ اللہ کا شریک ٹھہرانا، اللہ کا انکار، اللہ کے رسولوں کا انکار پر ان کا ٹھکانہ آتش جہنم ہے۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَ يُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۚ﴿۳۶﴾

ترجمہ: "کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟ اور یہ لوگ آپ کو اس (اللہ) کے علاوہ دوسروں سے ڈراتے ہیں جب کہ اللہ جسے گمراہ کر دے اسے راہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے۔"

وَ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: " اور جس کی اللہ رہنمائی کرے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، کیا اللہ بڑا غالب آنے والا، انتقام لینے والا نہیں ہے؟"

اللہ کی طرف سے ہدایت اور گمراہی

جب قرآن میں کہا جاتا ہے کہ اللہ جس کو ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا تو اس کا مطلب کیا ہے؟ کیا اس سے اختیار سلب نہیں ہوتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی ہدایت کے اسباب اور وسائل بناتے ہیں ان وسائل میں سے ایک عقل انسانی ہے اور اس کے ساتھ انسان کی رہنمائی کے لیے انبیاؑ بھیجے اور انبیاؑ کی تائید کے لیے نشانیاں اور معجزات دیئے ہیں اب جو بھی ان کو اپنے اختیار سے استعمال میں لے آتا ہے تو اسے ہدایت ملتی ہے اسی طرح گمراہی کے اسباب کے طور پر ابلیس بھی موجود ہے ابلیس کی انسان سے کھلی دشمنی ہے اور وہ انسان کو اللہ کی راہ سے بھٹکاتا ہے اب جو شخص اپنے اختیار سے گمراہی کے اسباب کو اپناتا ہے تو نتیجہ واضح ہے کہ اس سے گمراہ ہی ہونا ہے اور ان دونوں طرح کے اسباب کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن اس اختیار میں اللہ تعالیٰ نے کسی کے لیے رکاوٹ کھڑی نہیں کی اسی تناظر میں کہا جاتا ہے اللہ جس کو

گمراہ کرتا ہے تو وہ ہدایت نہیں پاسکتا کیونکہ گمراہی کے اسباب کو اپنانے والا گمراہ ہی ہوگا۔ وہ ہدایت تو نہیں پاسکتا کیونکہ ہدایت والے اسباب کو خود ہی چھوڑ دیا ہے۔

اس جگہ کہا گیا ہے کہ کیا اللہ کافی نہیں ہے اپنے بندے کے لیے ؟! یہ استفہام تقریری ہے اس میں اس بات کو زور دے کر کہا جارہا ہے کہ اللہ ہی اپنے بندے کے لیے کافی ہے۔ اس عبارت سے اپنے رسول ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تقویت و تسلی دی ہے کہ مشرکین انکا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اللہ کے وعدہ کی طرف اشارہ ہے۔

اللہ سورہ بقرہ آیت ۱۳۷ میں فرمایا ہے۔

فَسَيَكۡفِيۡكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ؕ﴿۱۳۷﴾

”اللہ تمہارے لیے (ان کے شر سے بچانے کے لیے) کافی ہے۔ یعنی مشرکین تمہیں کوئی نقصان نہیں دے سکتے۔“

جھوٹے خداؤں کا خوف دلانا

مشرکین اپنے جھوٹے خداؤں کا خوف دلاتے تھے اور دھمکاتے تھے کہ ہمارے یہ خدا تمہیں نقصان دیں گے۔ یہ جھوٹے خداؤں کا سہارا لیتے ہیں یہ کبھی بھی ایمان کی طرف نہیں آسکتے ان کی سعی و کوشش بے اثر ہوگی ان کے کفر واستکباری کیفیت اور مغرورانہ انداز کی سزا ان کو اللہ نے دی کہ وہ گمراہ ہو گئے کیونکہ انہوں نے اپنی گمراہی کا راستہ خود اختیار کیا۔ ان مشرکین کی جو آرزو ہے کہ وہ رسول خدا ﷺ کو نقصان پہنچائیں گے اور ان کی دعوت آگے نہیں بڑھے گی اس میں وہ ناکام و نامراد ہونگے جو ہدایت کا راستہ اپنائے گا انہیں گمراہ نہیں کر سکتا کیونکہ ہدایت کا انتظام اللہ کی طرف سے ہے۔

اللہ عزیز ذوانتقام

پچھلی بات کو مزید مستحکم کیا جارہا ہے اور اس اعلان کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ اللہ عزیز ہے غلبہ والا ہے۔ اس کے فیصلے پر کسی کو غلبہ نہیں ہے وہ منتقم بھی ہے مجرموں کو سزا بھی دیتا ہے مجرم کو کوئی اس کی سزا سے نہیں بچا سکتا۔ اس کے انتقام لینے کی صفت کا تقاضا یہ ہے کہ جنہوں نے اللہ کا انکار کیا ہے اور حق کی دعوت کے سامنے رکاوٹ کھڑی کرتے ہیں گناہوں پر اصرار کرتے ہیں لہٰذا ایسے افراد کو اللہ تعالیٰ گمراہ قرار دیتا ہے اور ان کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا خداوند عزیز ہے۔ اللہ کے ارادہ اور فیصلہ کے روبعمل آنے میں کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتا؛۔ جب اللہ اپنے بندہ کو تقویٰ اختیار کرنے کا اجر دیتا ہے تو پھر اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا۔

پیغام:

۱۔ ہر انسان کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے اسباب کو اپنائے تاکہ اسے اللہ کی جانب سے ہدایت مل جائے۔

۲۔ انسان کے اپنے اختیار میں ہے کہ وہ گمراہی کے اسباب کو اپنائے یا ہدایت کے اسباب کو اختیار کرے۔

۳۔ اللہ مجرموں کو سزا دے گا اور مجرموں کو اس سزا سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلۡ اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ اَرَادَنِىَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلۡ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوۡ اَرَادَنِىۡ بِرَحۡمَةٍ هَلۡ هُنَّ مُمۡسِكٰتُ رَحۡمَتِهٖ ؕ قُلۡ حَسۡبِىَ اللّٰهُ ؕ عَلَيۡهِ يَتَوَكَّلُ الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: "اور اگر آپ ان سے پوچھیں: آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے، کہہ دیجیے: اللہ کے سوا جنہیں تم پکارتے ہو ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ معبود اس کی اس تکلیف کو دور کر سکتے ہیں؟ یا (اگر) اللہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ کہہ دیجیے: میرے لیے اللہ ہی کافی ہے، بھروسا رکھنے والے اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔"

توحید ربوبی کا ایک اور ثبوت

اس جگہ ایک اور انداز سے اللہ کی ربوبیت کا اثبات کیا ہے کہ جس طرح اللہ یکتا ہے اسی طرح وہ ربوبیت میں بھی یکتا ہے۔ توحید ربوبی کو بیان کرنے کے لیے تمہید کے طور پر عالم (کائنات) کی خلقت کے مسئلہ کو بیان کیا ہے کہ مشرکین خود اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ آسمان اور زمین کا خالق اللہ ہے مشرکین جہاں کی تدبیر میں اللہ کے شرکاء قرار دیتے ہیں جہاں کی خلقت میں ان کو اللہ کا شریک قرار نہیں دیتے۔

اس تمہید کی روشنی میں جو کچھ جہاں (کائنات) میں ہے خود انبیا اور ان کے آثار سب کی نسبت اللہ کی طرف ہے لہٰذا ہر چیز جو اچھائی پہنچائے یا برائی پہنچائے جو خیر کا سبب ہے یا شر کا سبب ہے تو اس کا وجود بھی اللہ کی طرف سے ہے لہٰذا اللہ جس کے لیے خیر کا ارادہ کرے کوئی اس کے عملی ہونے میں رکاوٹ نہیں بن سکتا اور اگر کسی کے شر کا ارادہ کرے تو پھر اس شر کو اس سے کوئی دور نہیں کر سکتا۔ لہٰذا خلقت اور تدبیر دونوں اللہ کے ہاتھ میں ہے اللہ ہی رب ہے اور اللہ ہی خالق ہے۔

اللہ پر توکل

آخر میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ تم تمام معاملات میں اللہ ہی کو اپنا وکیل بناؤ، وہی سرپرست ہے اور وہی ہے جس پر تمام امور میں بھروسہ کیا جائے۔ اللہ ہی کافی ہے کیونکہ تدبیر اس کے ہاتھ میں ہے جب کوئی شخص اپنے معاملات کے حل کے لیے اللہ کو اپنا وکیل بناتا ہے تو گویا اللہ ہی اس بات کے لائق ہے اور اس بات کا اعتراف ہے کہ جس طرح خالق اللہ ہے اسی طرح تمام امور کی تدبیریں بھی اللہ کے پاس ہیں جو اہل بصیرت ہیں وہ وکیل بنانے کے مسئلہ میں صرف اپنے امور کے لیے وکیل اللہ ہی کو بناتے ہیں کیونکہ اللہ کے سوا کسی اور کے ہاتھ میں امور نہیں ہیں۔

اس بات کے لیے حضرت ہودؑ کا جواب اپنی قوم کے اس سوال پر۔

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ (سورۂ ھود، آیت: ۵۴)

ترجمہ: ہم تو یہ کہتے ہیں: تجھے ہمارے معبودوں میں سے کسی نے آسیب پہنچایا ہے،

تو حضرت ہودؑ نے جواب دیا:

قَالَ اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: ہودؑ نے کہا: میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ (اللہ کے سوا) جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔ اس اللہ کے سوا تم سب مل کر میرے خلاف سازش کرو پھر مجھے مہلت نہ دو۔ میں نے اللہ پر بھروسہ کیا ہے جو میرا اور تمہارا رب ہے، کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی پیشانی اللہ کی گرفت میں نہ ہو، بیشک میرا رب سیدھے راستے پر ہے۔

اس طرح حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ

وَ کَیۡفَ اَخَافُ مَاۤ اَشۡرَکۡتُمۡ وَ لَا تَخَافُوۡنَ اَنَّکُمۡ اَشۡرَکۡتُمۡ بِاللّٰہِ مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ بِہٖ عَلَیۡکُمۡ سُلۡطٰنًا ؕ فَاَیُّ الۡفَرِیۡقَیۡنِ اَحَقُّ بِالۡاَمۡنِ ۚ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۱﴾

ترجمہ: اور میں تمہارے بنائے ہوئے شریکوں سے کیونکر ڈروں جب کہ تم ان چیزوں کو اللہ کا شریک بناتے ہوئے نہیں ڈرتے جن کی کوئی دلیل اس نے تم پر نازل نہیں کی؟ اگر تم کچھ علم رکھتے ہو تو بتاؤ کہ کون سا فریق امن و اطمینان کا زیادہ مستحق ہے۔

پیغام:

تمام کاموں میں اللہ پر اعتماد رکھا جائے اور اپنے تمام اُمور کے انجام کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے جو ایسا کرے گا تو اللہ اس کے لیے کافی ہے۔

قُلۡ یٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰی مَکَانَتِکُمۡ اِنِّیۡ عَامِلٌ ۚ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: کہہ دیجیے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ، میں بھی عمل کر رہا ہوں، پس عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ (کہ کون صحیح راستے پر ہے)"

مَنۡ یَّاۡتِیۡہِ عَذَابٌ یُّخۡزِیۡہِ وَ یَحِلُّ عَلَیۡہِ عَذَابٌ مُّقِیۡمٌ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: "کہ کس پر وہ عذاب آئے گا جو اسے رسوا کرے گا اور کس پر دائمی عذاب نازل ہونے والا ہے۔"

دنیا اور آخرت کا عذاب

اس جگہ دنیا اور آخرت دونوں عذابوں کا ذکر کیا ہے۔ "عَذَابٌ یُّخۡزِیۡہِ" سے مراد دنیا کا عذاب ہے اور "عَذَابٌ مُّقِیۡمٌ" سے مراد آخرت کا عذاب ہے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ان مشرکین سے کہہ دو کہ تم اپنا کام جاری رکھو اور میں اپنا کام

جاری رکھوں گا میری روش ایمان، عمل صالح اور توحید کی طرف عوام کو دعوت دینا ہے جن کو میں جاری رکھوں گا۔ کسی بھی طور پر اس سے منحرف نہ ہونگا یہ بھی ان کو بتادو کہ تم بہت جلد سمجھ جاؤگے کہ دنیا میں کس قسم کے عذاب سے دور چار ہوتے ہو۔ اللہ تمہیں رسوا و ذلیل کرے گا جیسے وہ جنگ بدر میں ذلیل ہوئے اس آیت میں جنگ سے پہلے اس بات کی خبر دے دی کہ تم اسی دنیا میں ذلیل ورسوا ہونگے آخرت میں بھی تمہیں عذاب سے دوچار ہونا ہے۔ اس عذاب میں ہمیشہ رہوگے اس کلام میں مشرکوں کو دھمکایا گیا ہے انہیں ڈرایا گیا ہے یہ اس حکیم و دانا پرودگار کی طرف سے کھلی دھمکی ہے۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالۡحَـقِّ‌ۚ فَمَنِ اهۡتَدٰى فَلِنَفۡسِهٖ‌ۚ وَ مَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا‌ ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِوَكِيۡلٍ ‏﴿۴۱﴾

ترجمہ: ”ہم نے آپ پر یہ کتاب انسانوں کے لیے برحق نازل کی ہے لہٰذا جو ہدایت حاصل کرتا ہے وہ اپنے لیے حاصل کرتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں“

کتاب بھیجنے کا مقصد

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کرنے کا مقصد بتایا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری بھی بیان کر دی ہے کہ آپ ﷺ کی ذمہ داری ہے کہ اس کتاب کی ان پر تلاوت کریں اور اس کتاب کے مطالب ان کو بتادیں اس کتاب میں جو کچھ ہے وہ حق و حقیقت پر مبنی ہے اس میں کوئی بھی باطل، بے فائدہ نہیں ہے اس میں خالص حق ہے۔ جو شخص بھی قرآن کی ہدایت اور راہنمائی سے بہرہ مند ہوتا ہے تو یہ اس کے اپنے فائدہ اور نفع میں ہے۔ دنیا و آخرت کی سعادت اس کے لیے ہے اور جو شخص اس کتاب سے فائدہ نہیں اٹھاتا اپنی گمراہی پر

باقی رہتا ہے تو اس گمراہی کا نقصان خود اس کے اپنے لیے ہے وہ ہمیشہ کی بدبختی میں ہوگا، دنیا و آخرت کا نقصان اس کا اپنا ہی ہے۔ (اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے اور پاک ہے کہ بندوں کی ہدایت یا گمراہی کا اسے کچھ نفع یا نقصان ہو)

لوگوں کے اُمور کی تدبیر

اس جگہ رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا ہے کہ آپ کا کام لوگوں تک بات کو پہنچانا ہے اس بیان سے فائدہ اٹھانا یا اس سے فائدہ نہ اٹھانا یہ کام خود انسانوں کا اپنا ہے ان کے نفع و نقصان کی ذمہ داری آپ کی نہیں ان کے امور کی تدبیر آپ پر نہیں ہے کہ آپ شدت سے یہ کوشش کریں کہ ہر صورت میں جیسے بھی ہو وہ ہدایت پا جائیں اور آپ ان کے دل میں ہدایت ڈال دیں ایسا نہیں ہوگا۔آپ فقط رسول ہیں آپ کا کام پہنچانا ہے۔آپ کا کام خطرات سے آگاہ کرنا اور انہیں برے انجام سے ڈرانا ہے۔

پیغام:

۱۔ رسول اللہ کا کام پیغام پہنچانا ہے اس سے اثر لینا یا نہ لینا یہ ہر ایک کا اپنا کام ہے۔ رسولؐ کسی کو زبردستی ہدایت پر نہیں لا سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو ہدایت سے دور کر سکتا ہے۔

۲۔ جو ہدایت پانا ہے تو اپنے لیے اور جو ہدایت نہیں پاتا تو اس کا نقصان بھی خود اس کے لیے ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں دے سکتا اور نہ ہی اسے کوئی فائدہ دے سکتا ہے نفع یا نقصان خود انسان کے اپنے پر ہے۔

اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰى عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَ یُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: ”موت کے وقت اللہ روحوں کو قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا اس کی (روح) نیند میں (قبض کر لیتا ہے) پھر وہ جس کی موت کا فیصلہ کر چکا ہوتا ہے اسے روک رکھتا ہے اور دوسری کو ایک وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے، فکر کرنے والوں کے لیے یقینا اس میں نشانیاں ہیں۔“

توفی کا معنی

قرآن میں لفظ” تَوَفّی“ استعمال ہوا ہے۔ اس کا معنی پوری طرح سے وصول کر لینا کے ہیں۔

سورہ سجدہ آیت ۱۱ میں فرمایا۔

قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ۔۔۔

ترجمہ: کہہ دیجئے! تمہیں ملک الموت پوری طرح وصول کرتا ہے جو تمہارے اوپر مقرر کیا گیا ہے۔۔۔

موت اور نیند کی حقیقت کا بیان

اس آیت میں نفس سے مراد روح ہے قبض روح کا مطلب روح کا جسم سے تعلق کا کٹ جانا اور جسم سے روح کا باہر نکلنا ہے۔ کیونکہ نفس جسم اور روح کے درمیان رابطہ کا کام دیتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر کو بیان کیا ہے کہ موت اور نیند دونوں ایسی حالتیں ہیں

جن میں روح کو جسم سے جدا کیا جاتا ہے جب موت کا وقت آجاتا ہے تو روح دوبارہ بدن میں نہیں آتی جبکہ کہ نیند کی حالت میں روح کو دوبارہ بدن میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس سے ایک بات یہ بتادی گئی کہ نفس اور ہے اور انسانی بدن اور ہے نفس بدن اور روح کے درمیان رابطہ ہے نیند میں بھی موت کی طرح نفس بدن سے جدا ہوتی ہے تو روح بدن سے الگ ہو جاتی ہے اور روح بدن سے الگ ہو کر جہانوں کی سیر پر نکل جاتی ہے یہ کیفیت ہر ایک کے ساتھ روزانہ طاری ہوتی ہے تھوڑی دیر کے لیے انسان سوجائے تو روح بدن سے نکل کر ہزاروں میل دور سیر پر نکل جاتی ہے اور جیسے بیدار ہوتا ہے تو وہ روح واپس آجاتی ہے حقیقت میں نفس دوبارہ بدن اور روح کے درمیان رابطہ کو بحال کر دیتا ہے۔ بدن میں نفس واپس آجاتا ہے روح تو موجود رہتی ہے بدن بھی موجود رہتا ہے نفس جو بدن اور روح میں رابطہ ہے اس کو نیند کی حالت میں علیحدہ کیا جاتا ہے تو روح بدن سے آزاد ہو جاتی ہے جب دوبارہ نفس بدن کے ساتھ ملحق ہوتا ہے تو روح اور بدن کا رابطہ بحال ہو جاتا ہے۔ اللہ ہے جو اس نفس کو واپسی کا حکم دیتا ہے کہ نفس اس بدن میں چلا جائے یہاں تک کہ موت کا وقت آجائے اور اس کی حیات کا خاتمہ ہو جائے۔ روح باقی موارد کی مانند ہے کہ جب موت کا حکم آتا ہے تو اللہ تعالی ہی ہے جو بدن سے نکال لیتا ہے ملک الموت یا دوسرے فرشتہ اللہ کی طرف سے مامور ہیں جو اس ذمہ داری کو انجام دیتے ہیں جیسا کہ سورہ سجدہ میں بیان ہوا ہے نیند ہو یا موت سب کی تدبیر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ البتہ اس سے صرف صاحبان شکر ہی اثر لیتے ہیں اور غفلت سے بیدار ہوتے ہیں اور اپنے رب کی اطاعت میں آتے ہیں۔ اللہ ہی پورے جہاں کا مدبر اور جو کچھ جہاں میں رونما ہوتا ہے سب کی تدبیر اللہ کے ارادے سے انجام پارہی ہے۔ سب پر موت نے آنا ہے اور پھر موت کے بعد دوبار اٹھایا جانا ہے۔ اور سب نے اپنے اعمال کا حساب اللہ کے حضور پیش ہو کر دینا ہے۔ اس آیت میں اللہ پر ایمان لانے کی بڑی نشانی موجود ہے۔ ذرا سی توجہ سے انسان اپنے مالک کی طرف پلٹ سکتا ہے۔

پیغام:

اللہ کی نشانیوں میں غور کرنا چاہئے موت اور نیند کی حالتوں اور کیفیات کو سامنے رکھا جائے تو نیند چھوٹی موت ہے کس طرح روح جسم کی قید سے آزاد ہو کر ہزاروں میل سفر سیکنڈوں اور منٹوں میں طے کرلیتی ہےاور اس کی خوشی اور تکلیف کا احساس بدن کو ہو رہا ہوتا ہے یہی حالت موت آنے پر بھی ہوگی روح بدن سے الگ ہوگی لیکن روح پر جو حالت طاری ہوگی اس کے اثرات بدن محسوس نہیں کرے گا اس کی وجہ یہ ہوگی کہ نفس جو بدن اور روح کے درمیان رابطہ ہے اسے اس طرح سے اُٹھا لیا جاتا ہے کہ روح کا تعلق بدن سے ختم ہو جاتا ہے لیکن نیند کی حالت میں بدن اور روح کے تعلق کو یا دونوں کو ختم نہیں کیا جاتا بلکہ نفس بدن سے جدا ہو جاتا ہے لیکن بالکل جسم کو چھوڑ کر نہیں جاتا اس کا لنک روح اور بدن سے برقرار ہوتا ہے جیسے ہی اللہ کا حکم ہوتا ہے تو نفس واپس آجاتا ہے اور روح اور بدن کا تعلق مکمل بحال ہو جاتا ہے نیند سے تعلق کی کیفیت میں تبدیلی آتی ہے مگر تعلق ختم نہیں ہوتا۔ یہ ایک مفصل بحث ہے کہ بدن، نفس اور روح ہر ایک کا اپنا کردار ہے۔ موت میں بدن سے نفس کا تعلق ختم کردیا جاتا ہے۔ جب اللہ دوبارہ اسے زندہ کرے گا تو ہر ایک کا نفس دوبارہ اس بدن سے متصل ہو جائے گا البتہ بعض اموات ایسی ہوتی ہیں کہ ہر ایک میں نفس کا بدن اور روح کے درمیان رابطہ بحال رہتا ہے اور بدن الٰہی انعامات سے بہرہ ور ہوتا ہے جیسے اولیاء اللہ، شہداء ہیں یا اللہ کے انبیاء اور اوصیاء ہیں۔ یہ اللہ کی بہت بڑی نشانی ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَ لَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَعْقِلُوْنَ ۞٤٣

ترجمہ: ''کیا انہوں نے اللہ کے سوا اوروں کو شفیع بنالیا ہے؟ کہہ دیجیے: خواہ وہ کسی چیز کا اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ ہی کچھ سمجھتے ہوں (تب بھی شفیع بنیں گے)؟''

اللہ کو اپنا سفارشی قرار دینا

اس آیت میں لفظ "ام" استعمال ہوا ہے۔ جو نحو و صرف کی اصطلاح میں "ام"منقطعہ ہے۔ جس کا معنی "بلکہ" کیا جاتا ہے۔ مشرکین کی حالت کو بیان کیا جارہا ہے کہ تمام تر دلائل کے باوجود انہوں نے اپنے لیے اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا سفارشی بنا رکھا ہے اور یہ ان کی پرستش اور عبادت کرنے پر لگے ہوئے ہیں۔ اور یہ ان بے جان بتوں کی اس لیے عبادت کر رہے ہیں کہ یہ بت اللہ کے پاس ان کے سفارشی بنیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ یونس آیت ۱۸ میں مشرکین کا قول نقل کیا ہے۔

وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ

ترجمہ: "وہ مشرکین یہ بات کہتے ہیں کہ یہ بت جن کی ہم عبادت کرتے ہیں یہ اللہ نہیں بلکہ ہمارے لیے اللہ کے ہاں سفارشی ہیں اسی سورہ (زمر) کے آغاز آیت ۳ میں مشرکین کا بیان نقل ہوا ہے۔"

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ

ترجمہ: "ہم تو ان (بتوں) کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے تاکہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کردیں اور ہمیں قرب الٰہی کا مقام دلا دیں۔"

مشرکین کی تردید

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ ان سے یہ پوچھیں کہ اگر یہ تمہارے سفارشی خود تمہارے حالات کے بارے میں آگاہ ہوں اور ان کو معلوم ہو کہ ہمارے لیے اللہ کیا چاہتے ہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ وہ خود کسی اختیار کے مالک بھی ہوں۔ ان کی اللہ کے ہاں کوئی حیثیت اور شنوائی بھی ہو جبکہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ غیر خدا کے پاس کچھ اختیار نہیں اور کسی کا کچھ ہے تو وہ اللہ کی اجازت اور اللہ کی عطا سے ہے کوئی با اختیار نہیں ہے مگر جسے اللہ

تعالیٰ نے چنا اور اختیار دیا ہے۔ اللہ کے ہاں کوئی بھی کسی کی سفارش و شفاعت نہیں کر سکتا۔ چاہئے وہ جتنا بڑا انسان یا جنات سے ہی کیوں نہ ہو مگر یہ کہ اللہ کی طرف سے اسے یہ اجازت مل جائے کہ وہ کسی کی اللہ کے ہاں سفارش و شفاعت کر سکے لہٰذا یہ بے جان بت جن میں کچھ شعور نہیں ہے اور اسی طرح جو اللہ کے معزز و مکرم بندوں سے ہیں اور اللہ کے مطیع ہیں۔ ان کے پاس کسی کی سفارش کرنے کا کچھ اختیار نہیں ہے اس اعتبار سے مشرکین کا یہ نظریہ اور عقیدہ کہ بت یا فرشتے ان کی شفاعت کرینگے یہ عقیدہ احمقانہ ہے۔

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ''کہہ دیجیے: ساری شفاعت اللہ کے اختیار میں ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے پھر تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤگے۔''

مسئلہ شفاعت

شفاعت اور سفارش میں ضروری امر یہ ہے کہ شفیع وہ بن سکتا ہے جس کی اللہ کے نزدیک کوئی عزت ہو اور صرف ایسے شخص کے حق میں شفاعت کر سکتا ہے جو اللہ کا پسندیدہ ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ شفیع (سفارشی) کا ماذون ہونا ور مشفوع (جس کی سفارش کرنی ہے) مرتضیٰ (پسند خدا) ہونا لازمی ہے۔ کافر بتوں کی پوجا اس لیے کرتے تھے کہ وہ ان کی سفارش کریں تو اس میں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔ نہ تو وہ ماذون من اللہ ہیں اور نہ ہی کفار مرتضیٰ عند اللہ ہیں۔ جیسے اوپر بیان ہوا۔ ان کا یہ دعویٰ غلط ہے پھر کسی کا سفارش ثابت بھی ہو جائے تو اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ وہ سفارشی معبود بھی قرار پائے چنانچہ ان کا دعویٰ احمقانہ اور بغیر ثبوت ہے۔

زمین و آسمانوں پر حکومت اللہ ہی کی ہے اب بھی اور آئندہ بھی اور اس کی طرف سب نے لوٹ کر جانا ہے جب خدا تمام اشیا کا مالک ہے مگر یہ کہ وہ خود کسی کو کسی چیز کا مالک بنا دے خداوند خود سورہ یونس آیت ۳ میں فرماتا ہے:

مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ

ترجمہ: کوئی بھی شفاعت کا مالک نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد ہی اسے اختیار ملتا ہے نیز ایک اور مقام پر فرمایا۔

لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (سورۃ الانعام، آیت: ۵۱)

ترجمہ: ''ان کے لیے (مشرکین اور کافروں کے لیے) اللہ کے سوا کوئی بھی سرپرست اور سفارشی نہیں ہے۔''

حقیقی شفیع

اصل بات یہ ہے کہ حقیقی شفیع خود اللہ ہی ہے دوسرے سفارشی تب ہی مؤثر ہونگے جب انہیں اللہ کی طرف سے کسی کی شفاعت کے لیے اجازت دی جائے گی۔ شفاعت کی برگشت، بازگشت اس میں ہے کہ شفیع اللہ کی صفات سے اک صفت ہے شفاعت کرنے والا واسطہ دیتا ہے کہ مشفوع (جس کی وہ شفاعت کر رہا ہے) کی اصلاح ہو جائے جس طرح اللہ کی رحمت اور مغفرت اللہ اور گناہگارہ بندے کے درمیان واسطہ ہے اور سبب ہے کہ اس گناہ گار کی عذاب سے نجات ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اللہ ہی شفاعت کا مالک ہے اور اللہ ہی شفیع مطلق ہے۔ لیکن ہر وہ شفیع جو اللہ کے اذن سے شفیع بن سکتا ہے اور واسطہ ہوتا ہے وہ اپنے مملوک کی صفات سے متصف نہیں ہو سکتا۔ اسے حقیقت میں شفیع اور واسطہ نہیں کہا جاتا۔ ایک اور انداز سے اس بات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ شفاعت اللہ کی قدرت میں منحصر ہے۔ تم سب کے سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اس بیان سے آشکار ہوتا ہے کہ شفاعت کا اصل مالک ذات

خداوندی ہی ہے کہ شفاعت کے طالب کا معاملہ آخر کار اللہ ہی کی طرف منتقل ہوتا ہے اور وہ ذات کہ جس تک شفاعت کے محتاج بندوں کے امور پلٹتے ہیں وہ اللہ ہی ہے تو پھر شفاعت کا اصلی مالک اللہ ہی ہے۔

شفاعت کس کو ملے گی تو یہ اللہ کے کہنے سے ملے گی۔ جب تک اللہ نہ کہے گا کوئی کسی کی شفاعت نہ کرسکے گا اور اللہ ان کے لیے ہی کہے گا جو اللہ کے پسندیدہ بندوں ہونگے او وہ وہی ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اعمال صالحہ بجالاتے ہیں۔ تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ کافر اور مشرک اللہ کے مبغوض ہیں۔ ان پر اللہ کا عذاب ثابت ہے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں ہمیشہ کے لیے دردناک عذاب ان کا مقدر ہے۔

وَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَ اِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ”اور جب صرف اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل متنفر ہو جاتے ہیں اور جب اللہ کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔“

مشرکین کا خاصہ

مشرکین کا یہ وطیرہ ہے کہ بعض وقت اللہ کی نعمت اور محبت کا اعتراف کرتے ہیں لیکن جب اللہ کا ذکر اس عنوان سے ہو کہ وہ یکتا ہے تو پھر ان کا دل خوش نہیں ہوتا۔ ہاں جب دوسرے دیوتاؤں یا جھوٹے خداؤں کا ذکر کیا جائے تو وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ خوشی سے اچھل کود کرنے لگتے ہیں۔ جس کے آثار ان کے چہروں پر نمایاں ہوتے ہیں۔

آج کا مسلمان

ہمیں اس جگہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کے مسلمانوں کا حال بھی کچھ ایسا ہو گیا ہے کہ جب اللہ کی قدرت، عظمت اور اسکے علم کی لامحدود وسعت کا بیان ہو تو ان کے چہروں پر بیزاری کے آثار ظاہر ہوتے ہیں مگر کسی پیر و فقیر کی جھوٹی کرامت کا ذکر ہو یا مغربی آقاؤں کا ذکر ہو اور ان کی کسی نئی ایجاد کا تذکرہ ہو تو بڑی خوشی سے اسے بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ توحید خالص اگر بیان کرنے والے ان کے ہاں ہوتے تو ایسا نہ ہوتا یہ مقام افسوس ہے۔

مشرکین اگر آخرت پر ایمان رکھتے تو پھر ان کی ایسی حالت نہ ہوتی۔ آخرت کے انکار کا یہ نتیجہ ہے۔

مادہ پرستوں کا حال

(اسی طرح مادہ پرستوں کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ کی حاکمیت کا انکار کرتے ہیں کیونکہ وہ نامحدود سلطنت اور غلبہ چاہتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ پوری دنیا میں لوگوں کو اپنی رعایا بنائے اور ان پر حکمرانی کرنے کے لیے انکا ہاتھ کھلا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں تمام باطل پرستوں، کافروں اور مشرکوں، مادہ پرستوں اور کمزور ایمان والے اور غیر اللہ سے متاثر ہونے والے مسلمانوں کا ذکر کیا ہے۔ اگر آخرت پر ایمان ہو، اللہ کی وحدانیت پر ایمان، تقوی الٰہی ہو تو پھر دل کی کیفیت اور ہوتی ہے۔ مومنین صاحبان تقویٰ اللہ کے غضب سے ہراسان اور اللہ کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں۔

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ فِیْ مَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: ''کہہ دیجیے: اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے خالق، پوشیدہ اور ظاہری باتوں کے جاننے والے! تو ں ہی اپنے بندوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔''

پیغمبر اکرمؐ کے لیے ایک دستور

سابقہ آیات میں مشرکین کے نظریات کی نفی کر دی گئی اللہ کی قدرت کاملہ اور مالکیت مطلقہ کا ذکر ہو گیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہہ دیا ہے.بڑے دھڑلے سے زوردار آواز میں کہہ دو کہ آسمان اور زمین کا خلق کرنے والا اللہ ہے وہی ظاہر اور پنہان سے آگاہ، خیر و ہدایت سب اس کے ہاتھ میں ہے۔

ایک التجاء

اس اعلان کے سات ایک التجاء کا بھی حکم دے دیا کہ اے میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تم مجھ سے یہ درخواست ان الفاظ میں کر ڈالو کہ اے اللہ تو ہی ہے جو اپنے بندوں کے درمیان ان کے اختلافی معاملات کا فیصلہ دیتا ہے۔ اس وقت تیرے بندوں میں جو تعبدی اختلاف ہے اس میں خود تو ہی فیصلہ صادر فرمادے۔

اس درخواست اور التجاء میں اللہ کو فاطر کی صفت سے یاد کیا ہے کہ اے اللہ تو نے موجودات کو عدم سے نکال کر وجود کا لباس پہنایا ہے اس کے ساتھ اللہ کی صفت عالم الغیب والشادۃ کا سہارا لیا ہے۔ یعنی وہ اللہ جس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے اس کا لازمہ یہ ہے کہ وہ جو بھی فیصلہ صادر کرے گا وہ برحق ہوگا اسے گواہ لینے کی ضرورت نہیں ہے سب کچھ اس پر عیاں ہے اور پھر اس کا حکم نافذ ولاگو بھی ہے کہ وہ قادر مطلق ہے۔

پیغام:

۱۔ اللہ کو تمام معاملات میں اپنا حاکم قرار دو اور تسلیم کرو غیر اللہ پر اعتماد نہ کرو۔

۲۔ اللہ کے سواء کوئی شفیع نہیں جس کو اللہ اجازت دے گا وہی شفاعت کرے گا لیکن شفاعت اس کی کرے گا جس کے لیے اللہ کی رضایت کا شفاعت کرنے والے کو یقین ہوگا ہر ایک کی شفاعت نہ کرسکے گا شفاعت میں مشفوع کا اللہ کے ہاں پسندیدہ ہونا ضروری ہے۔

وَ لَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَ بَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ یَكُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: ”اور اگر ظالموں کے پاس وہ سب (دولت) موجود ہو جو زمین میں ہے اور اتنی مزید بھی ہو تو قیامت کے دن برے عذاب سے بچنے کے لیے وہ اسے فدیہ میں دینے کے لیے آمادہ ہو جائیں گے اور اللہ کی طرف سے وہ امر ان پر ظاہر ہو کر رہے گا جس کا انہوں نے خیال بھی نہیں کیا تھا۔“

ستمکاروں اور معاد کے منکروں کا انجام

ستمکاروں سے مراد وہ ہیں جو معاد کے منکر اور مشرکین سے ہیں جنہوں نے اللہ کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کردیں اور حق کو قبول نہ کیا۔ سورۃ اعراف آیت ۴۵ میں ظالموں کا معنی اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ یَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ”ظالم لوگ جو اللہ کے راستہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں اور ٹیڑھے راستے کو چاہتے ہیں بلکہ وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں۔“

اللہ کی دعوت کا انکار کرنے والے

اس جگہ ایسے افراد کے بارے میں بیان کیا گیا جنہوں نے دنیا میں اللہ کا انکار کیا اللہ کے لیے شریک قرار دیا اور آخرت کا انکار کیا ایسے لوگوں نے اپنے اوپر ظلم کیا جب انہیں قیامت کے دن حساب کے لیے لایا جائے گا تو ان کا بہت ہی برا حال ہوگا۔ اس روز آپ فرض کیجئے کہ ان کے پاس روئے زمین کے سارے خزانے موجود ہوں بلکہ اس سے بھی زائد مال ان کے پاس موجود ہو وہ چاہیں گے کہ سب کچھ دے دلا کر اپنی جان چھڑا لیں جیسا کہ بدمعاشوں کا دنیا میں یہ طریقہ ہوتا ہے جبکہ وہاں پر وہ ایسا نہ کر سکیں گے۔ انہوں نے دنیا میں جو کارستانیاں اور بدمعاشیاں کی ہونگی۔ وہ سب ایک ایک کرکے ان کے سامنے ہونگی اور وہ اس پر حیرت زدہ ہونگے انہیں اس کی توقع نہ تھی ان کا خیال و گمان بھی نہ تھا کہ انہیں ایسا دن دیکھنا پڑے گا۔

پیغام:

قیامت کے دن مجرم خود کو عذاب سے نجات دلانے کے لیے کسی قسم کی سفارش یا رشوت نہ دے سکیں گے اور کسی مجرم سے کچھ بھی قبول نہ ہوگا۔

اگلی آیت میں ان کی سزا کا بتایا جارہا ہے۔

وَ بَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: ”اور ان کی بری کمائی بھی ان پر ظاہر ہو جائے گی اور جس بات کی وہ ہنسی اڑاتے تھے وہ انہیں گھیر لے گی۔“

دنیا کے اعمال کا آشکار ہونا

انسان دنیا میں جو برے اعمال کرتا ہے اس کی ہولناکی اور اس کا برا اثر اس پر عیاں نہیں ہوتا قیامت کا دن ایسا ہے کہ ان کے برے اعمال اور ان اعمال کے اثرات ان پر ظاہر ہونگے جو کچھ دنیا میں ان پر مخفی تھا وہ آخرت میں ان کے سامنے ظاہر ہو جائے گا۔ انبیا اور رسل دنیا میں انہیں گناہوں کے ارتکاب کرنے میں جس قسم کے عذابوں سے ڈرایا کرتے تھے اور وہ

سن کر مذاق اڑاتے تھے اب قیامت کے دن انہیں ان عذابوں کو بھگتنا پڑے گا انہی گناہوں کی پاداش میں ایسی سزائیں ملیں گی جن کا وہ تصور بھی نہیں کرتے تھے اور ان سزاوں سے چھٹکارا بھی نہیں ہوگا۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِىَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۹

ترجمہ: ''جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اپنی طرف سے اسے نعمت سے نوازتے ہیں تو کہتا ہے: یہ تو مجھے صرف علم کی بنا پر ملی ہے، نہیں! بلکہ یہ ایک آزمائش ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔''

انسان کی طبیعت و مزاج

اس جگہ انسان کے مزاج و طبیعت کی بات کی گئی ہے کہ یہ انسان اس طرح ہے کہ جب اسے کوئی مشکل پیش آتی ہے، کسی پریشانی یا بیماری میں مبتلا ہوتا ہے یا اس پر کوئی مصیبت آن پڑتی ہے تو بڑے خلوص سے ہر طرف سے توجہ ہٹا کر اللہ کا ہو جاتا ہے اور گڑگڑا کر اللہ سے دعائیں مانگتا ہے۔ جس اللہ کا نام نہیں سن سکتا تھا پریشانی کے وقت اس کو آوازیں دیتا ہے۔ لیکن جب پروردگار کی طرف سے اسے کوئی نعمت مل جاتی ہے، مشکل حل ہو جاتی ہے تو پھر اس کو اپنی طرف نسبت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ جو صحت ملی ہے، یا جو میرے پاس مال آیا ہے اور جو پریشانی دور ہوئی ہے یہ تو میرے اپنے علم و ہنر اور تجربہ کا نتیجہ ہے۔ بھول جاتا ہے کہ یہ سب کچھ اسے اللہ کی جانب سے ملا ہے۔ کیونکہ اگر وہ یہ کہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے تو پھر وہ مجبور ہوگا کہ اللہ کے منعم ہونے کا اعتراف کرے اور یہ کہ وہ ہی رب ہے کہ تمام امور کی تدبیر اس کے ہاتھ میں ہے۔

نعمت دے کر آزمائش

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ یہ سب کچھ اس کے علم و ہنر کا کمال ہو ہم نے اس سے امتحان لینا ہے اس وسیلہ سے اسے آزمانا مقصود ہے، پریشانی دور ہونے پر وہ کہہ رہا تھا کہ اللہ کو میری استعداد اور اہلیت معلوم تھی للذا مجھے یہ نعمت مل گئی اپنی عقل اور اپنی لیاقت کو اس نعمت کا ذریعہ بناتا ہے اللہ کے فضل و قدرت کا اعتراف نہیں کرتا۔ اللہ نے یہاں تک بتادیا کہ ایسا نہیں ہے یہ نعمت خدا کی طرف سے ایک امتحان ہے کہ بندہ اس نعمت کو لے کر اپنے منعم حقیقی کا اعتراف کرتا اور اس کا شکر بجالاتا ہے یا نہیں اگر اس نے ناشکری کی تو یہی نعمت اس کے لیے وبال جان بن جائے گی لیکن اکثر لوگ اس بات سے آگاہ نہیں ہیں۔

پیغام:

اللہ کی نعمت کا اعتراف کیا جائے اور اللہ کی نعمت کا شکر بجالایا جائے انسان کو جو بھی ملتا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اس کے ہنر، علم اور استعداد کا خالق اللہ ہے۔

قَدۡ قَالَهَا الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَمَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ۝٥٠

ترجمہ: ”ان سے پہلے (لوگ) بھی یہی کہا کرتے تھے تو جو کچھ وہ کرتے تھے ان کے کسی کام نہ آیا۔“

فَاَصَابَهُمۡ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوۡا ؕ وَالَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡ هٰٓؤُلَاۤءِ سَيُصِيۡبُهُمۡ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوۡا ۙ وَمَا هُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ ۝٥١

ترجمہ: ”پس ان پر ان کے برے اعمال کے وبال پڑ گئے اور ان میں سے جنہوں نے ظلم کیا ہے عنقریب ان پر بھی ان کے برے اعمال کے وبال پڑنے والے ہیں اور وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔“

ناشکرے افراد ایک جیسے

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے ایک حالت کو بیان کیا ہے کہ جو لوگ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پر ناشکری کرتے ہیں اے رسول ﷺ وہ صرف تیری امت کے لوگ نہیں بلکہ اس امت سے پہلے جو امتیں اور اقوام گزری ہیں ان کا رویہ بھی یہی تھا جیسے قارون، فرعون اور ان کے پیروکار تھے وہ بھی ہماری نعمتوں کو اپنے علم و ہنر اور استعداد و قابلیت و لیاقت کا نتیجہ قرار دیتے تھے لیکن اگر ایسا ہوتا تو پھر وہ ان نعمات کی حفاظت کر سکتے تھے؟ اور خود کو ہلاک ہونے سے بچا سکتے جبکہ ایسا نہ کر سکے بلکہ ان کی خواہش کے برعکس وہ نعمات زائل ہو گئیں اور وہ بچ بھی نہ سکے اگر نعمات کا حصول ان کا اپنا کمال ہوتا تو ہر گز یہ نعمات ان سے زائل نہ ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا مواخذہ کیا۔ انہیں دنیا میں رسوا کیا ور آخرت کا بھی ان کے لیے سخت ترین عذاب ہے۔ اے رسول ﷺ تیری امت کے جو افراد ہماری نعمات سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور پھر ان نعمات کے حصول کو اپنی ذاتی لیاقت و ہنر و علم کی طرف نسبت دیتے ہیں تو ان کو معلوم رہے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے انکار ہے۔ تیری امت کے ظالم و ستمگر بھی بہت جلد اپنے اعمال کے نتائج بھگتیں گے، وہ اپنی ناشکری سے اللہ کو عاجز اور ناتواں نہیں بنا سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو انہیں نعمتیں دے کر انہیں مہلت دیتا ہے ان کا اپنا محاسبہ ایسی جگہ سے کرے گا جس کا انہیں خیال تک نہیں تھا، اللہ تعالیٰ کی تدبیر محکم و مضبوط ہے، اللہ کی تدبیر ہمیشہ ان کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہے اس سے انکار یا بچاؤ ممکن نہیں ہے۔

پیغام:

اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیے اور تمام نعمات کو اللہ کی عطایا سمجھنا چاہیے جو نعمت میسر آئے اسے اپنی ذات کی طرف نسبت نہ دی جائے۔ اللہ کی تدبیر کو تسلیم کریں جس نے انسان کے تمام اعمال کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔

اَوَ لَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: ''کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ اور جس کے لیے چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے؟ ایمان لانے والوں کے لیے یقیناً اس میں نشانیاں ہیں۔''

اللہ کی مشیت کا بیان

جو ناشکرے ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو جواب دیئے ہیں۔

۱۔ ایک جواب تو نقضی ہے کہ وہ کس طرح یہ سوچتے اور کہتے ہیں کہ ان کی قابلیت و صلاحیت سبب بنی کہ اللہ نے ان کو جن نعمتوں سے نوازا ہے اور وہ اللہ کی ان نعمات کو اپنا استحقاق سمجھتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ اگر ایسا ہوتا تو پھر وہ نعمات ان سے ضائع نہ ہوتیں اور وہ خود کو ہلاکت سے بچا سکتے جبکہ ایسا نہیں ہے۔

۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ کا اپنا نظام ہے جس کے لیے وہ چاہتا ہے اسے روزی عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے روزی روک لیتا ہے، روزی کی وسعت یا روزی کی تنگی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور مرضی پر منحصر ہے انسان کے اختیار میں یہ امر نہیں ہے۔

روزی حاصل کرنے کے اسباب

روزی حاصل کرنے اور مال کمانے کے اسباب و ذرائع ہیں انسان کی محنت، سعی و کوشش، انسان کا علم و ہنر روزی کے حصول کے لیے علت تامہ نہیں وگرنہ ہر ایک کے لیے اور ہمیشہ افراد کی سعی و کوشش، محنت و عمل کا ثمر اور نتیجہ ایک جیسا ہوتا۔ لہٰذا سعی و کوشش اور فنی مہارتوں کے علاوہ زمانی اور مکانی شرائط کا بھی اس میں دخل ہے، مختلف مواقع اور رکاوٹیں بھی اس میں آڑے آجاتی ہیں۔ حالات و شرائط ایسے ہو جاتے ہیں کہ ان کے فقدان سے بھی کوششیں بارآور نہیں ہوتیں، یہ موارد ایسے ہیں جن کو شمار نہیں کر سکتے جب ساری شرائط اور تمام زمانی و مکانی اسباب اکٹھے موجود ہوں اور ہر قسم کے موانع اور رکاوٹیں برطرف ہوں تو اس وقت انسان کی سعی و کوشش کا ثمر اور نتیجہ انسان کو ملتا ہے۔ ان شرائط، علل و اسباب کا باہمی ارتباط اور سب کا موافق ہونا یہ ایک مدبر کی اطاعت میں ہے۔ وہ ذات اللہ ہی ہے جو پوری کائنات کے وجودی سسٹم کو اپنی کامل مشیت کے تحت تدبیر فرماتا ہے کائنات کا یہ نظام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کو چلانے والا اور مدبر کائنات ایک ہے، اس کائنات کو نظام کے ساتھ چلانے والے کئی ناظم نہیں ہیں ورنہ سارا نظام درہم برہم ہو جاتا، کائنات کی بقا بتا رہی ہے کہ اس کا ناظم ایک ہے اور وہ اللہ رب العالمین ہے لہٰذا ان کا یہ خیال غلط ہے کہ انہیں جو نعمت ملی ہے یہ ان کی اپنی صلاحیت کے نتیجہ میں ہے، بلکہ نعمات کے ملنے میں بہت سارے عوامل کا عمل دخل ہوتا ہے اور اللہ ہی ہے جس نے ان عوامل کو خلق فرمایا ہے اور اللہ ہی ہے جو ان عوامل میں توافق ایجاد کرتا ہے اور پھر سعی و کوشش کا ثمر انسان کو ملتا ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿٥٣﴾

ترجمہ: ''کہہ دیجیے: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، یقینا اللہ تمام گناہوں کو معاف فرماتا ہے، وہ یقینا بڑا معاف کرنے والا، مہربان ہے۔''

اللہ کی رحمت واسعہ

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ آپ میرے سارے بندوں (جو کافر ہیں یا کافر نہیں بالخصوص مشرکین) کو یہ بات پہنچا دو کہ کفر و الحاد سے باہر نکلیں اور اللہ پر ایمان لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ اس آیت میں کافروں اور مشرکوں کو تشویق دی جا رہی ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں، اس بات سے نہ گھبرائیں کہ انہوں نے کتنے زیادہ گناہ کر لیے ہیں، جب ایمان لے آئیں گے تو اللہ ان کے سارے گناہ معاف کر دے گا۔ قنوط کا لفظ استعمال کیا گیا جس کا معنی نا امیدی اور مایوسی ہے۔ تو یہ کہا گیا کہ اللہ کی رحمت کے دائرہ میں آنے سے مایوس نہ ہوں۔

اسراف بر نفس

اپنے نفس پر زیادتی یعنی جو حدود اس کے لیے ہیں اور اللہ نے ہر نفس کے لیے جو حدود متعین کی ہیں جب کوئی نفس اس حد سے عبور کرتا ہے تو وہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے بندگی کی حد سے باہر نکل جاتا ہے چاہے وہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ۔

اس جگہ واضح اعلان کیا گیا ہے کہ اللہ سارے گناہ توبہ کرنے والے کو معاف کر دیتا ہے، بس شرط یہ ہے کہ پکا ارادہ کرکے اللہ کی طرف آجائے۔ اس جگہ بندوں کا لفظ بولا مخاطبین اس دور کے کفار اور مشرکین ہیں ویسے ہی بعد میں آنے والے سب افراد کو شامل ہے چاہے وہ کافر ہوں یا مشرک، اس آیت میں مشرکین و کافروں سے کہا جا رہا ہے کہ تم نے اللہ کا انکار کرکے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، شرک اور کفر کو چھوڑ کر اللہ کی اطاعت میں آجاؤ گے تو اللہ تمہارے

اس گناہ کو معاف کر دے گا، اللہ کی رحمت اور مغفرت سے مایوس مت ہوں۔ تمہیں معلوم رہے کہ تم لوگوں نے اللہ کے حضور جو کوتاہی کی ہے اس کا ازالہ ممکن ہے۔ واپس پلٹ آؤ توبہ سے اس کوتاہی کی تلافی کرو۔ اللہ تعالیٰ جب شرک جیسے بڑے گناہ کو معاف کر دیتا تو پھر شرک سے کمتر درجہ والے جو گناہ ہیں ان کو کیوں معاف نہ کرے گا۔

گناہوں کی معافی کے لیے دو چیزیں ہیں۔

۱۔ توبہ: سچی توبہ واپس اللہ کی طرف آجانا۔

۲۔ شفاعت

اس جگہ خطاب عمومی ہے اس میں کافر و مشرک اور مومن سب شامل ہیں لیکن شفاعت والا سبب کافروں اور مشرکوں کے لیے حاصل نہیں، ان کے لیے توبہ والا سبب موجود ہے۔ شرک اور کفر چھوڑ کر اللہ پر ایمان لے آئیں اور عمل صالح بجالائیں۔ تفسیر مجمع البیان میں بیان ہوا ہے کہ یہ آیت حضرت حمزہ سید الشہداکے قاتل وحشی غلام کے حوالے سے ہے۔ وہ کلمہ پڑھنے سے ہچکچا رہا تھا تو اس کو بھی بتا دیا کہ تم مسلمان ہو سکتے ہو۔ اس کے دل میں جو خوف تھا تو اس خوف کو بر طرف کیا گیا ہے رسول اللہ ﷺ نے اس کے مسلمان ہونے کو قبول کر لیا البتہ اس سے یہ فرما دیا کہ تم میرے سامنے نہ آیا کرو کہ اس سے حضرت حمزہ سید الشہداکے قتل ہونے کا منظر سامنے آجاتا ہے۔ اسلام لانے کے بعد کا مرحلہ عمل صالح اور ایمان ہے۔ اس پر جو پورا اترے گا تو اس کے لیے دنیوی رحمت کے ساتھ اللہ کی طرف سے اخروی رحمت اور مغفرت نصیب ہوگی۔ وگرنہ نہ ہوگی۔

وَ اَنِیۡبُوۡۤا اِلٰی رَبِّکُمۡ وَ اَسۡلِمُوۡا لَہٗ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَکُمُ الۡعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنۡصَرُوۡنَ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: ''اور اپنے رب کی طرف پلٹ آؤ اور اس کے فرمانبردار بن جاؤ قبل اس کے کہ تم پر عذاب آ جائے، پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔''

مشرکین اور کفار کو توبہ کی دعوت

اس جگہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح الفاظ میں کفار و مشرکین کو دعوت دی گئی کہ تم اپنے رب کی طرف واپس آجاؤ جس ذات کی طرف تمام امور کا نظام پلٹتا ہے اور سارے امور جس ذات کی عملداری میں ہیں جو پوری کائنات کا ناظم اور مدبر ہے، تم اسی کائنات کا حصہ ہو جس کا انتظام و انصرام اس رب کے ہاتھ میں ہے لہٰذا اپنے اختیار سے اسی رب کی طرف پلٹ آؤ اس کو تسلیم کرو، اس جگہ انسان کے اختیار کی طرف اشارہ دیا گیا ہے اور رب کا استعمال کیا ہے، اس کو یہ بتایا گیا کہ سارے جہاں کا ناظم اللہ ہے، تمہارے جسم و جان کا نظم بھی اس کے ہاتھ میں ہے، کوئی بھی اللہ کی عملداری سے باہر نہیں، لہٰذا اللہ کے حضور تسلیم ہو جاؤ، اس پر ایمان لے آؤ اس کے احکام و قوانین کے مطابق زندگی گزارو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو پھر تمہارے اوپر عذاب اترے گا، پھر تمہیں کسی جگہ سے مدد نہ ملے گی تمہاری کوئی شفاعت بھی نہ کر سکے گا۔ پہلے بیان ہو چکا کہ شفاعت میں دو شرائط ہیں:۔

ا۔ شفاعت کرنے والے کا ماذون ہونا اللہ کی طرف سے

۲۔ اور شفاعت اللہ کے پسندیدہ کے لیے ہوگی، جب کہ جو کفر و شرک کی حالت میں رہے گا تو وہ اللہ کی پسند نہیں ہے۔

پیغام:

ہر ایک کو دعوت دو کہ وہ اللہ کی اطاعت میں آجائے بالخصوص کافروں اور مشرکوں کو دعوت دو کہ وہ اللہ کے سامنے تسلیم ہو جائیں۔ اور کفر نہ کریں اور نہ ہی اللہ کا کسی کو شریک بنائیں۔ ایمان لانے کی صورت میں ان کے سابقہ گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔

وَ اتَّبِعُوْۤا اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

ترجمہ: ''اور تمہارے رب کی طرف سے تم پر جو بہترین (کتاب) نازل ہوئی ہے اس کی پیروی کرو قبل اس کے کہ تم پر ناگہانی عذاب آ جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔''

عمومی خطاب اور احسن حدیث

سابقہ آیت کی طرح اس میں بھی خطاب عمومی ہے جو کافر اور مومن دونوں کو شامل ہے۔ احسن ما انزل (اللہ کی طرف سے جو اتارا گیا بہترین ہے) اس سے مراد اللہ کے تمام وہ خطابات مراد ہیں جس سے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جو ان خطابات میں بیان شدہ مطالب کی پیروی کرے گا تو گویا اس نے حق عبودیت ادا کر دیا ہے، اسی طرح اس کا اشارہ ان امور کی طرف بھی ہے جن کا تعلق انسان کے باطن سے ہے، چاہے ان کا تعلق عقائد و نظریات سے ہو یا اعمال سے مربوط ہو، جیسے تقویٰ، دین میں اخلاص اور ذکر الٰہی میں مستغرق ہونا، اللہ کے ذکر سے عشق و محبت، اس قسم کی دعوتیں اللہ کے خطابات میں سے ہیں ان کی پیروی سے انسان کو حیات طیبہ مل جاتی ہے، یہ پیروی انسان میں روح ایمان کو ڈال دیتی ہیں ان کے اعمال صالح ہو جاتے ہیں اور انسان اللہ کی ولایت اور عملداری میں عملی طور پر داخل ہو جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی کرامت ہے کہ اس سے بڑھ کر انسان کے لیے کوئی اور کرامت نہیں ہے۔

عذاب سے ڈرانے کا ہدف

جب اللہ کی طرف سے عذاب سے ڈرایا جاتا ہے تو اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسا ن کے باطن اور ظاہر کی اصلاح کی جائے، اس آیت میں یہ بات زور دیکر کہی گئی ہے کہ اللہ کی جانب سے تمہارے پاس جو دعوتیں آئی ہیں ان کی پیروی کرو تاکہ غفلت میں تمہارے اوپر عذاب نہ آن پڑے اور تمہارے پاس توبہ اور اصلاح کا وقت بھی موجود نہ ہو لہٰذا اللہ کے خطابات اور بیان کی پیروی کرو۔

اَنۡ تَقُوۡلَ نَفۡسٌ یّٰحَسۡرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطۡتُّ فِیۡ جَنۡۢبِ اللّٰہِ وَ اِنۡ کُنۡتُ لَمِنَ السّٰخِرِیۡنَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: ”کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شخص یہ کہتا ہوا نظر آئے کہ ہائے افسوس میں نے اللہ کی جانب کوتاہی نہ کی ہوتی جبکہ میں نے اللہ کے (بیانات کے بارے) حق میں مذاق اڑانے والوں میں سے تھا۔“

تفریط کا معنی

اپنے کام اور اعمال جنکو فوری انجام دینے کی ضرورت ہوتی ہے، ان کے انجام دینے میں کوتاہی اور سستی سے کام لینا۔

جنب اللہ

اللہ کے حضور، اللہ کی جناب میں اس سے اشارہ و کنایہ اللہ کا قرب اور اللہ کی جناب مراد لیا گیا ہے۔

جنب اللہ کا مصداقی معنی

ائمہ اہل البیت علیہم السلام کی بہت ساری روایات میں آیا ہے کہ جنب اللہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں اور اس سے مراد باقی ائمہ بھی ہیں۔ تو یہ آیت کے مصداق کی تطبیق ہے کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے نمائندگان ہیں ان کے حق میں کوتاہی گویا اللہ کی نمائندگی کو نظر انداز کرنا ہے اور یہ اللہ کی جناب اقدس میں کوتاہی ہے۔

اس جگہ اللہ تعالیٰ سابقہ خطابات کے تسلسل میں ان بندوں کو فرمارہا ہے کہ تم ہوا و ہوس میں پڑے ہوئے ہو، دنیا کے مزوں میں غرق ہو کر خدا کو بھلا دیا ہے۔ بلکہ اللہ کو کچھ سمجھا ہی نہیں، اللہ کے دین، اللہ، رسول اور پیغمبر جو اللہ کے نمائندگان ہیں اور اللہ کی نشانیوں کا مذاق اڑاتے رہے اور ان کو کوئی حقیقت نہ سمجھا، لہٰذا اللہ ان سے فرمارہا ہے کہ میں تو تمہیں ڈرا رہا ہوں، تمہیں متوجہ کر رہا ہوں کہ پھر ایسا دن آئے گا کہ اس وقت تمہیں بہت افسوس ہوگا، اس وقت افسوس کروگے کہ ہم نے خدا کو کیوں نہ پہچانا اور اس کے رسولوں کی قدر کیوں نہ کی، حق ماننے سے انکار کیوں کیا۔ اللہ فرمارہا ہے کہ میری تمہارے لیے یہ دعوتیں اس لیے ہیں کہ تم غفلت سے جاگ جاؤ اور ایمان لے آؤ تاکہ کل تمہیں افسوس نہ کرنا پڑے، کیونکہ قیامت کے دن افسوس کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اسی دنیا میں توبہ کرو اللہ کی طرف پلٹ آؤ۔ اللہ کے امر کے آگے تسلیم ہو جاؤ تاکہ قیامت کی سعادت و فلاح اور کامیابی حاصل کرسکو۔

پیغام:

قیامت کے دن سعادت و کامیابی کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ ہم اللہ کی دعوت کو قبول کریں اور اللہ کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں۔ اللہ کی جانب میں خود کو موجود رکھیں۔

اَوۡ تَقُوۡلَ لَوۡ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِىۡ لَكُنۡتُ مِنَ الۡمُتَّقِيۡنَ ۙ﴿۵۷﴾

ترجمہ: ''یا وہ کہے: اگر اللہ میری ہدایت کرتا تو میں متقین میں سے ہو جاتا۔''

اَوۡ تَقُوۡلَ حِيۡنَ تَرَى الۡعَذَابَ لَوۡ اَنَّ لِىۡ كَرَّةً فَاَكُوۡنَ مِنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: ''یا عذاب کو دیکھ کر یہ کہے گا: اگر مجھے واپس (دنیا میں) جانے کا موقع مل جائے تو میں نیکی کرنے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔''

قیامت کے دن کافروں کی بہانہ تراشیاں

اللہ تعالیٰ نے مجرموں کے عذاب میں مبتلا ہونے کی بات کی ہے جب حسرت اور افسوس کرنے سے اس کا کام نہ چلے گا تو اپنا دل بہلانے کے لیے یہ عذر پیش کریں گے کہ میں کیا کروں اللہ ہی نے مجھے ہدایت نہ دی وہ ہدایت کرنا چاہتا تو میں بھی آج متقین کے درجہ پر ہوتا اس کا جواب اگلی آیت میں دیا گیا ہے اس جگہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی یہ بات بطور احتجاج نہ ہو بلکہ محض اظہار یاس و ناامیدی ہو کہ میں اپنی سوء استعداد اور بد تمیزی کی وجہ سے اس لائق نہ تھا کہ اللہ مجھ کو راہ ہدایت دکھاتا اور مجھے منزل مقصود تک پہنچا دیتا اگر مجھ میں اہلیت اور استعداد ہوتی اور اللہ میری دستگیری کرتا تو میں بھی آج متقین میں سے ہوتا۔

اس طرح ایک اور حالت کا بیان کیا ہے کہ جب عذاب کو دیکھے گا کیونکہ جب حسرت و یاس کا اظہار اور اعتذار کام نہ آئے گا۔ تو پھر اضطراب اور پریشانی کی حالت میں کہے گا اے کاش! دنیا میں، میں واپس جا سکتا اور پھر وہاں پر نیک لوگوں سے ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کافروں اور مشرکوں کی اس قسم کی آرزو کا جواب اس طرح سورہ مومنون کی آیت میں دیا ہے۔

اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا (سورہ مومنون آیت ۱۰۰)

"یہ تو اس مجرم کی ایک بات اور خواہش ہے جو وہ کہہ رہا ہے۔اس سے زیادہ کچھ نہیں۔"

اب واپسی ہر گز نہیں ہو سکتی یہ تو ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے۔ وگرنہ واپس جا کر بھی اس نے وہی کرنا ہے جو پہلے کرتا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس جگہ یہ بات کہنا چاہتا ہے کہ ہم نے یہ تمام دعوتیں اور اپنے پیغامات اسلیے انسانوں کے لیے دے دیئے تاکہ کافروں کا بہانہ ختم ہو کوئی عذر باقی نہ رہے اور ان پر حجت قائم ہو جائے۔ اگلی آیت میں قیامت کے دن کافروں کی عذر تراشیوں کا جواب بھی دے دیا ہے۔

بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِىْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: "جواب ملے گا ایسا نہیں ہے بلکہ! میری آیات تجھ تک پہنچیں لیکن تو نے انہیں جھٹلایا اور تکبر کیا اور تو کافروں میں سے تھا۔"

کافروں کی گفتگو کا جواب

قیامت کے دن جو یہ کہے گا کہ اگر اللہ نے ہدایت دی ہوتی تو میں متقین سے ہوتا، یہ بات مردود ہے کیونکہ دنیاوی زندگی میں اللہ کی نشانیاں اس کے پاس اللہ کے پیغمبروں اور نمائندوں کے ذریعہ آئی تھیں، اللہ کے انبیا علیہم السلام نے یہ آیات انہیں پہنچائیں اور ان کو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی لیکن کافروں نے تکبر کیا اور ان کی دعوت کو ٹھکرادیا۔ خود انہوں نے اس دعوت کو جو ان کے پاس آئی تھی قبول نہ کیا اور ہدایت کی جگہ گمراہی کو انتخاب کیا، اس جگہ یہ بات بھی ہے کہ اللہ کو ازل سے معلوم تھا کہ توں اس کی آیات کا انکار کرے گا اور توں تکبر اور سرکشی سے باز نہیں آئے گا۔ تیرے مزاج اور طبیعت کی افتاد ہی ایسی ہے۔ اگر

تجھے ہزار مرتبہ دنیا کی طرف لوٹا یا جائے تب بھی توں اپنی حرکات سے باز نہیں آسکتا۔ سورہ انعام کی آیت: ۲۸ میں ارشاد فرمایا:

وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ

ترجمہ: اگر ان کو واپس لوٹا یا گیا تو وہ اسی کا ارتکاب کرینگے جس سے ان کو روکا گیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ سب جھوٹ بولنے والے ہیں۔

وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝۶۰

ترجمہ: ”اور جنہوں نے اللہ کی نسبت جھوٹ بولا قیامت کے دن آپ ان کے چہرے سیاہ دیکھیں گے، کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے؟“

اللہ پر جھوٹ باندھنا

اللہ کی طرف سے جو سچی بات آئے اس کا انکار کرنا اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے، کیونکہ جھٹلانے والا دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ نے فلاں بات نہیں کہی، حالانکہ واقع میں اللہ نے وہ بات کہی ہوتی ہے، کافروں کی دو صفات یہاں بیان ہوئی ہیں۔ تکذیب و استکبار یعنی جھٹلایا اور تکبر کیا۔ جب اللہ کی طرف سے توحیدی دعوت کو ٹھکرا دیا تو شرک کو اختیار کرلیا، اللہ کے لیے بیٹا قرار دیا، بتوں کو اللہ کے شفاعت کرنے والا بنالیا، فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دے دیا اور دین میں بدعتیں قرار دے دیں لہٰذا تکبر کرنے اور اللہ کو جھٹلانے کا نتیجہ دنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں سخت عذاب ہے۔ جو اللہ کی آیات کو جھٹلانے والے ہیں وہ قیامت کے دن روسیاہ ہونگے۔ یہ ان کے تکبر کی سزا ہے یہ لوگ ذلت و خوارگی سے دوزخ میں ہونگے۔

وَ يُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾

ترجمہ: ''اور اہل تقویٰ کو ان کی کامیابی کے سبب اللہ نجات دے گا، انہیں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔''

نجات کی وجہ

تقویٰ اختیار کرنے والے: اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے کامیابی قرار دی ہے جو اللہ کا تقوی اختیار کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ کے اوامر پر عمل کیا اور نواہی کو چھوڑا تقویٰ والے ہی کامیاب لوگ ہیں اور یہ کامیابی ان کی نجات کا وسیلہ قرار دیا ہے ایسے لوگ نجات پائیں گے کہ ان کو غم ہوگا نہ اندوہ ہوگا نہ ان کو کوئی تکلیف ہوگی اور نہ ہی عذاب ہوگا۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۫ وَّ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۶۲﴾

ترجمہ: ''اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔''

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾ ع

ترجمہ: ''آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ملکیت ہیں اور جنہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔''

ایک حقیقت کا بیان

ان آیات میں اسی حقیقت کا بیان ہے جس کا اعتراف مشرکین کر چکے ہیں، سابقہ بیان آچکا ہے کہ اگر ان مشرکوں سے سوال کرو کہ آسمانوں اور زمین کا خالق کون ہے تو وہ ضرور جواب دینگے کہ اللہ ہی ان کا خالق ہے اس جگہ بھی اللہ کے خالق ہونے کو بیان کیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ اللہ کی ربوبیت اور مدبریت کو ثابت کیا جائے۔ اس کی ابتدا اس طرح ہے کہ تمام اشیا کی حقیقت اللہ سے ہے جس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو ہر چیز کا خالق ہے وہی اس کا مالک ہے، کوئی بھی چیز اپنی مالک خود نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اور اس کا مالک ہے۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اس کا مالک بنایا ہو، خداوند ہی سب اشیا کا وکیل ہے اور جو کچھ ان موجودات کے قائم مقام ہیں ان کا وکیل بھی اللہ ہے لہٰذا اللہ ہی ان اشیا کے مدبر اور مالک ہے۔ اللہ ہی تنہا اس پورے عالم کا رب اور مدبر ہے، کیونکہ آسمانوں اور زمین کے خزانوں کی چابیاں اللہ کے پاس ہیں یہ بات اس سے کنایہ ہے کہ اللہ غیبی خزائن کا مالک ہے اللہ کی ملکیت موجودات کی تدبیر اور نظام سے ظاہر ہوتی ہے، جو عالم شہود کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ موجودات کی ہستی، ان کا رزق، ان کی عمر سب اللہ ہی کے خزائن سے ہے۔ خزائن کی مالکیت اللہ کی ہے تو تمام موجودات کی حوائگی اور وکالت بھی اللہ کے لیے ہے۔

تمام دلائل اللہ کی خالقیت، مالکیت اور ربوبیت پر دلالت کرتی ہیں۔ لہٰذا جو لوگ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے ہیں اللہ کی ربوبیت کو تسلیم نہیں کرتے ان کی عبادت نہیں کرتے تو حقیقت میں خود بھی آشکار اخسارے میں ہیں۔ آدمی کو چاہئے کہ وہ اللہ سے ڈرے، اس کے غضب سے ڈرے اس کی نعمت کا امیدوار رہے۔ کفر و ایمان اور جنت و دوزخ سب تو اس کے زیر تصرف ہیں۔ اس کی باتوں کا منکر ہو کر آدمی کا کہیں ٹھکانہ نہیں ہے، کیا اس سے منحرف ہو کر کوئی آدمی فلاح کی امید رکھ سکتا ہے؟

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿٦٤﴾

ترجمہ: "کہہ دیجیے: اے نادانو! کیا تم مجھے کہتے ہو کہ میں غیر اللہ کی بندگی کروں؟"

وَ لَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٥﴾

ترجمہ: "اور بتحقیق آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیاء کی طرف یہی وحی بھیجی گئی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضرور حبط ہو جائے گا اور تم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔"

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٦﴾

ترجمہ: "بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور شکر گزاروں میں سے ہو جاؤ۔"

رسول اکرمؐ کے لیے دستور

اللہ تعالیٰ نے اتنے سارے اپنی خالیقت، مالکیت اور ربوبیت کے ثبوت دے دینے کے بعد اپنے رسول کو دستور دیا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو۔ یہ تمہیں وحی کر دی گئی ہے اور تم سے پہلے جو انبیاء گزرے ہیں انکے لیے بھی یہی حکم دیا گیا۔ اس جگہ بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے آکر کہا تھا کہ آپ ہمارے بتوں کی پرستش کریں تو رسول اللہ ﷺ نے ان مشرکین سے فرمایا کہ اتنے سارے دلائل تمہارے سامنے اللہ کی خالقیت، مالکیت اور ربوبیت کے پیش کر دیئے ہیں اس کے باوجود تم مجھے کہتے ہو کہ میں بتوں کی پرستش کروں۔ غیر خدا کی طرف مجھے دعوت دیتے ہو اس قسم کی دعوت میں سوائے جہالت اور نادانی کے کچھ اور ہو سکتا ہے؟

اعمال کا ضائع ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک واضح اور اٹل فیصلہ دیا ہے کہ اب میرے رسول یہ بات غور سے سن لو کہ اگر میرے علاوہ کسی کی پرستش کروگے اور شرک اختیار کروگے تو تمہارے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے، کسی عمل پر کچھ اجر و ثواب نہ ملے گا، اس طرح آپ زیاں کاروں سے ہونگے۔ تمہارا شمار ان میں سے ہوگا جو آیات الٰہی کا کفر اختیار کرتے ہیں اور اللہ کے دلائل سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ لہٰذا انبیاء کا معصوم ہونا ان کی تکلیف و ذمہ داری کو ساقط نہیں کرتا، کیونکہ معصوم وہ ہوتا ہے جو گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا، لیکن اس میں گناہ کی صلاحیت موجود ہوتی ہے، انبیا کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کرتے۔ عصمت کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کی صلاحیت ہونے کے باوجود اس گناہ کے اثرات اور نقصان کے بارے میں یقینی علم ہوتا ہے یہ علم ہی کی وجہ سے گناہ کا ارتکاب نہیں ہو پاتا۔ جس طرح ایک شخص کو معلوم ہے کہ زہر کا اثر موت ہے وہ زہر نہیں کھائے گا لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ وہ زہر کھانے کا اختیار نہیں رکھتا۔ لہٰذا ہم یہ حق رکھتے ہیں کہ ان سے کہیں کہ تم زہر مت کھاؤ۔ اس جگہ بھی اسی طرح ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کو کہا جارہا ہے کہ تم غیر خدا کی عبادت مت کرو اور شکر گزاروں سے بنو، شکر گزار وہ ہیں جو علم اور عمل کے مرحلہ میں نعمت کے شکر کو آشکار کرتے ہیں۔ عقلی لحاظ سے غور کریں تو جب تمام چیزوں کا پیدا کرنا اس سے باز رکھنا ان میں ہر قسم کے تصرفات کرتے رہنا صرف اللہ کا کام ہے تو عبادت کا مستحق بھی اس کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا اور نقلی لحاظ سے دیکھیں تو تمام ادیان، تمام انبیاء توحید کی صحت اور شرک کے بطلان پر متفق ہیں بلکہ ہر نبی کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا ہے کہ آخرت میں مشرک کے تمام اعمال اکارت ہیں اور شرک کا انجام خالص حرمان و خسران کے سوا کچھ نہیں۔

لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ وہ ہر طرف سے ہٹ کر ایک خدائے قدوس کو پوجے اور اس کا شکر گزار و وفادار بندہ بنے۔ اس کی عظمت و قدرت کو سمجھے۔ عاجز و حقیر مخلوق کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے اس کو اسی طرح بزرگ و برتر مانے جیسا وہ واقع میں ہے۔

وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَ الْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ: ”اور ان لوگوں نے اللہ کی قدر شناسی نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے اور قیامت کے دن پوری زمین اس کے قبضہ قدرت میں ہو گی اور آسمان اس کے دست قدرت میں لپٹے ہوئے ہوں گے، وہ پاک اور بالاتر ہے اس شرک سے جو یہ کرتے ہیں۔“

قدر کا معنی

قدر کا معنی مقدار اندازہ کے ہیں۔ پھر اسے معنوی امور میں منزلت، شان اور حقیقت کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

اللہ کی شان کے مطابق معرفت حاصل نہ کرنا

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ایک حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ انسانوں کو تو چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ جو خالق و مالک و رب ہے اس کی صحیح طریقہ سے معرفت حاصل کرے لیکن لوگوں نے اس طرح سے اللہ کی معرفت حاصل کی اس جگہ مشرکین کو خطاب ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین نے اللہ کی عظمت، بزرگی، جلال و برتری کو وہاں تک نہ سمجھا اور ملحوظ نہ رکھا جہاں تک ایک بندہ کو سمجھنا اور ملحوظ رکھنا چاہئے تھا، اس کی شان رفیع اور مرتبہ بلند کا اجمالی یقین رکھنے والا کیا عاجز و محتاج مخلوق حتی کہ پتھر کی بے جان مورتیوں کو اس کا شریک

تصور کر سکتا ہے۔ حاشا و کلا۔ لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہر چیز کی بازگشت اللہ کی طرف ہے، مشرکین نے اس امر کو نہ سمجھا، قیامت کے دن تمام اسباب اپنی سببیت کے اثر سے عاری ہونگے، مخلوق کا ہاتھ ان اسباب کے استعمال سے عاجز ہوگا۔ صرف ایک سبب رہے گا اور وہ مسبّب الاسباب اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اسی کی حاکمیت ہوگی، پورے جہاں پر اس کے سوا کوئی موثر نہیں ہے۔ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کے اختیار میں ہوگا سارے آسمانوں کو لپیٹ دیا جائے گا، ہر ہستی پر مکمل اور پورا تصرف اللہ تعالیٰ کا ہوگا کیونکہ ملک اسی کا امر و آرڈر بھی اسی کا، جس طرح دنیا میں اس کا حکم چلتا تھا اور اسی کی مالکیت تھی انسان کو اسی نے اختیار دیا کہ وہ اپنے ارادے اور اختیار سے اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق زندگی گزاریں۔ دنیا میں کسی کے پاس جو مالکیت کا عنوان تھا تو وہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ تھا لیکن دنیا والے اس معنی اور اس کی حقیقت سے غافل ہے۔ دنیا میں ان پر یہ ساری حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ہر شرک سے منزہ ہونا

آخر میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ مشرکین نے اللہ کی مالکیت، الوہیت، اور ربوبیت میں جو شریک قرار دے رکھے ہیں تو اللہ ان سب سے منزہ ہے۔ مشرکین نے اپنے اعمال سے خدا کی طرف عاجزی کی نسبت دی اور معاد کا انکار کیا معاد کا انکار درحقیقت اللہ کی ربوبیت کا انکار ہے کیونکہ جس رب کی طرف پوری مخلوقات کی بازگشت نہ ہو تو پھر وہ کیسا رب ہے، رب وہی ہوتا ہے جس کی طرف اس کی مخلوقات کی بازگشت ہے۔

وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝۶۸

ترجمہ: ”اور (جب) صور میں پھونک ماری جائے گی تو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب بیہوش ہو جائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے، پھر دوبارہ اس میں پھونک ماری جائے گی تو اتنے میں وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔“

صور کا پھونکا جانا

ایک بار نفخہ صور ہے عالم کے فنا کا دوسرا ہے زندہ ہونے کا تیسرا حشر کے لیے بے ہوشی کا اور چوتھا خبر دار ہونے کا اس کے بعد سب کی اللہ کے ہاں پیشی ہوگی (یہ بعض کا خیال ہے) لیکن آیت کا ظاہر یہ ہے کہ نفخہ دو بار ہوگا۔ ایک دفعہ صور میں پھونک مار دی جائے گی تمام جانداراوں کی موت کے لیے اور دوسری دفعہ صور میں پھونک ماری جائے گی اور سب مرے ہوئے زندہ ہو جائیں گے اور جو استثنا دیا گیا ہے کہ اللہ جن کو چاہے گا تو انہیں باقی رکھے گا تو اس سے مراد ارواح ہیں۔

موت سے مراد

جسم سے روح کا جدا ہو جانا موت ہے، ارواح کو موت نہ دی جائے گی، یہ بات ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی روایات سے ثابت ہے، جب سارے قبروں سے اٹھ کھڑے ہونگے تو وہ اللہ کے حکم کا انتظار کرینگے، حیرت زدہ اور مبہوت ہونگے حیرت زدگی کی حالت ایسی ہوگی کہ ان کی آنکھیں پھٹی ہونگی یہ عجیب منظر ہوگا مگر جن کے بارے میں خدا چاہئے گا وہ زندہ رہیں گے، بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت ہیں، بعض نے ان کے ساتھ حمال العرش (عرش کے حاملین) کو بھی مراد لیا ہے۔ بعض کے نزدیک انبیا اور شہداء ہیں بعض کے نزدیک چہارہ معصومین ہیں۔ البتہ یہ نفخہ (صور پھونکا جانا) پہلے مرحلہ میں ہوگا لیکن ایک مرحلہ وہ آئے گا تو کوئی باقی نہ بچے گا حتی ملک الموت پر بھی موت آجائے گی۔ اس وقت اللہ کی آواز آئے گی کہ اب کون ہے اس جہاں کا مالک، جواب آئے گا اللہ واحد قہار ہے

اس کے بعد پھر سب کو زندہ کرنے اور حساب کے لیے حاضر کرنے کا مرحلہ آئے گا۔ (واللہ العالم)

وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ وَ جِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾

ترجمہ: ”اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک جائے گی اور (اعمال کی) کتاب رکھ دی جائے گی اور پیغمبروں اور گواہوں کو حاضر کیا جائے گا اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

قیامت کے دن سے متعلق

قیامت کے دن پردے ہٹا دیئے جائیں گے اور تمام انبیا کی حقیقت سامنے آجائے گی۔ اعمال شر اور اعمال خیر، اطاعت اور معصیت، حق و باطل ہر ایک کی حقیقت ظاہر ہوگی۔ اس طرح ہوگا کہ ہر شخص ان کی حقیقت کو دیکھے گا۔ جس طرح سورج نکلتے ہی اس کی روشنی سے ہر چیز نظر آنا شروع ہو جاتی ہے۔ یہ سورج کے نور کی وجہ سے ہے جبکہ قیامت کے دن جو خالق نور اس کی مشیت اور ارادے ہر شئ کی اصل حقیقت سب کو نظر آئے گی۔ کسی کے لیے کچھ بھی پردے میں نہیں رہے گا اس دن ہر شیئ نے اللہ کے نور سے جو صلاحیت کسب کی ہے اسی نور سے ہر شیئ چمک اٹھے گی، زمین سے مراد پورا کرہ زمین ہے اس پر جو کچھ موجود ہے وہ بھی مراد ہیں اور کتاب کو سامنے رکھ دیا جائے گا تو اس سے مراد لوح محفوظ ہے جو مخلوقات کے لیے برحق بیان دیتی ہے ان لوگوں کا نامہ عمل اسی لوح محفوظ سے نسخہ برداری ہوگا۔ اس بات کو سورہ جاثیہ کی آیت: ۲۹ میں بیان کیا گیا ہے۔

هٰذَا كِتٰبُنَا یَنْطِقُ عَلَیْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

ترجمہ: ''ہماری یہ کتاب تمہارے بارے میں سچ سچ بیان کردے گی جو تم کرتے تھے، ہم اسے لکھواتے رہتے تھے۔''

انبیاء سے سوال

انبیاء سے سوال یہ ہوگا کہ ان کے ذمہ جو کام لگایا گیا تھا اسے انہوں نے پورا پورا انجام دیا ہے۔ سورہ اعراف آیت ۶ میں وضاحت دی۔

''وَ لَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ''

ترجمہ: ''ہم ہر صورت ضرور بہ ضرور رسولوں سے سوال کرینگے۔''

شہداء کا پیش ہونا

شہداء اور گواہوں کو اس حوالے سے لایا جائے گا کہ انہوں نے اپنی اپنی قوم کے بارے میں جو کچھ دیکھا ہے وہ اس بارے گواہی دیں اور جو کچھ انہوں نے اپنی اپنی قوموں کی سختیوں کو برداشت کیا ہے اسے بھی بیان کریں۔ سورہ نساء آیت ۴۱ میں ہے۔

فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍۭ بِشَهِیْدٍ

ترجمہ: ''اس وقت ہم ہر قوم سے گواہ کو لے آئیں گے (جو اس کی کارستانیوں کو بیان کرے گا)۔''

اس بیان پر مخلوقات جن امور میں اختلافات کرتے تھے، اس بارے میں برحق فیصلہ دیا جائے گا کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم و ستم نہیں ہوگا اسی حوالے سے اللہ تعالیٰ نے سورہ فصلت آیت ۴۶ میں بیان فرمایا ہے کہ

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ

ترجمہ: ''اور تیرا رب بندوں کے لیے ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ یہ لوگ ہیں جو اللہ کے احکام پر عمل نہ کرکے اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔''

وَ وُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾

ترجمہ: ''اور ہر شخص نے جو عمل کیا ہے اسے اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اللہ ان کے اعمال سے خوب واقف ہے۔''

قیامت کے دن اعمال کی حوالگی

قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے عامال حوالے کئے جائیں گے نہ کہ ان اعمال کی جزا وراس کا عوضانہ، یہ بات عین عدل ہے۔ اس دن میں عادلانہ جزا دینے کے بارے میں کسی کو شک نہ ہوگا۔ اللہ کا مطلق علم ہے جسے ساری مخلوقات کا اعمال کا علم ہے۔ اللہ کو سب پر احاطہ علمی ہے۔ لہٰذا شہداء، انبیا اور اس حوالے سے کتاب سامنے رکھنے کا حوالہ اس لحاظ سے نہیں کہ اللہ کو اپنے بندوں کے اعمال کا۔ علم نہیں اور اللہ کو ضرورت ہے کہ گواہ لائے جائیں یا تحریر پیش کی جائے۔ اس طرح بندوں کے اعمال سے اللہ کو آگاہ کیا جائے۔ بلکہ یہ اس لیے ہے کہ مخلوقات کی طرف سے عذر پیش کرنے کا دفعیہ ہو۔ اور اتمام حجت ہو نیز یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ کا ہر فیصلہ عدل پر مبنی ہے اور عدل وانصاف کے کے تمام متصورہ شقین، بیان کر دی ہیں۔

وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ لٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾

ترجمہ: ”اور کفار گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور جہنم کے کارندے ان سے کہیں گے: کیا تمہارے پاس تم میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے، جو تمہارے رب کی آیات تمہیں سناتے اور اس دن کے پیش آنے کے بارے میں تمہیں متنبہ کرتے؟ وہ کہیں گے: ہاں (کیوں نہیں!) لیکن (اب) کفار کے حق میں عذاب کا فیصلہ حتمی ہو چکا ہے۔“

قیامت کے دن کافروں کا جہنم میں بھیجا جانا

قیامت کے دن کا حال بیان کیا جارہا ہے کہ کافروں کو ٹولیوں میں جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا۔ وہ سب جہنم کے کنارے پر پہنچ جائیں گے تو پھر ان سے جہنم کے ساتھ دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ اس وقت جہنم کے اندر جو فرشتگان ہیں اور جن کے پاس جہنم کا سارا انتظام ہے وہ ان جہنمیوں کی سرزنش کرتے ہوئے ان سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب رسول نہیں آئے تھے جو تمہارے پاس آکر تمہارے رب کی آیات و نشانیاں تمہیں بتاتے تھے اور تمہیں اس دن سے ڈراتے تھے۔ اس انجام سے خبردار کرتے تھے۔ اور وہ رسول خود تمہاری صنف سے تھے۔ تم نے ان کی بات کیوں نہ مانی تو اب تم دھکتی ہوئی آگ میں جلنے کے لیے آگئے ہو۔ کافروں کا اس بات پر بہت ہی شرمندگی ہوگی اور وہ سب ان کے جواب میں کہیں گے کہ ہمارے پاس اللہ کے رسول آئے تھے۔ انہوں نے ہمیں توحید کا بتایا۔ اللہ کی اطاعت کی دعوت دی۔ ہمیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ لیکن ہم نے ان کی بات کو نہ مانا۔ اس طرح ہمارے لیے یہ دن دیکھنا پڑا اور عذاب الٰہی ہمارے اوپر حتمی ہو گیا اور آج ہم دوزخ میں آگئے ہیں۔ یہ وہی بات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کے زمین پر اترنے کے

آغاز میں فرمایا کہ یہ اعلان پہلے دن کہہ دیا کہ جو لوگ کفر کرینگے ان کا انجام کیا ہوگا۔ سورہ بقرہ آیت ۳۹ میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ”اور جنہوں نے کفر اختیار کیا اور ہمای آیات کو جھٹلایا تو وہی جہنم میں ہونگے اور جنہم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے موجود رہیں گے۔“

قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾

ترجمہ: ”کہا جائے گا: جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ جس میں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے، پس تکبر کرنے والوں کا کتنا برا ٹھکانا ہے۔“

جنہم کے اندر داخلہ

کافروں سے جب جہنم کے بارے گفتگو کریں گے اور ان سے ان کی کوتاہیوں کا اقرار لے لیں گے۔ ان کی ملامت کریں گے یہ سب بھی ان کی تذلیل کے لیے ہوگا۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ اب تم ان دروازوں سے جنہم کے اندر آجاؤ۔ یہی تمہارا ٹھکانہ ہے اور یہ ٹھکانہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ اور مغرور لوگوں کی جگہ بھی ہے۔ تم نے بھی غور کیا۔ اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا۔ اب ہمیشہ کے لیے اسی میں تم نے رہنا ہے۔ تم نے حق سے روگردانی کی اب اس کا مزہ چکھو۔

وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: ''اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ہیں انہیں گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے ان کے لیے کھول دیئے جائیں گے اور جنت کے منتظمین ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو۔ تم بہت خوب رہے، بہت عمدہ زندگی گزاری، اب ہمیشہ کے لیے اس میں داخل ہو جاؤ۔''

صاحبان تقویٰ کے ساتھ رویہ

وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے رسولوں کی باتوں کو تسلیم کیا۔ اللہ پر ایمان لے آئے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کیا۔ نیک اعمال بجالائے۔ دین کو خالص اللہ کا قرار دیا۔ اللہ کے سوال کسی کی اطاعت نہ کی تو ایسے لوگوں کو جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا اور جنت کے کنارے پر ان کا استقبال کیا جائے گا انہوں کو سلامی دی جائے گی ان کو خوش آمدید کہا جائے گا۔ ان کو یہ نوید سنائی جائے گی کہ تم سلامتی اور خیر سے جنت میں داخل ہو جاؤ اور تم نے ہمیشہ اس میں رہنا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تم گناہوں کی پلیدی و نجاست سے پاک ہو۔

وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: ”اور وہ کہیں گے: ثنائے کامل ہے اس اللہ کے لیے جس نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہمیں اس سرزمین کا وارث بنایا کہ جنت میں ہم جہاں چاہیں جگہ بنا سکیں، پس عمل کرنے والوں کا اجر کتنا ہی اچھا ہے۔“

بہشتیوں کا سلامی دینے والے فرشتوں کو جواب

جنت میں جانے والے بڑے خوش ہونگے جو فرشتے انہیں سلامی دینگے اور جنت میں داخل ہونے کا کہیں گے اور یہ کہ اس جنت میں تم نے ہمیشہ رہنا ہے تو بہشتی لوگ ان کے جواب میں اس طرح گویا ہونگے۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہمارا رب سچا ہے۔ اس نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کیا ہے۔ لہٰذا ہم اپنے رب کی حمد بجالاتے ہیں۔ ساری تعریفیں اسی کے لیے خاص ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لیے اپنے انبیاء کے توسط سے یہ وعدہ دیا تھا کہ اگر تم ایمان لاؤ گے اور نیکی کروگے تو تمہارے لیے بہشت جاودانی ہے جبکہ سورہ آل عمران آیت ۱۵ میں فرمایا ہے:

لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ

ترجمہ: ”جو لوگ تقویٰ اختیار کرینگے تو ان کے لیے ان کے رب کے پاس جنات ہیں۔“

بہشتی کہیں گے کہ اللہ کی حمد ہے کہ اس نے ہمیں زمین کا وارث (مالک) بغیر استحقاق کے بنادیا ہے۔ کافروں نے خود بہشت اپنے ہاتھ سے گنوادی ہے۔ بوجہ اللہ کی توحید کا انکار کرکے اور برے اعمال بجالا کر۔ نتیجہ میں بہشت کے مالک اہل تقویٰ ہو گئے۔ وراثت کسی طرف سے کسی کو بغیر مشقت کئے ملتی ہے۔ اہل تقویٰ کو کافروں کی چھوڑی جائیداد بغیر زحمت و مشقت کے مل جائے گی۔ یعنی جو حصہ بہشت والا کافروں کے لیے تھا وہ مومنوں اور اہل تقویٰ کو مل جائے گا لہٰذا مومنین کہیں گے۔ اب ہم بہشت میں جہاں چاہیں اپنا گھر

بنائیں۔ یہ سب ہمارے اختیار میں ہے۔ پھر یہ بات بھی کہیں گے کہ نیک عمل کرنے کا کیا ہی خوب اور اچھا بدلہ ہے۔ ایک تو جو خود نیک عمل کیا اس کا بدلہ دیا جارہا ہے اور دوسرا جو حصہ کافروں کے لیے تھا انہوں نے انکار کرکے اپنے ہاتھ سے اپنا حصہ گنوا دیا وہ بھی ہمیں دیا جارہا ہے تو یہ تقویٰ اختیار کرنے کا بہت ہی عمدہ اور بڑا بدلہ ہے۔

وَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ قِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾

ترجمہ: ”اور آپ فرشتوں کو عرش کے گرد حلقہ باندھے ہوئے اپنے رب کی ثنا کے ساتھ تسبیح کرتے ہوئے دیکھیں گے اور لوگوں کے درمیان برحق فیصلہ ہو چکا ہوگا اور کہا جائے گا: ثنائے کامل اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔“

عرش سے مراد

ایسا مقام و مرتبہ جہاں سے اللہ کے اوامر اور نواہی (اللہ کے قوانین) صادر ہوتے ہیں ان قوانین کے تحت پورے عالم (جہاں) کا نظام رہا ہے۔ عرش کے گرداگرد فرشتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے قوانین کو وصول کرکے انہیں نافذ کرنے کی ذمہ داری کو پوری طرح یہ فرشتے نبھا رہے ہیں۔

رسول اللہؐ کے لیے ایک خبر

اس آیت میں رسول اللہ کو ایک خبر دی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ قیامت کے دن بھی اس آپ اس بات کا نظارہ کروگے کہ اللہ کے مقام ربوبیت (عرش الٰہی) سے کس طرح فرشتے احکام وصول کررہے ہیں اور ان پر عمل کیا جارہا ہے اور پورے جہاں کی تدبیر کا عمل جاری ہے

۔ اللہ کے قوانین کو نافذ کرنے والے فرشتے اللہ کی حمد اور اللہ کی تسبیح کے عمل میں مصروف ہیں۔

مخلوقات میں انصاف پر مبنی فیصلہ

اس دن اللہ کی جانب سے یہ فرمان جاری ہوگا۔ کہ تمام مخلوقات میں انصاف پر مبنی فیصلے ہونگے۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ میدان محشر کے آغاز سے لے کر اختتام تک، مردوں کے قبروں سے اٹھائے جانے اور پھر حساب کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونے اور احتساب کے بعد جہنم اور جنت میں لوگوں کو روانہ کرنے اور پھر جہنم اور بہشت میں داخل ہونے اور پھراس میں قیام ان تمام امور کے بارے میں اللہ کے فرشتے سرگرم عمل ہونگے اور پوری دقت کے ساتھ اللہ کے فیصلوں پر عملدرآمد ہو رہا ہوگا۔ اس دقیق نظام اور عمل کو دیکھ کرسارے فرشتے یاانسانوں سے صاحبان تقوی بے ساختہ کہہ اٹھیں گے۔ ''الحمد للہ رب العالمین'' سب اللہ کاشکر بجالائیں گے۔ اللہ کی سارے بتائیں گے کیونکہ ان کو اس بارے کوئی نہیں ہے۔ مگر یہ کہ وہ زیبا ہے، خوبصورت ہے۔ اچھاہے، پسندیدہ ہے۔ ان کاموں سے ایک ایک کام مخلوقات کے درمیان ان کے عقائد واعمال کی روشنی میں فیصلے صادر کرنے کا عمل ہے تو اسے سب تسلیم کرینگے کہ سب کچھ بہت ہی جمیل و خوبصورت اور زیبا ہے۔ اور عین عدل ہے۔ کسی جگہ ظلم وزیادتی کا شائبہ تک موجود نہیں۔ احتمال یہی ہے کہ ''الحمد للہ رب العالمین'' تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے خاص ہیں۔ یہ کلام خلقت کے ساتھ آخری دن احتساب کے ہوگا جس کے ساتھ ہی انجام اور خاتمہ ہے۔

پیغام:

۱۔ اللہ کی آیات کو نہ جھٹلایا جائے۔

۲۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کیا جائے۔

۳۔ اللہ کا فیصلہ عدل و حق پر مبنی ہوگا۔

۴۔ کافروں کے لیے ابدی جہنم ہے۔

۵۔ مومنوں متقین کے لیے ابدی جنت ہے،۔

۶۔ کافروں سے جنت کے جو مقامات ہیں چھن جائیں گے وہ سب مومنین کو مل جائیں گے۔ وہ بہشت میں کافروں کی جائیداد (بہشتی) وارث ہونگے۔

۷۔ قیامت کے دن ہر شخص کو اس دن اپنا عمل اصل شکل میں جیسے اس نے انجام دیا تھا پیش کیا جائے گا۔

۸۔ قیامت کے دن تمام اعمال کی اصل حقیقت و اصلیت ان پر عیاں اور واضح ہوگی۔ کچھ بھی کسی سے پوشیدہ اور مخفی نہیں رہے گا۔

۹۔ دنیا کے اعمال پر انبیاء اپنی اپنی امتوں پر قیامت کے دن بطور گواہ پیش ہونگے۔

۱۰۔ قیامت کے دن انسان کے تمام اعمال لکھی ہوئی شکل میں ایک کتاب کے طور پر بھی پیش کیے جائیں گے۔

۱۱۔ اللہ کے تمام فیصلے انصاف پر مبنی خوبصورت اور احسن ہوں گے۔

۱۲۔ اللہ کے فیصلوں کو دیکھ کر احتساب کے اختتام پر تمام فرشتے اور صاحبان تقوی کہہ اٹھیں گے۔ ”الحمد للہ رب العالمین“ ۔

سورۃ المؤمن

(مکی۔ کل آیات: ۸۵)

سورہ کے مطالب

کافروں کی ہٹ دھرمی بڑا پن، حق کا انکار، باطل پر ڈٹ جانا، ناحق مجادلہ و مباحثہ، حق کو جھٹلانے والوں کا انجام، اللہ کی الوہیت اور ربوبیت پر دلائل، پیغمبر اکرم ﷺ کو صبر و استقامت کی دعوت، پیغمبر اکرام ﷺ کے لیے کامیابی و کامرانی کی نوید۔ مومنوں کی کامیابی، کافروں کی ناکامی، آخرت کی تفصیلات، حق کی بالادستی اور باطل کی رسوائی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾

ترجمہ ''حا، میم۔ حروف مقطعات سے ہے۔ قرآن میں موجود اسرار و رموز کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ اس میں اللہ کے اسمائے حسنیٰ سے حمید و مجید کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔''

تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''اس کتاب کی تنزیل بڑے غالب آنے والے، دانا اللہ کی طرف سے ہے،''

غَافِرِ الذَّنۡۢبِ وَ قَابِلِ التَّوۡبِ شَدِیۡدِ الۡعِقَابِ ۙ ذِی الطَّوۡلِ ؕ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۳﴾

ترجمہ: ''جو گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا، شدید عذاب دینے والا اور بڑے فضل والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کی طرف سب نے پلٹ کر جانا ہے۔''

قرآن کا تعارف اور اسمائے حسنیٰ الٰہی کا تذکرہ

ان آیات میں پہلی بات یہ بیان کی ہے کہ قرآن اللہ کی طرف سے اتاری گئی کتاب ہے، دوسری بات یہ ہے کہ جس اللہ نے اس کتاب کو اتارا ہے وہ عزت والا، غلبے والا، علم والا ہے اور وہ شکست ناپذیر ہے، وہ علیم ہے یعنی اس کے پاس ہی علم ہے وہی جانتا ہے اور وہی آگاہ ہے خود یہ کتاب اللہ کی تعریف و صفات پر گواہ ہے، یہ کتاب معجزہ ہے اس میں علوم کے خزانے ہیں کہ اسے علم والے نے اتارا ہے جس پر کسی کو غلبہ نہیں، تمام مخلوقات اس کی عظمت وجلالت، علم وقدرت کے سامنے عاجز ہیں۔ اس سورہ میں منکروں کے انکار اور ان کے جاہلانہ استدلال و مجادلہ جو انہوں نے اللہ کی آیات کے بارے میں کیا ہے اس بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔

تو اللہ کی ان دو صفات سے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ قرآن اس کی طرف سے نازل ہوا ہے جو عزیز مطلق ہے۔ عزت اور غلبہ اس کی صفت ذات ہے، کوئی اس پر اپنے الٹے سیدھے دلائل دینے سے غلبہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کا علم حیات و نادانی سے ملا ہوا نہیں ہے بلکہ خالص علم ہے۔ لہٰذا کافر لوگ اپنے جاہلانہ جدل و بحث سے اس کتاب کا مقابلہ نہیں کر سکتے شکست ان کا مقدر ہے۔

اللہ کی صفات

اللہ مسلسل اپنے گناہ گار بندوں کے گناہ معاف کرتا رہتا ہے جو بھی بندہ گناہ کرنے کے بعد اللہ کے پاس واپس آجائے اور اپنے برے اعمال پر شرمندگی کا اظہار کرے، توبہ کرلے تو خدا

اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے لیکن جو منکرین گناہوں پر اصرار کرتے ہیں، اللہ کی نافرمانی پر قائم ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر سخت عذاب دینے والا ہے۔ اللہ منتقم بھی ہے۔ اس کا انتقام بہت سخت ہے، اللہ تعالیٰ بڑے بڑے انعامات دینے والا ہے اس کی نعمتوں کا شمار نہیں وہ ہر آن اپنے بندوں پر احسان و بھلائی کر رہا ہے۔

قرآن کے مطالب

اس جگہ پر اشارہ بھی موجود ہے کہ قرآن علم کی کتاب ہے، قرآن میں ایسے مطالب ہیں جو برحق ہیں اور ان مطالب کو دوسرے مطالب پر علمی غلبہ حاصل ہے۔ قرآن میں ان چار اسماء الٰہی سے متعلق مضامین موجود ہیں۔

۱۔ گناہگاروں کی توبہ قبول کرنا۔ توبہ کا بیان

۲۔ منکرین اور گناہگاروں کے لیے سزا دینے کا بیان

۳۔ اللہ کی نعمات کا بیان

۴۔ علم کی بات۔ معلومات کا خزانہ

انسانوں کے دو گروہ

اخروی زندگی کے اعتبار سے انسان کے دو گروہ ہیں:۔

۱۔ سعید، یعنی خوش بخت، ہمیشہ آرام و سکون میں۔

۲۔ شقی، یعنی بدبخت، ہمیشہ بے آرامی اور بے سکونی میں

اللہ اپنے بندوں کے تمام اعمال سے آگاہ ہے نہ صرف اعمال سے بلکہ ان اعمال کی جزئیات، ان کی خصوصیات اور ان کی تفصیلات سے بھی آگاہ ہے پس جس میں بخشش لینے کی صلاحیت ہے اللہ اسے معافی دیتا ہے اور جس میں یہ صلاحیت موجود نہیں اسے سزا دیتا ہے۔

سب کی بازگشت اللہ کے پاس ہے پس جو عذاب کا مستحق ہے اللہ اسے عذاب دے گا اور جو ثواب کا مستحق ہے اسے ثواب دے گا۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہی لائق عبادت ہے۔

انسانوں پر لازم ہے کہ وہ فقط اللہ کی عبادت کریں اس میں معانی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو قیامت پر عقیدہ رکھتا ہے تو اس میں سزا کا خوف ہوگا اور ثواب کی امید ہوگی عبادت کا اصلی نکتہ انسان کے اندر خوف و رجاء کی موجودگی ہے۔

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝۴

ترجمہ: ”اللہ کی آیات کے بارے میں صرف کفار ہی جھگڑتے ہیں لہٰذا ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ رکھے۔“

کافروں کا رویہ

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَ جٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۵

ترجمہ: ”ان سے پہلے نوح کی قوم اور ان کے بعد کے گروہوں نے بھی (انبیاء کی) تکذیب کی ہے اور ہر امت نے اپنے رسول کو گرفتار کرنے کا عزم کیا اور باطل ذرائع سے جھگڑتے رہے تاکہ اس سے حق کو زائل کر دیں تو میں نے انہیں اپنی گرفت میں لیا پس (دیکھ لو) میرا عذاب کیسا تھا؟!“

وَ كَذٰلِكَ حَقَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنَّهُمۡ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۘ﴿۶﴾

ترجمہ: ''اور اسی طرح کفار کے بارے میں آپ کے پروردگار کا یہ فیصلہ حتمی ہے کہ وہ اہل دوزخ ہیں۔''

اَلَّذِيۡنَ يَحۡمِلُوۡنَ الۡعَرۡشَ وَ مَنۡ حَوۡلَهٗ يُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ وَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ وَ يَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ رَبَّنَا وَسِعۡتَ كُلَّ شَىۡءٍ رَّحۡمَةً وَّ عِلۡمًا فَاغۡفِرۡ لِلَّذِيۡنَ تَابُوۡا وَ اتَّبَعُوۡا سَبِيۡلَكَ وَ قِهِمۡ عَذَابَ الۡجَحِيۡمِ ﴿۷﴾

ترجمہ: ''جو (فرشتے) عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو (فرشتے) اس کے ارد گرد ہیں سب اپنے رب کی ثناء کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں اور اس پر ایمان لائے ہیں اور ایمان والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں، اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے پس ان لوگوں کو بخش دے جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستے کی پیروی کی ہے اور انہیں عذاب جہنم سے بچا لے۔''

رَبَّنَا وَ اَدۡخِلۡهُمۡ جَنّٰتِ عَدۡنِ ۣ الَّتِىۡ وَعَدْتَّهُمۡ وَ مَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَ اَزۡوَاجِهِمۡ وَ ذُرِّيّٰتِهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۙ﴿۸﴾

ترجمہ: ''ہمارے پروردگار! انہیں ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں داخل فرما جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے باپ دادا اور ان کی ازواج اور ان کی اولاد میں سے جو نیک ہوں انہیں بھی، تو یقینا بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔''

وَ قِهِمُ السَّيِّاٰتِ ؕ وَ مَنۡ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوۡمَئِذٍ فَقَدۡ رَحِمۡتَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ۠ ﴿۹﴾

ترجمہ: ''اور انہیں برائیوں سے بچا اور جسے تو نے اس روز برائیوں سے بچا لیا اس پر تو نے رحم فرمایا اور یہی تو بڑی کامیابی ہے۔''

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُنَادَوۡنَ لَمَقۡتُ اللّٰهِ اَكۡبَرُ مِنۡ مَّقۡتِكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ اِذۡ تُدۡعَوۡنَ اِلَى الۡاِيۡمَانِ فَتَكۡفُرُوۡنَ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''جنہوں نے کفر اختیار کیا بلاشبہ انہیں پکار کر کہا جائے گا: (آج) جتنا تم اپنے آپ سے بیزار ہو رہے ہو اللہ اس سے زیادہ تم سے اس وقت بیزار تھا جب تمہیں ایمان کی طرف دعوت دی جاتی تھی اور تم کفر کرتے تھے۔''

قَالُوۡا رَبَّنَاۤ اَمَتَّنَا اثۡنَتَيۡنِ وَ اَحۡيَيۡتَنَا اثۡنَتَيۡنِ فَاعۡتَرَفۡنَا بِذُنُوۡبِنَا فَهَلۡ اِلٰى خُرُوۡجٍ مِّنۡ سَبِيۡلٍ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت اور دو مرتبہ زندگی دی ہے، اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں تو کیا نکلنے کی کوئی راہ ہے؟''

ذٰلِكُمۡ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِىَ اللّٰهُ وَحۡدَهٗ كَفَرۡتُمۡ ۚ وَ اِنۡ يُّشۡرَكۡ بِهٖ تُؤۡمِنُوۡا ؕ فَالۡحُكۡمُ لِلّٰهِ الۡعَلِىِّ الۡكَبِيۡرِ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''ایسا اس لیے ہوا کہ جب خدائے واحد کی طرف دعوت دی جاتی تھی تو تم انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جاتا تو تم مان لیتے تھے، پس (آج) فیصلہ برتر، بزرگ اللہ کے پاس ہے۔''

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''وہ وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور آسمان سے تمہارے لیے رزق نازل فرماتا ہے اور نصیحت تو صرف وہی حاصل کرتا ہے جو (اس کی طرف) رجوع کرتا ہے۔''

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''پس دین کو صرف اس کے لیے خالص کرکے اللہ ہی کو پکارو اگرچہ کفار کو برا لگے۔''

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: '' وہ بلند درجات کا مالک اور صاحب عرش ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے روح نازل فرماتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن کے بارے میں متنبہ کرے۔''

يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾

ترجمہ: ”اس دن وہ سب (قبروں سے) نکل پڑیں گے، اللہ سے ان کی کوئی چیز پوشیدہ نہ رہے گی، (اس روز پوچھا جائے گا) آج کس کی بادشاہت ہے؟ (جواب ملے گا) خدائے واحد، قہار کی۔“

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٧﴾

ترجمہ: ”آج ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے گا، آج ظلم نہیں ہوگا، اللہ یقینا جلد حساب لینے والا ہے۔“

وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۚ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿١٨﴾ ؕ

ترجمہ: ”انہیں قریب الوقوع دن کے بارے میں متنبہ کیجیے، جب دل حلق تک آ رہے ہوں گے، غم سے گھٹ گھٹ جائیں گے، ظالموں کے لیے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ ہی کوئی ایسا سفارشی جس کی بات سنی جائے۔“

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ ﴿١٩﴾

ترجمہ: ”اللہ نگاہوں کی خیانت اور جو کچھ سینوں میں پوشیدہ ہے سب سے واقف ہے۔“

وَ اللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: "اور اللہ برحق فیصلہ کرتا ہے اور اللہ کے سوا جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ کرنے کے (اہل) نہیں ہیں، یقینا اللہ ہی خوب سننے والا، دیکھنے والا ہے۔"

اَوَ لَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ مَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: "کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں ہیں تاکہ وہ ان لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ وہ طاقت اور زمین پر اپنے آثار چھوڑنے میں ان سے کہیں زیادہ زبردست تھے، پس اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں گرفت میں لے لیا اور انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔"

زمین پر سیر کرنے کا حکم

اللہ تعالیٰ ان آیات میں زمین پر سیر کرنے کی بابت گفتگو کر رہا ہے اور اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ یہ انسان کیسا ہے زمین پر سیر کرنے کے لیے کیوں نہیں جاتا، تاکہ اس زمین پر جو اقوام زندگی گزارتی رہی ہیں ان کے آثار کو دیکھیں اور یہ دیکھیں کہ وہ کتنے طاقتور تھے، ان کے پاس اقتدار تھا، بڑے مضبوط محلات و مکانات بناتے تھے اور اموال و دولت بھی

زیادہ رکھتے تھے گویا آثار قدیمہ کے نظارے کی بات کی جارہی ہے، ان کو دیکھ کر اپنے بارے سوچیں اور یہ سوچیں کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کے جرائم اور گناہوں کی سزا کس طرح دی کہ ان کا صفایا کر دیا ان کے محلات، قلعے اور بڑی بڑی افواج کچھ بھی ان کو فائدہ نہ دے سکا۔

اللہ کی پکڑ سے کوئی انہیں بچانہ سکا تو آج بھی جو لوگ اللہ کے احکام کی مخالفت کریں گے اللہ کی اطاعت نہیں کریں گے تو ان کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوگا جو سابقہ اقوام کے ساتھ ہوا۔ ان آیات میں کافروں کے انجام بارے تفصیل سے بیان کیا گیا اور ان کافروں کے رویوں کو بیان کرکے مشرکین مکہ کو متنبہ کیا ہے اور یہ کہا ہے اگر انہوں نے سابقہ اقوام کے انجام کو دیکھا ہوتا تو یہ اس طرح اللہ کی دعوت کا انکار نہ کرتے۔

پیغام: سابقہ اقوام کے حالات کو پڑھو، ان کے آثار کو دیکھو اور ان کے انجام بارے بھی سوچو پھر اس سے عبرت حاصل کرو۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ”یہ اس لیے کہ ان کے پیغمبر واضح دلائل لے کر ان کے پاس آتے تھے لیکن انہوں نے انکار کر دیا، پھر اللہ نے انہیں گرفت میں لے لیا، اللہ یقیناً بڑا طاقتور، عذاب دینے میں سخت ہے۔“

سابقہ اقوام کی ہلاکت کے اسباب

ان اقوام کی ہلاکت کا سبب یہ تھا کہ اللہ کے رسول ان کے پاس اللہ کی نشانیاں لیکر آئے، ان کے سامنے معجزات دیکھائے، انہیں اللہ کی طرف دعوت دی، اللہ کا شریک بنانے سے منع کیا، واضح اور روشن دلائل موجود ہونے کے باوجود انہوں نے سب کا انکار کیا، اللہ کے

رسولوں کا مذاق اڑایا اور اللہ کی آیات کو جھٹلایا تو پھر اللہ نے ان پر اپنا عذاب اتار دیا۔ کیونکہ اللہ بہت ہی قدرت مند اور عزیز ہے، غلبہ اسی کے لیے ہے، اپنے اقتدار مطلق کی وجہ سے وہ شدید العقاب بھی ہے وہ کافروں کو سخت عذاب دیتا ہے۔

پیغام: اللہ کے عقاب سے ڈرنا چاہئے اور اللہ کی نشانیوں کو نہ جھٹلایا جائے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ''اور بتحقیق ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور واضح دلائل (مضبوط دلیل) کے ساتھ بھیجا''

اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ قَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ''(موسی کو) فرعون ہامان اور قارون کی طرف بھیجا، تو ان لوگوں نے کہا: یہ تو بہت جھوٹا جادوگر ہے۔''

حضرت موسیٰؑ کے بارے

اللہ تعالیٰ نے اس جگہ حضرت موسیٰ کا تذکرہ فرمایا ہے پوری کتاب میں حضرت موسیٰ کا قصہ بہت بار بیان ہوا ہے، اس جگہ اس بات کو بیان کیا جارہا ہے کہ ہم نے موسیٰ کو معجزات اور اپنی آیات دیکر بھیجا ان کے پاس واضح اور روشن دلیل (عصا کی صورت میں) موجود تھی وہ فرعون، ہامان اور قارون کو حق کی دعوت دینے آئے اور وہ لوگ جن پر ان کی حکومت تھی ان سب کو اللہ کی طرف دعوت دی۔

(سلطان مبین) اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی تائید اس طرح کر رکھی تھی کہ ہر مقام پر انہیں غلبہ حاصل ہو اور ان کا مخالف ناکام و ذلیل ہوا۔ (واضح اور مضبوط غلبہ والی دلیل حضرت موسی کو دی)

فرعون: قبطیوں (مصر میں رہنے والے) سے ظالم و جابر حکمران کا نام ہے۔
ہامان: فرعون کے وزیر مملکت تھے مملکت کی تدبیر و انتظام میں فرعون کے خصوصی معاون تھے اور ظلم و ستم میں بھی اس کے ساتھ تھے۔
قارون: بنی اسرائیل کے ایک سرکش، مغرور بہت بڑے مالدار کا نام ہے۔
تاریخی حوالوں سے پتہ چلتا ہے اور قرآن نے اسے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ اس دور میں تمام برائیاں، ہر قسم کا ظلم و ستم جبر و استبداد ان تینوں کی طرف پلٹتا تھا۔
حضرت موسیٰ کے معجزات کو دیکھ کر ایمان لانے کی بجائے یہ حضرت موسیٰؑ کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ تو جادوگر ہے، جھوٹا ہے، تمام متکبروں کی مانند حق کو تسلیم کرنے سے ناک بھوں چڑھاتے تھے اور وہ کافر ہوئے انہوں نے حضرت موسیٰ کی دعوت کا انکار کیا۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَ اسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ''پس جب انہوں نے ہماری طرف سے ان لوگوں کو حق پہنچایا تو وہ کہنے لگے: جو اس کے ساتھ ایمان لے آئیں، ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دو (مگر) کافروں کی چال اکارت ہی جاتی ہے۔''

موسیٰؑ کے مخالفین کے اقدامات

موسیٰ فرعونیوں کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ ان پر ایمان لے آتے لیکن انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے خلاف معاندانہ رویہ اپنایا بلکہ جو لوگ موسیٰ پر

ایمان لا چکے تھے ان کے ساتھ بھی دشمنی پر اتر آئے اور فرمان جاری کیا کہ موسیٰ کے ماننے والوں کے بیٹوں کو قتل کردو، ان کی عورتوں اور لڑکیوں کو زندہ رکھو تاکہ ان کی اہانت کریں، ان کی عصمت دری کریں اور انہیں اپنی لونڈیاں قرار دیں۔

مخالفین کی سازشوں کا توڑ

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے مخالفین کی سازشوں کا توڑ کیا، ان کے تمام منصوبوں کو ناکام بنایا تاکہ وہ مومنین کو موسیٰ کی پیروی اور حمایت کرنے سے نہ روک سکیں۔ اس طرح کا فروں کی تدبیریں ناکام ہوئیں اور ان کی جو منصوبہ بندی تھی کہ موسیٰ کی تحریک کو ناکام کردیں وہ ایسا نہ کرسکے۔

وَ قَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْۤ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَ لْیَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَكُمْ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ”اور فرعون نے کہا: مجھے چھوڑو کہ میں موسیٰ کو قتل کردوں اور وہ اپنے رب کو پکارے مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارا دین بدل ڈالے گا یا زمین میں فساد برپا کرے گا۔“

فرعون کی اپنے درباریوں سے گفتگو

فرعون نے اپنے درباریوں سے یہ بات کہی کہ تمہیں میرے سامنے رکاوٹ نہیں بننا چاہئے مجھے موسیٰ کو قتل کرنے دو، اس کو قتل کرنے سے فتنہ ختم ہوگا، ظالموں کا یہی انداز

ہے کہ وہ حق سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے، دلیل و منطق کی بجائے زور گوئی، گالم گلوچ اور جھوٹے الزامات پر اتر آتے ہیں یہی کام فرعون نے کیا۔ کیونکہ فرعون کے پاس متعلقہ دلائل نہیں تھے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صورت میں اپنی حکومت کا خاتمہ دیکھ رہا تھا اس حالت کو دیکھتے ہوئے وہ تکبر، سرکشی و ہٹ دھرمی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ موسیٰ اپنے رب کو بلالے اور وہ اسے قتل سے بچالے۔

موسیٰ کو قتل کرنے کی توجیہ

فرعون نے اعلان کیا کہ وہ موسیٰ کو قتل کرنا چاہتا ہے ایسا کیوں؟ تو اس کی وجہ اسی طرح یہاں بیان کرتا ہے:۔

ا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ موسیٰ تمہارے نظام (دین) کو درھم برہم کر رہا ہے اس نظام کا خاتمہ چاہتا ہے وہ بتوں کی پرستش کا قانون ختم کردے گا اور ایک خدا کے یگانے دین کو رواج دے دے گا۔

۲۔ تمہاری دنیا کو تباہ کردے گا اگر وہ کامیاب ہو گیا تو پھر تمہارے ساتھ جنگ پر اتر آئے گا اور اس طرح پورا ماحول خراب کر دے گا، امن تباہ کر دے گا اور فساد و فتنہ عام کر دے گا لہٰذا معاشرہ میں امن رکھنے کے لیے اور اپنے دین و طریقہ کی حفاظت کے لیے اسے راستہ سے ہٹانا ضروری ہے۔

وَ قَالَ مُوْسٰى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَ رَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ”اور موسیٰ نے کہا: میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس تکبر کرنے والے سے جو یوم حساب پر ایمان نہیں لاتا۔“

موسیٰؑ کا جواب

فرعون کی دھمکی کے مقابل میں موسیٰؑ نے بھی زوردار آواز سے جواب دیا اور فرعون کو اسکے انجام سے ڈرایا پہلی بات تو یہ کہی کہ جو میرا رب ہے وہی تمہارا رب ہے، جس طرح اس کا حکم میرے اوپر نافذ و لاگو ہے اسی طرح اس کا حکم تمہارے اوپر بھی لاگو اور نافذ ہے میری پناگاہ وہی ہے میں اس کی حفاظت میں آتا ہوں وہی مجھے تمہارے شر اور برے ارادے سے محفوظ رکھے گا اور کہا کہ ہر وہ شخص جو متکبر ہے اور تمہارے ساتھ حق کے انکار میں شریک ہے اور بے ایمان ہے اس کے لیے شر کا بدلہ قیامت کے دن ملنا ہے پس میں تمہارے شر سے اور ہر منکر اور بے ایمان، ضدی، ہٹ دھرم اور شدت پسند کے شر سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

وَ قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَ قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ اِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَ اِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ”اور آل فرعون میں سے ایک مومن جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا کہنے لگا: کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلائل لے کر آیا ہے؟ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ خود اس کے خلاف جائے گا اور اگر وہ سچا ہے تو جس (عذاب) کا وہ تم سے وعدہ

کر رہا ہے اس میں سے کچھ تو تم پر واقع ہو ہی جائے گا، اللہ یقیناً تجاوز کرنے والے جھوٹے کو ہدایت نہیں دیتا۔''

قبطی نژاد مومن کا قصہ

آل فرعون سے ایک قبطی نژاد مومن تھا اس نے ایمان بارے تقیہ کیا ہوا تھا، ایمان چھپا رکھا تھا اور اس نے حضرت موسیٰؑ کے قتل کے فیصلہ پر فرعونیوں کو ڈانٹ پلائی اور منع کیا کہ تم اسے کیوں قتل کرنا چاہتے ہو؟ اس کا کیا جرم ہے؟ وہ تو فقط یہ کہتا ہے کہ رب اللہ ہے اور اپنی نبوت کے بارے میں معجزات بھی لے کے آیا ہے تم اسے قتل کرنا چاہتے ہو۔ یہ تمہارا عمل بہت ہی برا ہے اور ناپسندیدہ عمل ہے، پھر اپنی دلیل میں کہتا ہے کہ اگر وہ جھوٹ بولتا ہے تو اس کا وبال خود اس پر آئے گا اس کے جھوٹ کا نقصان تمہیں تو نہ ہوگا اور اگر سچ بولتا ہے تو اس نے جو تمہارے ساتھ بعض وعدے کئے ہیں تو وہ تمہیں ملیں گے کیونکہ تم زیادتی کرنے والے، اسراف کرنے والے، ظلم کرنے والے ہو، منکر ہو اور اپنے رب کی ربوبیت کا انکار کرتے ہو، تم نے جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ تم جیسے افراد کو ہدایت نہیں دے گا۔

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿٢٩﴾

ترجمہ: ''اے میری قوم! آج تمہاری بادشاہت ہے اور ملک میں تم غالب ہو پس اگر ہم پر اللہ کا عذاب آگیا تو ہماری کون مدد کرے گا؟ فرعون نے کہا: میں تمہیں

صرف وہی رائے دوں گا جسے میں صائب سمجھتا ہوں اور میں اسی راستے کی طرف تمہاری رہنمائی کرتا ہوں جو درست ہے۔"

مومن آل فرعون کی اپنی قوم کو نصیحت

گفتگو کا انداز ایسا اپناتا ہے کہ ان کے دل میں اثر کرے اس لیے خود کو ان کا حصہ قرار دیتے ہوئے اس طرح ان سے کہتا ہے کہ اے میری قوم! آج ملک، سلطنت، اقتدار تمہارے ہاتھ میں ہے اور تمہیں بنی اسرائیل پر غلبہ ہےاور وہ سب تمہارے زیر دست ہیں۔ لیکن اگر کل اللہ کی جانب سے عذاب ہمارے اوپر آگیا تو پھر کون ہمیں اس عذاب سے بچائے گا ہماری مدد کو کون آئے گا؟

فرعونوں کا جواب

فرعون اس کی نصیحت کا جواب اس طرح دیتا ہے کہ میں تو تمہیں صحیح راستہ کی راہنمائی کرتا ہوں جو میں کہتا ہوں وہ صحیح اور درست ہے میں تمہیں غلط راستہ کی راہنمائی نہیں کرتا، میری رائے وہی ہے جو میں دے چکا ہوں۔ فرعون نے اپنی اس گفتگو میں دھوکہ مکاری کو اختیار کیا تاکہ اپنی بات میں وزن پیدا کرے یہی متکبر اور ظالم و جابر حکمرانوں کا انداز ہوتا ہے کہ وہ اپنی رائے ہی کو سب کچھ خیال کرتے ہیں وہ جو سوچتے ہیں اسے صحیح قرار دیتے ہیں اور اس کے مقابل کچھ سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے، وہ چاہتے ہیں کہ ان کے پیروکار بغیر چون وچرا کے ان کی بات کو تسلیم کریں۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝۳۰

ترجمہ: "اور جو شخص ایمان لایا تھا کہنے لگا: اے میری قوم! مجھے خوف ہے کہ تم پر کہیں وہ دن نہ آئے جیسا (پہلی) امتوں پر آیا تھا۔"

مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَ مَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: ''جیسے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والی امتوں پر آیا تھا اور اللہ تو بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔''

وَ يٰقَوْمِ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿ۙ۳۲﴾

ترجمہ: '' اور اے میری قوم! مجھے تمہارے بارے میں فریاد کے دن (قیامت) کا خوف ہے۔''

يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ''جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے تمہیں اللہ (کے عذاب) سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا اور جسے اللہ گمراہ کردے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔''

مومن آل فرعون کی مزید گفتگو

مومن آل فرعون اپنی گفتگو کو جاری رکھتا ہے وہ ان کی خیر خواہی چاہتا ہے ان کو سمجھاتا ہے کہ اللہ کے عذاب سے ڈرو، ان کے لیے بیان کرتا ہے کہ تم سے پہلے جو اقوام آئی ہیں ان پر اللہ کی طرف سے عذاب آیا اسے یاد کرو ان کو اللہ کے عذاب سے کوئی نہ بچا سکا اگر تمہارے اوپر عذاب آگیا تو پھر تمہیں اس عذاب سے کون بچائے گا؟! کیونکہ اللہ کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتا، ہاں بندوں خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں قیامت کے دن بارے مجھے خوف ہے اس دن ظالم لوگ ایک دوسرے کو بلند آواز سے پکاریں گے، آہ و واویلا کرینگے اور

قیامت کے عذاب کی سختی سے اِدھر اُدھر دوڑیں گے تم آگے پیچھے بھاگو گے لیکن تمہیں کوئی راہ نجات نہ ملے گی اور اللہ کی طرف سے بھی تمہیں کوئی پناہ نہ ملے گی پس جس کو خدا گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

مومن آل فرعون نے انہیں بہت سمجھایا کہ تم موسیٰؑ کی مخالفت چھوڑ دو اگر اس مخالفت کو جاری رکھو گے تو محشر سے پیٹھ پھیر کر دوزخ کی طرف بھگائے جاؤ گے یا نزول عذاب کے وقت اس سے بھاگنے کی ناکام کوشش کرو گے میں تم کو تمام نشیب و فراز پوری طرح سمجھا چکا اس پر بھی تم نہ مانو تو سمجھ لو کہ تمہارے عناد و کج روی کی عادت سے اللہ تعالیٰ نے ارادہ بھی کر دیا ہے کہ تم کو تمہارے پسند کردہ غلطی اور گمراہی میں پڑا رہنے دے پھر ایسے شخص کے سمجھنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے؟

وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۚۖ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ”اور بتحقیق اس سے پہلے یوسف واضح دلائل کے ساتھ تمہارے پاس آئے مگر تمہیں اس چیز میں شک ہی رہا جو وہ تمہارے پاس لائے تھے یہاں تک کہ جب ان کا انتقال ہوا تو تم کہنے لگے: ان کے بعد اللہ ہر گز کوئی پیغمبر مبعوث نہیں کرے گا اس طرح اللہ ان لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے جو تجاوز کرنے والے، شک کرنے والے ہوتے ہیں۔“

مومن آل فرعون کا ایک اور انداز

ساری باتیں کرنے کے بعد اب مومن آل فرعون نے ایک اور انداز اپنایا اور حضرت یوسفؑ کے ماجرا کو بیان کیا چنانچہ حضرت یوسف سے مصریوں کا سلوک اچھا نہ تھا حضرت یوسف آئے وہ اللہ کے رسول تھے۔ ان کے پاس واضح اور روشن نشانیاں تھیں جن سے ان کی نبوت کا ثبوت ملتا تھا، جب تک وہ زندہ تھے تم مصریوں نے ان کو تسلیم نہ کیا اس کے بارے میں تم شک کرتے رہے اور جب وہ دنیا سے چلے گئے تو پھر تم یہ کہنے لگے کہ اب اللہ تعالیٰ یوسف کے بعد کسی رسول کو نہ بھیجے گا۔ اس طرح تم نے اپنی پہلی بات کی تردید کردی اور یہ کہتے ہوئے تم نے شرم بھی نہ کی۔ جی ہاں ایسا ہی ہے کہ ہر وہ شخص جو بندگی کی حدود کو پھلانگ دیتا ہے اور شک مزاج ہے تو اللہ ایسے بندوں کو گمراہ کرتا ہے کیونکہ شکاک اور شکی مزاج کا نتیجہ گمراہ ہے گمراہ کی عاقبت بھی گمراہ ہونا ہے۔

پیغام: جو تم حق سمجھتے ہو دوسروں تک اسے پہنچاؤ اور اپنی بات کو دلیل کے ساتھ بیان کرو۔ خاص کر جن لوگوں کے درمیان رہتے ہو انہیں حق کے راستہ پر لانے کی کوشش کرو پیار سے، محبت بھرے الفاظ سے اور بار بار دعوت دے کر حق کی طرف لانے کی کوشش کرو مومن آل فرعون کے عمل کو نمونہ قرار دو اور دھمکی دینے والوں سے نہ گھبراؤ حق بیان کرنے میں اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ کھاؤ۔

الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿٣٥﴾

ترجمہ: "جو اللہ کی آیات میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر ایسی دلیل کے جو اللہ کی طرف سے ان کے پاس آئی ہو (ان کی) یہ بات اللہ اور ایمان لانے والوں کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ ہے، اسی طرح ہر متکبر، سرکش کے دل پر اللہ مہر لگا دیتا ہے۔"

مسرف مرتاب کی تشریح

جو شخص حد سے بڑھ جاتا ہے اور شکی مزاج ہو جاتا ہے، حق کو تسلیم نہیں کرتا، اپنی حدود کو پھلانگتا ہے تو ایسا شخص کسی دلیل کو سننے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور بغیر ثبوت کے اللہ کی آیات کا انکار کرتا ہے وہ عقل و منطق سے کام نہیں لیتا بلکہ ان آیات کو ٹھکرانے کے لیے مجادلہ اور باطل پر مبنی گفتگو کا سہارا لیتا ہے، جھگڑا کرتا ہے، دھوکہ دینے کی کوش کرتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے تو انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ وہ حق کو قبول کرے لیکن ایسے افراد اپنے پلید اور گندے اعمال کی وجہ سے اپنی ذات کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں اور حق کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے جس وجہ سے یہ لوگ حتمی و قطعی دلائل اور حق کو نہیں سمجھ سکتے او کسی بھی اطمینان دلانے والی دلیل کو قبول نہیں کرتے۔

پیغام: اپنے اوپر ظلم نہ کریں، برے اعمال سے خود کو بچائیں اپنی فطرت پر باقی رہیں، عقل و منطق کا راستہ اپنائیں حق کے مقابل میں باطل کا سہارا نہ لیں۔ حق کا انکار کرنے کے لیے مجادلہ اور جھگڑا سے گریز کریں۔

وَ قَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: "اور فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بناؤ، شاید میں (ان کے عذر تک پہنچنے کے) راستوں تک رسائی حاصل کر لوں"

اَسۡبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوۡسٰى وَ اِنِّىۡ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرۡعَوۡنَ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ وَ صُدَّ عَنِ السَّبِيۡلِ ؕ وَ مَا كَيۡدُ فِرۡعَوۡنَ اِلَّا فِىۡ تَبَابٍ ﴿٣٧﴾

ترجمہ: ''آسمانوں کے راستوں تک (پہنچ جاؤں)، پھر میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ لوں اور میرا گمان یہ ہے کہ موسیٰ جھوٹا ہے، اس طرح فرعون کے لیے اس کی بد عملی کو خوشنما بنا دیا گیا اور وہ راہ راست سے روک دیا گیا اور فرعون کی چال تو صرف گھاٹے میں ہے۔''

فرعون اور فرعون جیسے افراد کا طریقہ کار

اس جگہ فرعون کی ہٹ دھرمی کی انتہا کو بیان کیا جا رہا ہے یہ اس ملعون کی انتہائی بے شرمی اور بے باکی تھی ایسا لگتا ہے کہ اس نے جب سنا کہ حضرت موسیٰ کا اللہ بلند شان والا ہے تو اس نے خیال کیا کہ وہ آسمان میں رہتا ہے اسی لیے اس نے اس قسم کا استہزاء اور تمسخر شروع کر دیا سچ ہے چیونٹی کی موت آتی ہے تو اسے پر لگ جاتے ہیں اور جابر حد سے تجاوز کرنے والے، متکبر افراد کی عقل یوں ہی ماری جاتی ہے کہ وہ اس قسم کی حرکتیں کرتا ہے۔ فرعون اپنے وزیر سے کہتا ہے اس کے لیے ایک بلند مقام تعمیر کرے تاکہ اس پر چڑھ کر موسیٰ کے اللہ بارے اطلاع حاصل کر سکوں۔ وہ ایسا سوچتا تھا کہ زمین پر اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے لہٰذا ضروری ہے کہ موسیٰ کا اللہ آسمان میں ہو اس کا خیال تھا کہ بلند عمارت کے اوپر چڑھ کر وہ آسمان میں موسیٰ کے اللہ کو جان سکے گا، فرعون موسیٰ کو جھوٹا سمجھتا تھا اس گفتگو سے فرعون کی خواہش یہ تھی کہ اس کا وزیر اس کے لیے ایک ایسی رصد گاہ بنائے جس کے ذریعہ وہ زمین کے علاوہ دوسرے سیاروں کے حالات کو جان سکے اور وہاں پر جھانک کر دیکھے کہ موسیٰ کا اللہ کہاں

بیٹھا ہے۔ وہ اس ترتیب سے چاہتا تھا کہ عوام کو بے وقوف بنائے اور وہ ان سے یہ کہے کہ میں نے ہر جگہ تلاش کر لیا ہے موسیٰ کا اللہ کسی جگہ پر نہیں ہے لہٰذا وہ موسیٰ پر ایمان نہ لائیں۔

فرعون کی جھوٹ پر مبنی گفتگو

اللہ تعالیٰ اس جگہ فرعون اور فرعون جیسے جھوٹی گفتگو کرنے والے جن امور کے بارے میں مجادلہ کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ شیطان ان کے برے اعمال کو خوبصورت بنا کر ان کے سامنے پیش کرتا ہے۔ جس کے ذریعہ وہ انہیں صحیح اور درست سمت میں جانے سے روکتا ہے اور وہ اپنے باطل پر مبنی تصورات کو حق خیال کرتا ہے، حق کے انکار کے لیے کمزور باتوں کا سہارا لیتا ہے اور وہ سازشیں تیار کرتا ہے لیکن ان کی تمام کوششیں بے اثر ہوتی ہیں۔ کیونکہ اللہ کا ان کے سارے اعمال پر احاطہ ہے اور اللہ کا ارادہ ہر دوسرے ارادے پر غالب ہے۔ اللہ کی تدبیر سب سے حاوی ہے۔ اس طرح فرعون کی ناکامی کا اعلان کیا گیا۔

وَ قَالَ الَّذِیْۤ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ”اور جو شخص ایمان لایا تھا بولا: اے میری قوم! میری اتباع کرو، میں تمہیں صحیح راستہ دکھاتا ہوں۔“

یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ٘ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ”اے میری قوم! یہ دنیاوی زندگی تو صرف تھوڑی دیر کی لذت ہے اور آخرت یقینا دائمی قیام گاہ ہے۔“

مَنۡ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجۡزٰٓى اِلَّا مِثۡلَهَا ۚ وَمَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ يُرۡزَقُوۡنَ فِيۡهَا بِغَيۡرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ''جو برائی کا ارتکاب کرے گا اسے اتنا ہی بدلہ ملے گا اور جو نیکی کرے گا وہ مرد ہو یا عورت جبکہ وہ صاحب ایمان ہو تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے جس میں انہیں بے شمار رزق ملے گا۔''

وَيٰقَوۡمِ مَا لِىۡۤ اَدۡعُوۡكُمۡ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدۡعُوۡنَنِىۡۤ اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: ''اور اے میری قوم! آخر مجھے ہوا کیا ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آتش کی طرف بلاتے ہو؟''

تَدۡعُوۡنَنِىۡ لِاَكۡفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشۡرِكَ بِهٖ مَا لَيۡسَ لِىۡ بِهٖ عِلۡمٌ وَّاَنَا اَدۡعُوۡكُمۡ اِلَى الۡعَزِيۡزِ الۡغَفَّارِ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: ''تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اسے اللہ کا شریک قرار دوں جس شریک کا مجھے علم ہی نہیں ہے اور میں تمہیں بڑے غالب آنے والے، بخشنے والے اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔''

مومن آل فرعون کی اپنی قوم سے التجاء

مومن آل فرعون چاہتا تھا کہ اس کی قوم کسی طرح ہلاکت سے بچ جائے۔ وہ بار بار اپنی قوم سے خطاب کرتا ہے ان کے سامنے دلائل پیش کرتا ہے انہیں حق کی دعوت دیتا ہے ان آیات میں مومن آل فرعون کی اپنی قوم سے جو ہمدردانہ گفتگو ہے اسے بیان کیا گیا ہے وہ اپنی قوم کو واضح الفاظ میں کہتا ہے تم میری پیروی کرو۔ میں نے موسیٰ کی پیروی کی ہے اور رشد و ہدایت کو پایا ہے اگر تم میرے پیچھے چلوگے تو میں تمہیں بھی صحیح اور درست راستہ پر لے چلوں گا۔

دنیا کی زندگی

مومن آل فرعون اپنی قوم کو بتاتا ہے کہ تم جس دنیا میں رہتے ہو یہ عارضی ہے، یہاں پر رہنے کا تھوڑا سامان ہے جو ختم ہو جانا ہے یہ زندگی مختصر ہے اس نے ختم ہو جانا ہے اس کے مقابلہ میں آخرت کی زندگی ہے اسے دوام ہے اس نے ہمیشہ رہنا ہے دنیا کی زندگی اخروی زندگی تک پہنچنے کا زینہ اور مقدمہ ہے۔

اچھا اور برا عمل

اس جگہ اعمال کی طرف اپنی قوم کو متوجہ کرتا ہے کہ دیکھو برے اعمال کا نتیجہ برا ہے اور نیک عمل کا نتیجہ اچھا ہے جو حق کے انکار کرکے برائیاں کرتے ہیں تو ان برائیوں کا نتیجہ انہیں بھگتنا ہوگا اور جنہوں نے نیک اعمال کئے تو وہ لوگ بہشت میں ہونگے وہاں پر ہمیشہ رہیں گے، اللہ کی طرف سے انہیں روزی دی جائے گی، وہ آرام و سکون میں ہونگے اور ان کو بے حساب اللہ کی نعمات ملیں گی کیونکہ اعمال بغیر ایمان کے ختم ہو جاتے ہیں حبط کر لیے جاتے ہیں۔ (سورہ مائدہ، آیت ۵)

مومن آل فرعون کا اپنی قوم سے اظہار حیرت

جب مومن آل فرعون دیکھتا ہے کہ اس کی قوم ہدایت کے راستہ پر آنے کے لیے تیار نہیں ہے اور اپنی کج روی اور بے راہ روی پر قائم ہے، اللہ کا کفر کر رہی ہے، اللہ کا شریک قرار دے رہی ہے تو بھرپور حیرت اور تعجب سے ان سے کہتا ہے کہ اے میری قوم! میں تمہارا ہمدرد ہوں تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم میری بات کو کیوں نہیں مانتے ہو؟ میں تمہیں نجات کے راستہ کی دعوت دیتا ہوں، حق کا راستہ بتاتا ہوں، لیکن تم مجھے کفر کی دعوت دیتے ہو، دوزخ کی آگ میں جانے کی دعوت دیتے ہو َ مجھے کہتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کر دوں اللہ کا شریک قرار دوں۔ جبکہ اس پر کوئی دلیل موجود نہیں ایسی بات اللہ تعالیٰ پر افتراء اور جھوٹ ہے اس نے اپنا کوئی شریک قرار نہیں دیا۔

اللہ عزیز و غفار

اس جگہ اللہ کو دو صفات سے یاد کیا ہے کہ میں تو تمہیں اللہ کی طرف دعوت دے رہا ہوں جو عزیز ہے یعنی صاحب عزت ہے، صاحب غلبہ ہے، ہر جگہ اس کا اقتدار ہے اور وہ اللہ غفار ہے۔ اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے، جو توبہ کرے، اس پر ایمان لے آئے تو اس بندے کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ آؤ میری دعوت کو قبول کر لو۔

پیغام: حق کی دعوت دیتے وقت مایوس نہ ہوں، آخری حد تک کوشش جاری رکھیں کہ بھٹکے ہوئے شخص کو حق کی طرف واپس لے آؤ۔

لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَا فِي الْاٰخِرَةِ وَ اَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَ اَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: "حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کی طرف تم مجھے دعوت دیتے ہو اس کی نہ دنیا میں کوئی دعوت موجود ہے اور نہ ہی آخرت میں (پس تم جس شریک پر ایمان

لانے کی بات کرتے ہو تو اس شریک کی طرف بلانے والا دنیا میں نہیں آیا اور آخرت میں بھی ایسی دعوت دینے والا انہیں کے ہاں پلٹ کر آئے اور اس شریک کے بارے دعوت دے کہ تم اس پر ایمان لے آؤ) اور ہماری بازگشت یقینا اللہ کی طرف ہے اور حد سے تجاوز کرنے والے تو یقینا جہنمی ہیں۔''

جھوٹے خداؤں کی جانب سے کوئی پکار نہیں

مومن آل فرعون نے اس مرحلہ پر اپنی قوم سے دوٹوک الفاظ میں بات کی ہے اور اس میں بھی دلیل دی ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ اے میری قوم! تم جس بات کی طرف مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اسے اللہ کا شریک قرار دُوں تو اس شریک کی جانب سے دُنیا میں کوئی دعوت نہیں آئی پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی رسول نے اس کی طرف لوگوں کو دعوت دی ہو اور یہ کہا ہو کہ ہم اللہ کے شریک کی جانب سے تمہارے پاس آئے ہیں، آخرت میں بھی اس کے لیے کوئی دعوت نہیں ہے کیونکہ مخلوقات میں سے کوئی بھی قیامت کے دن اس کے پاس نہیں لوٹے گا۔ اس کے برعکس جس خدا کی طرف میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں دُنیا میں بھی اس کی پکار موجود ہے کہ انبیاء آتے رہے اور ایک اللہ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے رہے اور آخرت میں بھی اس کی پکار ہو گی کیونکہ سب لوگ اسی کی طرف واپس لوٹ کر جائیں گے تاکہ اللہ ان سب کے درمیان حق پر مبنی فیصلہ صادر فرمائے۔ کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا جو شریک کے پاس جائے۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ''جو بات (آج) میں تم سے کہہ رہا ہوں (کل) تم اسے ضرور یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، بے شک اللہ بندوں پر خوب نگاہ کرنے والا ہے۔''

موعظہ اور تہدید

اس جگہ مومن آل فرعون انہیں نصیحت کر رہا ہے اور نصیحت کے ساتھ ساتھ انہیں ڈرا بھی رہا ہے ان سے کہہ رہا ہے کہ تم بہت جلد اللہ کا عذاب دیکھو گے، اس وقت تم میری باتوں کو یاد کرو گے اور تمہیں سمجھ آئے گی کہ جو کچھ میں کہتا تھا وہ صحیح تھا میں تو اپنا معاملہ پوری طرح اللہ کے سپرد کرتا ہوں اسی پر میرا اعتماد ہے وہی میرا وکیل و نگہبان ہے کیونکہ سارے امور اسی کے ہاتھ میں ہیں وہ اپنے بندوں کے متعلق سب کچھ جانتا ہے، اسے ہر ایک بارے معلوم ہے کہ وہ کیا ہے اور اس کے حالات کے لیے ہیں۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۟ۚ (۴۵)

ترجمہ: '' پس اللہ نے اس (مومن) کو ان کی بری چالوں سے بچایا اور آل فرعون کو برے عذاب نے گھیر لیا۔''

اپنے امور خدا کے سپرد کرنے کا نتیجہ

اس جگہ یہ بتایا جا رہا ہے کہ جو شخص اپنے تمام امور کو اللہ کے سپرد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پھر اس کی نگہبانی فرماتا ہے اور مومنوں کو کافروں اور سازشیوں کے شر سے بچاتا ہے کیونکہ مومنین کا سرپرست اللہ ہی ہے، مومنین کا ولی اللہ ہے۔ اللہ ہی اپنے بندوں کے لیے کافی ہے جس کا اللہ ہو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس واقعہ کے بعد آل فرعون پر سخت ترین

عذاب آیا اور انہیں کفر اختیار کرنے اور اللہ کی دعوت کو رد کرنے کی سزا ملی۔ اور اللہ تعالیٰ نے مومن آل فرعون کو ان کے شر سے محفوظ رکھا۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا ۚ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۛ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿٤٦﴾

ترجمہ: ''وہ لوگ صبح و شام آتش جہنم کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور جس دن قیامت برپا ہوگی (تو حکم ہوگا) آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔''

قیامت سے پہلے آگ

ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد قبر میں برزخی زندگی جو قیامت سے پہلے ہے اس میں صبح و شام ان پر آگ بھیجی جائے گی اور یہ عذاب صبح و شام انہیں قیامت کے آنے تک ملتا رہے گا لیکن جب قیامت بپا ہوگی اور حساب ہوگا تو اس وقت انہیں آگ میں ڈالا جائے گا ان کا ٹھکانہ جہنم ہے لیکن وہاں کی آگ اور جہنم کا عذاب سخت تر اور شدید تر ہوگا۔

وَ اِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿٤٧﴾

ترجمہ: ''اور جب وہ جہنم میں جھگڑیں گے تو کمزور درجے کے لوگ بڑا بننے والوں سے کہیں گے: ہم تو تمہارے تابع تھے، تو کیا تم ہم سے آتش کا کچھ حصہ دور کر سکتے ہو؟''

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿٤٨﴾

ترجمہ: ”بڑا بننے والے کہیں گے: ہم سب اس (آتش) میں ہیں، اللہ تو بندوں کے درمیان یقیناً فیصلہ کر چکا ہے۔“

جہنم میں جہنمیوں کا آپس میں جھگڑا

اس جگہ جہنم کی آگ میں جلنے والے مختلف طبقات سے ہوں گے کچھ تو وہ ہوں گے جو دُنیا میں کمزور تھے، مالی طور پر فقراء و مساکین تھے لیکن گناہ گاروں کی بات مان لیتے تھے، جابروں و مستکبروں کا ساتھ دیا، کمزور لوگ کہیں گے مستکبرین سے کہ ہم تو دُنیا میں آپ کے تابع تھے، تمہارے احکام کی اطاعت کی، آج ہم پریشانی میں ہیں آگ میں جل رہے ہیں آج آپ کو چاہیے کہ ہماری مدد کریں، اگر سارا عذاب ہم سے نہیں ٹال سکتے تو کچھ عذاب تو کم کردو۔ ان کی یہ گفتگو بھی اسی انداز سے جیسا کہ وہ دُنیا میں ان بڑوں کی چاپلوسی کرتے تھے وگرنہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں گے کہ ان کے بڑے تو ان سے زیادہ عذاب میں مبتلا ہیں اور وہاں پر کوئی بھی کسی کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتا کیونکہ اس دن سارا امر اللہ کے ہاتھ میں ہوگا۔ تمام اسباب اس دن ختم ہو جائیں گے، اسی وجہ سے مستکبرین ان کے جواب میں کہیں گے: آج جزا کا دن ہے تمام اسباب اپنی تاثیر سے فارغ ہیں، اس جگہ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اس جگہ ہم سب برابر ہیں، آج تو ہم سب عذاب میں ہیں، دُنیا میں ہماری جو شان و شوکت تھی وہ آج باقی نہیں رہی، ہم اپنے لیے جو قدرت و طاقت، شوکت اور امتیاز خیال کرتے تھے وہ ختم ہو گئے، آج روز جزا ہے اور یہی اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ دینے والا ہے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿٤٩﴾

ترجمہ: ''اور جو لوگ آتش جہنم میں ہوں گے وہ جہنم کے کارندوں سے کہیں گے: اپنے پروردگار سے درخواست کرو کہ ہم سے ایک دن کے لیے عذاب میں تخفیف کرے۔''

جہنم کے خزانہ داروں سے سفارش کی درخواست

آگ میں جلنے والے، عذاب میں مبتلا مایوس ہوں گے کہ ان کی براہ راست بات سنی جائے، اس لیے وہ جہنم کے خزانہ داروں سے (جہنم پر مامور فرشتوں سے) درخواست کریں گے اور ان کو وسیلہ بنائیں گے کہ وہ ان کے لیے اللہ کے پاس جا کر سفارش کریں کہ اللہ تعالیٰ جہنم کا تھوڑا سا عذاب کم کر دے ہمیں تخفیف مل جائے، یہ ان کی عاجزی اور بے بسی کا بیان ہے۔

قَالُوْٓا اَوَ لَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰۗؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝۵۰

ترجمہ: ''وہ کہیں گے: کیا تمہارے پیغمبر واضح دلائل لے کر تمہارے پاس نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں، تو وہ کہیں گے: پس درخواست کرتے رہو اور کفار کی درخواست بے نتیجہ ہی رہے گی۔''

جہنمیوں کی درخواست کا جواب

جہنم پر مامور فرشتے ان کی بات کو سنیں گے اور ان سے احتجاج کریں گے کہ ذرا ہمیں یہ تو بتاؤ کہ دُنیا میں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے بھیجے گئے نمائندگان نہیں آئے تھے جن

کے پاس اللہ کی نشانیاں تھیں، معجزات ان کے پاس تھے، اللہ کی طرف سے دعوت نہیں دی تھی؟ تو اس بات کا جواب جہنمی دیں گے کہ بالکل آئے تھے لیکن ہم نے ان کی بات وہاں پر نہیں مانی، ہم نے کفر اختیار کیا، اس طرح وہ انبیاء کے انکار کا اس حالت میں اقرار کریں گے یہ سن کر جہنم کے خزانہ داروں سے کہیں گے کہ اب تم خود اللہ سے دعا کرو، اسے پکارو، لیکن ساتھ ان کو بتا دیں گے کہ تمہیں یہ بات معلوم رہے کہ تمہاری دعا آج قبول نہ ہو گی کیونکہ کافر اس حالت میں ہیں کہ گمراہی اور بے فائدگی ان پر ثابت ہو چکی ہے، فیصلہ ہو چکا ہے، اب وہ اپنے مقصد کو نہ پا سکیں گے اور یہ درخواست کہ عذاب کچھ کم کر دیا جائے یہ درخواست بھی رَد ہو گی۔

پیغام: عذاب جہنم کو یاد رکھنا چاہیے اور جہنمیوں کی بے بسی کو نہ بھولیں، دُنیا میں رہ کر اللہ کا راستہ اپنائیں، اللہ کے رسولوں کو نہ جھٹلائیں، اللہ کے دین کا مذاق نہ اڑائیں، دُنیا میں توبہ کر لیں، آخرت میں اللہ کی طرف رجوع کرنا بے فائدہ ہو گا، وہاں کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا بلکہ کوئی سفارش کے لیے بھی تیار نہ ہوگا۔

اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَ يَوۡمَ يَقُوۡمُ الۡاَشۡهَادُ ۙ﴿۵۱﴾

ترجمہ: ”ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی دنیاوی زندگی میں بھی مدد کرتے رہیں گے اور اس روز بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے۔“

وعدہ الٰہی

اس آیت میں اللہ نے اپنی نصرت کا وعدہ دیا ہے کہ یہ نصرت سب انبیاء کے لیے موجود رہی اور تمام وہ جو انبیا پر ایمان لائے، قیامت کے دن پر ایمان لائے، مومنوں کی مدد کا

وعدہ بھی اسی آیت میں بیان کر دیا ہے یہ الٰہی سنت ہے کہ وہ اپنے نمائندگان اور ان کے پیروکاروں کو تنہا نہیں چھوڑتا، انہیں دشمنوں سے محفوظ رکھتا ہے، ان کے دشمنوں کو ذلت و رسوائی دُنیا میں دیتا ہے اور آخرت میں ان کے لیے عذاب قرار دیا ہے۔ قیامت کا دن تمام گواہوں کی موجودگی کا دن ہے اور سب کچھ عیاں ہوگا۔ اسی بات کو سورہ صافات آیت ۱۷۲ میں بیان کیا گیا ہے۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: ''جس دن ظالموں کو ان کا عذر کرنا کچھ بھی نفع نہ دے گا، اور ان پر پھٹکار پڑے گی اور ان کے لیے برا گھر ہوگا۔''

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَ اَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے موسیٰ کو ہدایت دی تھی اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث کر دیا تھا۔''

هُدًى وَّ ذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: ''جو عقلمندوں کے لیے ہدایت اور نصیحت تھی۔''

موسی پر اُتاری گئی کتاب کی خصوصیات

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو کتاب دی گئی ہے یہ کتاب صاحبان عقل و دانش کے لیے ہے، اس کتاب کی دو خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے:۔

۱۔ یہ کتاب راہنمائی دیتی ہے، اس میں ہدایت ہے، حق کی نشاندہی ہے، اللہ کی طرف لے جاتی ہے۔

۲۔ یہ کتاب تذکرہ ہے، یاد دھانی کے لیے ہے، غفلت سے جگاتی ہے، بیدار کرنے والی کتاب ہے۔

فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِكَ وَ سَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ بِالۡعَشِیِّ وَ الۡاِبۡكَارِ ﴿۵۵﴾

ترجمہ: ''پس صبر کر بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنے گناہ کی معافی مانگ اور شام اور صبح اپنے رب کی حمد کے ساتھ پاکیزگی بیان کر۔''

رسول اللہؐ کے لیے خصوصی فرمان

اس جگہ رسول اللہ ﷺ کو کہا جارہا ہے کہ مشرکین کی طرف سے آپ کو جو اذیتیں دی جارہی ہیں، جو مصائب آپ کو پہنچ رہے ہیں تم ان تکالیف پر صبر کرو، گھبراؤ نہیں حوصلہ رکھو۔

اللہ کے وعدہ کی یاد

اس جگہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا وعدہ یاد دلایا ہے کہ اللہ کا وعدہ سچا اور برحق ہے کہ اللہ اپنے رسولوں کی مدد کرتا ہے، رسولوں پر ایمان لانے والوں کی مدد کرتا ہے۔ لہٰذا آپ کی بھی اللہ مدد کرے گا، یہ وعدہ اسی سورہ کی آیت ۵۱ میں بیان ہوا ہے۔ سورہ صافات آیت ۱۷۲ میں ذکر کیا گیا ہے اور سورہ روم آیت ۴۷ میں بیان کیا گیا ہے۔

رسول اللہؐ سے گناہ کی نفی

اس جگہ رسول اللہ ﷺ کو صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ یہ کہا گیا ہے کہ آپ اپنے گناہ بارے استغفار کرو اور صبح و شام اللہ کی حمد و تسبیح کی عبادت بجالاؤ۔ سوال یہ ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ سے گناہ سرزد ہوتا ہے؟ جبکہ رسول اللہ ﷺ تو معصوم ہیں، بلکہ عصمت کبریٰ پر فائز ہیں، آپؐ سے تو ترک اولیٰ بھی نہیں ہو سکتا جیسا کہ بعض اور انبیاء سے ترک اولیٰ ہو گیا۔ اس جگہ گناہ کا معنی یہ نہیں کہ اللہ نے جن کاموں سے رسول اللہ ﷺ کو منع کیا ہے یا جن کاموں کا ترک رسول اللہ کے لیے بہتر تھا آپ نے ان کا ارتکاب کیا ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرب الٰہی کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے اور آپ ہر وقت اللہ کے قرب کی منزل پر خود کو موجود رکھنا پسند کرتے تھے تو جب آپ دُنیاوی امور جن کا انجام دینا دُنیاوی زندگی کے لیے ضروری ہے تو آپ ان اعمال میں جو وقت صرف کرتے تھے تو اسے خود اللہ کے قرب سے دُور سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ایک عبادت کا حکم دے دیا کہ آپ اپنے دُنیاوی امور میں مصروف رہنے کے اوقات میں خود کو مجھ سے دُور سمجھتے ہو اور خیال کرتے ہو کہ آپ نے گناہ کیا ہے جبکہ گناہ نہیں ہے۔ میرے امر کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہے لیکن تو اتنی دُوری بھی مجھ سے برداشت نہیں کرتا تو اس کی تلافی استغفار کی عبادت کے ذریعہ کر لیا کرو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی منزلت اور شان کی بلندی میں اور اضافہ کے لیے استغفار کی عبادت تعلیم دی گئی (البتہ بعض مفسرین نے حضور پاک ﷺ کی طرف گناہ کی نسبت کو آپ کی اُمت کے لیے گناہ قرار دیئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اُمت کے گناہوں سے پریشان ہوتے تھے تو اللہ نے حکم دیا کہ ان کے لیے تم استغفار کرو۔[1]

---

[1]۔ رُوح المعانی، ج ۲۲۔

إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِيٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿٥٦﴾

ترجمہ: ''بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں میں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو جھگڑتے ہیں، اور کچھ نہیں بس ان کے دل میں بڑائی ہے کہ وہ اس تک کبھی پہنچنے والے نہیں، سو تم اللہ سے پناہ مانگو، کیوں کہ وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔''

صبر کے حکم بارے مزید تاکید

پچھلی آیت میں اللہ نے اپنے رسول کو صبر کا حکم دیا اور اپنی نصرت کا وعدہ دہرادیا، اس آیت میں مزید اسی بات کو بیان کیا جارہا ہے کہ اے میرے رسول جو لوگ میری آیات کا انکار کر رہے ہیں تجھ سے مجادلہ اور جھگڑا کرتے ہیں، بغیر دلیل کے حق کو جھٹلا رہے ہیں، بڑے تکبر اور غرور میں ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اپنے مذموم مقاصد کو پالیں گے تو اے میرے رسول آپ پر واضح رہے کہ یہ کافر لوگ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور نہ ہی وہ اپنے مذموم مقاصد کو مجادلہ اور بغیر ثبوت کے بحث کرنے کے ذریعہ سے حاصل کر سکتے ہیں، ناکامی ان کا مقدر ہے، آپ ان کی حرکات سے پریشان نہ ہوں، آپ اللہ کی پناہ لیں، اللہ سے ہی پناہ مانگیں، اللہ ان کی ہر بات سن رہا ہے اور ان کی تمام حرکات وسکنات کو دیکھ رہا ہے وہ ان کی سازشوں کو جانتا ہے اور ان کے منصوبوں سے آگاہ ہے وہ خود ان کا توڑ کرے گا۔ آپؐ اپنا کام جاری رکھیں، وہ اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے، ان کی حاجات سے آگاہ ہے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٧﴾

ترجمہ: ''البتہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کے پیدا کرنے کی نسبت بڑا کام ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

مشرکین کے ناکام ہونے پر دلیل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بات کے لیے ایک دلیل دے دی ہے کہ اللہ فرماتا ہے ہم نے جو یہ بات کہی ہے کہ مشرکین ناکام ہوں گے وہ اپنے مذموم مقاصد کو حاصل نہ کر سکیں گے یہ اس حوالے سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کو خلق فرمایا ہے۔ اتنی بڑی کائنات ہے اس میں آسمان اور زمین ہے، یہ سارا جہان ہے ذرہ سے لے کر کہکشاؤں تک سب کا خالق اللہ ہے، ان مخلوقات میں ایک مخلوق انسان ہے، آسمانوں اور زمین کی خلقت تو اتنی بڑی ہے اس کے ساتھ ساتھ انسان کو اللہ تعالیٰ نے خلق کیا ہے اور اس کی خلقت سے وہ عاجز نہیں ہوا۔ بڑی چیز کی خلقت کرکے چھوٹی چیز کی خلقت سے غافل نہیں ہوا لہٰذا یہ مشرکین جو اللہ کی مخلوق کا بہت ہی ایک معمولی سا حصہ ہیں وہ اپنی ناشائستہ اور غیر سنجیدہ حرکات سے اللہ کو عاجز بنا دیں اور اللہ کی تدبیر کے سامنے کسی قسم کی رکاوٹ کھڑی کر دیں بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟ ان مشرکین کے پاس تو اپنا اختیار بھی نہیں وہ تو اپنے آپ سے کوئی تکلیف دور نہیں کر سکتے ان کا اختیار اور ارادہ کی طاقت بھی تو اللہ کی خلقت کا حصہ ہے بھلا وہ کس طرح اللہ کے سامنے خود کو کامیاب قرار دے سکتے ہیں؟ ان کی شکست و ناکامی یقینی ہے اے میرے رسولؐ آپ اپنا کام پوری دقت کے ساتھ جاری رکھیں اور ان کی شائستہ حرکات پر صبر کریں۔ اللہ کی قدرت کے بارے

بہت سارے لوگ ناواقف اور جاہل ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ اپنی مکاریوں اور سازشوں سے اللہ کو اپنے کاموں کو انجام دینے میں عاجز کر دیں گے جبکہ ایسا ممکن نہیں۔

وَ مَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ۙ۬ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ لَا الْمُسِيْٓءُ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: ''اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں، اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے وہ اور بدکار برابر نہیں، تم بہت ہی کم سمجھتے ہو۔''

حقیقت سے آگہی کے لیے مثال

اللہ تعالیٰ مشرکین کو سمجھانے کے لیے اور تمام وہ جو اللہ پر ایمان نہیں لائے، ان کو آگہی دینے کے لیے کہ وہ حقیقت شناس نہیں، اللہ نے فرمایا تم سب جانتے ہو کہ اندھا اور بینا دونوں برابر نہیں ہیں اسی طرح جو لوگ اچھے اعمال کرتے ہیں اللہ پر ایمان لا چکے ہیں وہ اور دوسرے وہ ہیں جو اللہ پر ایمان نہیں لائے اور نہ ہی ان کے اعمال نیک ہیں بلکہ برائی کرنے والے ہیں، کافر ہیں، خدا کا انکار کرنے والے ہیں تو بھلا کافر اور مومن یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ ذرا سی سوچ ہو تو یہ بڑا واضح ہے لیکن اس قسم کی مثالوں سے اثر لینے والے بہت کم ہیں، اکثریت غفلت میں پڑے ہیں اور حقائق سے ناآشنا ہیں۔ مومنین اور فاجروں کے ساتھ ایک جیسا معاملہ نہیں ہو سکتا دُنیا میں تو نیک اور بد دونوں اللہ کی نعمتوں سے برابر فائدہ اٹھا رہے ہیں بلکہ جو منکرین ہیں وہ کچھ زیادہ ہی دُنیاوی فوائد سے بہرہ ور ہوتے ہیں لیکن ایسا تو صحیح نہیں، خلاف انصاف ہے بس ایک دن ایسا ہونا چاہیے کہ ایک دن سب کے ساتھ ان کے اعمال کی روشنی میں سلوک ہو، ہر ایک کو وہ ملے جو اس کا حق ہے، اسی حوالے سے اگلی آیت میں قیامت کی بات کی جا رہی ہے۔

اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: ''بے شک قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں، لیکن اکثر لوگ یقین نہیں کرتے۔''

قیامت کا عقیدہ

اس جگہ قیامت کا بیان ہے کہ یہ عقیدہ توحید الٰہی کے عقیدہ کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ قیامت نے ضرور واقع ہونا ہے اس میں کوئی شک نہیں وہ دن احتساب کا ہے۔ اس میں باطل پرست خسارہ میں ہوں گے، صاحبان ایمان فائدہ میں ہوں گے، اہل باطل کو ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا، وہ اپنے اعمال کی جزاء پائیں گے لیکن اہل باطل اس کا انکار کرتے ہیں جبکہ ان کے جھوٹے خداؤں کی طرف سے نہ تو دُنیا میں کوئی دعوت آئی ہے اور نہ ہی آخرت میں ان کی پکار ہو گی۔ دُنیا اور آخرت دونوں میں دعوت حق فقط اللہ کے لیے ہے لیکن بہت سارے لوگ اس بات کے انکاری ہیں۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: ''اور تمہارے رب نے فرمایا ہے مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں عنقریب وہ ذلیل ہو کر دوزخ میں داخل ہوں گے۔''

دُعاء کی عبادت

اللہ تعالیٰ پورے جہان کا مالک ہے وہ مالک کون و مکاں ہے، ہر شئی اس کے پورے تصرف میں ہے ، اپنے تمام بندوں کے لیے ایک فرمان عام جاری کیا ہے کہ تم سب اپنی حاجات کے لیے اپنے مسائل حل کرانے کے واسطے اللہ کو پکارو، اس سے اپنے مسائل کا حل مانگو تو اللہ فرماتا ہے تم جو مانگوگے تمہاری بات کو سنا جائے گا اور تمہاری دعا کو قبول بھی کیا جائے گا۔ اس آیت کو مطلّقا بیان کیا گیا ہے کہ دعا سنی جائے گی، حاجت پوری کی جائے گی ، درخواست دربار ربوبیت سے رَد نہ ہوگی۔ دو شرائط ہیں:۔

۱۔ پہلی شرط یہ ہے کہ دعا مانگنے والا، درخواست دینے والا سچ مچ مانگ رہا ہو اور اس کو معلوم ہو کہ وہ خدا سے کیا مانگ رہا ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ فقط اللہ سے مانگے، اس کا تعلق اللہ کے سوا تمام اسباب سے منقطع ہو، اپنی حاجت روائی کے لیے کسی اور کو موئثر نہ جانے۔

اپنے فطری علم سے مسبّب الاسباب سے دعا کرے، اس سے مانگ رہا ہو جو سب اسباب کا خالق ہے، اس کی زبان، اس کے دل کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔

دعا مانگنے سے گریز

اس جگہ دعا کو عبادت کا درجہ دیا ہے، دعا یعنی ہر جگہ سے مایوس ہو کر فقط اللہ کے دربار میں حاضر ہو جانا اور فقط اپنے اللہ کو کارساز جاننا، یہ عبادت ہے۔ اللہ فرماتا ہے جو میری اس عبادت سے روگردانی کرے تو وہ متکبر ہے، مغرور ہے اور خود کو اللہ کے حضور جھکانے سے گریزاں ہیں، مغرور ہیں۔ انہیں ذلت و خوارگی نصیب ہوگی، جہنم میں داخل کیا جائے گا، ذلت، بیچارگی کی حالت میں جہنم وارد ہوں گے۔

دعا کی یقینی اجابت

امام جعفر صادق علیہ السّلام سے خصال شیخ صدوق میں روایت بیان ہوئی ہے کہ جس شخص کو دعا کی توفیق ملتی ہے تو اس کی دعا کے لیے قبولیت بھی ہے اور جسے شکر بجالانے کی توفیق ملتی ہے تو اس کی لیے نعمت میں اضافہ بھی نصیب ہو گا اور جسے توکل کی توفیق ملتی ہے یعنی جو اپنے امور اللہ کے سپرد کر دیتا ہے تو اللہ ہی اس کے تمام معاملات میں اس کے لیے کافی ہے۔ (سورہ طلاق، آیت ۳) "اللہ کا فرمان ہے شکر بجالاؤ گے تو نعمت بڑھا دُوں گا۔" (سورہ ابراہیم، آیت ۷) "مجھ سے مانگو تاکہ میں تمہاری مانگ کو پورا کر دوں۔" (سورہ مومن، آیت ۶۰)۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾

ترجمہ: "اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ اس میں آرام کرو اور دن کو ہر چیز دکھانے والا بنایا، بے شک اللہ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔"

اللہ کا اپنے بندوں پر فضل و کرم

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو فضل و کرم کیا ہے اس کا تذکرہ کیا ہے، دو بڑی نعمتوں کا ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی رات کو قرار دیا ہے کہ اس میں لوگ دن کے کام کاج سے جو تھکاوٹ ہوتی ہے اسے آرام سے دُور کریں، رات کو اللہ ہی نے انسانوں کے آرام کے لیے قرار دیا ہے اور دن کو چلنے پھرنے اور روزگار کے لیے قرار دیا ہے۔ دن کی روشنی کام کے لیے ہے، روزی کی طلب میں نکلے، کام و محنت کریں، اپنی ضروریات پوری کریں، یہ تو اللہ کی تدبیر ہے کہ وہ کس طرح انسانوں کے امور کی تدبیر کرتا ہے، لوگوں کی نعمات اور فضل

میں غوطہ ور ہیں اللہ تعالیٰ کی مسلسل نعمتیں انسان پر اُتر رہی ہیں لیکن یہ انسان ہیں کہ منعم حقیقی کو فراموش کئے ہوئے ہیں اور کفران نعمت اس کی طبیعت بن گئی ہے۔ اکثر انسان ناشکرے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنے فضل و کرم اور اپنی نعمات کو یاد دلایا ہے اور ان کی ناشکری کو بیان کیا ہے۔

پیغام: انسان پر لازم ہے کہ وہ اللہ کی نعمات کا اعتراف بھی کرے اور اللہ کی نعمات کا شکر بھی بجالائیں اور اپنی ہر حاجت اور ضرورت کو اللہ سے مانگے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٦٢﴾

ترجمہ: ”یہی اللہ تمہارا رب ہے ہر چیز کا پیدا کرنے والا، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر کہاں الٹے چلے جا رہے ہو۔“

حیات اور رزق کی تدبیر

اللہ تمہارے لیے رزق کی تدبیر کرتا ہے، اللہ نے تمہارے لیے شب و روز کو خلق کیا ہے ،اللہ ہی تمہارا رب ہے ، تمہارے سارے امور کی تدبیر اللہ کے پاس ہے ، اللہ ہی سارے موجودات کا خالق ہے، سب کی تدبیر اللہ کے پاس ہے، تدبیر خلقت سے ملی ہوئی ہے اللہ کے سوا کوئی لائق اطاعت نہیں کیونکہ جس کی تدبیر ہے جس کا قانون ہے اسی کی اطاعت کو چھوڑ کر کہاں جاؤ گے اور کس بنیاد پر اللہ کی اطاعت چھوڑ سکتے ہو؟ اللہ ہی کی اطاعت تمہیں کرنا ہو گی۔

كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾

ترجمہ: ”اسی طرح وہ لوگ بھی الٹے چلا کرتے تھے جو اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا کرتے تھے۔“

اللہ کی آیات کے منکرین

اگر منطق کی بات ہو، دلیل کو دیکھا جائے، حقائق پر نظر کی جائے تو اللہ جو خالق ہے تمام موجودات کا، اپنی مخلوق کا مالک بھی وہی ہے کیونکہ سب کو اسی نے بنایا ہے اور مالک ہونے کی وجہ سے سب کے لیے روزی کا انتظام کیا ہے، اسی نے انسان کے لیے دن اور رات کو بنایا ہے۔ اپنی نعمات کی انسان کے لیے فراوانی کی ہے، جب رازق بھی اللہ ہے تو اللہ ہی نے انسان کے اور پورے جہان کے تمام امور کی تدبیر کی ہے۔ ہر موجود کے لیے قانون بنایا ہے، انسان کے لیے بھی قانون دیا ہے اس سب کو دیکھتے ہوئے تو یہ چاہیے کہ سب انسان اللہ کی اطاعت کرتے لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ سابقہ اُمتوں میں بھی ایسے لوگ بہت زیادہ تھے جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور انحراف کا راستہ اختیار کیا۔ آج بھی یہ مشرکین اسی راستہ کو اپنا رہے ہیں۔ اللہ کی نشانیاں واضح اور آشکار ہیں کسی انحراف کی گنجائش نہیں ہے۔ بغیر ثبوت اور بغیر دلیل کے یہ جھوٹے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: ''اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو آرام گاہ بنایا اور آسمان کو چھت اور تمہاری صورتیں بنائیں اور پاکیزہ چیزوں سے تمہیں رزق دیا، وہی اللہ تمہارا پالنے والا ہے، پس سارے جہان کا پالنے والا اللہ بابرکت ہے۔''

انسانوں پر اللہ کا کرم

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنے مزید احسانات اور نعمات کا تذکرہ کیا ہے کہ زمین کو اللہ تعالیٰ نے قرار اور ٹھہراؤ دیا ہے، اس پر انسان آرام سے رہ سکتا ہے۔ آسمان کو ان کے لیے چھت قرار دیا، چھتی ہوئی جگہ انسان کے لیے قرار دی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ زمین ایک کرہ ہے جو ہمارے نظام شمسی کا ایک سیارہ ہے کسی چیز سے حرکت میں ہے لیکن اس پر رہنے والے سکون محسوس کرتے ہیں۔ اس زمین کو بہترین طریقہ سے قرار دیا ہے اس میں سب کچھ رکھ دیا ہے جس سے انسان کو روزی بھی ملے اور آرام و سکون بھی اسے نصیب ہو۔ انسان کی زندگی اور کام کاج اور اعمال کے لیے جو کچھ ضرورت ہے وہ سب کچھ اس زمین میں رکھ دیا ہے۔ زمین کی نباتات، اجناس، حیوانات، آسمان سے روشنی کا انتظام، سورج، چاند، کہکشائیں، یہ سب کچھ انسان کی خلقت نہیں ہے، یہ اللہ کا اپنا نظام ہے۔ لہٰذا اللہ ہی رب ہے، تدبیر اسی کی ہے، اسی کے لیے ثنائے جمیل ہے، خیر کثیر اسی کی طرف سے ہے۔ ربوبیت اور تدبیر اسی کی ہے، پورے جہان کا رب بابرکت ہے وہی تمہارا رب ہے، اسی کی اطاعت کرو۔

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٥﴾

ترجمہ: ”وہی ہمیشہ زندہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس اسی کو پکارو خاص اسی کی بندگی کرتے ہوئے، سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔“

حقیقی حیات

اللہ ہی وہ ذات ہے جس کے لیے حقیقی حیات ہے، یہ اس کی ذاتی صفت ہے، اللہ ہے جو دوسروں کو حیات دیتا ہے کسی کے لیے حیات اس کی اپنی نہیں، اللہ کی عطا کردہ ہے۔ اللہ کے لیے موت نہیں، موت اس کے لیے جس کے پاس حیات کسی کی دی ہوئی ہو۔ عبادت اسی کی ہونی چاہیے جو حقیقی طور پر بالذات حیات رکھتا ہے، جسے زوال نہیں ہے، جو زوال پذیر ہیں ان کی اطاعت نہیں ہونی چاہیے۔ اللہ ہی وہ معبود ہے جو لائق عبادت و اطاعت ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس تم فقط اسے اپنی حاجات کے لیے پکارو، اسی سے مانگو اور دین اسی کے لیے خالص ہے، جب دین اس کا ہے، نعمات اسی کی ہیں، حیات اس نے دی ہے تو پھر ساری حمد بھی اسی کے لیے ہے۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ ۫ وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۶﴾

ترجمہ: ”کہہ دو مجھے تو ان چیزوں کی عبادت سے منع کیا گیا ہے جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو جب کہ میرے رب کی طرف سے میرے پاس کھلی کھلی نشانیاں آچکی ہیں، اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کے سامنے سر جھکاؤں۔“

مشرکین کے لیے رسول اللہؐ کا دوٹوک جواب

مشرکین رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے کہ وہ ان کے خداؤں کی عبادت کریں یا کچھ عرصہ ایسا کرلیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کو دوٹوک اور واضح جواب دیا کہ میں تو مامور ہوں اور اپنے رب کے فرمان کا پابند ہوں، میرے رب نے مجھے منع کیا ہے کہ میں تمہارے خداؤں کی پرستش کروں اور بات تو بڑی واضح ہے کہ اتنی ساری واضح اور روشن نشانیاں اللہ رب العالمین کی وحدانیت اور توحید پر آچکی ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے کسی کو اللہ کا

شریک بنانے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ سورہ زمر میں بھی رسول اللہ ﷺ کے واضح اعلان کا ذکر موجود ہے۔ آیت ۶۵۔۶۶ کہ جو بھی اللہ کا شریک بنائے گا اس کے سارے اعمال رائیگاں جائیں گے۔

اس جگہ اعلان کیا کہ میں کسی کو اللہ کا شریک قرار نہیں دیتا۔

واضح اعلان

رسول اللہ ﷺ نے واضح فرمادیا کہ میں تو اللہ کے حضور تسلیم ہوں، اللہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر کے فیضان سے ان پر اپنی شریعت حقہ اُتار دی ہے، میں نے تو اسی شریعت و قانون کی پابندی کرنی ہے اور بس!۔

اس اعلان سے آپ نے مشرکین کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مایوس کر دیا۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ: ”وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پھر نطفے سے پھر خون بستہ سے پیدا کیا پھر وہ تمہیں بچہ بنا کر نکالتا ہے پھر باقی رکھتا ہے تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو پھر یہاں تک کہ تم بوڑھے ہو جاتے ہو، کچھ تم میں اس سے پہلے مر جاتے ہیں، بعض کو زندہ رکھتا ہے تاکہ تم وقت مقررہ تک پہنچو اور تاکہ تم سمجھو۔“

انسان کی خلقت

اس آیت میں انسان کی خلقت بارے بیان کیا گیا ہے، اس طرح انسان کو اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ جو تمہارا خالق ہے وہی تمہارا مالک ہے، اسی نے تمہارے رزق کا انتظام کیا ہے ، اسی کا قانون ہے وہی تمہارا رب ہے بس اس کی اطاعت کرو۔ انسان کا آغاز حضرت آدم ابوالبشر سے ہوا، ان کی خلقت اللہ تعالیٰ نے مٹی، خاک سے قرار دی ہے۔ اس کے بعد نطفہ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے لیکن نطفہ بالآخر خاک سے ہی تیار ہوتا ہے۔ زمین سے اُگنے والی اجناس کو انسان کھاتا ہے اس سے انرجی لیتا ہے، اسی سے اس کے وجود میں نطفہ بنتا ہے اور پھر وہ اس نطفہ کو اللہ کے بتائے ہوئے نظام کے تحت اپنی صلب سے عورت کے رحم میں منتقل کر دیتا ہے۔ جب مرد کا مادہ حیات، (نطفہ) عورت کے رحم میں چلا جاتا ہے تو پھر رحم کے اندر یہ مادہ حیات اپنی ترقی کی منزلیں طے کرتا ہے، نطفہ (پانی کا قطرہ) جما ہوا خون بنتا ہے اور پھر خون گوشت کے لوتھڑے میں تبدیل ہوتا ہے اور پھر یہ گوشت کا چھوٹا سا ٹکڑا انسان کا بدن بنتا ہے پھر اس پر دست قدرت اپنا کام دکھاتا ہے، نقش و نگار بنتے ہیں پوری انسانی تصویر بنتی ہے، بالآخر اسی بدن میں رُوح ڈال دی جاتی ہے، اس کی غذا کا انتظام اللہ کر دیتا ہے اور یہ بڑھتا رہتا ہے ، پورے نو ماہ اور کچھ دن پھر یہ پورا بچہ ہو کر ماں کے شکم سے باہر خوبصورت بچہ بن کر آجاتا ہے۔ انسان کا بچپن شروع ہوتا ہے پھر لڑکپن اور حد بلوغ کو پہنچتا ہے، بلوغ سے آگے کی منازل طے کرتا ہے، بڑھاپے تک جا پہنچتا ہے کچھ تو اپنی طے شدہ عمر کو پورا کرتے ہیں کچھ پہلے ہی مر جاتے ہیں یہ ہے انسان کی زندگی کا آغاز اور اختتام۔ یہی دُنیا کی زندگی ہے یہ سب کچھ اس لیے ہے تاکہ انسان معنوی حیات کا ادراک کرے۔ انسان کی خلقت کا ہدف اس کی معنوی حیات ہے، یہ تعقل اور سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ صاحبان بصیرت اس سے تذکر لیتے ہیں۔

پیغام:

انسان اپنے آغاز و انجام پر توجہ دے اور اپنی کمزوری سے خود کو آگاہ کرے، آغاز ایک گندے پانی سے ہے جس کے اخراج پر اس کے ماں باپ پر غسل واجب ہو گیا اور اس کا انجام موت ہے کہ مرنے کے بعد پھر وہ ایک نجس بدن ہو گیا کہ جو اس بدن کو ہاتھ لگائے وہ بھی نجس ہو جائے لیکن میت کو تین غسل دینے کے بعد پھر اس کا جسم طاہر ہو جاتا ہے۔ یہ سب اللہ کا نظام ہے جس کے تحت یہ سب کچھ بالترتیب انجام پاتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اس پر توجہ دے۔

هُوَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۶۸﴾

ترجمہ: ''وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، پس جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو صرف اس سے یہی کہتا ہے کو ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔''

متصرف مطلق اللہ

ہر شئ اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے، تصرف اور اختیار مطلق اسی کے ہاتھ میں ہے، مبدء اسی کا اور معاد بھی اسی کا، آغاز اسی سے اور اختتام بھی اسی سے ہے۔ حیات دینے والا وہی ہے، موت دینے والا وہی ہے۔ تمام موجودات کو وجود اس نے دیا ہے، ان میں حیات اس نے رکھی ہے اور تمام موجودات کا خاتمہ بھی اسی نے کرنا ہے اور ان کے لیے موت بھی اس نے قرار دی ہے، زندہ موجودات کو اللہ تعالیٰ ہی نے اپنی نعمات سے نوازا ہے اور ان کی حیات کو جاری رکھنے کے لیے تمام لوازمات کو خلق فرمایا ہے۔ پورے جہان کی تدبیر اسی کے ہاتھ میں ہے، ہر چیز کا وجود اور اس کی نابودی اللہ کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے، اللہ کا ارادہ

ہی کسی چیز کے ہونے کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اشیاء کی ایجاد میں کسی واسطہ کی ضرورت نہیں ہے، اس کا ارادہ ہی اس شئی کا وجود ہو جاتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿٦٩﴾

ترجمہ: ''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں وہ کہاں پھرے چلے جا رہے ہیں۔''

تعجب کی بات

رسول اللہ ﷺ سے یہ کہا جا رہا ہے کہ ہماری نشانیوں کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ لوگ صحیح راستہ پر آجاتے، اتنی واضح نشانیوں اور معجزات کے باوجود جب یہ لوگ حق کو تسلیم نہیں کرتے اور گمراہ ہو جاتے ہیں، انحراف کے راستہ پر چلے جاتے ہیں تو اس پر حیرت زدہ ہونے کی ضرورت ہے، یہ بہت ہی تعجب اور حیرانگی کی بات ہے۔ انسان کے پاس سوچنے سمجھنے کے لیے عقل بھی ہو اور اسے استعمال نہ کرے اور اتنی ساری نشانیوں کو دیکھ کر منحرف ہو تو یہ حیرانگی کی بات نہیں تو اور کیا ہے؟

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٠﴾

ترجمہ: ''وہ لوگ جنہوں نے کتاب کو اور جو کچھ ہم نے رسولوں کو دے کر بھیجا تھا سب کو جھٹلا دیا، پس انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔''

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ يُسْحَبُوْنَ ﴿٧١﴾

ترجمہ: ''جب کہ طوق اور زنجیریں ان کے گلے میں ڈال کر گھسیٹے جائیں گے۔''

فِي الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿٧٢﴾

ترجمہ: ”کھولتے پانی میں پھر آگ میں جھونکے جائیں گے۔“

مشرکین کے لیے انذار اور تہدید

اس جگہ مشرکین کو سخت ترین سزا کے بارے ڈرایا گیا ہے اور انہیں دھمکایا جا رہا ہے کہ تم جو روشن نشانیوں کو جھٹلا رہے ہو، ہماری کتاب کا انکار کر رہے ہو، ہمارے رسول ﷺ کے ساتھ مجادلہ و جھگڑا کر رہے ہو، واضح رہے جنہوں نے ہماری کتابوں کو جھٹلایا، ہمارے انبیاء کی تکذیب کی، بنیادی طور پر وہ اصل نبوت و رسالت (ہماری نمائندگی) کے ہی منکر ہوئے۔ تو ایسے لوگ بہت جلد اس انکار کی سزا پائیں گے اور وہ سزا اس طرح ہو گی کہ ان کی گردنوں میں لوہے کے طوق اور زنجیر بندھی ہو گی، ہاتھ میں ہتھکڑیاں، پیروں میں بیڑیاں، اس طرح انہیں جکڑ کر جہنم کی طرف کھینچ کر لے جایا جائے گا۔ وہاں پر پہلے انہیں گرم کھولتے ہوئے بدبودار پانی میں پھینک دیا جائے گا اور پھر وہاں سے نکال کر بھڑکتی ہوئی آگ میں جلنے کے لیے ڈال دیا جائے گا۔ یہ اس طرح آگ کا ایندھن بنیں گے جیسا کہ اس بارے سورہ البقرہ، آیت ۲۴ میں فرمایا ہے:

”فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ“

”اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے“

ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: ”پھر ان سے کہا جائے گا کہاں ہیں جنہیں تم شریک بتاتے تھے۔“

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: ”اللہ کے سوا، وہ کہیں گے ہم سے وہ کھو گئے بلکہ ہم تو اس سے پہلے کسی چیز کو بھی نہیں پکارتے تھے، اسی طرح اللہ کافروں کو گمراہ کرتا ہے۔“

جہنم میں جلتے ہوئے مجرموں کیساتھ مکالمہ

اللہ کی نشانیوں کو جھٹلانے والوں کو جب کھولتے ہوئے گرم پانی میں ڈالا جائے گا تو ان سے مکالمہ کیا جائے گا، ان سے کہا جائے گا کہ تم دُنیا میں اللہ کو چھوڑ کر اللہ کے شریک بناتے تھے، تم جن خداؤں کی پرستش کرتے تھے اب ان کو بلاؤ، ان کو دیکھو وہ کہاں ہیں، اب ان سے کہو تاکہ وہ تمہیں آتش جہنم سے بچائیں، تمہاری سفارش کریں۔ یہ بڑی بے بسی کا وقت ہوگا اس سوال کے جواب میں کہیں گے کہ وہ اب یہاں سے غائب ہیں، بلکہ اصل بات تو یہ ہے کہ دُنیا میں ہم جن کی پرستش کرتے تھے وہ حقیقت میں کچھ بھی نہ تھے بلکہ خالی نام ہی تھے، ایسے مفاہیم تھے جن کے خارجی مصادیق نہ تھے، پھر کہا جائے گا کہ اللہ کافروں کو گمراہ کرتا ہے اس کی ایک مثال یہ ہے کہ یہ لوگ کس طرح ایسے ناموں کی پرستش کرتے تھے کہ جن کی حقیقت وجودی نہ تھی، وہ باطل کو حق سمجھتے رہے۔ اب اس باطل کو تلاش کرتے ہیں وہ تو موجود ہی نہیں کیونکہ وہ سب خیال تھا۔ حقیقت سے عاری اللہ کی طرف سے یہ گمراہی ان کے لیے مقدر تھی یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے ہمیشہ حق پر پردہ ڈالا اور باطل کو اپنایا۔

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ۚ﴿۷۵﴾

ترجمہ: ”یہ عذاب تمہیں اس لیے ہوا کہ تم ملک میں ناحق خوشیاں مناتے تھے اور اس لیے بھی کہ تم اترایا کرتے تھے۔“

اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۶﴾

ترجمہ: ''جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ، پھر تکبر کرنے والوں کا کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔''

عذاب کی وجہ

مجرموں سے کہا جائے گا کہ تمہارے اوپر یہ جو عذاب آیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دُنیا میں تم نے جن کو ٹھکرا دیا باطل پر ڈٹے رہے، زمین میں تم خوش رہے، باطل پرستی میں مست رہے، شہوت پرستی میں لگے رہے، خود سر بنے رہے، دُنیا فانی کو سب کچھ جانا اور اس میں شادمان اور خوشحال رہے۔ دُنیاوی خوشنودی میں افراط کیا، حق کا انکار کیا، اللہ کے احکام کا مذاق اڑایا۔ اب تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے اس میں ہمیشہ رہو گے، یہی متکبرین کا ٹھکانہ ہے اور یہ تو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے لیکن یہ سب تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے اور کچھ نہیں۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾

ترجمہ: ''پس تم صبر کرو بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور ہم نے جس (عذاب) کا ہم ان سے وعدہ کر رکھا ہے یہ سب کچھ وہ ضرور دیکھ لیں گے یا ہم آپ کو حتمی وفات دے دیں تو بھی سب ہماری طرف ہی لوٹائے جائیں گے۔''

رسول اللہؐ کے لیے تسلی کا پیغام

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو تسلی دی ہے کہ کافروں نے جو وتیرہ اپنایا ہوا ہے کہ مسلسل آپؐ کو جھٹلا رہے ہیں پہلے بھی ایسی اقوام گزری ہیں جن کا ہمارے رسولوں کے ساتھ یہی طریقہ تھا۔ ہمارا وعدہ برحق ہے، آپ حوصلہ رکھیں، صبر کریں، پریشان نہ

ہوں، اللہ نے اپنے رسولوں اور مومنین کی مدد کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اپنے مخالفین کو عذاب دیتا ہے، دُنیا میں رسوائی اور آخرت میں دردناک عذاب دیتا ہے۔ پھر رسولؐ کو تسلی دی کہ آپ کی زندگی میں ہی ان وعدوں میں سے کچھ محقق ہوں اور ان مشرکین کو عذاب میں مبتلا دیکھیں گے۔ آپ کی روح قبض ہونے سے پہلے آپ دیکھو گے کہ ہم نے ان مشرکین کو عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے ویسے سب کافر جو ہیں وہ ہمارے پاس ہی واپس پلٹ کر آئیں گے، پھر وہاں پر بھی اپنے وعدہ کے مطابق انہیں سخت ترین عذاب دیں گے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے آپ سے پہلے کئی رسول بھیجے تھے بعض ان میں سے وہ ہیں جن کا حال ہم نے آپ پر بیان کر دیا اور بعض وہ ہیں کہ ہم نے آپ پر ان کا حال بیان نہیں کیا، اور کسی رسول سے یہ نہ ہو سکا کہ کوئی معجزہ اذنِ الٰہی کے سوا ظاہر کر سکے، پھر جس وقت اللہ کا حکم آئے گا ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہو جائے گا اور اس وقت باطل پرست نقصان اٹھائیں گے۔“

اللہ کی سنت

اس جگہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے اپنی سنت اور روش کو بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ انسانوں کی ہدایت کے لیے رسولوں کو ان کے پاس نشانیاں دے کر بھیجا اور ان رسولوں

میں سے بعض کے حالات کو آپ کے لیے بیان کیا ہے اور یہ بھی ہم نے بتادیا کہ کس طرح ہم نے اپنے رسول کی تائید میں ان کے لیے آیت اور معجزہ دیا اور ہم نے باطل پر حق کو غلبہ دیا کچھ انبیاء کے واقعات بیان ہوئے ہیں اور کچھ کو بیان نہیں کیا۔ یہ بات جان لو کہ معجزہ اپنے رسول کو عطا کرنا اور عذاب اُتارنا یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے کسی رسول کے لیے یہ حق نہ دیا گیا کہ وہ اپنی رسالت و نمائندگی کی تائید کے لیے اللہ کی اجازت کے بغیر معجزہ دکھانے کی بات کرے یا اپنی طرف سے اپنی قوم کے لیے عذاب لا سکے۔ معجزہ اور عذاب اللہ کا اختیار ہے، اس لحاظ سے بھی آپ باقی انبیاء کی مانند ہیں، آپ کے پاس بھی ہماری نمائندگی ہے، لہٰذا آپؐ کے اور آپ کی امت کے درمیان فیصلہ کے بارے اللہ کے فرمان کا انتظار کرو لیکن جو بات حتمی اور یقینی امر ہے وہ یہ ہے جب اللہ کا فرمان اور امر آجائے گا تو پھر اللہ ان کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ دے گا اور حق کو غلبہ ملے گا اور باطل کو شکست ہو گی۔ اس صورتحال میں دُنیا میں جو لوگ باطل پر قائم رہے اور حق کو سرکوب کرتے رہے تو وہ ہلاک ہوئے اور دُنیا میں ناکامی ان کا مقدر ہوئی اور آخرت میں بھی ان کے لیے دردناک عذاب ہے، یہی تو بہت بڑا خسارہ اور نقصان ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾

ترجمہ: ''اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے بنائے تاکہ تم ان میں سے بعض پر سوار ہو اور بعض سے تم اپنے کھانے کے لیے غذا بناتے ہو۔''

وَ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَ لِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَ عَلَیْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾

ترجمہ: ''اور تمہارے لیے ان میں بہت سے فوائد ہیں اور یہ کہ تم ان پر سوار ہو کر اپنی حاجت کو پہنچو جو تمہارے سینوں میں ہے اور نیز کشتیوں پر تم سوار کیے جاتے ہو۔ (کشتیوں پر سوار ہو کر اپنی حاجات کو حاصل کرنا بھی تمہارے لیے اللہ نے قرار دیا ہے)''

وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾

ترجمہ: ''اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے پس تم اللہ کی کون کون سی نشانیوں کا انکار کروگے۔''

اللہ کی آیات کا تذکرہ

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کے بارے بیان کیا ہے کہ ہم نے انسانوں کے فائدے اور منافع کے لیے چوپاؤں کو خلق کیا ہے، جس کو انسان اپنے سفر کے لیے، مال برداری کے لیے، گوشت کے لیے اور لباس بنانے کے لیے استعمال میں لاتے ہیں۔ یہ اللہ ہی ہے کہ اس نے ان کو خلق فرمایا اور پھر انہیں اے انسان تمہارے لیے مسخر کر دیا۔ آپ کے لیے ان چوپاؤں میں بہت زیادہ منافع ہیں ان میں اونٹ، گائے، بھینس، گھوڑے، خچر، بھیڑ بکریاں یہ سب انسان کے لیے بہت زیادہ فائدے دیتے ہیں یہ سب اللہ کی مخلوق ہیں اور اللہ نے انہیں انسان کے اختیار میں دیا ہے۔ ان کے ذریعہ صحراؤں کو عبور کرتے، دور دراز ملاقاتوں کا سفر کرتے ہیں۔ اسی طرح سمندروں، دریاؤں میں کشتی پر سوار ہوتے ہیں، دریاؤں کو بھی اللہ نے انسان کے لیے مسخر کیا ہے۔ یہ سب اللہ کی آیات و نشانیاں ہیں،۔ اتنی ساری آیات و نشانیاں ہیں جو اللہ کی الوھیت، معبودیت، ربوبیت، مالکیت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کو واضح

طور پر تمہارے لیے بیان کر دیا ہے۔ اس کے باوجود تم اس سب کا انکار کرتے ہو۔ جبکہ تمہارے لیے ان نشانیوں کے انکار کا کوئی جواز نہیں ہے۔

اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ کَانُوۡۤا اَکۡثَرَ مِنۡهُمۡ وَ اَشَدَّ قُوَّۃً وَّ اٰثَارًا فِی الۡاَرۡضِ فَمَاۤ اَغۡنٰی عَنۡهُمۡ مَّا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: ''پس کیا انہوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا کیا انجام ہوا، وہ لوگ ان سے زیادہ تھے اور قوت اور نشانوں میں (بھی) جو کہ زمین پر چھوڑ گئے ہیں بڑھے ہوئے تھے پس ان کے نہ کام آیا جو کچھ وہ کماتے تھے۔''

مشرکین کی ملامت

اس جگہ مشرکین کے رویہ کی مذمت کی جارہی ہے، ان سے یہ کہا جارہا ہے کہ تم اس وقت بڑی بڑی باتیں کر رہے ہو ذرا اپنے سے پہلے لوگوں کے حالات کا جائزہ لے لو، کتنی اقوام گزری ہیں جو آپ لوگوں سے زیادہ طاقتور تھے اسی زمین پر موجود تھے، ان کے آثار بھی موجود ہیں، جاؤ گھومو پھرو اسی زمین پر تمہیں ان کا انجام معلوم ہو جائے گا جو کچھ وہ کرتے تھے ان کی تمام مساعی اور کوششیں ان کے اعمال اور ہنر مندیاں ان کے کام نہ آئیں۔ جب اللہ کی پکڑ ہوئی تو سب ڈھیر ہو گئے۔ ان کی ہلاکت اس وجہ سے ہوئی کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا جیسا کہ آج تم کر رہے ہو۔ تمہارا بھی حشر ان جیسا ہو گا جبکہ تم تعداد میں بھی کم ہو اتنی طاقت بھی تمہارے پاس نہیں ہے اور نہ ہی تمہارے پاس وہ ہنر ہے۔

فَلَمَّا جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَرِحُوۡا بِمَا عِنۡدَهُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ وَ حَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ: ''پس جب ان کے رسول ان کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو وہ اپنے علم و دانش پر اترانے لگے اور جس پر وہ ہنسی کرتے تھے وہ ان پر الٹ پڑا۔ (اسی نے انہیں لپیٹ میں لے لیا)''

سابقہ اقوام کے بارے

اس آیت میں پھر سابقہ اقوام کی طاقت و قدرت کو بیان کیا جارہا ہے کہ وہ دنیوی زندگی میں بہت سارے علوم و فنون میں مہارت رکھتے تھے، معماری کے فن میں بہت آگے تھے، جنگی فنون ان کے پاس تھے، اسی پر وہ خوش تھے جبکہ ان کا علم اسی محدود و چند روزہ زندگی کے بارے میں تھا، آخرت سے غافل رہے، وہ انہیں علوم پر مغرور اور دھوکہ میں تھے، یہی وجہ تھی کہ جب ان کے پاس اللہ کے رسول واضح اور روشن دلائل لے کر آئے تو وہ ان کی دعوت قبول کرنے کی بجائے ان کو جھٹلایا، واضح آیات سے انکار کیا، ان کو کچھ بھی نہ سمجھا۔ انبیاء جو وعدے دیتے تھے، جس عذاب سے ڈراتے تھے وہ ان کا ٹھٹھہ و مذاق اور تمسخر اڑاتے تھے۔ نتیجہ میں ان پر اللہ کا عذاب اُترا اور انہیں ہلاک کرکے رکھ دیا۔

فَلَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحۡدَهٗ وَ كَفَرۡنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشۡرِكِيۡنَ ﴿۸۴﴾

ترجمہ: ''پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب آتے دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے جو ایک ہے اور ہم ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں جنہیں ہم اس کا شریک ٹھہراتے تھے۔''

عذاب دیکھنے کے بعد پشیمانی

سابقہ اقوام پر عذاب نازل ہوا تو وہ کافر پشیمان ہو گئے، ایمان کا اعلان کر دیا لیکن وہ ایمان ان کی مجبوری تھی۔ عذاب کے نزول کے وقت ایمان کا اقرار ان کو کچھ فائدہ نہ دے سکا کیونکہ اس وقت غیب شہود میں بدل گیا اور انہوں نے اللہ کے عذاب کے وعدہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اس وقت اعتراف کے بغیر ان کے پاس کچھ چارہ کار نہ تھا لہٰذا مشرکین کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہو گا۔ سابقہ اقوام کے حالات کا جائزہ لو اور اس سے عبرت حاصل کرو اور اللہ کے رسول کی دعوت کو قبول کرو۔

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

ترجمہ: ''پس انہیں ان کے ایمان نے نفع نہ دیا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا، یہ سنت الٰہی ہے جو اس کے بندوں میں گزر چکی ہے، اور اس وقت کافر خسارہ میں رہ گئے۔''

ایمان کا فائدہ

ایمان لانا کب فائدہ دیتا ہے؟ جب اللہ کے رسولؐ دعوت دیں تو نشانیوں کو دیکھ کر ان کی دعوت کو قبول کریں اور ایمان لے آئیں۔ اس صورت میں ایمان لانا اختیاری حالت میں

ہو گا اور مفید ہو گا لیکن جب انسان خود کو مشکل میں گرفتار دیکھے، عذاب ان پر آن پڑے اور عذاب سے فرار بھی نہ ہو سکے، غیب شہود میں بدل جائے، جس عذاب کا مذاق اڑاتے رہے وہ عذاب ان کو اپنے گھیرے میں لے لے تو اس وقت کافروں کا ایمان لانا ان کو کچھ فائدہ نہ دے گا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں پر کافروں کو خسارہ کا سامنا ہو گا کیونکہ وہ اپنی زندگی کا اصل سرمایہ جو ان کا اختیار تھا اس کو ضائع کر بیٹھے اور جو کر چکے تھے اس کی تلافی ممکن نہ رہی۔ دُنیا کے عذاب کے بعد آخرت میں بھی ان کے لیے سخت ترین عذاب ہے۔

پیغام: سابقہ اقوام کے آثار کا ضرور جائزہ لیں، اللہ کے انبیاء کی دعوت کو نہ ٹھکرائیں، موت کو یاد رکھیں، موت آنے سے پہلے اپنے اختیار کو استعمال کریں اور اللہ پر ایمان، اللہ کے رسولوں پر ایمان، آخرت پر ایمان لاؤ اور اللہ کے قوانین پر عمل پیرا ہو۔

سورۃ فصلت

(مکی۔ کل آیات: ۵۴)

سورہ کے مطالب

کافروں کی اللہ کی کتاب سے رو گردانی، انبیاء کی نبوت و رسالت کا انکار کرنا، قیامت و معاد کا انکار کرنا، اللہ کی طرف سے ایمان لانے والوں کے لیے بشارت اور کافروں کو عذاب الٰہی سے ڈرانا، اللہ کی رحمت کا تذکرہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾

ترجمہ: ''ح مٓ۔ اسرار و رموز کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ کے اسماء سے ہے۔''

تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۚ﴿۲﴾

ترجمہ: ''(یہ کتاب) بڑے مہربان نہایت رحم والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔''

کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ''کہ جس کی آیتیں عربی زبان میں علم والوں کے لیے واضح اور تفصیل سے بیان کی ہیں۔''

بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا ۚ فَاَعۡرَضَ اَکۡثَرُہُمۡ فَہُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ ﴿۴﴾

ترجمہ: ''یہ خوشخبری دینے والی ڈرانے والی ہے، پھر ان میں سے اکثر نے تو منہ ہی پھیر لیا پھر وہ سنتے بھی نہیں۔''

وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ وَ فِیْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَیْنِنَا وَ بَیْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝۵

ترجمہ: ''اور کہتے ہیں ہمارے دل اس بات سے کہ جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے پردوں میں ہیں، اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان پردہ پڑا ہوا ہے، پھر آپ اپنا کام کیے جائیں ہم بھی اپنا کام کر رہے ہیں۔''

قرآن کی خصوصیات

قرآن میں حروف مقطعات کا استعمال ہوا ہے، ان حروف مقطعات سے ''حم'' ہے یہ اللہ کے اسماء سے ہے یا اشاراتی زباں میں ہے جس سے اللہ کا حبیب مصطفیٰ ﷺ آگاہ ہیں یا ان الفاظ میں اس سورہ میں موجود مطالب کی طرف اشارہ ہے یا یہ بتانا ہے کہ قرآن کے مطالب حروف تہجی سے ترکیب پاتے ہیں جس سے ایسا کلام تیار ہوا ہے جس کا مثل کوئی نہیں لا سکتا۔

قرآن کی خصوصیات میں سے ہے:۔

۱۔ قرآن اللہ کی کتاب ہے، اللہ نے اسے اپنے حبیبؐ پر نازل فرمایا ہے۔

۲۔ قرآن میں ایسے مطالب ہیں جو مومن اور کافر دونوں کے لیے ہیں۔

۳۔ مومنوں کے لیے قرآن مجید میں بشارتیں ہیں جبکہ کافروں کے لیے دھمکیاں ہیں، انہیں ڈرایا گیا ہے۔

۴۔ اللہ کی ایک رحمت عمومی ہے جو سب کے لیے ہے۔ ایک رحمت خاص ہے جو فقط مومنین کے لیے ہے۔

۵۔ رحمت خاصہ کے تحت اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرما کر مومنوں کے لیے دُنیا اور آخرت میں معاملات کی اصلاح کا انتظام کیا ہے۔

۶۔ قرآن مجید میں بیان شدہ مطالب مخاطبین کو اچھے انداز سے سمجھانے کے لیے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ آیات کو جدا جدا کر کے، چھوٹے چھوٹے جملوں میں بیان کیا ہے، لمبے لمبے پہرے نہیں بنائے گئے۔ قرآن میں مطالب متنوع ہیں، مختلف علوم کا بیان ہے۔ دُنیا و آخرت کے معاملات کا بیان، اخلاق ہے، قوانین ہیں، نظام ہے، کائنات کی خلقت کا بیان ہے، ان سب مطالب کو الگ الگ کر کے بیان کیا گیا ہے۔

۷۔ قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے کیونکہ جو لوگ اس کتاب کے مخاطبین ہیں ان کی زبان عربی ہے اور وہ عربی زبان میں مضامین و مطالب کو اچھے انداز سے سمجھ سکتے ہیں البتہ یہ بات اس سے مخالفت نہیں رکھتی کہ یہ کتاب تمام انسانوں کے لیے ہے البتہ قرآن کیونکہ جزیرۃ العرب میں نازل ہوا اور اس جگہ کے لوگ عرب زبان تھے، اس لیے براہ راست وہ مخاطب قرار پائے۔ یہ کتاب ان کے لیے ہے جو علم و سمجھ رکھتے ہیں۔ یہ ایسی کتاب ہے جو بشیر و نذیر ہے، اچھی خبر اس میں ہے اور خطرہ سے بھی آگاہ کیا گیا ہے۔ خوف بھی دلایا گیا ہے کہ اگر خلاف ورزی کرو گے تو سزا پاؤ گے لیکن زیادہ لوگوں نے اس کتاب سے منہ موڑ لیا ہے، وہ اس کے مطالب کو قبول کرنے کی نیت سے نہیں سنتے اور نہ ہی اس کے مطالب پر توجہ دیتے ہیں۔

مشرکین کا رسول اللہؐ کی دعوت پر جواب

رسول اللہ ﷺ ان پر جب قرآن کو پڑھتے ہیں قرآنی مطالب کو سننے اور اس پر توجہ دینے کی بجائے وہ رسول اللہ ﷺ سے کہتے ہیں آپ یہ سب کچھ پڑھتے جاؤ لیکن ہمارے دل بند ہیں ان پر پردہ پڑا ہوا ہے، ہم تمہاری بات کو نہیں سمجھتے، تمہاری دعوت ان دلوں پر اثر نہیں کرتی، ہمارے کانوں میں وزن پڑا ہوا ہے، ہمارے کان بند ہیں، ہم تو تمہاری بات کو سنتے ہی نہیں تو پھر سمجھیں گے کیا؟ ہمارے اور تمہارے درمیان گہرا پردہ ہے جس وجہ سے ہم تمہاری کسی بات کو اصلاً سنتے ہی نہیں، جب سنتے ہی نہیں تو تمہاری دعوت کو کیسے قبول کریں گے؟

کفار کی خواہش

کافر چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو مایوس کر دیں اور ان کو یہ بتائیں کہ ہم نے تو تمہاری بات کو بالکل مانا ہی نہیں جو کچھ تم سے ہو سکتا ہے کر لو۔ ہمارے عقائد کو باطل کرنے کے لیے جو کرنا چاہتے ہیں کرو ہم تمہاری بات نہ مانیں گے اور اس سے بالکل اثر نہ لیں گے۔ ہمارے اور آپ کے درمیان سمجھنے سمجھانے کا کوئی راستہ موجود نہیں ہے لہٰذا تم اپنا کام کئے جاو ہم اپنے کام میں مگن رہیں گے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ﴿6﴾

ترجمہ: ”آپ ان سے کہہ دیں کہ میں بھی تم جیسا ایک آدمی ہوں میری طرف یہی حکم آتا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے پھر اس کی طرف سیدھے چلے جاؤ اور اس سے غلطیوں کی مغفرت طلب کرو اور مشرکوں کے لیے ہلاکت ہے۔“

الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿7﴾

ترجمہ: ”جو زکوۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔“

مشرکین کے لیے جواب

مشرکین نے جو باتیں کیں، اللہ کی طرف سے اپنے رسولؐ کو فرمایا گیا کہ اے میرے رسولؐ تم ان کے جواب میں اس طرح سے کہہ دو:۔

۱۔ میں بشر (انسان) ہوں، فرشتہ نہیں ہوں، تمہاری جنس کے علاوہ کسی اور جنس سے نہیں ہوں۔

۲۔ میرے اور تمہارے درمیان فرق یہ ہے کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغام آتا ہے، جس پیغام کو اللہ سے لے کر میں نے آپ تک پہنچانا ہے۔ یہ اعزاز میرے لیے ہے، یہ تمہارے اختیار میں نہیں ہے، میں نے تم سے وہی کہنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے وحی فرمایا ہے۔

۳۔ اللہ کا پیغام تمہارے لیے یہ ہے کہ اللہ ہی تمہارا معبود ہے اور الٰہ و معبود ایک ہی ہے کئی معبود نہیں ہیں، فقط اسی کی پرستش کرنا ہے، متفرق خداؤں کی پرستش نہیں کرنا۔ تمہیں چاہیے کہ اللہ واحد کے آگے جھک جاؤ توحیدی نظریہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ، اللہ کی جانب آجاؤ، اپنے من گھڑت خداؤں کی پوجا پاٹ چھوڑ دو، ان کی نفی کرو اور بت پرستی کا جو گناہ کیا ہے ایمان لا کر اس کے حضور استغفار کرو، توبہ کرو، اللہ سے اس بڑے جرم کی معافی مانگو۔

مشرکین کے لیے سزا کا اعلان

اس جگہ مشرکین کو دھمکی دی ہے کہ مشرکین کے لیے جہنم ہے، تباہی ہے۔ جہنم مشرکین کے لیے ہےاوران لوگوں کے لیے جو اپنے اموال کی زکات نکال کر اپنے نفوس کا تزکیہ نہیں کرتے۔

ان لوگوں کے لیے جہنم ہے جو فقراء و مساکین پر اللہ کے دیئے ہوئے مال سے خرچ نہیں کرتے، ان کے لیے جہنم ہے جو آخرت اور معاد کا انکار کرتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۸

ترجمہ: ”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے ان کے لیے ایسا اجر ہے جن کا احسان نہیں جتایا جائے گا، بے انتہا اجر ہے۔“

صالح مومنین کے لیے نوید

مومنین جو اللہ پر ایمان لائے ہیں اور ایمان کے ساتھ عمل صالح انجام دیئے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انہیں بڑے اجر کا مستحق قرار دے گا ایسا اجر جس میں تسلسل ہو گا، اس میں انقطاع نہ ہو گا۔ یقینی بات یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو رزق و نعمت دی جاتی ہے اس میں منت و احسان نہیں ہوتا، اللہ کا رزق لامحدود ہے اور بے منت ہے۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۹

ترجمہ: ”کہہ دو کیا تم اس کا انکار کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین بنائی اور تم اس کے لیے شریک ٹھہراتے ہو، وہی تو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔“

وَ جَعَلَ فِيۡهَا رَوَاسِيَ مِنۡ فَوۡقِهَا وَ بٰرَكَ فِيۡهَا وَ قَدَّرَ فِيۡهَاۤ اَقۡوَاتَهَا فِيۡۤ اَرۡبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيۡنَ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''اور اس نے (زمین میں) اوپر سے پہاڑ رکھے اور اس میں برکت ڈالی اور چار دن میں اس کی غذاؤں کا تخمینہ کیا، (یہ جواب) پوچھنے والوں کے لیے پورا ہے۔''

ثُمَّ اسۡتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلۡاَرۡضِ ائۡتِيَا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيۡنَا طَآئِعِيۡنَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا پس اس کو اور زمین کو فرمایا کہ خوشی سے آؤ یا جبر سے، دونوں نے کہا ہم خوشی سے آئے ہیں۔''

بغیر دلیل کے شرک

اس جگہ تعجب اور حیرانگی سے مشرکین کو کہا جارہا ہے کہ عجیب ہے کہ تم اللہ کے شریک بناتے ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو دو یوم، دو مرحلوں میں خلق کیا ہے (پہلا مرحلہ پگھلا ہوا مادہ، دوسرا مرحلہ جامد ہونا اور پھر بن جانا) زمین کی خلقت کی طرف اشارہ ہے، زمین پر اللہ تعالیٰ نے بلند و بالا پہاڑوں کے کیل گاڑھ دیئے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے استوار، ثابت اور برقرار خلق کیا ہے۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ خیر و برکات قرار دی ہیں تاکہ زمین میں جو زندہ موجودات ہیں وہ ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ غذا کھانے والوں کے لیے ہر قسم کے، ہر انواع کے ارزاق کا باقی چہار یوم میں انتظام کیا ہے یہ چار فصلیں جن کو اللہ نے قرار دیا ہے۔ زمین سورج کے گرد حرکت کرتی ہے اس سے چار فصلیں وجود میں آتی ہیں لیکن جو ایام زمین

اور آسمان کی خلقت کے حوالے سے ذکر ہوئے ہیں تو وہ چہار مرحلے ہیں۔ دو مرحلے زمین کی ایجاد کے لیے ہیں، اور دو مرحلے سات آسمانوں کو اپنی اپنی جگہ قائم کرنا ہے جبکہ وہ دھواں تھے اس کے بعد فرمایا جو حاجت مند ہیں ان کے رزق کا انتظام کیا گیا ہے جو سب کے لیے یکساں اور برابر ہے اس طرح انتظام کیا ہے کہ سب کی ضروریات پوری ہوں، بغیر کسی نقصان اور کچھ ضائع ہوئے بغیر۔ اس جگہ سائلین، سوال کرنے والوں سے مراد نباتات، حیوانات اور انسان کی انواع ہیں، وہ اپنی حیات کے لیے جن ارزاق کے محتاج ہیں اللہ نے اس سب کا انتظام کیا ہے۔ یہ سب زبان حال سے اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے روزی مانگتے ہیں اور اپنی احتیاج کا ہاتھ دراز کئے ہیں۔

آسمان و زمین سے اللہ کی گفتگو

یہ اللہ کا تکوینی فرمان ہے جسے ہمارے لیے بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان سے فرمایا کہ اب تم دونوں میری اطاعت میں آجاؤ جو خوشی خوشی، راضی راضی، یا ناخوشی اور ناپسندیدگی کی حالت میں جبر و اکراہ سے نا چاہتے ہوئے میرے فرمان کے تحت آجاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کی خلقت کو دھواں سے تعبیر فرمایا ہے یہ اس مادہ کی جانب اشارہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو خلق فرمایا ہے یہ آپس میں امتیاز نہ رکھتے تھے امر تکوینی سے سب کچھ ہوا ''کن فیکون'' کی بات ہے اور بس۔ اللہ نے فرمان جاری کیا:

اِنَّمَآ اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡـًٔا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَیَكُوۡنُ (سورہ یٰسین، آیت: ۸۲)

ترجمہ: ''اس کی تو یہ شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اتنا ہی فرما دیتا ہے کہ ہو جا، سو وہ ہو جاتی ہے۔''

زمین و آسمان نے اللہ کے اس فرمان کو قبول کیا اور یہ کہا کہ ہمارے اندر کن (ہونے کو) قبول کرنے کی قابلیت اس قدر موجود ہے تمام مخلوقات کی مانند ہم اللہ کے فرمان کی

اطاعت میں ہیں، دونوں کے لیے ایک فعل کا استعمال اس بات کو بتا رہا ہے کہ زمین اور آسمانوں کے درمیان ایک ارتباط اور تعلق نظم کے حوالے سے موجود ہے یہ فعل و انفعال اور تاثیر و تاثر ایک دوسرے سے اثر لینا اور اثر دینا، پورے جہان کے ذرہ ذرہ میں مشاہدہ کر سکتے ہیں، یہ سب اللہ کی قدرت کاملہ اور اس کے واحد ہونے پر دلیل ہے، پس تم کس طرح اللہ کے شریک بناتے ہو؟

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ”پھر انہیں دو دن میں سات آسمان بنا دیا اور اس نے ہر ایک آسمان میں اس کا کام القاء کیا، اور ہم نے پہلے آسمان کو چراغوں سے زینت دی اور اسے محفوظ بنایا، یہ زبردست جاننے والے کا کام ہے۔“

آسمانوں کی خلقت

اللہ نے آسمانوں کو دھوئیں کے مرحلہ کے بعد خلق فرمایا پھر اسے سات میں تقسیم کر دیا اس جگہ **دُخان** سے مراد اس مادہ کی طرف اشارہ لے سکتے ہیں جس سے آسمانوں کی خلقت ہوئی۔ اللہ کا ارادہ یہ قرار پایا کہ آسمان اور زمین کے ملاپ سے دُنیا (زمین پر آبادی) بسائے، یہ دونوں آپس میں آملے، آسمان سے سورج کی شعاع آئی، گرمی بڑھی، ہوائیں اٹھیں، ان سے گرد و بھاپ اوپر چڑھی پھر پانی ہوا کے دوش پر چلتا رہا یوں مینہ برسا جس کے ذریعہ زمین سے طرح طرح کی فصلات اُگیں۔ زمین میں جانوروں کی خوراکیں رکھ دیں یعنی یہ صلاحیت رکھ دی کہ اس میں نباتات پانی اور گرمی ملنے سے اگ سکیں اور جانداروں کے لیے غذا بنیں۔

زمین وآسمان کی خلقت کے ایام

کل خلقت چھ ایام میں ہے، چار دن زمین اور آسمان بنائے گئے، دو مرحلوں پر زمین خلق ہوئی، پھر دو مرحلوں پر آسمان خلق ہوا اور پھر دو مرحلوں میں آسمان کی تقسیم سات دنوں میں ہوئی، چھ دن میں ایام بن گئے۔ بعض احادیث میں سات دنوں کی ترتیب بھی بیان کی گئی ہے کہ فلاں دن فلاں چیز خلق ہوئی اور فلاں دن فلاں چیز خلق ہوئی، سورہ البقرہ میں ہے کہ

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ

"پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا اور سات آسمان زمین کی پیدائش کے بعد بنائے"۔

سورہ نازعات میں ہے: "وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا"

"اور اس کے بعد زمین کو بچھا دیا"۔

ظاہر یہی ہے کہ زمین کی حقیقت پہلے ہے اور آسمان کی بعد میں ہے پھر سات آسمان بنائے گئے، زمین کے لیے ستاروں کے قمقمے لگا دیئے، یہ دُنیا کا آسمان ہے، یعنی زمین کے قریب ترین والا حصہ، جس پر زمین سے چمکتے دمکتے ستارے نظر آتے ہیں اور یہ ہمارے نظام شمسی کا سلسلہ ہے جس کا تعلق اسی آسمان سے ہے باقی آسمان اس کے اوپر ہیں۔ ہر آسمان سے مراد اس کا اپنا نظام شمسی ہو، ہمارے آسمان کے نظام شمسی میں ایک سورج، چاند اور دیگر سیارے ہیں، جبکہ دیگر آسمانوں میں یہ سلسلہ مختلف ہے۔

شیاطین سے آسمانوں کی حفاظت

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں شیاطین کی دخالت قرار نہیں دی۔ کوئی بھی شر پسند آسمانوں کے نظام میں خلل پیدا نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا انتظام فرما دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی منصوبہ بندی

زمین اور آسمانوں کی خلقت میں جو نظم و ترتیب ہے اور جو استحکام ہے یہ اللہ تعالیٰ کی منصوبہ بندی ہے جو بہت ہی دقیق اور حساب شدہ ہے اس میں کہیں بھی خلل نہیں ہے اور نہ ہی ان کا آپس میں کسی جگہ ٹکراؤ ہے۔ ہر ایک اپنے کام میں لگا ہوا ہے ہر ایک کا دوسرے سے ربط و تعلق بھی ہے یہ ایک دانا و علیم کا کام ہے، خود بخود نہیں ہوا وہ دانا غالب اور صاحب عزت ہے اسی کا ارادہ نافذ ہے۔ وہ قدیر و قادر ہے اپنی قدرت سے سب کو خلق فرمایا ہے اور اپنی منصوبہ بندی سے سب کو ایک نظم کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ؕ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ”پس اگر وہ نہ مانیں تو کہہ دو میں تمہیں کڑک سے ڈراتا ہوں جیسا کہ قوم عاد اور ثمود پر کڑک آئی تھی۔“

اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ”جب ان کے پاس رسول آئے ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے کہ سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کرو، تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے نازل کر دیتا پس ہم تو اس چیز سے جو تم دے کر بھیجے گئے ہو منکر ہیں۔“

صاعقہ

اس سے مراد خوفناک انداز سے زوردار آواز، گرج ہے کہ جس کے بعد آگ کا برسانا، اچانک موت آجانا یا عذاب کا اُترنا ہے۔ اس آیت میں اسی بات کو بیان کیا گیا ہے کہ جیسا عذاب اچانک قوم عاد اور قوم ثمود پر آیا تھا تمہارے اوپر بھی آسکتا ہے۔

آیات کا ملاحظہ کرنے کے بعد انکار کا انجام

ان آیات میں پہلے تو اللہ کی بڑی واضح اور روشن نشانیاں بیان کر دی گئیں کہ اگر انسان ان میں غور کرے تو اس کے لیے اللہ کی خالقیت، مالکیت، ربوبیت اور الوھیت کو سمجھنا آسان ہے اور توحیدی دعوت کو نہیں ٹھکرا سکتے لیکن اگر اتنی بڑی کائنات میں موجود اللہ کی نشانیاں دیکھنے کے باوجود اللہ پر ایمان نہ لائیں، توحید پرست نہ بنیں، بت پرستی کو نہ چھوڑیں اور اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہیں تو پھر ان پر بھی عذاب آجائے گا جیسا کہ سابقہ اُمتوں پر آیا۔ قوم عاد اور قوم ثمود کی مثال دی۔ انہیں حضرت ہود اور حضرت صالح نے ہر طرح سے سمجھایا، انہیں اللہ کی عبادت کا کہا لیکن انہوں نے اللہ واحد کی پرستش نہ کی، انکار پر ڈٹے رہے، لوگوں نے ان کی رسالت اور نمائندگی کو قبول نہ کیا بلکہ یہ کہتے رہے کہ رسول کو ہماری جنس سے نہیں ہونا چاہیے، اگر اللہ نے ہماری ہدایت کرنا تھی تو پھر آسمان سے فرشتوں کو ہمارے پاس بھیج دیتا لہٰذا تم رسول جو توحید پرستی کا پیغام لائے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں، ہمیں توحید والا دین قبول نہیں۔ ماضی کی مثال دے کر انہیں مستقبل کے حالات بارے سمجھایا گیا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں سمجھانے کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۞۱۵

ترجمہ: ''پس قوم عاد نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور کہا ہم سے طاقت میں کون زیادہ ہے، کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ اللہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے طاقت میں کہیں بڑھ کر ہے، وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے۔''

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَ هُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ۞۱۶

ترجمہ: ''پس ہم نے ان پر منحوس دنوں میں تیز آندھی بھیجی تاکہ ہم انہیں ذلت کے عذاب کا مزہ دنیا کی زندگی میں چکھا دیں اور آخرت کا عذاب تو اور بھی ذلت کا ہے اور ان کی مدد نہ کی جائے گی۔''

قوم عاد کے حالات اور ان پر عذاب کی کیفیت

اس جگہ قوم عاد کے بارے بیان کیا ہے کہ وہ کس طرح کے لوگ تھے۔ پہلی بات ان کی یہ تھی وہ خود کو بہت ہی طاقتور سمجھتے تھے، دوسری بات وہ متکبر تھے، وہ خیال کرتے تھے کہ ہم سے بڑا کوئی نہیں اسی بنا پر جب رسولؐ انہیں اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے تو وہ ان سے کہتے تھے کہ ہم سے بڑا کون ہے؟ ہمارے اوپر کون عذاب اُتار سکتا ہے؟

وہ اپنی اس گفتار میں اپنے خالق کو بھلا بیٹھے تھے، وہ بھول گئے کہ ان کے پاس جو طاقت ہے یہ تو اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور جس زمین پر موجود ہیں یہ بھی تو اللہ تعالیٰ نے خلق کی ہے اور اللہ ہی ہے جو صاحب قدرت ہے اور عزت مطلقہ اور ہر طرح کا غلبہ اسی کے واسطے ہے۔ وہ جو چاہے ایجاد کر سکتا ہے لیکن وہ غرور گھمنڈ میں تھے اور اللہ فرمارہا ہے انہوں نے ہماری واضح نشانیوں کا انکار کر دیا، ہمارے رسولوں کو جھٹلایا۔

اللہ کا عذاب

انکا واضح انکار اور تکبر و غرور کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب اُتار دیا۔

"باد سموم" زہریلی ہوا، بدن کو جلانے والی ہوا، آندھی، تیز گرد و غبار ایسا آیا اور وہ دن بہت ہی منحوس دن ان کے لیے تھا۔ ذلیل و خوار ہو گئے اس عذاب سے خود کو نہ بچا سکتے لیکن ان کا سارا غرور خاک میں مل گیا اس طرح دُنیا میں ان پر عذاب آیا جس نے انہیں جڑ سے اکھیڑ پھینکا لیکن آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔

"عبرت" کفار مکہ کو یہ واقعہ بیان کرکے سمجھایا جارہا ہے کہ تم بھی تکبر نہ کرو، حق سے منہ نہ پھیرو، توحیدی دعوت کو قبول کرو، ایمان لے آؤ، بت پرستی چھوڑ دو وگرنہ تمہارا حشر بھی ان جیسا ہوگا۔

وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٧﴾

ترجمہ: ”اور وہ جو قوم ثمود تھی ہم نے انہیں ہدایت کی سو انہوں نے گمراہی کو بمقابلہ ہدایت کے پسند کیا پھر انہیں کڑاکے کے ذلیل کرنے والے عذاب نے آلیا ان کے اعمال کے سبب سے۔“

وَ نَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ”اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہتے تھے ہم نے انہیں بچا لیا۔“

قوم ثمود کے بارے

قوم ثمود کے لیے حضرت صالح علیہ السلام آئے، ثمود والوں نے رسول کی بات کو ٹھکرا دیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے ان کی سعادت، خوش بختی، ہدایت اور خوشحالی کا انتظام کیا۔ عقائد حقہ ان کو بتائے گئے عمل صالح کی دعوت دی گئی لیکن انہوں نے خود ہی اپنے لیے اندھا پن اور گمراہی کا راستہ اختیار کیا جس کے نتیجہ میں آسمان سے زوردار خوفناک تباہ کن آواز آئی جس نے سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور انہوں نے جو اعمال کئے تھے اور جو کفر کیا تھا اس کی ان کو سزا دی گئی۔

ایمان والوں کی نجات

قوم ثمود پر عذاب آیا لیکن اس میں وہ لوگ جو ایمان لائے تھے اور نیک اعمال کئے، تقویٰ اپنایا، عقیدہ کے ساتھ عمل بھی کیا تو ہم نے ان کو نجات دے دی اور انہیں عذاب سے کچھ نقصان نہ ہوا۔

وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورہ روم، آیت: ۴۷)

”ہم نے اپنے اوپر فرض قرار دیا ہے کہ مومنوں کی مدد کریں“۔

مومنوں کو عذاب سے بچانا اللہ کی نصرت اور مدد سے ہی ممکن ہے۔

پیغام:

۱۔ سابقہ اُمتوں کے حالات کا مطالعہ کیا جائے۔

۲۔ اللہ کے پیغامات کو نہ جھٹلایا جائے۔

۳۔ اللہ کے عذاب سے ڈرایا جائے۔

۴۔ اللہ کے قوانین پر عمل کیا جائے۔

۵۔ قرآن کے مطالب پر غور کیا جائے۔

وَ يَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''اور جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے تو وہ روک لیے جائیں گے۔''

حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ''یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آ پہنچیں گے تو ان پر ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں گواہی دیں گی جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔''

رسول اللہؐ کو جھٹلانے والے مشرکین کا انجام

اس جگہ اللہ کے دشمنوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو رسول اللہؐ کو جھٹلاتے تھے اور براہ راست رسول اللہؐ کو جس کا سامنا تھا اگر اللہ کے سارے دشمنوں کی اس طرح کی سزا ہو گی لیکن اس جگہ مکہ والے مشرکین اور رسول اللہؐ کی تکذیب کرنے والوں کے بارے بتایا جا رہا ہے کہ قیامت کا دن ہو گا، ان دشمنان خدا کو پورے میدان محشر سے ہانک کر جہنم کی طرف لایا جائے گا، انہیں اس جگہ اکٹھا کریں گے، جو پہلے پہنچ جائیں گے وہ بعد والوں کا انتظار کریں، جب سب اکٹھے ہو جائیں گے تو ان کے بدن کے اعضاء ان کے خلاف بول اٹھیں گے اور دُنیا میں انہوں نے اللہ کی مخالفت کرتے ہوئے جو جو اعمال کئے تھے اور جس عضو سے جو عمل کیا تھا وہی عضو اس عمل کو ان کے سامنے گواہ کے طور پر بیان کریں گے۔ آنکھ سے جو دیکھا وہ اسے بیان کرے

گی، کان نے جو سنا ہے وہ اس کے بارے بتائے گا، ہاتھ نے جو کیا وہ اسے بتائے گا، پاؤں سے جہاں جہاں پر چل کر گئے وہ اسے بتائیں گے، زبان سے جو لفظ بولا وہ بتائے گی۔ یہ اعضاء بتائیں گے کہ ہم نے حق کی آواز کو سنا لیکن ہمارا جو مالک تھا اس نے حق کا انکار کر دیا۔ کان یہ بھی کہیں گے کہ میں نے اپنے مالک کی زبان سے یہ سنا تھا کہ اس نے توحید کا انکار کیا اور شرک کو اختیار کیا۔ پیشانی کہے گی کہ اس نے مجھے بت کے آگے جھکایا تھا۔ اس طرح دشمنان خدا کے خلاف فیصلہ صادر ہوگا۔ وہ یہ منظر دیکھ کر بول اٹھیں گے۔

وَ قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّ هُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ''وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی، وہ کہیں گی کہ ہمیں اللہ نے گویائی دی جس نے ہر چیز کو گویائی بخشی ہے اور وہ وہی ہے جس نے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کیا تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔''

وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَ لَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَ لَا جُلُوْدُكُمْ وَ لٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ''اور تم اپنے کانوں اور آنکھوں اور چمڑوں کی اپنے اوپر گواہی دینے سے پردہ نہ کرتے تھے لیکن تم نے یہ گمان کیا تھا جو کچھ تم کرتے ہو اس میں سے بہت سی چیزوں کو اللہ نہیں جانتا۔''

دشمنان خدا کا اپنے اعضاء پر اعتراض

دشمنان خدا جب اپنے اعضاء سے یہ سب کچھ سنیں گے کہ وہ ان کے خلاف گواہی دے رہے ہیں تو وہ اپنے بدن کے چمڑے، جلد سے مخاطب ہوں گے کہ تم نے یہ کیا کہہ دیا۔ بدن کی جلد کا نام اس لیے لیا کہ سب سے زیادہ رسوا انسان کے بدن کی جلد ہی کرے گی خاص کر وہ اعضاء جن سے جنسی خواہش پوری کرتا تھا۔ دیگر اعضاء یہ بھی بتائیں گے جو کام اس کے ذریعہ انجام دیئے اور وہ بھی بتائیں گے جو دوسرے اعضاء کے ذریعے کئے گئے جیسے آنکھ بتائے گی کہ میرے ذریعہ نامحرم کو دیکھا تھا پھر یہ بھی آنکھ کہے گی کہ میں نے دیکھا کہ یہ زنا کر رہا تھا میں نے دیکھا کہ یہ بت کی پرستش کر رہا تھا۔ یہ لوگ اس حالت میں اپنے بدن کی جلد سے سوال کریں گے تو بدن اور اس کے اعضاء جواب دیں گے کہ ہمیں تو بلوایا گیا، اس جگہ اللہ تعالیٰ نے کی قدرت کو بیان کیا جائے گا کہ ہم نے جو کچھ بولا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں قوت گویائی عطا کی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ سب کو قوت گویائی عطا کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے اللہ ہی تعالیٰ ہر نقص سے پاک ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ ہم دُنیا میں بھی تمہارے سارے اعمال سے آگاہ تھے جو عمل ہمارے باطن اور ضمیر میں پوشیدہ تھا، قیامت کے دن وہ اللہ کے حکم سے ظہور پذیر ہوگا، وہ کچھ ہمارے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے کہلوایا ہے لہٰذا ہم نے وہ کہنا ہے جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ ہم کہہ دیں پھر اس کی وجہ اس طرح بتا دی کہ اللہ ہی تو وہ ہے جس نے پہلی مرتبہ تمہیں خلق کیا، پھر حساب دینے کے لیے اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ اللہ ہی تمہارا مالک ہے اور جس چیز کے تم مالک ہو ان کا بھی اللہ مالک ہے، اللہ کو تمہارے تمام اعمال کا مکمل علم ہے۔

دشمنان خدا کی شرمندگی

یہ اعضاء دشمنان خدا سے کہیں گے کہ جب تم گناہ کرتے تھے تو اس وقت تمہیں اس کی پرواہ نہ تھی کہ تمہارے جسم کے اعضاء قیامت کے دن تمہارے ان اعمال پر گواہ ہوں گے۔ اس طرح تم بے پرواہ ہمیں اللہ کی معصیت میں استعمال کرتے رہے، یہ اس لیے نہیں تھا کہ تم سمجھتے تھے کہ ان اعضاء میں شعور اور سمجھ نہیں ہے بلکہ یہ اس لیے تھا کہ تم یہ خیال کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بہت سارے اعمال سے آگاہ نہیں، تم یہ سب کچھ بھول گئے تھے کہ اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان کوئی حائل اور پردہ موجود نہیں ہے۔ انسان جہاں بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے ہمراہ موجود ہے، اللہ انسان کی کمین اور مراقب میں ہے، جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

"وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ" (سورہ الحدید، آیت ۴)

"اور اللہ ہی تمہارے ساتھ ہے جہاں پر بھی تم ہو گے"

نیز فرمایا:

"اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ" (سورہ الفجر، آیت ۱۴)

"بے شک آپ کا رب تاک میں ہے" ایک گناہگار انسان جب گناہ کرتا ہے تو وہ اپنے اعضاء کے گواہ بن جانے سے بے پرواہی نہیں کر رہا ہوتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ سے بے اعتنائی اور بے پروائی کر رہا ہوتا ہے۔ وہ یہ خیال کر رہا ہوتا ہے کہ اللہ اسے نہیں دیکھ رہا۔

پیغام:

۱۔ اللہ کو ہر مقام پر حاضر و ناظر جانو، کوئی بھی کام کرو یہ جان کے کرو کہ اللہ وہاں پر موجود ہے اور تمہاری ہر حرکت کو دیکھ رہا ہے اور یہ بھی جان لو کہ بدن اور اس کے اعضاء ان اعمال پر گواہ ہوں گے۔

۲۔ انسان کے اعضاء و جوارح قیامت کے دن اللہ کے حضور ان تمام اعمال کو بیان کریں گے جو اعمال ان اعضاء کے ذریعہ کیے گئے ہوں گے کچھ بھی نہ چھپائیں گے جس دن ہر

انسان بہت ہی پریشان ہوگا اور آج ہی کے دن انسان اس بات کو سمجھے گا کہ ان اعضاء وجوارح کو اللہ کی اطاعت میں استعمال کرے۔

وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ''اور تمہارے اسی خیال نے جو تم نے اپنے رب کے حق میں کیا تھا تمہیں برباد کیا پھر تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے۔''

دشمنان خدا کی غلط سوچ

دشمنان خدا غلط سوچ رکھتے تھے کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں وہ اللہ سے پوشیدہ ہے، یہ خیال انہیں حق سے بے نیاز نہیں کر سکتا تھا۔ انکا یہ خیال اللہ کی ان کے خلاف شہادت اور گواہی کو نہ روک سکا اللہ مشرکین سے کہتا ہے کہ تمہارے اعضاء بھی تمہارے خلاف بول اٹھے، تمہارا یہ غلط خیال ہی تمہاری ہلاکت کا سبب بنا جیسے تمہیں ہوش آیا تو تم اپنے بارے جان گئے کہ بڑے خسارہ اور نقصان میں ہو۔ یہی خیال تھا جو تمہیں ہلاکت میں دھکیل گیا کہ تم نے گناہوں کو انجام دیا اور اس برائی کو آسان جانا، یہی کفر تمہارے نقصان کا سبب بنا ہے اس کے نتیجہ میں تم خسارہ اٹھانے والوں سے ہو۔ انسان اپنے لیے خود نقصان کا سبب بنتا ہے، اللہ تعالیٰ کسی کو نقصان نہیں دیتا۔

فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ''پس اگر وہ صبر کریں تو بھی ان کا ٹھکانہ آگ ہی ہے، اور اگر وہ معافی چاہیں گے تو انہیں معافی نہیں دی جائے گی۔''

دشمنوں کے لیے وارننگ

اللہ کے دشمن کو معلوم رہے کہ عذاب انہیں ملنا ہے، اگر ان کا یہی عمل رہا تو پھر آتش جہنم ان کا ٹھکانہ ہے۔ پھر وہ اس آگ میں صبر کریں اسے برداشت کریں اور اس میں جلیں، مریں۔ اگر آتش جہنم سے نکلنا چاہیں گے اور معذرت پیش کریں تو اللہ ان سے راضی نہ ہوگا اور نہ ہی آتش جہنم سے ان کو چھٹکارا ملے گا۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ اپنے مخالفین کو متنبہ کر رہا ہے کہ تمہاری مخالفت کا نتیجہ اور ہمارے رسول کو جھٹلانا اور رسولؐ کی دعوت کو ٹھکرا دینا، تمہارے نقصان میں ہے اور تم سخت عذاب میں ہوں گے۔ اللہ بھی تمہارے خلاف گواہ ہو گا اور تمہارے اعضاء و جوارح بھی تمہارے خلاف گواہ ہوں گے لہٰذا اپنے حال پر اب ہی اس دنیا میں رحم کرو، توحیدی دعوت کو قبول کرلو۔

مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے حدیث بیان ہوئی ہے کہ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ کے عذاب سے حالت خوف میں رہتا ہے اور اللہ کی رحمت کا بھی اُمیدوار ہوتا ہے۔ خوف و رجاء برابر ہوتا ہے، اللہ کے بارے اچھا گمان رکھتا ہے۔ یہ مومن کی شان ہے جبکہ کافر اللہ کے عذاب سے غافل و خودسر ہوتا ہے اور اللہ کے بارے بدگمانی رکھتا ہے۔

وَ قَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝٢٥

ترجمہ: ''اور ہم نے ان کے لیے کچھ ہمنشین مقرر کر دیئے تو انہوں نے ان کے آمنے سامنے اور ان کے پیچھے برے کاموں کو خوبصورت بنا کر پیش کیا۔ ان پر اللہ کا حکم جاری ہو چکا۔ ان سے پہلے جو گذری تھیں جو کہ جنات اور انسانوں سے تھے جو کچھ ان پر فیصلہ لاگو ہوا وہی ان مجرموں کے لیے بھی جاری ہوا۔''

کافروں کے بارے اللہ کا فیصلہ

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کافروں میں یہ قابلیت خداداد موجود تھی کہ وہ اللہ کی وحدانیت کو قبول کریں اور ایمان لے آئیں، تقویٰ اختیار کریں، اگر ایسا کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے ایسے قرین و ہمنشین قرار دے دیتا جو ہر طرف سے ان کی راہنمائی کرتے اور سیدھے راستے پر رکھتے لیکن انہوں نے کفر اختیار کیا، گناہ کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اچھے ہمنشینوں کی بجائے شیاطین کو ان کا ہمنشین و قرین قرار دے دیا کہ ان کے ساتھ چپکے رہیں اور ان کے آگے پیچھے جو بھی لذات ہیں اور جو ان کی آرزوئیں ہیں، سب کو ان کے لیے جلوہ دیں، یہ سب ان کو خوبصورت بنا کر ان کے سامنے پیش کی گئیں۔ اس طرح ان پر عذاب حتمی ہو جائے جبکہ ان جیسی اقوام پہلے گزر چکی تھیں وہ بھی اپنے اعمال کی وجہ سے نقصان اٹھانے والے ٹھہرے، دُنیا میں بھی خسارہ اور آخرت میں بھی خسارہ۔ اس جگہ اللہ کے دشمنوں کو یہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ جو بھی ہونا ہے وہ تمہارے اپنے اختیار سے ہوتا ہے۔ جو یہاں کروگے اسی کا نتیجہ تمہیں بھگتنا ہوگا، اب بھی سمجھ لو اور ہمارے رسول کی تصدیق کرو، ایمان لے آؤ تاکہ آخرت کے عذاب سے خود کو بچا سکو۔

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَا تَسۡمَعُوۡا لِہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَ الۡغَوۡا فِیۡہِ لَعَلَّکُمۡ تَغۡلِبُوۡنَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ''اور کافروں نے کہا کہ تم اس قرآن کو نہ سنو اور اس کے بارے غل غپاڑہ مچاؤ تاکہ اس طرح تم غالب ہو جاؤ۔''

کافروں کی عاجزی

جب کافر عاجز آگئے، ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کے بیانات کا جواب نہ تھا، ان کو نظر آرہا تھا کہ جو کچھ آپؐ کہہ رہے ہیں وہ حق ہے۔ اور کافروں کے بڑے دیکھ رہے تھے کہ جو بھی قرآن سنتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کا گرویدہ ہو جاتا ہے اس لیے انہوں نے آپس میں ایک دوسرے پر پابندی لگادی کہ قرآن جب رسول اللہ ﷺ پڑھ رہے ہوں تو اسے مت سنو بلکہ اس وقت شور بپا کرو، الٹی سیدھی زور زور سے باتیں کرنا شروع کر دو، اس طرح بولتے رہو کہ تمہاری آواز ان کی آواز پر غالب رہے اور معلوم نہ ہو سکے کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ وہ اس رویہ سے چاہتے تھے کہ حق کی آواز کو دبا دیں۔

فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ''لہٰذا ہم کافروں کو ہر صورت سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے اور ہم ان کے بدترین اعمال کا بدلہ انہیں ضرور بدلہ دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے۔اسی کا مزہ انہیں چکھائیں گے۔''

ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ''اللہ کے دشمنوں کی سزا آگ ہی ہے، ان کے لیے اس میں ہمیشہ رہنے کا گھر ہے، اس کا بدلہ جو وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔''

کافروں کی سزا

اللہ تعالیٰ نے یہاں پر قسم اُٹھا کر حتمی فیصلہ سنایا ہے کہ کافروں کے لیے سخت ترین سزا ہے۔ بالخصوص وہ کافر جو قرآن سننے میں رکاوٹیں ڈالتے تھے۔ آتش جہنم ان کا ٹھکانہ ہے اور آگ ہی میں انہوں نے ہمیشہ رہنا ہے، انہیں یہ سزا اس لیے دی جائے گی کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کا انکار کر دیا، ان کے برے اعمال کا خمیازہ انہیں بھگتنا ہے، انہوں نے جو کچھ کیا اس سے زیادہ سخت عذاب انہیں ملے گا۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو یہ بتانا چاہا ہے کہ قرآن میں تمہاری ہدایت ہے، قرآن میں حق کے بارے دلائل ہیں، قرآن جب تلاوت ہو رہا ہو تو غور سے سنو۔ قرآن کے مطالب پر توجہ دو، قرآن کا مذاق نہ اڑاؤ، قرآن سننے کی بجائے فضولیات میں نہ لگے رہو۔ جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو خاموشی سے اسے سنو۔ اللہ نے یہ بھی بتا دیا کہ جو میری وحی کا انکار کرتے ہیں جو میرے رسولؐ کی بات کو جھٹلاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو قبول نہیں کرتے ان کے لیے سخت ترین سزا ہے۔

پیغام:

ا۔ دُنیا میں رہ کر اللہ کے احکام کا مذاق نہ اڑاؤ، اللہ سے دشمنی نہ کرو، اللہ پر ایمان لاؤ اور اللہ کے احکام کی پیروی کرو تاکہ جہنم سے بچ سکو۔

۲۔ جو دنیا میں رہ کر اللہ کے احکام کا مذاق اُڑاتے ہیں ان کے لیے آخرت میں سخت ترین عذاب ہے اور وہ ہمیشہ آتش جہنم میں رہیں گے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ''اور کافر کہیں گے اے ہمارے رب ہمیں وہ لوگ دکھا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا جنوں اور انسانوں میں سے، ہم انہیں اپنے قدموں کے نیچے ڈال دیں تاکہ وہ بہت ذلیل ہوں۔''

کافروں کی اللہ سے درخواست

دُنیا میں جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ قیامت کے دن آتش جہنم میں ڈالے جائیں گے، وہاں پر انہیں احساس ہو گا کہ ہم نے دُنیا میں رسول اللہ ﷺ کی بات نہ مانی اور وہاں پر ہم نے فلاں فلاں کا کہنا مانا اور کفر اختیار کیا۔ اب اللہ سے درخواست کریں کہ ٹھیک ہم تو جہنم میں ہیں اپنے اختیار سے ہم نے تیری آیات کا انکار کیا لیکن ہماری ایک درخواست ہے، بڑی عاجزی سے کہیں گے کہ اے ہمارے رب (اس جگہ اس بات کا اعتراف کریں گے کہ اے اللہ ہم کافروں کا رب بھی توں ہے) توں جانتا ہے کہ کس کس شخص نے ہمیں گمراہ کیا ہے، چاہے وہ انسانوں سے تھے یا جنات سے۔ ذرا ان کو ہمارے سامنے لا تاکہ ہم ان سے بدلہ لیں اور ان کو اپنے پاؤں تلے روندیں، انہوں نے جو ہمیں گمراہ کیا ہم چاہتے ہیں جہنم میں ان سے بدلہ لے لیں۔ اے ہمارے رب ہمیں یہ موقع دے دے اور وہ جہنم میں رہتے ہوئے سب سے زیادہ ذلیل وپست اور خوار ہوں جبکہ دُنیا میں وہ بڑے بنے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ ان کی آرزو کو فوراً رد کردے گا۔ دوسروں کو گمراہ کرنے والے سخت ترین عذاب میں ہوں گے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: "بے شک جنہوں نے کہا تھا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم خوف نہ کرو اور نہ غم کھاؤ اور جنت میں خوش وخرم ہو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ (اس کا تحقق ہو چکا)"

مومنین کا مستقبل

اس آیت میں مومنین کے مستقبل کی خبر دی گئی ہے کہ دُنیا میں جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے، تمام دھمکیوں کی پرواہ نہیں کرتے، اللہ کے رسولؐ کی حمایت کرتے ہیں، ایمان پر قائم رہتے ہیں، ایمان کے تقاضے پورے کرتے ہیں، نیک اعمال بجا لاتے ہیں، اپنی حرکات و سکنات میں اللہ کی رضا کو مدنظر رکھتے ہیں تو ان کا مستقبل تابناک ہے۔ انہوں نے دُنیا میں استقامت دکھائی، مشکلات کی پرواہ نہ کی اب قیامت کے دن ان کے لیے خوشحالی ہوگی، امن ہوگا سکون ہوگا، ان کے پاس فرشتے آئیں گے انہیں تسلی دیں گے کہ تم گھبراؤ نہیں۔ قیامت کا منظر تمہیں خوف میں مبتلا نہ کرے، ڈرو نہیں، اطمینان رکھو تمہارے لیے جنت ہے۔ دُنیا میں جس بہشت کا تمہیں وعدہ دیا گیا تھا اب وہی جنت تمہارے انتظار میں ہے، تمہارے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں، تمہارے اعمال قبول کئے گئے ہیں تمہارے لیے جنتی انعامات ہیں۔

پیغام: ایمان لانے کے بعد استقامت دکھانا ضروری ہے تاکہ ایمان کے تقاضوں کو پورا کیا جائے، نیک اعمال بجا لائے جائیں، تقویٰ اختیار کیا جائے اور اس بات پر یقین رکھا

جائے کہ ان کے لیے جنت الفردوس ہے، ہمیشہ وہ پر سکون ہونگے، ان کے لیے کسی قسم کی پریشانی نہ ہو گی اور وہاں خوف ہو گا نہ کوئی ملال، ہمیشہ کا سکون و آرام ہو گا۔

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: ”ہم تمہارے دنیا میں بھی دوست تھے اور آخرت میں بھی، اور بہشت میں تمہارے لیے ہر چیز موجود ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تم جو وہاں مانگو گے وہ تمہیں ملے گا۔“

نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ”بخشنے والے نہایت رحم والے کی طرف سے (یہ تمہارے لیے) مہمانی ہے۔“

فرشتوں کی مومنین سے گفتگو

فرشتے مومنوں کو خوشخبری دیں گے کہ تم نے جنت میں جانا ہے جو تمہیں وعدہ دیا گیا تھا وہ پورا ہو رہا ہے، فرشتے مومنوں سے مزید کہیں گے :-

۱۔ ہم دُنیا میں تمہارے امور کی دیکھ بھال پر مامور تھے۔

۲۔ ہم آخرت میں تمہارے ساتھی ہوں گے۔

۳۔ دُنیا میں ہم تمہاری تقویت و مدد کرتے تھے، تمہاری تائید کرتے تھے (بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ کلام اللہ کی جانب سے ہے نہ کہ فرشتوں کی یعنی اللہ مومنوں کو خوشخبری دے گا کہ جو تم سے وعدہ دیا گیا ہے وہ پورا ہو گا اور جس طرح دُنیا میں، میں نے تمہاری مدد کی، تمہیں تقویت دی، جنت میں بھی میں تمہارا ولی ہوں تمہیں پریشان نہیں

ہونا۔ تفسیر رُوح المعانی لیکن فرشتوں کا مومنین کے لیے ولی ہونا اور اللہ کا ولی ہونا ان دونوں میں فرق نہیں ہے۔ فرشتے اللہ کے فرمان سے مومنوں کے اولیاء و دوست اور سرپرست ہیں کیونکہ فرشتے اللہ کی رحمت، کرامت اور انعامات کا واسطہ ہیں۔ ان کا اپنا اختیار ہے نہ استقلال، جو کچھ ہے اللہ کی جانب سے ہے۔ لہٰذا اگر یہ کلام مؤمنوں کے لیے ہے اگر یہ فرشتوں اور کافر وں کو دے دیا جائے تو اس میں کوئی قیامت نہیں ہے۔

جنت کی خصوصیات

جنت میں جو بہشتی چاہے گا وہ اس کے لیے موجود ہو گا،جنت میں کسی قسم کی تھکاوٹ اور تکلیف نہ ہو گی، ہر لذت ملے گی، نہ لذت سے پہلے تکلیف نہ لذت کے بعد تکلیف، بہشتی جو بھی لذت بخش چیز چاہے گا وہ اس کے اختیار میں دی جائے گی۔ جنت کی نعمات دائمی ہیں ان میں اختتام نہیں ہے، اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ مومنوں کے لیے جنت الفردوس میں ایسا ماحول ہے اور ایسی نعمات ہیں کہ جسے انسان نے نہ دیکھا نہ سنا ہے نہ چکھا ہے۔ دُنیا کی لذات ان کے مقابل میں ناچیز و معمولی ہیں۔ ان کی مثال دُنیا کی کسی لذت و سکون سے نہیں دے سکتے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ”اور اس سے بہتر کس کی بات ہے جس نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا اور خود بھی اچھے کام کیے اور کہا بے شک میں بھی فرمانبرداروں میں سے ہوں۔“

خوبصورت ترین کلام

اس جگہ بہترین کلام کو بیان کیا گیا ہے، ایک بات تو واضح ہے کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بولتے ہیں وہ بہترین کلام ہے لیکن اس آیت میں مومنین کی بات کی جارہی ہے کہ جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے، توحیدی عقیدہ اپنالیتا ہے اور پھر عمل صالح بجالاتا ہے یعنی جس کا اقرار کیا ہے اس کا کہنا بھی مانا ہے، عقیدہ کے ساتھ عمل بھی کیا ہے تو ایسا شخص جب کسی کو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے تو یہ دعوت دینا بہترین کلام ہے اور ایسا شخص جب یہ کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں تو اس کا یہ اقرار بھی بہترین کلام شمار ہوتا ہے۔ احسن قول کا مطلب ہی یہ ہے کہ ہر دوسری بات سے بہترین بات۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿٣٤﴾

ترجمہ: ''اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، (برائی کا) دفعیہ ایسی گفتگو کیجیے جو اچھی اور مناسب ہو جب ایسا کروگے تو ناگہاں وہ جس کے ساتھ تیری دشمنی تھی وہ تیرا مخلص دوست ہو جائے گا۔''

دعوت کے اثرات

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے ایک بات بیان کی جارہی ہے، اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے اے ہمارے رسولؐ آپ جو لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتے ہو اس دعوت کا لوگوں کے نفوس میں اثر اور نفوذ یکساں نہیں ہے لہٰذا آپؐ کو چاہیے کہ برائی کو احسن انداز سے اپنے سے دُور کر باطل کا مقابلہ حق کے بیان سے کرو جہالت کو علم کی روشنی سے، حلم و بردباری سے، ان کی طرف سے زیادتی کو عفو و درگزر سے، جب تم ایسا رویہ اپناؤ گے اور ان کے ساتھ ویسا معاملہ نہیں کروگے جس کے وہ حقدار ہیں، اپنی طرف سے نرمی، پیار، محبت کا

رویہ اپناؤ گے تو پھر آپ دیکھو گے کہ وہ لوگ جو آپ سے دشمنی کر رہے تھے وہ آپ کے بہترین ہمدرد اور گہرے دوست بن جائیں گے۔

پیغام: برائی کا جواب برائی سے نہ دیں بلکہ نیکی و احسان سے جواب دیں۔ سختی کا جواب نرمی سے دو، بائیکاٹ کا جواب اتصال اور رابطے سے دو۔

وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: ”صرف وہی صبر کرتے ہیں جو اسے قبول کرتے ہیں اور اس کے سوا کسی کو عطا نہیں کیا جاتا ہے جن کی بڑی خوش قسمتی ہوتی ہے۔“

برائی کا جواب نیکی سے دینے کا فائدہ

اس جگہ اس طرح کے رویہ کی تعریف کی جارہی ہے کہ برائی کا بدلہ برائی سے دینے کی بجائے نیکی اور احسان سے، زیادتیوں پر صبر و تحمل سے کام لینا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر بار اگر برائی کا جواب نیکی سے دیا جائے، اسے ہر ایک قبول نہیں کرتا مگر وہ قبول کرتا ہے جو بڑے دل والا ہے، جس میں انسانیت کا کمال موجود ہے۔ جس میں اچھی صفات موجود ہیں وہ اعلیٰ اخلاق کا مالک ہے، جب ایسا ہو تو اس حالت سے وہ استفادہ کرتا ہے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں، گالی کا جواب گالی سے نہیں، جہالت کا جواب جہالت سے نہیں، باطل کا مقابلہ باطل سے نہیں، جھوٹ کا مقابلہ جھوٹ سے نہیں۔ ایسا بڑا نصیب ان کو ملتا ہے جو صابر ہیں، بڑے حوصلہ والے ہیں۔

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ''اور اگر آپ کو شیطان سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگیے، بے شک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔''

شیطانی وسوسے

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کی حرکات کو بیان کیا ہے کہ جس طرح وہ انسان کو برائی کی طرف ہانک کرلے جاتا ہے، جس طرح کسی حیوان کو تیز چلانے کے لیے اس کی پشت پر تازیانہ مارا جاتا ہے یا کوئی لوہے کی سیخ چبھائی جاتی ہے اور وہ حیوان دوڑ پڑتا ہے اس عمل کو نزغ کہتے ہیں ، شیطان بھی اسی طرح انسان میں وسوسے پیدا کرتا ہے تاکہ پیغمبر اکرم ﷺ نے دعوت و تبلیغ میں جو زحمات و تکالیف برداشت کی ہیں وہ بے ثمر رہیں، ابلیس کافروں اور منکروں کو تحریک دیتا ہے ، انہیں ابھارتا ہے کہ وہ پیغمبر اکرم ﷺ کے خلاف پروپیگنڈہ کریں اور ان کی دعوت کو قبول نہ کریں۔ اس طرح پیغمبر اور لوگوں کے درمیان دشمنی ایجاد کریں، اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو حکم دیا کہ شیطان کی طرف سے تیری دعوت میں جو خلل و رخنہ اندازی کی جارہی ہے تو اللہ کی پناہ میں آجاؤ، اللہ سننے والا ہے، اللہ یہ سب کچھ جانتا ہے، اللہ مدد کرے گا اور شیطان کی سازش ناکام ہو گی۔ اللہ کو تیرے اعمال اور زحمتوں و مشقتوں کی خبر ہے، آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

پیغام: حق کی دعوت دینے میں شیطانی وسوسوں کی پرواہ نہ کی جائے اور شیطانی سازشوں کو سمجھا جائے اور انہیں ناکام بنانے کے لیے اللہ سے مدد حاصل کی جائے۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَ النَّهَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: ''اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند ہیں، سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو اور اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے اگر تم اسی کی عبادت کرنا ہی چاہتے ہو (تو پھر اس کی عبادت کی جائے جو ان کا خالق ہے)۔''

پیغمبرؐ کی توحیدی دعوت

اس آیت میں پیغمبر اکرم ﷺ کی توحیدی دعوت کو بیان کیا جا رہا ہے کہ پورے جہان میں ایک نظم ہے، اس کائنات کے بڑے بڑے مظاہر جیسے زمین، سورج، چاند ایک دوسرے سے مربوط ہیں، آپس میں جڑے ہوئے ہیں، ان میں ہم آہنگی ہے، ان کے نظم سے ربوبیت کی وحدانیت کو بیان کیا ہے کہ اس کائنات کا تدبیر کرنے والا ایک ہے۔ جب رب ایک ہے تو پھر اسی ایک کی عبادت کی جائے۔ شب و روز چاند سورج سب اللہ کی آیات ہیں لہٰذا تم ان میں سے کسی کا سجدہ نہ کرو کیونکہ یہ سب اللہ کی مخلوق ہیں اور اللہ کے حکم کے تابع ہیں، اللہ کی نظم کے تحت چل رہے ہیں لہٰذا تم لوگ ایک خدا کی عبادت کرو، اسی کا سجدہ کرو کیونکہ وہی خالق ہے، اسی کی عبادت کرو کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ ۩ ﴿السجدة ۳۸﴾

ترجمہ: ''پھر اگر وہ تکبر کریں تو وہ جو آپ کے رب کے پاس ہیں وہ تو رات دن اس کی تسبیح کرتے ہیں اور تھکتے بھی نہیں۔''

اللہ کی عبادت کا انکار کرنے والے

اگر ان کافروں نے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت نہ کی اور تکبر کیا تو ان کو یہ معلوم رہے کہ اللہ کو ان کی عبادت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ فرشتے اور اللہ کے مخلص بندے اللہ کی تسبیح کرنے والے ہیں، وہ بغیر کسی خستگی اور تھکاوٹ کے اللہ کی تسبیح و تہلیل کرنے میں مصروف ہیں۔ اگر کافر ایمان لائیں اور اللہ کی عبادت کریں تو یہ ان کے اپنے فائدے کے لیے ہے۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تو زمین کو دبی ہوئی دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو ابھرتی ہے اور پھولتی ہے، بے شک جس نے اسے زندہ کیا وہی مردوں کو زندہ کرے گا، بے شک وہی ہر چیز پر قادر ہے۔''

معاد کی دلیل

اس آیت میں معاد کا ثبوت دیا ہے، اللہ کی نشانیوں سے ایک زمین ہے۔ زمین کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں، ایک وقت ایسا آتا ہے کہ زمین میں ویرانی ہوتی ہے، سبزہ موجود نہیں ہوتا، صحراء کا منظر ہوتا ہے۔ موسم خزاں میں ہر طرف خشکی نظر آتی ہے گویا کہ زمین ایک مردہ کی مثال ہوتی ہے، جب اس پر اللہ کی طرف سے بارش آتی ہے بارش کا پانی زمین میں جذب ہوتا ہے، موسم بہار شروع ہوتا ہے، آہستہ آہستہ زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے اس میں حرکت آتی ہے،، حیات کا منظر پیش کر رہی ہوتی ہے۔ پس جو مردہ زمین کو زندگی دیتا ہے تو وہی رب ہے جو مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا کیونکہ اللہ تو بڑا مدبر و قادر ہے، اس کی مثال

دے کر سمجھا دیا کہ وہ انسانوں کو مارنے کے بعد اسی نے زندہ کرنا ہے جس نے پہلے انسان کو حیات عطاء کی۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُلۡحِدُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا لَا یَخۡفَوۡنَ عَلَیۡنَا ؕ اَفَمَنۡ یُّلۡقٰی فِی النَّارِ خَیۡرٌ اَمۡ مَّنۡ یَّاۡتِیۡۤ اٰمِنًا یَّوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ ۙ اِنَّہٗ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ”بے شک جو لوگ ہماری آیات بارے کج روی کرتے ہیں اور ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں تو ان کا رویہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہے ”سوچو“ کیا وہ شخص جو آگ میں ڈالا جائے گا بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن سے آئے گا، جو چاہو کرو، تم کرو بلاشک وہ اس کے بارے آگاہ ہے جو تم عمل کرتے ہو۔“

ملحدوں کے بارے اللہ کا فیصلہ

اللہ کی نشانیوں کا انکار کرنا الحاد ہے، انحراف ہے۔ اللہ کی تکوینی آیات میں سورج، چاند، زمین، شب و روز ہیں اللہ کی تشریعی آیات وحی، رسول، قرآن ہے، رسالت، نبوت، معاد یہ، تشریعی آیات ہیں۔ ملحدین سورج اور چاند کی پرستش کرتے ہیں، یا قرآن پر جھوٹ باندھتے ہیں، قرآن کو افتراء قرار دیتے ہیں، رسالت کا انکار کرتے ہیں، رسولؐ کو جادوگر اور جھوٹا کہتے ہیں، یہ قرآن کو سننے کے لیے تیار نہیں اور دوسروں کو قرآن سننے سے روکتے ہیں یا وہ جو غیر مشرکین ہیں، قرآن کی آیات کی غلط تاویل کرتے ہیں اور خود کو اصل بات سے باہر نکال دیتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے کہ ملحدوں کا رویہ اور ان کا یہ عمل ہم سے پوشیدہ نہیں ہے، یہ صراط سے منحرف ہوئے ہیں۔ اس کے بعد جہنمیوں اور جنتیوں کا تقابل کیا ہے، ملحدین کو جہنم میں پھینکا جائے گا جب کہ مومنین امن و امان میں ہوں گے جنت الفردوس میں جا رہے ہوں گے

عذاب سے محفوظ ہوں گے۔ اس کے بعد مشرکین اور ملحدین کو دھمکایا گیا ہے کہ تم نے جو کرنا ہے کر لو، یہ تمہارا اختیار ہے لیکن معلوم رہے کہ اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو، وہ بینا اور آگاہ ہے بہت جلد تمہیں تمہارے اعمال کی سزا دے گا۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِالذِّکۡرِ لَمَّا جَآءَهُمۡ ۚ وَ اِنَّهٗ لَکِتٰبٌ عَزِیۡزٌ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: ''بے شک وہ لوگ جنہوں نے قرآن کا انکار کیا جب قرآن ان کے پاس آیا، بتحقیق قرآن یقیناً عزت و عظمت والی کتاب ہے (اسی کے لیے غلبہ ہے)۔''

قرآن کا نزول اور کافروں کا انکار کرنا

عرب مشرکین نے قرآن آنے کے بعد اس کا انکار کر دیا اس وجہ سے یہ سب قیامت کے دن آتش جہنم میں ہوں گے فقط ان کے بعد اس کی خبر لانا ہوتی ہے لیکن وہ اس مقام پر اس کی خبر کو ذکر نہ کرنا کافروں کے لیے تھدید اور انہیں پریشانی میں رکھنا مقصود ہے۔ ان کے دل میں خوف طاری رہے کہ معلوم نہیں کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اسی بات کو جاری رکھتے ہوئے بیان کیا ہے کہ یہ کتاب عزیز ہے اس کی مثال موجود نہیں ہے۔ کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، یہ کتاب ہمیشہ غالب رہے گی اس نے مغلوب نہیں ہونا۔ جس زمانہ میں یہ کتاب نازل ہوئی اور اس کے بعد قیامت تک اس میں باطل رخنہ اندازی نہیں کر سکتا، اس کی حقانیت اور حجت ہونا قیامت تک کے لیے ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ قرآن اللہ حکیم نے نازل کیا ہے کہ اس کے عمل میں کسی قسم کا خلل و نقص نہیں ہو سکتا، اللہ حمید ہے ہمیشہ لائق تعریف ہے۔

اس جگہ یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن ایسی کتاب ہے جس سے استفادہ کیا جائے۔ اس میں جو حقائق ہیں ان سے آشنا ہوں، ان کا انکار نہ کریں، ان کے ذریعہ ہدایت لیں۔ یہ کتاب ہدایت کے لیے

ہے، اس کا کافر (انکار کرنے والا) نقصان میں ہو گا، اس کے لیے سخت سزا اور ہمیشہ کا عذاب ہے۔

لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٤٢﴾

ترجمہ: ''جس میں نہ آگے اور نہ پیچھے کچھ بھی غلطی کا دخل نہیں ہے، حکمت والے تعریف کیے ہوئے کی طرف سے یہ کتاب نازل کی گئی ہے۔''

تمام کافروں کا ایک جیسا رویہ

رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے کہ آپ کے ساتھ جو توہین آمیز رویہ ان کافروں کا ہے تو آپ سے پہلے جو رسول آئے ان کے ساتھ بھی ان کے زمانہ کے کافروں کا رویہ بالکل ایسا ہی تھا جس طرح یہ آپ کو ساحر، کاہن، شاعر، دیوانہ (معاذ اللہ) کہہ رہے ہیں تو سابقہ انبیاء کے ساتھ بھی اس دور کے کافروں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے موجودہ دور کے کافروں کو دھمکی دی ہے اور خبردار کیا ہے کہ اے رسولؐ تیرا رب جس طرح مغفرت و بخشش کرتا ہے تو دردناک عذاب دینے والا بھی ہے لہٰذا آج کے کافر انتظار کریں کہ تیرا رب ان کو کیسا عذاب دیتا ہے، وہ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں کرلیں، اللہ ان کے سارے اعمال بارے آگاہ ہے، ان کے اعمال کی انہیں سخت ترین سزا دے گا۔

اس جگہ بھی کافروں سے یہ کہا جا رہا ہے کہ تم میرے رسول کو مت جھٹلاؤ، قرآن پر ایمان لے آؤ، وگرنہ سابقہ اقوام کی مانند تمھیں سخت ترین سزا ملے گی۔

مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: ”آپ سے جو کچھ کہا جا رہا ہے یہی کچھ آپ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا، بے شک آپ کا رب بخشنے والا اور دردناک عذاب دینے والا بھی ہے۔“

کافروں کا انجام

قیامت کے دن کافروں سے کیسا رویہ اپنایا جائے گا تو اس کی ایک جھلک بیان کی ہے کہ ایک تو انہیں دور جگہ سے آواز دی جائے گی وہ نہ تو اس آواز کی جگہ دیکھ سکیں گے اور نہ ہی آواز دینے والے کو دیکھ پائیں گے۔ دُنیا میں انہوں نے قرآن سے بے اعتنائی برتی تھی تو قیامت کے دن ان سے بے اعتنائی برتی جائے گی، ایسا انداز ان کی توہین اور اہانت کے لیے ہوئی، اور یہ بتانا مقصود ہے کہ ایسے لوگوں پر نہ تو موعظہ نے اثر کیا اور نہ ہی انہوں نے حقائق کو سمجھا۔ جس کی سزا ان کو قیامت کے دن دی جائے گی، وہاں پر ان کے ساتھ تذلیل و توہین کا انداز اپنایا جائے گا اور انہیں آتش جہنم کی طرف روانہ کیا جائے گا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ حیوانوں کی طرح انہیں میدان محشر سے ہانک کر جہنم کے کنارے پر جمع کیا جائے گا اور جب سب اکٹھے ہو جائیں گے تو انہیں آگ میں داخل ہونے کا کہا جائے گا، اس طرح انہیں ان کے برے اعمال اور کفر اختیار کرنے کی سزا ملے گی۔

وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْ لَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّ عَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ؕ وَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّ هُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ''اور اگر ہم نے اسے عجمی زبان کا قرآن بنا دیتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیات صاف صاف بیان کیوں نہیں کی گئیں، یہ کیا ہوا کہ عجمی کتاب ہے اور رسول عربی ہے، تم ان سے کہہ دو کہ یہ ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفاء ہے، اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کان بہرے ہیں اور قرآن ان کے حق میں نابیناہی ہے، ان کو (کافروں کو) (گویا کہ) دور جگہ سے پکارے جائیں گے۔''

قرآن اور عربی زبان

اس جگہ اس بات کی وضاحت کی جارہی ہے کہ یہ قرآن ہم نے عربی زبان میں اُتارا ہے۔ اگر ہم اسے عربی اور غیر عربی دو زبانوں میں یا کئی زبانوں میں اُتارتے تو یہ اپنے مقاصد اور مخاطبین کو صحیح طور پر بیان نہ کر پاتا اور اس میں بلاغت و فصاحت بھی نہ رہتی اور اس صورت میں اے رسول یہی تیری قوم جو کافر ہوئے ہیں کہتے کہ اس کی آیات واضح، روشن اور ایک دوسرے سے جدا جدا کیوں نہیں۔ ان کا آپس میں کوئی تناسب نہیں ہے بلکہ یہ کتاب گونگی ہے جن کو سمجھانا مقصود ہے اس میں وہ فصاحت و بلاغت نہیں کہ مخاطبین عرب ہیں اور کتاب غیر عربی میں ہے۔ فصاحت تو یہ ہے کہ ہر بات کو دوسری بات سے علیحدہ کرکے بیان کیا جائے نہ کہ تمام باتوں کو آپس میں ملا کر بیان کیا جائے۔ یہ فقط ان کا بہانہ ہے وگرنہ یہ کتاب واضح وروشن عربی میں ہے۔ مردہ دلوں کے لیے حیات بخش ہے لیکن کافروں کو اس کتاب سے کچھ بھی حاصل نہیں۔ انہیں کچھ بھی روشنی سے نہیں نوازتی۔

پیغمبر کا کافروں کو جواب

اے پیغمبرؐ ان کافروں سے کہہ دو کہ اس قرآن کی جو تاثیر ہے اس کا دارومدار اس کے عربی یا عجمی ہونے پر نہیں ہے بلکہ صاحب ایمان افراد کو یہ کتاب راہنمائی دیتی ہے اور ان کی

باطنی بیماریوں کے لیے شفاء ہے۔ شک و ریب و شبہہ و وسوسوں جیسی باطنی بیماریوں کا علاج اس کتاب میں ہے لیکن جو لوگ ایمان نہیں لاتے تو یہی کتاب ان کی گمراہی اور انہیں اندھا بنا دیتی ہے۔ ان کی بیماری کو اور بڑھا دیتی ہے، ان کے کان بھاری ہیں یہ حق و باطل میں امتیاز نہیں کر سکتے، سنتے ہیں لیکن سمجھتے نہیں ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (سورہ اسراء، آیت: ۸۲)

ترجمہ: "ہم نے قرآن میں ایسے مطالب اُتارے ہیں جو مومنین کے لیے رحمت اور شفاء ہیں اور ظالموں کو اس سے سوائے خسارہ اور نقصان کے کچھ نہ ملے گا۔"

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝

ترجمہ: "اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی پھر اس میں (لوگ) مختلف ہو گئے، اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات صادر نہ ہو چکی ہوتی تو ان کا فیصلہ ہی ہو چکا ہوتا، اور انہیں تو قرآن کے بارے قوی شک میں ہیں۔ (قرآن کے بارے ان کا شک بہت ہی مضبوط ہے)"

رسول اللہؐ کے لیے تسلی کی بات

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حوصلہ بڑھایا گیا اور انہیں تسلی دی ہے کہ اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ اسلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس بارے بتایا گیا کہ رسول اللہؐ اپنی قوم کے رویہ اور ان کے انجام بارے پریشان نہ ہوں کہ قوم موسیٰ نے توریت کا انکار کیا تھا، اس کتاب کے

بارے اختلاف میں پڑ گئے۔ پھر فرمایا کہ اللہ کا پہلے سے فیصلہ آچکا کہ اس زمین پر ان لوگوں نے کچھ عرصہ رہنا ہے اور پھر مرنا ہے اور آگے حساب دینے اور اپنے کئے کی سزا بھگتنا ہے۔ اس بات کو سورہ البقرۃ کی آیت ۳۶ میں بیان کیا گیا ہے:

''وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَى حِيْنٍ''

''اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا ہے اور سامان آسائش ہے ایک وقت معین تک'' یہ فیصلہ پہلے سے ہو چکا ہے اس لیے ان کو بالکل نابود نہ کیا گیا اور ان کے لیے سزا فوراً نہ دی گئی۔ وہ تیری قوم کی مانند توریت میں شک کرتے تھے جس طرح تیری قوم قرآن میں شک کرتی ہے، وہ کہتے تھے کہ توریت ایسی کتاب ہے جو شک میں ڈالتی ہے جبکہ وہ غلطی پر تھے اسی طرح تیری قوم قرآن کے بارے کہتی ہے کہ اور اختلاف کرتے ہیں البتہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو فوری عذاب نہ دیا گیا اور ان کا خاتمہ بھی نہ کیا تو اسی طرح تیری قوم کے لیے بھی مہلت ہے لیکن ان کا جو رویہ ہے اس کی انہیں ضرور سزا ملے گی۔

عمل کا بدلہ

ہر عمل کا بدلہ ملے گا، جس نے جو عمل کیا ہے اسے اسی عمل کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا اس جگہ یہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ کسی کا عمل دوسرے کے کھاتے میں نہیں ڈالا جائے گا۔ اچھا عمل کرنے والا اس عمل کا فائدہ خود ہی حاصل کرے گا اور برا عمل کرنے والا اس کا نتیجہ خود ہی بھگتے گا۔ اس میں اللہ کی طرف سے کسی پر ظلم و زیادتی نہیں ہے۔ اللہ ظالم نہیں ہے وہ تو مہربان ہے، کریم ہے اس کا فضل و انعام ہر وقت جاری ہے لیکن جب انسان اپنا نقصان خود کرتا ہے تو اس میں اللہ کا قصور تو نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو انسان کی ہدایت اور اس کو نفع دینے کے لیے سارے انتظام کئے ہیں۔ رسول بھیجے، کتاب بھیجی، صحیح راستہ بیان کر دیا، اب اس پر

چلنا تو خود انسان کا کام ہے۔ اچھا عمل کرے گا تو اس کا اچھا نتیجہ پائے گا اور برا عمل کرے گا تو اس کا برا نتیجہ پائے گا یہی عدل ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: ''جو کوئی نیک کام کرتا ہے تو اپنے لیے، اور برائی کرتا ہے تو اپنے سر پر، اور آپ کا رب تو اپنے بندوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا۔''

سارے جہاں کی تدبیر اللہ کے ہاتھ میں ہے

تمام انبیاء کا خالق اللہ ہے اور کائنات کی ہر شئی کی تدبیر بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے، خدا ان سب کا عالم ہے اور ان کے تمام حالات سے بھی آگاہ ہے ان کی جزئیات سے بھی آگاہ ہے، ان کے داخلی و خارجی نظام کا مالک وہی ہے۔ اس جگہ اللہ کی توحید و ربوبیت کو بیان کیا جارہا ہے، اللہ ہی ہے جو درختوں سے شگوفے نکالتا ہے اور پھر یہ پھول سے میوہ بنتا ہے۔ اسی کے حکم اور تیار کردہ نظام کے تحت ہر شئی، ہر درخت، اپنا ثمر دے رہا ہے اور انسان میں توالد و تناسل کا سسٹم اسی نے بنایا ہے، اسی کو معلوم ہے کہ کونسا جرثومہ نر کا ہے اور کونسا مادہ کا ہے، کس کے اندر نر بننے کی صلاحیت ہے اور کس کے اندر مادہ کی صلاحیت ہے اور نہ ہونے کی صلاحیت اللہ نے ہی دی ہے۔ اسے علم ہے کس بیج سے کیا اُگنا ہے، اسی نے ہر بیج میں صلاحیت رکھ دی ہے کہ اس سے فلاں شئی نے تیار ہونا ہے، کھجور کی گھٹلی سے کھجور اور آم کی گھٹلی سے آم، سیب کے بیج سے سیب اور کینو کے بیج سے کینو۔ یہ اسی کا دیا ہوا نظام ہے اس میں ذرا خلل نہیں بس وہی رب ہے جس نے یہ سب پیچیدہ نظام قرار دیا ہے جس کے تحت کائنات کی ہر شئی اپنا کام کر رہی ہے۔

قیامت کے دن مشرکین سے سوال

قیامت کے دن مشرکین حق تعالیٰ کے قرب کی منزل سے دُور ہوں گے تو دُور ہی سے انہیں نداء دی جائے گی کہ تم میرے ان شرکاء کا پتہ بتاؤ جن کی طرف تم مخلوق کی تدبیر کی نسبت دیتے تھے، مشرکین کے پاس کوئی جواب نہ ہوگا بلکہ وہ اس طرح کہیں گے کہ ہم تو اب یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس تیرے لیے کسی بھی شریک کے بارے گواہ موجود نہیں، یعنی وہ اللہ کے شریک بارے نہ تو ان کے کانوں نے سنا ہے اور نہ ان کی آنکھوں نے دیکھا ہے لہٰذا وہ کسی کے شریک ہونے کی گواہی نہیں دیتے۔ اس جگہ بھی مشرکین مکہ کو متوجہ کیا جارہا ہے کہ انجام کو یاد رکھو، جو کچھ قیامت میں تم نے کہنا ہے آج ہی اس کے قائل ہو جاؤ اور اللہ کا کسی کو شریک نہ بناؤ۔

اِلَيۡهِ يُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ‌ ؕ وَمَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَكۡمَامِهَا وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ‌ ؕ وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ اَيۡنَ شُرَكَآءِىۡ ۙ قَالُوۡۤا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنۡ شَهِيۡدٍ ۚ‏ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: ''قیامت کی خبر کا اسی کی طرف اللہ کی جانب حوالہ دیا جاتا ہے، اور کوئی پھل اپنے غلافوں سے نہیں نکلتا اور نہ کوئی مادہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ وضع حمل کرتی ہے مگر اس کے علم سے، اور جس دن انہیں پکارا جائے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں، تو وہ سب کہیں گے ہم نے آپ سے عرض کر دیا ہے کہ ہم میں سے ان کے متعلق کسی کو بھی خبر نہیں اور اس پر کوئی گواہ موجود نہیں۔''

گواہی نہ دینے کا سبب

قیامت کے دن ان نام نہاد شرکاء کا کافروں کے سامنے سے غائب ہونا اور ان کی عدم موجوگی اس بات کا سبب بنے گی کہ وہ کہیں کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے اور قیامت کے دن کسی کے شریک ہونے کا گواہ نہ بنیں گے۔ اب انہیں اس بات کی بھی خبر ہو جائے گی کہ انہوں نے بہت بڑی غلطی کی، باطل پر رہے، اللہ کی دعوت کو نہ مانا تو آج اس کی سزا ان پر لازم ہو چکی ہے اور اس عذاب سے فرار ممکن نہیں ہے۔

وَ ضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ وَ ظَنُّوۡا مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِيۡصٍ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: ''اور ان سے وہ سب کھو جائیں گے گم ہو جائیں گے جنہیں اس سے پہلے وہ پکارتے تھے، اور اس بات کا یقین کر لیں گے کہ اب انہیں کسی طرح بھی چھٹکارا نہیں؛ سزا بھگتنا پڑے گی۔''

لَا يَسۡـَٔمُ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ دُعَآءِ الۡخَيۡرِ ۫ وَ اِنۡ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوۡسٌ قَنُوۡطٌ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: ''انسان بھلائی مانگنے سے نہیں تھکتا، اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو وہ مایوس اور نا امید ہو جاتا ہے۔''

انسان کی طبیعت

انسان کا مزاج ایسا ہی ہے کہ وہ ہمیشہ خوشحال رہنا چاہتا ہے، وہ خیر و برکت کا طالب ہے، ہر وہ امر جو اس کی زندگی کے لیے سود مند ہے اس کی طلب میں ہوتا ہے، خیر کی طلب میں، آرام و آسائش کی حالت میں رہنے سے تھکتا نہیں اور نہ ہی اکتاتا ہے بلکہ مزید تکلیف ہو تو

پھر نااُمید ہو جاتا ہے، پریشان ہو جاتا ہے۔ جب دیکھتا ہے ظاہری اسباب اس کے مخالف ہیں وہ پریشان ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے سارے امور ظاہری اسباب پر مبنی ہیں اس لیے وہ نااُمید ہو جاتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اب اس کے لیے کوئی راستہ نہیں ہے۔

یہ انسان کی طبیعت و مزاج ہے لیکن جن کا تعلق اپنے رب سے ہے جو تمام معاملات اپنے رب پر چھوڑتے ہیں، خوشحالی ہو بدحالی ہو تو پھر ان کے لیے مایوسی نہیں آتی۔

وَ لَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَ مَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآىِٕمَةً ۙ وَّ لَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْۤ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۟ وَ لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝۵۰

ترجمہ: ”اور اگر ہم اسے اس مصیبت کے بعد جو اس پر آئی تھی اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ کہتا ہے یہ تو میرا حق تھا، اسے تو مجھے ہر صورت ملنا تھا اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت قائم ہو گی اور اگر میں اپنے رب کے پاس گیا بھی تو بے شک میرے لیے اس کے ہاں بھلائی ہی ہو گی، ہم کافروں کو ضرور بتائیں گے جو کچھ وہ کرتے رہے اور ہم ضرور انہیں سخت عذاب چکھائیں گے۔“

اللہ کی رحمت کا انکار

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے قسم اُٹھا کر انسان کی طبیعت و مزاج کے بارے بیان کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس انسان کو مشکل سے نکال دے، اپنی رحمت اس کے لیے بھیج دے اور وہ آسودہ حال ہو جائے تو یہ انسان اس کی نسبت اپنی طرف دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں خود ہی اپنے

معاملات کا مالک ہوں یہ میری اچھی تدبیر سے ہوا ہے اور اس مشکل سے نکلنے کا راستہ نکل آیا۔ میں جیسے چاہوں اس میں تصرف کروں کوئی مجھے روکنے کا حق نہیں رکھتا اور نہ ہی میں کسی کے سامنے جواب دہ ہوں اسی رویہ کے تحت وہ قیامت کا بھی انکاری ہو جائے گا اور یہ کہے گا کہ میرا تو گمان یہ ہے کہ قیامت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی حساب لینے والا ہے۔ اگر بالفرض اللہ کی طرف واپسی ہوئی تو بھی میرا انجام اچھا ہو گا کیونکہ میں ایک باوقار اور معزز ہوں، سمجھدار ہوں، اپنے معاملات بارے اچھی تدبیر رکھتا ہوں۔ اگر خداوند نے یہ سب نعمتیں مجھے دنیا میں دی تھیں تو یہ میرا استحقاق تھا میری کوئی اچھائی تو مجھے یہ سب کچھ دیا، اور اگر دُنیا میں جو نعمات مجھے ملیں وہ میری اپنی کوشش تھی تو پھر کسی کو اس کا حساب لینے کا حق نہیں ہے لہٰذا اگر قیامت ہو تو میں وہاں بھی اچھی حالت میں ہوں گا اور میری عاقبت بھی اچھی ہو گی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کا جواب دیا اور انہیں خبردار کیا کہ تمہارا یہ خیال نادرست ہے۔ قیامت کے دن کافروں کو ان کے اعمال کے بارے بتایا جائے گا اور ان کے کفر اختیار کرنے پر انہیں سخت ترین عذاب دیا جائے گا۔

اس جگہ کافروں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ ایک کمزور انسان کچھ تیرا نہیں ہے، عقل بھی تو میری دی ہوئی ہے، اسباب کا خالق بھی میں ہوں، اشیاء میں اثر و تاثیر کو بھی تو میں نے قرار دیا ہے۔ اسباب و مسببات، علل و معلولات سب میرے بنائے ہوئے ہیں، تیرا اختیار بھی تو میں نے دیا ہے پورے جہان کی تدبیر میرے ہاتھ میں ہے، میرے کلی نظام کے تحت تیرا وجود برقرار ہے پس جو تو سوچتا ہے خیال کرتا ہے یہ غلط اور نادرست ہے۔ قیامت کے دن تمہیں خبر ہو جائے گی کہ تم غلطی پر تھے، تمہاری سوچ بھی غلط تھی اور پھر اپنے کئے کی سزا بھی تمہیں ملے گی اور بڑا ہی سخت عذاب ہو گا لہٰذا اب ہی اپنا راستہ سیدھا کر لو اور ایمان لے آؤ۔

وَ اِذَاۤ اَنۡعَمۡنَا عَلَی الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِہٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ فَذُوۡ دُعَآءٍ عَرِیۡضٍ ﴿۵۱﴾

ترجمہ: ''اور جب ہم نے انسان پر انعام کیا تو اس نے منہ پھیر لیا اور کنارہ کش ہو گیا، اور جب اس کو تکلیف پہنچی تو لمبی چوڑی دعا کرنے لگا۔''

ناشکرے انسان کی مذمت

اس آیت میں انسان کی احسان فراموشی اور ناشکری کو بیان کیا گیا ہے اور ناشکرے انسان کی مذمت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم ہی انسان کو نعمتیں عطا کرتے ہیں، نعمت ملنے پر انسان کو ہمارا شکر گذار ہونا چاہیے لیکن نعمتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے لیکن ہمیں بھلا دیتا ہے، ہم سے دوری اختیار کرلیتا ہے، ہمارا شکر ادا نہیں کرتا لیکن جب اس سے نعمت چھین لی جاتی ہے تو اس پر پریشانی آجاتی ہے تو پھر وہ پیٹھ پھیر کر لمبی لمبی دعائیں کرتا ہے۔

پیغام: انسان کو چاہیے کہ وہ خوشحالی اور بدحالی دونوں حالتوں میں اپنے رب کو یاد رکھے، جب نعمات الٰہی کی فراوانی ہو تو اللہ کا شکر بجالائے تاکہ اللہ ان نعمتوں کو اس کے لیے برقرار رکھے بلکہ اور نعمات عطا کرے۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پر ناشکری نہ کرے اور اللہ کو بھول نہ جائے وگرنہ قیامت کے دن اس بے اعتنائی کی اسے سزا ملے گی اور دنیا میں ناشکری کے نتیجہ میں اللہ کی نعمات سے محرومی ہوگی۔

قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کَانَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ثُمَّ کَفَرۡتُمۡ بِہٖ مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ هُوَ فِیۡ شِقَاقٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: ”کہہ دو بھلا دیکھو تو سہی (سوچو تو سہی) اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو ااور پھر تم اس کا انکار کر بیٹھے تو ایسے پرلے درجہ کے ضدی سے کون زیادہ گمراہ ہوگا۔“

قرآن کو تسلیم نہ کرنے کا نتیجہ

اس جگہ پیغمبر اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دستور دیا ہے کہ ایک عقلی قاعدہ اور قانون کے تحت ان کافروں سے سوال کرو کہ یہ قرآن ہم کہتے ہیں اللہ کی جانب سے ہے اور تم کہتے ہو کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ اب اگر حقیقت میں اور سچ مچ میں یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو اور قرآن نے اپنی مخالفت پر جو سزا کا بیان دیا ہے اور کافروں کے لیے جس شدید ترین عذاب کا بتایا ہے اور یہ کہ قیامت ہوگی، احتساب ہوگا تو اس صورت میں تم جو اس کا انکار کرتے ہو، تمہارا کیا حال ہوگا؟ تو اس صورت کہ تم اس وقت قرآن کے بارے شدید اختلاف کر رہے ہو اور اس پر اتفاق کرنے کے لیے تیار نہیں ہو تو پھر تم سے زیادہ گمراہ تر کون ہوگا؟ لہٰذا عقل کے تحت اپنے بارے سوچو، احتمالی نقصان سے ہاتھ اُٹھالو، قرآن کو تسلیم کرو، اسی میں تمہارا فائدہ ہے۔ قرآن کا انکار ہر صورت میں تمہارے نقصان میں ہے۔

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَ لَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾

ترجمہ: ”عنقریب ہم اپنی نشانیاں انہیں کائنات ہی میں دکھائیں گے اور خود ان کے اپنے نفوس میں، یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ وہی حق ہے، کیا ان کے رب کی یہ بات کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔“

قرآن کی خبریں

اس جگہ قرآن میں جو خبریں ذکر ہوئی ہیں ان کا حوالہ دے کر قرآن کی حقیقت پر دلیل پیش کی جا رہی ہے۔ قرآن نے آفاق میں اور بیرونی حوادث، زمین و آسمان میں حوادث و سانحات کی خبر دی ہے۔ اللہ نے دین کی نصرت کا اور غلبہ کے بارے خبر دی ہے؛ مشرکین مکہ کے قتل ہونے اور شکست کھانے کی خبر دی ہے،اس کے علاوہ بہت ساری باتیں کی ہیں جیسے بعد میں ہونے والے واقعات کی خبر دینا۔ اللہ فرما رہا ہے کہ ہم ان کو آفاق میں نشانیاں دکھائیں گے یعنی جو قرآن میں بیان ہوا ہے وہ ہی ان کے سامنے زمین اور اس کے اطراف میں واقع ہو گا۔ اسی طرح خود ان کے اپنے حوالے سے جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ بھی وقوع پذیر ہو گا۔ انسان کے اندر کی ساخت، اس کے جسم کا پیچیدہ نظام، خون کی گردش، معدہ کا سسٹم، کانوں و آنکھوں کا نظام انسان کے جسم کی ہر ہر چیز، یہ سب اللہ وحدہ کی ربوبیت اور مدبر ہونے کی نشانی ہے اور یہ سب اس بات کا بیان ہے کہ قرآن برحق ہے۔

پھر سوال کیا گیا کہ کیا یہی بات کافی نہیں کہ تمہارا رب ہر چیز کا شاہد ہے، ہر چیز بتا رہی ہے کہ اللہ موجود ہے اور ہر موجود اسی نظام پر چل رہا ہے کیونکہ کوئی بھی موجود نہیں مگر یہ کہ وہ اللہ عزوجل کا محتاج ہے ہر شئی کا وجود اور اس کی بقاء اللہ سے وابستگی میں ہے اللہ ہی سب پر غالب ہے اسی کا قانون پوری کائنات پر اور خود انسان کے اپنے وجود پر حاکم ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ ہر چیز کی ذات میں مشہود و معلوم ہے یہ نا قابل انکار حقیقت ہے۔ اگر بعض انسان اپنے ساتھ زیادتی کرتے ہیں اور اللہ کی ذات سے انکاری ہوتے ہیں تو یہ انسان ظالم اور خود اپنے اوپر زیادتی کرنے والا ہے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: ”خبردار! کیا انہیں اپنے رب کے پاس حاضر ہونے میں شک ہے؟! خبردار! آگاہ ہو جاؤ بے شک یہ یقینی امر ہے کہ وہ ہر چیز کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔“

تمام تر حقائق کے باوجود معاد کا انکار

کیا وجہ ہے کہ مشرکین آفاقی اور واقعتی نشانیوں کو دیکھتے ہیں، اتنے سارے حقائق ان کے سامنے موجود ہیں، اللہ ہر چیز پر گواہ ہے اور ہر چیز اس بات کی گواہ ہے کہ اللہ مشہود و موجود ہے۔ اس کے باوجود مشرکین توحید کا نظریہ نہیں اپناتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ معاد کے بارے انہیں شک ہے اور اللہ سے ملاقات اور یوم حساب بارے انہیں یقین نہیں۔ اس وجہ سے وہ اللہ کا ہر چیز پر ناظر و شاہد ہونا اور اللہ کا ہر چیز پر احاطہ، وہ اس بات کو درک نہیں کرتے اور نہ ہی ان کی سمجھ میں یہ بات آتی ہے۔ جبکہ اللہ نے تو ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے کوئی جگہ نہیں جو اللہ کے اقتدار سے خالی ہو اور اللہ کے علم میں نہ ہو۔ کچھ بھی اللہ سے پوشیدہ اور پنہاں نہیں، اللہ ہر جگہ موجود ہے، کونسی جگہ ہے جہاں اللہ نہیں؛ لیکن اس طرح نہیں جس طرح کوئی چیز کسی میں موجود ہوتی ہے وہ جسم اور جسمانیات سے منزہ ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کے ہمراہ ہے لیکن ممازحت اور مل جانے کی طرح نہیں، اس طرح کہ وہ ان اشیاء میں سے کسی کے اندر موجود نہیں لیکن یہ جدائی اور نہ ہونا مفارقت اور الگ ہو جانے کی مانند نہیں۔“

ہر شئی میں اللہ ہے اور ہر جگہ پر اللہ ہے، کوئی جگہ اللہ سے خالی نہیں۔ اس طرح کہ اس کا احاطہ وجودی، احاطہ علمی، احاطہ اقتدار، احاطہ غلبہ و قہاریت، ہر لحاظ سے موجود ہے۔ اللہ ہر شئی میں ہے ہر شئی سے پہلے بھی ہے اور بعد میں بھی ہے۔ اس ہر شئی پر احاطہ کامل ہے۔

پیغام:

۱۔ اس سورہ میں جو کچھ بیان کیا گیا اس میں اللہ کی توحید والوھیت کا بیان ہے کہ اللہ ہی معبود ہے کوئی اور معبود نہیں ہے۔ اللہ کی توحید ربوبیت کہ پوری کائنات کو خلق کرنے کے بعد اس کی لیے خاص نظم بنانے والا اور اس نظم کے تحت اسے چلانے والا اللہ ہی ہے۔

۲۔ قرآن کتاب بر حق ہے، قرآن کو جھٹلانے کا کوئی جواز موجود نہیں۔ عقلی قانون کہ احتمالی نقصان اور خطرے سے بھی خود کو بچایا جائے، تقاضا کرتا ہے کہ قرآن کو تسلیم کیا جائے اور اس کی ہدایات پر عمل کیا جائے۔

۳۔ معاد پر یقین نہ رکھنا، توحید کا عقیدہ مضبوط نہ ہونا، معاد اور قیامت کے دن کے بارے شک کرنا، توحیدی عقیدہ کو کمزور کرتا ہے۔ آفاقی اور نفسی نشانیوں پر غور کیا جائے تا کہ توحیدی عقیدہ مضبوط ہو جائے۔ کافروں کے لیے قیامت کے دن دردناک عذاب ہے کہ کافروں نے خود اپنے لیے عذاب تیار کیا ہے، اپنے اختیار سے حق کا راستہ چھوڑا ہے اور باطل کا راستہ اپنایا جس کی سزا آخرت میں انہیں بھگتنا ہو گی۔

۴۔ مشرکین مکہ سے پہلے جو گزرے ہیں اور وہ بھی اللہ کے رسولوں کا انکار کرتے تھے لیکن اللہ نے ان پر عذاب لانے میں جلدی نہیں کی اور ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں اسی دنیا میں نابود نہیں کیا جیسے بنی اسرائیل بلکہ ان کی سزاء کو آخرت کے لیے اٹھا رکھا ہے۔ اسی طرح اُمتِ محمدیؐ میں بھی ہے۔ کہ قرآن کا انکار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں نابود نہ کرے گا بلکہ آخرت میں انہیں سخت ترین سزا دے گا۔

۵۔ خوشحالی اور بدحالی سب کے اسباب اللہ کی طرف سے ہیں جیسا سبب اپناؤ گے تو اس کا نتیجہ ویسا ہی پاؤ گے لیکن بہر حال میں اللہ کی نعمات کا شاکر ہونا ہی انسان کے لیے فائدہ مند ہے۔ اللہ کی نعمات میں اضافہ کی شکل میں ظاہر ہو گا۔

۶۔ اللہ پر ایمان مضبوط ہو۔ قرآن پر ایمان کامل ہو، اللہ کے دستورات پر عمل کیا جائے، اس میں فلاح، کامیابی اور اخروی سعادت ہے۔

سورۃ الشوریٰ

(مکی۔ کل آیات: 53)

سورہ کے مطالب

وحی کے بارے گفتگو ہے، توحید کے بارے دلائل بیان کئے گئے، مومنوں اور کافروں کی صفات، ان کا انجام، اخلاقی باتیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ۚ ﴿۱﴾

ترجمہ: ''حاء، میم''

عٓسٓقٓ ﴿۲﴾

ترجمہ: ''عین، سین، قاف۔''

یہ پانچ حروف ہیں جو کہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں۔ قرآن کے اسرار ور موز کو بیان کرتے ہیں، کچھ ان کو قرآن کے متشابہات سے شمار کرتے ہیں، کچھ ان کو سورتوں کا نام کہتے ہیں کہ جس کے آغاز میں آئے ہیں، کچھ نے کہا ہے کہ قرآن کے اسماء سے ہیں، کچھ انہیں اللہ کے اسماء قرار دیتے ہیں، کچھ نے ان کو الٰہی نعمات کا بیان قرار دیا ہے اور کچھ نے انہیں مختلف اقوام کی عمر اور دُنیا میں ان کے رہنے کا عرصہ قرار دیا ہے۔ ہر مفسر نے اپنے ذوق سے اور جو کچھ ان کے بارے روایات میں آیا ہے ان کو سامنے رکھ کر مختلف اقوال بیان کئے ہیں البتہ تمام اقوال اور سورہ کے مطالب کو جائزہ لینے کے بعد یہ مطلب سامنے آتا ہے کہ ان کا سورہ مین بیان شدہ مطالب سے ربط اور تعلق موجود ہے۔ جس سورہ کے آغاز میں ہیں۔ اس سورہ کے حروف بارے یہ بھی کہا گیا ہے کہ حم عسق یعنی اللہ حکیم، دانا، مثیب (ثواب دینے الا)، عالم، سمیع، قادر، قوی ہے یعنی اللہ کے ان اسماء کی طرف اشارہ ہے۔

كَذٰلِكَ يُوحِيٓ اِلَيۡكَ وَ اِلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۙ اللّٰهُ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۳﴾

ترجمہ: ”اسی (اللہ) طرح سے اللہ زبردست حکمت والا آپ کی طرف وحی کرتا ہے اور ان کی طرف بھی (کرتا تھا) جو آپ سے پہلے تھے۔“

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ④

ترجمہ: ”اسی (اللہ) کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور وہ بلند مرتبہ، بڑی شان والا ہے۔“

اللہ کی جانب سے وحی ارسال کرنا

اللہ کی ایک سنت ہے جو انسانوں کی ہدایت کے لیے جن نمائندوں کو بھیجتا ہے ان کی طرف اپنے پیغامات کی وحی کرتا ہے اور وحی بھیجنے والا اللہ ہے جو عزیز ہے، غلبہ والا ہے، باعزت ہے، وہ حکیم ہے ہر کام اس کا حکمت کے تحت ہے۔ اس نے اپنے بندوں کی ہدایت کے امر کو مہمل نہیں چھوڑا، وہ پورے جہان کا بلاشرکت غیرے مالک ہے، سب پر فوقیت ذاتی رکھتا ہے اور سب پر مسلط اور غالب ہے۔ جہاں کی ہر شئی میں تصرف کی قدرت اسی کے پاس ہے، پورے عالم کے تمام امور جزئی سے لے کر کل تک سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس لحاظ سے کہ وہ عظیم ہے بلند مرتبہ ہے، سب پر حاوی ہے لہٰذا تمام انسانوں کو اس کی اطاعت کرنا چاہیے۔ اس سورہ کے آغاز میں اللہ کے جن پانچ اسماء کا ذکر کیا گیا ہے ان کے مفاہیم میں وحی بھیجنے کی علت اور اس کا سبب واضح ہے اور ان کا وحی کے بھیجنے کے ساتھ ربط و تعلق موجود ہے۔ خدائے سبحان ہر لحاظ سے انسانوں کا سرپرست ہے۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ⑤

ترجمہ: ''قریب ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ جائیں، اور سب فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور ان کے لیے جو زمین میں ہیں مغفرت مانگتے ہیں، خبردار آگاہ رہو بے شک اللہ ہی بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔''

وحی کی عظمت اور افادیت کا تذکرہ

اللہ کی وحی اس قدر عظمت والی اور بھاری ہے کہ وہ آسمان جہاں سے وحی کا نزول ہوتا ہے اور وحی اُتارنے کا مرکز ہے جس وقت وحی اُتر رہی ہوتی ہے یہ آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو سکتے ہیں (یعنی اس کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتے) اللہ تعالیٰ جو ہر نقص و عیب سے پاک ہے جو اس کی ذات کے لائق نہیں وہ اس سے منزہ ہے، سارے فرشتے اس کی ستائش کرتے ہیں اس کی تقدیس کو بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں کہ وہ اپنے بندوں کی راہنمائی کے امر کو چھوڑ دے اور ان کی ہدایت کا انتظام نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کے حکم سے زمین والوں کی غلطیوں اور کوتاہیوں کے بارے اللہ سے معافی طلب کرتے رہتے ہیں۔ جب فرشتے گناہوں کی معافی خدا سے طلب کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ اس بخشش کے حصول کا سبب پہلے سے زمین پر حاصل ہو چکا ہو اور وہ ہے کہ بندگی کے راستہ کو طے کرنے کے لیے دین حق کی پیروی کرنا، جس دین کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے قرار دیا ہے۔ درحقیقت فرشتے اللہ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ اے اللہ زمین والوں کے لیے وحی کے ذریعہ دین کا قانون بنا دے تاکہ لوگ اس پر عمل کریں اور انہیں اللہ کی مغفرت نصیب ہو، ہلاکت سے بچ جائیں۔

رسول اللہؐ کے لیے خبر

اس مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر دی ہے کہ آپؐ کو یہ معلوم رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے، ان کے لیے بخشش کے اسباب مہیا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی قدسیت اور سبحانیت (سبحان ہونے کا) کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین والوں کے لیے ایسے امکانات مہیا

کرے کہ جن کے تحت وہ اللہ کی رحمت و مغفرت کو حاصل کر سکیں اور یہ امر اسی طرح پورا ہو سکتا ہے کہ وحی کے ذریعہ اس کے واسطے ایک دین قرار دے اور اس کی باقاعدہ قانون سازی کر چھوڑے اور یہ قانون ان تک وحی کے ذریعہ پہنچا دے تاکہ وہ اس پر عمل کریں اور اپنے لیے سعادت حاصل کرلیں، اپنے حالات کی اصلاح کریں، اپنے اندر سے نقائص اور کمزوریوں کو دُور کریں۔

وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۖ وَ مَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝٦

ترجمہ: ''اور وہ لوگ جنہوں نے اس کے سوا اور کارساز بنا رکھے ہیں اللہ ان کا حال دیکھ رہا ہے، اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔''

اللہ ہی بندوں کا ولی و مالک

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ بندوں کا ولی اللہ ہے اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے دین کا قانون بنایا ہے، بندوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس قانون کی پیروی کریں، اس کے باوجود اگر یہ مشرکین اللہ کے لیے ربوبیت کے حوالے سے شرکاء قرار دیں تو اللہ تعالیٰ ان سے غافل نہیں ہے، ان کے اعمال اور ان کا اللہ کی ربوبیت میں غیر اللہ کو شریک بنانا سب اللہ کے ہاں محفوظ اور موجود ہے۔ قیامت کے دن ان کے اعمال کی بنیاد پر ان کا محاسبہ کیا جائے گا۔

بندوں کے اعمال کی ذمہ داری رسولؐ پر نہیں

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ سے فرمایا ہے آپؐ کی ان کے اعمال کے حوالے سے کوئی ذمہ داری نہیں ہے، آپؐ ان کے لیے دفاع کرنے والے وکیل نہیں ہو لہٰذا آپؐ کا ان کے اعمال کے حوالے سے مؤاخذہ اور جواب طلبی نہ ہو گی۔ پیغمبر اکرم ﷺ کی ذمہ داری پیغام

رسائی ہے۔ اس بیان سے رسول اللہ ﷺ کو حوصلہ دیا گیا ہے اور ان کی پریشانی کو دُور کیا ہے ہر شخص اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے۔

پیغام:

ا۔ اللہ کے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بنائیں۔

۲۔ اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے ان کے گناہوں کی معافی کے اسباب مہیا کر دیئے ہیں۔ لہٰذا بندوں پر ہے کہ وہ مغفرت کے وسائل کو اپنے استعمال میں لے آئیں۔

۳۔ وحی الہیٰ بہت ہی باعظمت ہے اس کا بوجھ آسمان و زمین نہیں اٹھا سکتے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص نمائندگان کا انتخاب کر رکھا ہے جو اس بوجھ کو اٹھا لیتے ہیں۔

وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا وَ تُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَ فَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۝

ترجمہ: ''اور اسی طرح ہم نے آپ پر عربی زبان میں قرآن نازل کیا تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے آس پاس والوں کو ڈرائیں اور قیامت کے دن سے بھی ڈرائیں جس میں کوئی شبہ نہیں، (اس روز) ایک جماعت جنت میں اور ایک جماعت جہنم میں ہو گی۔''

قرآن کا عربی زبان میں ہونا

ہم نے تجھے قرآن عربی میں وحی کیا ہے تاکہ مکہ اور مکہ کے اطراف میں جتنے عربی بولنے والے موجود ہیں ان کو براہ راست خطرات سے آگاہ کریں اور انہیں قیامت کے دن بارے بتاؤ کہ تمہارا احتساب ہوگا، اللہ کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے سخت

سزا، قرآن کا عربی میں ہونا اس بات سے منافات نہیں رکھتا کہ قرآن کا پیغام عالمی ہے اور سب انسانوں کے لیے ہے۔

دعوتِ اسلام کے مراحل

اسلامی دعوت کے کئی مراحل ہیں۔

پہلا مرحلہ

مخفیانہ دعوت تھی اور قرابت داروں کو پیغام دیا گیا، قیامت کے حالات ان کے لیے بیان کئے اور انہیں اللہ کی مخالفت کے انجام سے ڈرایا گیا۔

دوسرا مرحلہ

جزیرۃ العرب کے لوگوں کو پیغام پہنچایا گیا اور انہیں اللہ کی مخالفت کے انجام سے ڈرایا گیا۔

تیسرا مرحلہ

دعوت کا عالمی ہونا اور تمام انسانوں کے لیے ہر جگہ میں رہنے والوں کے لیے اور تمام زمانوں کے واسطے اس پیغام کو پہنچایا گیا اور سب انسانوں کو اللہ کی مخالفت کے انجام سے ڈرایا گیا۔

وحی کا نتیجہ

اس جگہ وحی کو نتیجہ اور ھدف کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے، وحی کا مطلب ہے کہ اللہ کی جانب سے اپنے پیغمبر کو پیغامات القاء کئے جاتے ہیں، براہ راست بھی پیغمبر کے قلب مبارک پر مطالب اُترتے ہیں، کسی وسیلہ سے بھی آتے ہیں، وسیلہ فرشتہ ہوتا ہے اور غیر فرشتہ بھی ہو سکتا ہے، خواب کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے، وحی کی حقیقت کا علم تو اسی کے لیے ہوتا ہے جس کے پاس وحی آتی۔ اس جگہ حضور پاک ﷺ کو وحی کی غرض یہ بتائی

گئی ہے کہ لوگوں کو ڈرایا جائے۔ اللہ کی مخالفت کے انجام سے، قیامت کے دن کے خطرات سے لوگوں کو بتایا جائے کہ اللہ کو ٹھکرانے کا نتیجہ جہنم ہے اور اللہ کی دعوت کو قبول کرنے کا نتیجہ جنت ہے۔

قیامت کے بارے آگہی دینا

اسی لیے انذار کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ وحی میں جو دوسری بات بتانا ہے کہ قیامت نے ہر صورت ہونا ہے، وہ دن یقینی ہے اس میں سب لوگ اکٹھے ہوں گے، سب اپنے اعمال کے ساتھ موجود ہوں گے۔

''ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ'' (سورہ ھود، آیت: ۱۰۳)

ترجمہ: ''ایسا دن ہے جس کے لیے سارے انسان اکٹھے کئے جائیں گے''

رسول اللہ ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ تم ان کو قیامت سے ڈراؤ کیونکہ وہ ایسا دن ہے جس میں انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ایک گروہ سعادت مند ہو گا، خوش بخت ہو گا، اس نے دُنیا میں اللہ کی بات کو مانا ہو گا وہ جنت الفردوس میں ہوں گے اور جنہوں نے اللہ کے قوانین کی دُنیا میں مخالفت کی ہو گی خود ہی ہلاکت اور تباہی کا راستہ اپنایا ہو گا تو وہ بھڑکتی آگ میں جائیں گے، بد بخت ہوں گے؛ لہٰذا دُنیا میں انہیں ان کے برے انجام سے ڈراؤ تاکہ وہ اپنے لیے آرام و سکون کا راستہ اپنائیں اور یہ صرف اللہ کی اطاعت اور اللہ کے قوانین کی پیروی سے ہی ممکن ہے۔

وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَ الظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ۝۸

ترجمہ: ''اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی جماعت کر دیتا لیکن اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے، اور ظالموں کا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار۔''

اُمت واحدہ

اس آیت میں ایک پوشیدہ سوال کا جواب دیا گیا ہے۔ کوئی یہ خیال کرسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کیوں بھیجے اور اس طرح انسان دو حصوں میں تقسیم ہو گئے؟ کچھ اہل جہنم بنے اور کچھ بہشتی بنے، اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو ایک طرح کیوں نہیں بنایا تاکہ سارے بہشت میں جاتے؛ اس طرح انبیاء بھیجنے کی ضرورت ہی نہ رہتی، نہ انذار کرنا پڑتا۔

تو اس سوال کا جواب دیا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو سارے انسانوں کو ایک جیسا بنا دیتا۔ سب انسان ایک طرح کے ہوتے، سب نیک ہوتے، سب جنتی ہوتے، ان میں کوئی امتیاز نہ ہوتا۔ لیکن اللہ کا حکم اسی طرح جاری ہوا، مشیت الٰہی یہ قرار پائی کہ سارے انسان ایک جیسے نہ ہوں بلکہ معاملہ اختیار اور ارادہ کے تابع ہو اور ذمہ داری و تکلیف کا عنوان قرار دیا جائے۔ ایسی مخلوق ہو جس کے پاس قوت ارادی ہو، اختیار ہو، عقل جیسی نعمت اس کے پاس ہو، اچھائی اور برائی کی تشخیص کرسکے اور اپنے اختیار سے صحیح عقیدہ اختیار کرے اور پھر صحیح عمل انجام دے۔ حُسنِ عقیدہ اور حُسنِ عمل سے قیامت کے دن اللہ کے حضور پہنچیں گے اور اپنے عقیدہ اور عمل کی بنیاد پر نتیجہ پائیں گے۔ عقیدہ اور عمل کے نتیجہ میں اللہ اسے اپنی رحمت میں لے لے گا ان کے لیے ہدایت کی توفیق مل جائے گی جبکہ کافر اور ستمگار دوزخ میں جلیں گے۔ رحمت سے مراد بہشت ہے جس کا لازمہ یہ ہے اللہ ان کا ولی و ناصر ہے اور جن کا ولی و ناصر اللہ نہیں ہے ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

نبوت و انذار کی وجہ

اللہ کے علم میں ہے کہ سارے انسان ایک جیسے نہیں ہیں اور سب کے پاس قوت عقل و قوت ارادہ و اختیار ہے، سب اچھائی و برائی کی تمیز کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے نبوت و انذار کا سلسلہ قرار دیا ہے۔ قیامت کے دن دو گروہ میں انسان تقسیم ہوں گے:

(۱) سعید خوش بخت **(۲)** شقی و بد بخت

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ایک اُمت کیوں نہ بنایا اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ کی سنت اور قانون اس پر قائم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان دو میں سے ایک کا سرپرست و ولی اور ناصر ہو جو ظالم و ستمگار نہیں ہیں تاکہ انہیں اپنی رحمت (بہشت) میں داخل کرے اور دوسرے گروہ کو اپنی رحمت میں شامل نہ کرے جو کہ ظالم و ستمگار اور کافر ہیں۔

عقل کی نعمت سب کے لیے برابر

اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک لحاظ سے سب انسانوں کو برابر حصہ دیا ہے اور وہ ہے عقل کی نعمت کا عطاء کرنا، انسان ہی اللہ کی ایسی مخلوق ہے جسے یہ نعمت عطا ہوئی ہے اس کے ہوتے ہوئے انسان میں یہ قابلیت موجود ہوتی ہے کہ وہ یہ جان سکے کہ اس کے فائدے میں کیا ہے اور نقصان میں کیا ہے۔ اگر یہ طاقت و استعداد نہ ہوتی تو پھر یہ اللہ کی جانب سے ناانصافی ہوتی اور ظلم ہوتا، اللہ عادل و حکیم ہے، اللہ کی رحمت، فیاضت کا تقاضا تھا کہ ایک ایسی مخلوق ہو جو اپنے اختیار سے کمال کی منزلیں طے کرے، اپنے اختیار سے اپنے خالق و مالک و رازق و رب کی اطاعت کرے کیونکہ انسان کے علاوہ ہر مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے اس کی حیثیت کے مطابق اسے کمال عطا کیا ہے۔ فقط انسان ہے جس نے اپنے اختیار کو استعمال کرکے کمال تک پہنچنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عقل کے ساتھ ساتھ اپنے خصوصی نمائندگان، اپنا قانون دے کر بھیجا کہ انسان کو دُنیا میں اس قانون کے تحت چل کر کمال تک پہنچنا ہے، اگر اس کی خلاف

ورزی کرے گا تو ناقص رہے گا، بدبخت ہو گا، یہ ہے وہ فلسفہ و حکمت کہ اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو ایک اُمت قرار نہ دیا کیونکہ اگر ان کو ایک طرح سے بنا دیتا یعنی سب کو کمال پر قرار دیتا تو پھر انسان کی دوسری مخلوقات سے کچھ برتری نہ ہوتی۔ اللہ کے کمال کا یہ تقاضا ہے وہ ایک ایسی مخلوق بنائے جو اپنے اختیار اور ارادہ سے کمال کی منزلیں طے کرے اور اللہ اپنے جود وسخا اور کمال لامتناہی کے تحت ایسی مخلوق کے کمال تک جانے سارے وسائل واسباب متعارف کروادے اور کسی کے لیے (کمال تک جانے میں کوئی تکوینی رکاوٹ نہ ہو۔)

اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ‌ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الۡوَلِىُّ وَهُوَ يُحۡىِ الۡمَوۡتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝۹

ترجمہ: ”کیا انہوں نے اس کے سوا اور بھی مددگار بنا رکھے ہیں واضح رہے کہ فقط اللہ ہی مددگار ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

مشرکین کے کفر اور ظلم کے بارے

اس جگہ مشرکین پر اعتراض کیا اور ان کے رویہ کی مذمت کی ہے کہ انہوں نے اپنے لیے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اولیاء کیوں بنا لیا ہے؟ جبکہ ولایت فقط اللہ کی ذات میں منحصر ہے، اللہ ہی سب کا تنہا ولی ہے کیونکہ حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے، جن کو یہ لوگ اولیاء بنا رہے ہیں ان کے پاس تو یہ اختیار ہی نہیں ہے وہ نہ کسی کو زندگی دے سکیں اور نہ ہی کسی سے کچھ چھین سکتے ہیں کسی کو اپنا ولی و سرپرست کیوں بنایا جاتا ہے تاکہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اپنے خطرات کو ان کے وسیلہ سے دُور کیے جائیں، نفع و نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے، بہشت میں جانا اور جہنم سے بچ جانا، اس کا اختیار بھی اللہ کے پاس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس کے

ہاتھ میں حیات ہے اسی کے ہاتھ میں تمام منافع و نقصانات ہیں لہٰذا اللہ ہی کو ولی اور اپنا سرپرست بنایا جائے، مشرکین اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ ولی تو وہ ہو سکتا ہے جس کے پاس اختیار اور قدرت موجود ہو اور جس کے پاس قدرت مطلقہ ہے وہ تو فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اسکے علاوہ تو کوئی ولی نہیں ہو سکتا اس بناء پر لازم ہے کہ لوگ تنہا اللہ کو اپنا ولی قرار دیں۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿١٠﴾

ترجمہ: ''اور جس بات میں بھی تم اختلاف کرتے ہو سو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے، وہی اللہ میرا رب ہے اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔''

ولایت اللہ کے لیے ہے

اللہ کی ولایت ہے، ولایت مطلقہ اللہ کے لیے ہے،اس پر چوتھی دلیل اس آیت میں دی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ اختلافی امور میں چاہے اختلاف کا تعلق عقائد سے ہو یا اعمال کے بارے ہو، کون ہے جس کا فیصلہ ان اختلافی معاملات میں نافذ و حتمی ہے۔ یہ اختلافات قوانین کے ذریعہ حل ہو سکتے ہیں اور وہ قوانین جو حقائق پر مبنی ہیں وہ تو وہی قوانین ہیں جو اللہ نے بنائے ہیں تو اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کی روشنی میں اختلافی معاملات، امور کو حل کیا جا سکتا ہے پس یہ امر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جب کوئی اختلافی مسئلہ قاضی کے پاس جاتا ہے تو قاضی دونوں اطراف کی بات سنتا ہے پھر ان دو میں سے ایک کے بارے فیصلہ دیتا ہے۔ اس طرح قاضی جو حکم دیتا ہے تو وہ حکم مصداق میں فیصلہ کے ساتھ ایک ہو جاتا ہے۔ اگر مفہوم میں

فرق ہے کہ ایک قانون دوسرا فیصلہ ہے جس وقت دو اشخاص باہم جھگڑا کرنے والے جب تیسرے شخص کے پاس اپنا جھگڑا لے کر جاتے ہیں اور اسے اپنے اختلافی مسئلہ میں حکم قرار دیتے ہیں جو وہ فیصلہ دے اسے قبول کرنے کے بارے اپنی رضایت دیتے ہیں وہ تیسرا شخص ان دونوں کا ولی قرار پاتا ہے اور وہ وہی شخص ہوتا ہے جو نزاعی معاملہ کو حل کرنے کا اختیار رکھتا ہو۔

اللہ تعالیٰ مالک حقیقی ہے، اس کے سوا کوئی انسان کا مالک حقیقی نہیں ہے کیونکہ موجود جو ہے اس کے وجود کی اصلیت، اس کے افعال اور آثار، اللہ کی ذات سے وابستہ ہیں۔ اگر اللہ کی عنایت نہ ہو تو کچھ بھی نہ ہو۔ اس کے نتیجہ میں اللہ ہی برحق فیصلہ دینے اور حکم و ضابطہ و قانون کا مالک حقیقی ہے۔ اللہ کا حکم و قانون یا تو تکوینی ہے اس طرح کہ اس نے مسبباب کے وجود کو اسباب کے تحت قرار دیا ہے اور ان مسببات کو مختلف انواع کے اسباب کے مدمقابل اکٹھا کر دیتا ہے اور سارے اسباب اکٹھے ہو کر اس مسبّب کے وجود کو یقینی بنا دیتے ہیں یا حکم و قانون تشریعی ہے جیسے وہ تکالیف و فرائض جو اللہ تعالیٰ نے دین الٰہی میں انسان کے لیے قرار دی ہیں کہ ان کے اعتقادات کیا ہوں اور ان کے اعمال کس ضابطے کے تحت ہوں۔ ایک تیسرا حکم بھی ہے کہ ممکن ہے کہ ایک لحاظ سے مصادیق میں سے ایک ایسا ہو کہ اس کے بارے سابقہ دو انواع کا حکم آیا ہو۔ اللہ کا وہ حکم اپنے بندوں کے درمیان نیز اللہ کا ان کے اختلافی موارد میں حکم دینا ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ قیامت کے حق کو اللہ تعالیٰ آشکار کرے گا اور اس کا اظہار فرمائے گا۔

چوتھی دلیل کا خلاصہ

اس دلیل کا ماحصل یہ ہے کہ وہ ولی جس کی پرستش ہونی چاہیے تو وہ ہو سکتا ہے جو بندوں کے درمیان پیدا ہونے والے اختلاف کو دُور کر سکے اور ان کے اجتماعی اور معاشرتی امور

میں جو فساد کا موجب بن رہے ہیں ، دین کے قانون سے ان کی اصلاح کر دے اور انہیں سعادت کی طرف کھینچ کرلے آئے۔ان موارد میں حکم فقط اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ فقط اللہ کو ولی کے عنوان سے لیا جائے، نہ اللہ کے غیر کو اپنا ولی بنایا جائے۔

رسول خداؐ کا اعلان

اس بحث کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے بارے فرماتے ہیں: ''دیکھو میرا اللہ تو اس طرح کا ہے، میں تو اسی پر توکل کرتا ہوں، اسے اپنے امور کا وکیل بناتا ہوں اور اس کی جانب واپس پلٹتا ہوں''

یہ تمام دلائل جو اللہ تعالیٰ کی ولایت کے بارے بیان ہوئے ہیں، اللہ کے حکم، اللہ کی ولایت اور ربوبیت کو ثابت کیا ہے۔ ضروری ہے کہ تمام انسان فقط اس ذات کو اپنا ولی بنائیں جو تمام صفات کمالیہ رکھتا ہو اسی کی پرستش کی جائے، اسے اپنا ولی بناؤ۔ میں تو اسے اپنا ولی اور اپنا رب قرار دیتا ہوں، اسی پر میرا توکل ہے، کسی اور پر نہیں، میں تو مسلسل اسی کی طرف رجوع کرتا رہتا ہوں۔

ہم نے یہ بات کہی ہے کہ اللہ کی ولایت، ولایت تکوینی اور ولایت تشریعی دونوں کو شامل ہے۔ نظام تکوین اور نظام تشریع دونوں کی ولایت اللہ کے پاس ہے۔

اللہ ہے جو اسباب اور مسببات کو ایک دوسرے کے پیچھے قرار دیتا ہے، انسان کے لیے شریعت کا نظام بنایا ہے، اس کے قوانین اور احکام انسان کو کمال تک پہنچانے کی ضمانت دیتے ہیں لہٰذا جو شخص فقط اللہ کو اپنا ولی قرار دیتا ہے اور تمام ظاہری اسباب سے کٹ جاتا ہے تمام تکوینی امور میں اپنے معاملہ و امر کی تدبیر اللہ کے سپرد کرتا ہے۔ وہ اللہ کے سوا کسی اور طاقت پر بھروسہ نہیں کرتا، یہی توکل کا معنی ہے۔ توحید پرست انسان شریعت کے معاملہ میں

اپنی پوری زندگی میں ہر مسئلہ جو اسے پیش آتا تو اس نے اللہ کے حکم کی طرف رجوع کیا، یہی انابہ ہے یعنی اللہ کی طرف پلٹنا اور رجوع کرنا۔ اس کے حکم کے تحت اپنے معاملات کو حل کرنا۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حاکم برحق ہے، تمام مخلوقات کا رجوع اللہ کی طرف ہوگا، قیامت کے دن اللہ حق کا فیصلہ دے گا اس کا لازمہ یہ ہے کہ جو بھی حق کے ساتھ تھا اور مومن بحق تھا تو وہ اللہ کے حکم و فیصلہ سے قیامت کے دن سعادت مند ہوگا اور جس نے حق کے سامنے انکار کیا تھا تو اس کے بارے فیصلہ ہوگا کہ وہ بدبخت و شقی ہے۔

پیغام: اللہ کو اپنا ولی قرار دو اور اپنے تمام معاملات کو اللہ کے سپرد کرو غیر اللہ پر بھروسہ مت کرو۔ اللہ کے سواء کسی کے پاس کچھ اختیار نہیں کہ وہ کسی کی مدد کر سکے۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ مِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ”وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اسی نے تمہاری جنس سے تمہارے لیے جوڑے بنائے اور چارپایوں کے بھی جوڑے بنائے، تمہیں اللہ ہی زمین میں پھیلاتا ہے، کوئی چیز اس کی مثل نہیں، اور وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔“

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''اس کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں، اللہ ہی روزی کشادہ کرتا ہے جس کی چاہے اور روزی تنگ کر دیتا ہے، جس کی چاہے بے شک اللہ ہی ہر چیز کو جاننے والا ہے۔''

ربوبیت فقط اللہ کے لیے ہے

اللہ ہی پوری کائنات کا تنہا رب ہے، توحید ربوبی پر دلیل قائم کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

مشرکین کا بھی اس پر اعتراف تھا۔

اللہ نے انسانوں کو نر اور مادہ کی صورت میں بنایا ہے۔

تمام جانوروں کو بھی نر و مادہ کی صورت میں بنایا ہے۔

جفت اس لیے بنایا تاکہ ان کی نسل بڑھتی رہے۔

اللہ تمام صفاتِ کمال و جمال کا مالک ہے

اللہ کی کوئی مثال نہیں، وہ بے مثل و بے مثال ہے، وہ ہر لحاظ سے واحد ہے تمام صفات کمالیہ اور صفات جمالیہ اسی کے لیے ہیں۔ اللہ سمیع ہے یعنی اپنی مخلوقات کی حاجات کو سنتا ہے اور ان کی حاجات کو پورا کرتا ہے ہر ایک کو اس کے استحقاق کے مطابق دیتا ہے وہ تو ہر ایک پر اپنی رحمت کا سایہ ڈالے ہوئے ہے۔

اللہ بصیر ہے اس کی مخلوق جو کام کرتی ہے وہ اسے دیکھ رہا ہے انہیں ان کے عمل کے مطابق جزا دیتا ہے۔

اللہ وہ ہے جس کے پاس زمین اور آسمانوں کے تمام خزانوں کی چابیاں ہیں۔ اس بات سے کہ سب خزانے اس کے اختیار میں ہیں، وہ ایسے خزانے ہیں جن میں تمام موجودات کے

آثار و خواص و خصوصیات و امتیازات و علامات اور نشانیاں سب ان میں ذخیرہ ہیں ان کی خصوصیات وامتیازات اور آثار کے تحت عالم محسوسات و مشہودات کا نظام شکل پکڑتا ہے۔

اللہ ہی وہ ہے جس کے ہاتھ میں روزی کھانے والوں کی روزی کا انتظام ہے وہ اپنے علم کے تقاضا کے تحت روزی کم وزیادہ کرتا رہتا ہے، اسے معلوم ہے کہ کس مخلوق کے لیے کتنی روزی کی ضرورت ہے اور کس کی کتنی ضرورت ہے۔ کمی وزیادتی اس کے ہاتھ میں ہے، یہ روزی کا نظام بغیر طے شدہ منصوبہ کے نہیں ہے، باقاعدہ ایک دقیق منصوبہ کے تحت ہر مخلوق کے لیے اس کے رزق کا انتظام ہے جس کے تحت اس شئی کی بقا و حیات کا دارومدار ہے اور اس کی تمام منصوبہ بندی میں اللہ کی حکمت و دانائی کارفرما ہے۔

ان تمام امور کو سامنے رکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رب العالمین اللہ ہی ہے، ربوبیت فقط اسی کے لیے ہے:۔

جو سب کا خالق ہے

جو سب کی ضروریات سے آگاہ ہے

جو سب کو ایک پلاننگ کے تحت روزی دیتا ہے

جو ہر ایک مخلوق کے کام سے آگاہ ہے

جو ہر ایک کی ضروریات سے بھی آگاہ ہے

تمام کائنات کی احتیاجات اور ان کے کاموں سے آگاہ ہے

سب نظام اللہ کے علم کے تحت ایک حکمت کے مطابق چل رہا ہے۔ ربوبیت تنہا اللہ کے لیے ہے، کسی اور کے لیے نہیں۔

پیغام: اپنی تمام ضرویات کو اللہ سے مانگنا چاہیے اللہ ہی نے سب کے لیے بہے ہی دقیق منصوبہ بندی کے تحت ان کی ضروریات کا انتظام کیا ہوا ہے۔اللہ کے سواء کسی کے پاس کچھ اختیار نہیں کہ وہ کسی کو کچھ دے سکیں۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا جس کا نوح کو حکم دیا تھااور اسی راستہ کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے جس کا ہم نے ابراھیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا، کہ تم اسی دین پر قائم رہو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا، جس چیز کی طرف آپ مشرکوں کو بلاتے ہیں وہ ان پر گراں گزرتی ہے، اللہ جسے چاہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اسے راہ دکھاتا ہے۔''

نظام شریعت

دین اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے، دین زندگی گزارنے کا طریقہ اور سنت ہے،اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ جو دین اور نظام شریعت آپ کی لیے بیان کیا ہے یہ وہی ہے جو اس سے پہلے پوری توجہ اور اہمیت کے ساتھ نوح علیہ السّلام کے لیے دیا تھااس سے ایک بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت نوحؑ سے پہلے باقاعدہ قانون شریعت موجود نہ تھا۔ شریعت کا آغاز حضرت نوح علیہ السّلام سے ہوا اور شریعت اسلام پہلی تمام شریعتوں کا جامع ہے۔اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اولوالعزم پیغمبروں کا نام لیا ہے کہ جو شریعت نوح علیہ السلام کے لیے دی گئی پھر حضرت ابراہیم علیہ السّلام ، حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت عیسیٰ علیہ

السّلام کے لیے شریعت بیان ہوئی تو آپ کے لیے جو شریعت بیان کی جا رہی ہے یہ سابقہ شریعتوں کا تسلسل ہے اور نظام شریعت (دین) کی کامل ترین شکل ہے۔

اس آیت میں ضمناً یہ بات بھی بتا دی گئی ہے کہ اللہ کا یہ اُمت اسلامیہ پر احسان ہے کہ اس نے ان کے لیے ایسی شریعت قرار دی ہے جو سابقہ تمام شریعتوں کی جامع اور ان میں کامل ترین ہے۔

دین کی تفسیر

اس کے بعد شریعت کے بارے تفصیل بیان کی ہے۔ ان سب سے یہ کہا کہ وہ دین کا نفاذ کریں (دین کے قوانین پر عمل کرکے اس کا نفاذ کریں)۔

فقط وحدت

دین پر عمل کرنے سے وحدت و یکجہتی کی حفاظت ہو گی، تفرقہ و اختلاف سے بچا جا سکے گا۔ اسلام دین وحدت ہے، ایک نظام کے تحت جو معاشرہ تشکیل پاتا ہے اس میں افتراق و اختلاف نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے سارے انبیاء کے لیے جو قوانین دیئے، جو نظام قرار دیا، وہ ایک ہی دین ہے۔ دین مطلق ہے، جو سارے انسانوں کے لیے ہے اور سارے زمانوں کے لیے ہے۔ تمام انسانوں کو چاہیے کہ وہ اسی نظام کو اپنے اوپر لاگو کریں اور اس کے مطابق زندگی گزاریں اور دین پر عمل کرنے میں تفرقہ وافتراق نہ کریں۔

مشرکین کے لیے بار گراں

آخر میں ایک حقیقت کو بیان کیا ہے کہ آپ مشرکین کے لیے جو دعوت دے رہے ہیں اور انہیں توحیدی دین کی طرف بلاتے ہو، یہ ان پر دشوار اور بار گراں ہے۔ وہ افتراق و انتشار کے عادی ہو چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جیسے چاہتا ہے اس کی لیاقت اور قابلیت کے تحت توحید کی ہدایت کرتا ہے، اللہ اسے توحید کی ہدایت کرتا ہے جو اپنے تمام معاملات میں اللہ سبحانہ کی طرف رجوع کرتا ہے، اللہ کی طرف رجوع مقدمہ بنتا ہے کہ انسان ہدایت کی کرامت و شرف کو پالے۔

وَ مَا تَفَرَّقُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِیَ بَیْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ۝۱۴

ترجمہ: ''اور اہلِ کتاب جو جدا جدا فرقے ہوئے تو وہ سب علم آنے کے بعد اپنی باہمی ضد سے ہوئے، اور اگر تیرے رب کی طرف سے ایک وقت مقرر (قیامت) تک کا وعدہ نہ ہوتا تو ان میں فیصلہ ہو گیا ہوتا، اور جو ان کے بعد کتاب کے وارث بنائے گئے ہیں (زمانہِ نبوی کے اہل کتاب) وہ اس (دین) کی نسبت حیرت انگیز شک میں ہیں۔''

بغاوت اور ظلم کا نتیجہ

آیت میں لفظ ''بغی'' استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب بغاوت اور زیادتی ہے۔ اس جگہ یہ بات بیان کی جارہی ہے کہ جو لوگ دین کے بارے آگاہ تھے انہوں نے دین میں تفرقہ ایجاد کیا اور دین میں مذاہب و مختلف فرقے قرار دیئے ان سب امور کا سبب ان کا ظلم اور حسد

تھا، ان کی ظلم پسندی اور باغیانہ مزاج سبب بنا کہ وہ اپنے علم کے مطابق عمل نہ کریں وگرنہ دین حق کے بارے جاہل و ناواقف نہ تھے۔ اسی بناء پر انہوں نے دین میں اختلاف ڈال دیا، ہر گروہ کے پاس جو ہے وہ اس پر خوشحال ہے۔

كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (سورہ مومنون، آیت: ۵۳)

ترجمہ: "ہر ایک جماعت اس ٹکڑے پر جو ان کے پاس ہے خوش ہونے والے ہیں"

عذاب کی تاخیر

خلقت کے آغاز ہی سے اللہ تعالیٰ نے ایک قانون بنا دیا اسی قانون کے تحت انسانوں کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے۔ ہر ایک کے لیے ایک مدت کا تعین کر دیا گیا کہ اس نے اس وقت تک دُنیا میں رہنا ہے۔

پیغام: دین کی بنیاد پر تفرقہ نہ کیا جائے۔ تفرقہ کرنے والے باغی وظالم ہیں۔ مذاہب تفرقہ کا سبب ان کے علماء بنے۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَ اسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ؕ﴿۱۵﴾

ترجمہ: "تو آپ اسی دین کی طرف بلایئے، اور قائم رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے، اور ان کی خواہشوں پر نہ چلیے، اور کہہ دو کہ میں اس پر یقین لایا ہوں جو اللہ نے کتاب نازل کی ہے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں،

اللہ ہی ہمارا اور تمہارا پروردگار ہے، ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں، اللہ ہم سب کو جمع کر لے گا، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"

تفرقہ کے خاتمہ اور اصلاح کی دعوت

رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ہم نے آپ کے سامنے ساری صورتحال وضاحت سے بیان کر دی ہے اور اختلاف کرنے والوں کی خاصیت بھی بیان کر دی ہے۔ آپ کا کام یہ ہے کہ تفرقہ کے خاتمہ اور اصلاح کی خاطر دعوت دو، شریعت حقہ کی پیروی کے لیے انہیں دعوت دو، صراطِ مستقیم پر قائم رہو، اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے استقامت دکھاؤ، کسی بھی گھبراہٹ کا عنصر نہ آئے، شریعت الٰہی کی مخالفت نہ کرو اور جو شریعت الٰہی کے مخالف ہیں ان کی بات ماننے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

واضح اعلان

رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ان مخالفت کرنے والوں کے سامنے واضح اعلان کر دو کہ

پہلی بات: اللہ کی طرف سے جتنی کتابیں آئی ہیں اور ان میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اُتار دیا ہے ان سب پر میرا ایمان ہے، اس میں کوئی فرق نہیں کرنا، ان کتابوں کے مطالب کی تصدیق کرتا ہوں۔

دوسری بات: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل قائم کروں اور سب کو ایک نظر سے دیکھوں، طاقتور کو کمزور پر اور فقیر کو امیر پر ترجیح نہ دوں، بڑے چھوٹے، عورت مرد سب برابر ہیں۔ تبلیغ کے سلسلہ میں سب کے لیے برابر رویہ اپنانے کا حکم دیا گیا ہے اس دعوت میں سب برابر ہیں۔

تیسری بات : سب پر واضح کر دو کہ تمہارا اور ہمارا رب ایک ہی ہے، سب کا رب ایک ہے، دوسرا نہیں ہے۔ تمام شریعتوں کا بھیجنے والا ایک ہے، لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ لوگ ایک شریعت پر ایمان لے آئیں اور دوسری پر ایمان نہ لائیں۔ جب رب ایک ہے تو اس کی شریعت بھی ایک ہے، سب کو اس ایک شریعت پر عمل کرنا ہے۔ تمام لوگوں پر واجب ہے کہ ساری آسمانی کتابوں پر ایمان لے آئیں اور اللہ کی تمام شریعتوں کو قبول کریں اور ان میں فرق کے قائل نہ ہوں کہ بعض کو مان لیں اور بعض کو چھوڑ دیں۔

چوتھی بات: ہر ایک کے اعمال اس کی ذات سے متعلق رہتے ہیں، کسی کا عمل دوسرے کے کھاتے میں نہیں جاتا۔ ہر شخص اپنے عمل کا گروی ہے کوئی ایسی دلیل موجود نہیں کہ کچھ لوگ بعض دوسرے لوگوں پر مقدم ہیں، تم لوگ ہماری دلیل کو قبول نہیں کرتے بلکہ جو دلیل تم دے رہے ہو وہ باطل و نادرست ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو احتساب کے لیے قیامت کے دن ایک جگہ اکٹھا کرے گا کیونکہ سب نے اسی کے پاس پلٹ کر جانا ہے۔ وہی رب ہے کہ جس کے پاس سب نے جا کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ ہمارے لیے ہمارا عمل ہے، تمہارا لیے تمہارا عمل ہے۔ اس آیت میں یہ بھی اشارہ موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو قبول کرنے والے لوگ بھی موجود ہیں جس طرح آپ کی دعوت کا انکار کرنے والے بھی موجود ہیں ،اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو فرمایا ہے کہ آپؐ کا کام ہے کہ پوری طاقت ، ہمت، جرأت، استقامت سے اپنے کام کو جاری رکھو اور شریعت حقہ کی دعوت دیتے رہو۔

پیغام: اللہ کی تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لائیں۔ سب کا رب ایک ہے ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے کوئی دوسرے کے عمل کا ذمہ دار نہیں ہے۔

وَ الَّذِیْنَ یُحَآجُّوْنَ فِی اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِیْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ عَلَیْهِمْ غَضَبٌ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۝١٦

ترجمہ: "وہ لوگ جو اللہ بارے جھگڑا کرتے ہیں بعد اس کے ان سے جواب طلب کرلیا گیا، ان کی دلیل ان کے رب کے ہاں باطل اور نامراد ہے ان سب پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے واسطے سخت عذاب ہے۔"

سچائی کے ثابت ہو جانے کی بعد انکار کی سزا

اللہ کی ربوبیت اللہ کے دین اور اللہ کی نازل شدہ کتاب قرآن اور اللہ کی طرف سے آئی ہوئی باتوں کی سچائی جب ثابت ہو چکی اور جو سمجھدار لوگ ہیں انہوں نے اس سچائی کو قبول کرلیا اور کچھ ایسے بھی ہیں جو ہٹ دھرمی کی وجہ سے اقرار نہیں کرتے لیکن جانتے ہیں کہ جو کچھ اللہ کا رسولؐ کہہ رہا ہے وہ سچ و حق ہے، اس سب کے باوجود جو لوگ دین کو باطل کرنے اور اس کے لیے جھوٹی دلیلیں گھڑتے ہیں جبکہ لوگوں نے فطرت سلیم کے تحت اسے قبول کرلیا ہے۔ اللہ کی آیات واضح و آشکار ہیں تو ان کا انکار کرنے والوں کی دلیل بے اعتبار ہے اور باطل ہے، لہٰذا اب انکار کرنے والوں کو اللہ کا غضب شامل ہو گا۔ ان کے لیے سخت ترین عذاب ہے جس کی توصیف نہیں ہو سکتی۔ اس عذاب کے یہ لوگ مستحق ہوں گے کہ انہوں نے واضح سچائی کا انکار کیا ہے اور بلاوجہ انکار کیا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَ الْمِيْزَانَ ؕ وَ مَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: "اللہ ہی ہے جس نے سچی کتاب اتاری اور حق و باطل کی تمیز کرنے والے کو اتارا، اور آپ کو کیا معلوم کہ قیامت کی آمد قریب ہو۔"

میزان کی بات

اللہ تعالیٰ نے مادی ترازو بھی اُتارا جس میں اجسام تلتے ہیں اور علمی ترازو بھی جسے عقل سلیم کہتے ہیں اور اخلاقی ترازو بھی جسے صفت عدل و انصاف کہا جاتا ہے اور سب سے بڑا ترازو دین حق ہے جو خالق و مخلوق کے حقوق کا ٹھیک ٹھیک تصفیہ کرتا ہے اور جس میں بات پوری تلتی ہے نہ کم نہ زیادہ۔ لوگوں کو چاہیے کہ اللہ کی کتاب کی کسوٹی پر اپنے اعمال واحوال کا جائزہ لیں اور دین کے ترازو پر اپنے اعمال کو تول کر دیکھ لو کہاں تک تم پورے اُترتے ہو۔ کیا معلوم ہے کہ قیامت کی گھڑی قریب آگئی ہو اور پھر کچھ نہ ہو سکے گا؛ جو کرنا ہے اس کے آنے سے پہلے کرلو۔

پیغام: اپنے ہر عمل اور ہر بات کو ترازو پر تولو۔ ہر ایک کا معیار موجود ہے۔ حق و باطل کے درمیان امتیاز اور جدائی ڈالنے کا انتظام اللہ نے کردیا ہے اور اللہ کی کتاب ہی ہر شئی کو پرکھنے کا معیار ہے یہ محاورہ بہت ہی عمدہ ہے کہ پہلے تولو پھر بولو۔ ہر بات کا حساب ہوتا ہے لہٰذا جو بولو اس کے بارے آپ کو معلوم ہو کہ یہ حق ہے یا باطل ہے۔

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ''اس کی جلدی تو وہی کرتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے، اور جو ایمان رکھتے ہیں وہ اس سے ڈر رہے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے، خبردار! اس بات سے آگاہ رہو، بے شک جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں وہ پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں۔''

کتاب سے مراد

کتاب سے مراد وحی ہے جو شریعت اور دین پر مشتمل ہے۔

انزال بالحق سے مراد یہ ہے کہ کتاب خالص حق مطالب پر مشتمل ہے اس میں شیطانی اور نفسانی اختلافات کی ملاوٹ موجود نہیں ہے۔ میزان سے مراد ہر ترازو ہے جس کے ذریعہ اشیاء کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ ترازو مادی بھی ہے اور معنوی و روحانی بھی ہے۔ اس جگہ مراد وہی دین ہے کہ کتاب اس دین کے مطالب پر مشتمل ہے۔ اس میں اصول ہیں، فروع ہیں، انسانوں کے عقائد اور اعمال کا اس دین کی روشنی میں جائزہ لیا جاتا ہے۔ اللہ ہی ہے جس کی کتاب حق سے عبارت ہے اور یہی کتاب میزان بھی ہے، صحیح و غلط، حق و باطل کو جاننے کا، اسے اللہ نے اُتارا ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرکے بیان کیا ہے جس میں جھوٹوں کو خبردار کیا ہے اور انہیں دھمکایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ تمہیں کیا معلوم کہ قیامت کی آمد قریب ہو لیکن کافر جو ہیں وہ استہزاء اور مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ قیامت جلد آجائے، وہ کہتے ہیں:

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (سورہ یونس، آیت: ۴۸)

ترجمہ: ”اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۔“

اہل ایمان قیامت کے دن سے خوف میں رہتے ہیں اور وہ جانتے ہیں اور انہیں یقین ہے کہ قیامت نے آنا ہے، اللہ تعالیٰ نے قبروں سے سب کو قیامت کے دن اٹھانا ہے اور انہیں ایک پل سے گزارا جائے گا اور ان کے لیے سعادت ابدی نصیب ہوگی۔ مومنین اُمید سے بھی ہیں اور ڈرتے بھی ہیں۔

خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے لیکن سب سننے والوں کے لیے ہے، آگاہ رہو کہ جو لوگ قیامت کے دن کا انکار کرتے ہیں اور اس انکار پر اصرار کرتے ہیں ایسے لوگ بہت بڑی غلطی اور بڑی گمراہی پر ہیں۔ صحیح راستہ کو وہ گم کر بیٹھے ہیں کیونکہ وہ اس زندگی کو فانی اور

زوال پذیر نہیں سمجھتے ہیں اسی لیے وہ اسی دُنیا میں رہ کر تمام لذات اور منافع حاصل کرنا چاہتے ہیں جبکہ انسان کی زندگی کو فنا نہیں وہ تو بے انتہا ہے لامتناہی ہے دنیا کو فناء ہے، دُنیا کا زوال ہے اس دُنیا سے اپنی آخرت کے لیے توشہ اور سامان اکٹھا کریں لیکن قیامت کے منکرین بہت ہی غلط راستہ پر ہیں۔

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿١٩﴾

ترجمہ: ''اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے جسے (جس قدر) چاہے روزی دیتا ہے، اور وہ بڑا طاقتور زبردست ہے۔''

علم الٰہی

اللہ تعالیٰ کو اپنے تمام بندوں کے حالات سے آگہی ہے ان کے دقیق ترین معاملات سے آگاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے برتاؤ کرتا ہے، اللہ مخلوقات کی احتیاج کو پورا کرتا ہے اسے رزق دیتا ہے، اللہ سے کچھ بھی غائب نہیں ہے اور قادر ہے وہ اپنی مخلوقات کی ضروریات کو پورا کرنے سے عاجز نہیں ہے اور کوئی اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو روک نہیں سکتا۔

رزق سے مراد فقط مادی رزق نہیں ہے، معنوی اور دینی ضروریات بھی رزق ہے جسے اللہ اپنے انبیاء بھیج کر، کتابیں نازل کرکے، توفیق دے کر پورا کرتا ہے، جو دنیا چاہتا ہے تو اللہ اسے دنیا میں دیتا ہے اور جو دُنیا اور آخرت مانگتا ہے تو اللہ اسے دُنیا وآخرت دیتا ہے۔

اللہ اپنے بندوں کو ہر قسمی عطیات و مواہب سے نوازتا ہے، اللہ عزیز ہے، قوی ہے، سب طاقت کا مالک اللہ ہے اسی لیے تمام عزت اور غلبہ بھی اللہ کے لیے ہے۔

پیغام: اللہ ہی ہر طرح روزی دیتا ہے۔ اللہ ہی اپنی مخلوق کی ضروریات کو پورا کرتا ہے لہٰذا اللہ ہی سے سب کچھ مانگا جائے وہی دنیا وآخرت کا مالک ہے۔

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ نَزِدۡ لَهٗ فِىۡ حَرۡثِهٖ‌ۚ وَمَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ نَّصِيۡبٍ ۞٢٠

ترجمہ: ''جو کوئی آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کے لیے اس کھیتی میں برکت دیں گے، اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو اسے (بقدر مناسب) دنیا میں دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں ہوگا۔''

اعمال کا ثمر

لفظ حرث کھیت کا استعمال کرکے اعمال کے اثرات کی طرف اشارہ کیا ہے، قیامت کے دن انسان کو اس کے اعمال کا نتیجہ ملے گا۔ اللہ کا فرمان ہے جو شخص دُنیا میں اپنے اعمال کا ثمر آخرت میں چاہتا ہے تو ہم اس میں اور اضافہ کردیتے ہیں یعنی اس کے اعمال کا ثواب کئی گنا ہوگا اور جس کی نظر میں فقط دُنیاوی مفادات ہوں اور اس کے لیے کوشاں ہو تو وہ اپنے عمل کا نتیجہ اسی دُنیا میں پالے گا۔ ہم اسی دُنیا میں اس کے عمل کا ثمر اسے دے دیں گے، آخرت میں اس کا کچھ نصیب نہ ہوگا۔

مشیت خدا

تمام امور اللہ کی مشیت سے وابستہ ہیں، تمام طبیعی اسباب اللہ کی مشیت و ارادے کے تابع ہیں۔ کئی دفعہ ایسا ہو سکتا ہے کہ تمام اسباب موافق نہ ہوں تاکہ دُنیاوی مفاد اس کے لیے حاصل ہوسکے بلکہ یہ امر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ اپنے ارادہ سے جسے چاہے اس کی روزی میں گشائش دے دے یا اسے کم دے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس کی طلب فقط دنیا ہو تو اس کے لیے آخرت کا کچھ حصہ نہ ملے گا، وہ خسارہ میں ہوگا۔ اسی طرح کا مطلب سورہ اسراء، آیت ۱۸ میں بھی آیا ہے۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ''کیا ان کے اور شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کا وہ طریقہ نکالا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی، اور اگر فیصلہ کے دن کا وعدہ نہ ہوا ہوتا تو ان کا دنیا ہی میں فیصلہ ہو گیا ہوتا، اور بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

اللہ کا کوئی شریک نہیں

آیت میں ایک سوال اُٹھایا گیا ہے در حقیقت یہ سوال انکاری ہے، اللہ کی طرف سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے تاکہ اللہ کے دین کے مقابل میں بھی کوئی دین بنا کر پیش کرے۔ اللہ کی اجازت کے بغیر قانون بنانا کسی کو حق نہیں، اللہ کے دین (نظام حیات) کے سواء کوئی اور دین نہیں ہے۔

آخرت کی خیر و برکت

آخرت میں کسی کے لیے کچھ خیر اور برکت نہ ہو گی مگر اس کے لیے جو اللہ کے دین پر ایمان لایا ہو اور اس کے مطابق عمل کیا ہو۔ اللہ کے غیر کی طرف سے بنائے گئے قوانین کو قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا ایسے ہے کہ اس شخص نے خود کو اللہ کے غیر کا عبد بنایا ہے۔

کافروں کو تہدید

کافروں نے جو انکار کیا ہے اور اپنے اوپر ظلم کیا ہے، زیادتی کی ہے، اس بارے اللہ تعالیٰ نے کافروں کو دھمکایا ہے، ان کو خبردار کر دیا ہے اور کہا گیا کہ اس مدت کو (یعنی دنیاوی

زندگی) ہر ایک نے پورا کرنا ہے یہ تکوینی نظام کا حصہ ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کافروں کے لیے مہلت نہ ہوتی اور یہ سب ہلاک ہو جائیں۔ ایک طے شدہ مدت تک انسانوں نے اس زمین پر زندگی گزارنی ہے پھر اپنے عقائد اور اعمال کے مطابق نتائج بھگتنا ہیں۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (سورہ البقرہ، آیت ۳۶)

ترجمہ: "پھر شیطان نے ان کو وہاں سے ڈگمگایا پھر انہیں اس عزت و راحت سے نکالا کہ جس میں وہ تھے، اور ہم نے کہا تم سب اترو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو، اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا ہے اور سامان ایک وقت معین تک۔"

تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: "آپ ظالموں کو (قیامت کے دن) دیکھیں گے کہ اپنے اعمال (کے وبال) سے ڈر رہے ہوں گے اور وہ ان پر پڑنے والا ہے، اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے، انہیں جو چاہیں گے اپنے رب کے ہاں سے ملے گا، یہی وہ بڑا فضل ہے۔"

ظالموں کا انجام

اس جگہ ظاہری خطاب تو براہ راست رسول اللہ ﷺ سے ہے لیکن یہ بات تمام انسانوں کے لیے ہے۔ ظالم وہ ہیں جنہوں نے اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کا انکار کیا ہے اور قیامت سے منہ موڑ لیا ہے۔

اللہ نے واضح بیان کر دیا کہ سب اس بات کو دیکھ لیں گے کہ قیامت کے منکروں کا انجام کیسا ہے اس دن ان کو ان برائیوں کا نتیجہ ملے گا جو انہوں نے دُنیا میں کی ہیں۔ یہ ظالم لوگ عذاب سے خوفزدہ ہیں، جس چیز سے وہ ڈرتے ہیں وہی ان کے سر پر آئے گا، یہ آیت اعمال کے مجسم ہونے پر بھی دلیل ہے، قیامت کے دن تمام لوگ اپنے اعمال کو دریافت کریں گے۔

صاحبان ایمان

اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور عمل صالح انجام دیا لیکن عمل صالح ایمان کے بغیر آخرت میں فائدہ نہ دے گا اور ایمان عمل صالح کے بغیر فائدہ مند نہیں، دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں، مومنین صالحین جنت الفردوس میں سرسبز وشاداب باغات میں لطف اندوز ہوں گے۔ اس جگہ ان کے ارادہ سے اور ان کی آرزو کے مطابق وہ کچھ ملے گا جس کی وہ آرزو کریں گے، وہاں پر اسباب اور مسبباب کا سلسلہ نہ ہو گا، دُنیا کا سسٹم نہ ہو گا، دنیا کا نظام ختم ہو چکا ہو گا اس جگہ جو سبب موئثر ہو گا وہ جنتی کا ارادہ ہو گا وہ جو چاہیں گے اللہ ان کے لیے اسے فورا خلق کر دے گا یہ عین فیض الٰہی ہے۔

ذٰلِكَ الَّذِىۡ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ‌ ؕ قُلْ لَّاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى‌ ؕ وَمَنۡ يَّقۡتَرِفۡ حَسَنَةً نَّزِدۡ لَهٗ فِيۡهَا حُسۡنًا‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ شَكُوۡرٌ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ”یہی وہ (فضل) جس کی اللہ اپنے بندوں کو خوشخبری دے دیتا ہے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے، کہہ دو میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا بجز رشتہ

داروں کی محبت کے، اور جو نیکی کمائے گا تو ہم اس میں اس کے لیے بھلائی زیادہ کر دیں گے، بے شک اللہ بخشنے والا قدر دان ہے۔"

فضل کبیر

اللہ تعالیٰ کا جو بڑا انعام ہے اس کے بارے صالح مؤمنین کے لیے بشارت ہے، اس بشارت سے مراد وہی امر ہے جو پہلی آیت میں بیان ہوا ہے کہ مومنین صالحین جنت الفردوس میں ہوں گے، سرسبز و شاداب باغات میں خوش و خرم ہوں گے، جو چاہیں گے وہ ان کے لیے فوری موجود ہو جائے گا۔ ان کا ارادہ ہی کسی شئی کے موجود ہونے کا سبب ہو گا۔ اللہ ان کی ہر آرزو کو فوری پوری کرے گا، خواہش اور خواہش کے پورا ہونے میں وقفہ نہ ہو گا، یہ اللہ کا بڑا انعام و فضل ہے اور یہ ہی مومنین صالحین کے لیے اللہ کی بشارت ہے۔

اجر رسالت

اللہ کے انبیاء انسانوں میں اللہ کا پیغام لے کر آئے، انسانوں کی راہنمائی کی کہ وہ اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق عمل کرکے اپنی آخرت کو سنواریں، ایمان اور عمل پر زور دیتے رہے لیکن ہر قوم میں تمام انبیاء کو بہت زیادہ مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس راستہ میں شہادت پر بھی فائز ہوئے، جو لوگ ایمان لے آئے تھے وہ انبیاء کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتے کہ آپ نے ہماری ہدایت کے لیے بہت زیادہ تکالیف برداشت کی ہیں تو اس کا معاوضہ اور اجرت ہم دینا چاہتے ہیں تو ان کی طرف سے جواب دیا جاتا کہ ہم تم سے اس کام پر کچھ اجرت نہیں چاہتے، ہمارا اجر اللہ پر ہے۔ حضور پاک ﷺ کا خود کا فرمان ہے کہ مجھے تبلیغ دین میں اتنی زیادہ اذیتیں دی گئیں کہ کسی کو اس قدر اذیتیں نہیں پہنچائی گئیں۔ جو لوگ مسلمان ہو

گئے آپ کے فداکار تھے ان کو معلوم تھا کہ آپ کو کس قدر تکالیف اس راستہ میں اُٹھانا پڑیں تو اس آیت کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مخلص اور فداکار اصحاب نے یہ خواہش کی ہو گی کہ وہ آپ کو کچھ اجر اور معاوضہ دے دیں تو اس حوالے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مومنوں کو بشارت دینے کے بعد اس بات کے بارے اپنے رسولؐ سے فرمایا کہ ان لوگوں سے یہ کہہ دیجئے کہ مجھے پیغام رسانی کے عمل پر کچھ اجرت نہیں چاہیے۔

قُربیٰ کی مودت اجر رسالت

اس آیت میں باقی آیات کی مانند کلی طور پر اجر رسالت کی نفی کی گئی ہے اور اس کے ساتھ اجر رسالت مانگا بھی ہے اور وہ اجرت قُربیٰ کی مودت قرار دی ہے، اہل البیتؑ اور عزت رسولؐ کی مودت کو اجر رسالت قرار دیا ہے۔ ان کے ساتھ دوستی کا تقاضا در حقیقت دعوت الٰہی کو قبول کرنا ہے۔ اس جگہ بات کی ہے کہ اجرت نہیں چاہتا مگر اجر چاہتا بھی ہوں، اس جگہ استثناء متصل ہے کہ مودت فی القربیٰ اجر رسالت ہے، ذی القربیٰ سے مراد اہل البیتؑ و عترت پیغمبر اکرم ﷺ ہیں۔ حدیث ثقلین سے بھی یہی بات استفادہ ہوتی ہے کہ قرآن جو اللہ کے پیغامات پر مشتمل ہے، تنہا ہدایت کے لیے کافی نہیں بلکہ ان کے ساتھ اہل البیتؑ بھی ہیں، اور وہ معلّمین قرآن ہیں، اس جگہ ذی القربیٰ سے مراد رسول اللہ ﷺ کے نسبی اور سببی قرابت دار نہیں بلکہ اس قرابت سے مراد رسالت اور الٰہی نمائندگی کی قرابت ہے۔

اہل البیت علیہم السلام سے مراد بھی رسول اللہ ﷺ کے گھر والے مراد نہیں بلکہ نبوت و رسالت والے ہیں، اس کا مصداق آیت تطہیر میں بیان ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے اہل البیت علیہم السلام کی دوستی اور محبت کو اجر رسالت قرار دیا ہے، اس بات کو خود اہل البیت علیہم السّلام نے بھی اپنے بیانات میں وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ:

''نحن اهل البیت النبوۃ، نحن معدن الرسالۃ، نحن مھبط الوحی، نحن اھل الذکر''

''ہم نبوت والے ہیں، ہم نمائندگی والے ہیں، ہم وحی کے اُترنے کا مرکز ہیں، ہم ذکر (قرآن) والے ہیں''

اجر رسالت مانگا ہے اس لیے کہ رسالت کی حفاظت ہو، مودت ان کی فرض کی ہے جن کے پاس اللہ کی نمائندگی ہے جو رسول اللہ ﷺ کے مشن کے نگہبان ہیں اور اس لیے کہ وہ وحی الٰہی کے ترجمان ہیں لہٰذا ان کی مودت فرض ہے، یہ نکتہ بڑا واضح ہے کیونکہ جس کی محبت فرض ہے تو ان کی پیروی بھی ہو گی لہٰذا اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے نسبی و سببی قرابت دار نہیں ہو سکتے کیونکہ ان میں کافر بھی ہیں جیسے ابو لہب جو رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں اسی طرح ایسے بھی ہیں جو آل رسولؐ ہیں، سادات ہیں لیکن ان کے اعمال صحیح نہیں ہیں لہٰذا اس سے مراد خاص قرابت دار ہیں اور وہ ہی ہیں جو آیت تطہیر کا مصداق ہیں جن کے بارے حدیث کساء ہے، جن کے بارے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں، وہ ہی باب علم نبیؐ ہیں۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوگ قرآن اور اہل البیت علیہم السلام سے وابستہ رہیں گے تو گمراہ نہ ہوں گے۔

نیکی کا دوچند برابر ہونا

اسی سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے اللہ نے یہ اعلان فرمایا: جو بھی نیکی، اچھا عمل کرے گا اور اللہ کی مرضی کے مطابق عمل کرے گا تو اس کے نواقص اور خامیوں کو دُور کر دیا جائے گا اور اللہ اس میں اور اجر ڈال دے گا۔ ایک نیکی پر اور نیکی بڑھا دی جائے گی یعنی نیک عمل کا ثواب دگنا کر دیا جائے گا کیونکہ اللہ معاف کرنے والا ہے، غلطیوں سے در گزر کرتا ہے،

اللہ شکور ہے، غفور ہے، برائیوں اور کمزوریوں کو دُور کرتا ہے، اللہ شکور ہے اس وجہ سے عمل کی خوبیوں کو اس کے عامل پر ظاہر اور آشکار کرتا ہے اور ثواب میں اضافہ کرکے عامل کے حق میں تفضل و مہربانی کرتا ہے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ حسن سے مراد مودت اہل البیت علیہم السلام ہے[1] اس احتمال کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جو اہل البیت علیہم السلام سے مروی ہیں۔

پیغام: رسول اللہؐ کے قرابت دار جو آیت تطہیر کا مصداق ہیں ان کی مودت فرض ہے۔ اہل بیت اطہار پیغمبر کے مشن کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اللہ کی وحی کے ترجمان ہیں۔ مودت اہل البیت کی وجہ سے نیک اعمال کی اجر کئی گنا بڑھا دیا جائے گا منکرین کے لیے جہنم ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ۗ وَ يَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَ يُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ”کیا وہ کہتے ہیں کہ آپ نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے، پس اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر مہر کر دے، اور اللہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور سچ کو اپنی کلام سے ثابت کر دیتا ہے، بے شک وہ سینوں کے بھید خوب جانتا ہے۔“

---

[1] ۔ رُوح المعانی، ج ۲۵۔

وَ هُوَ الَّذِیۡ یَقۡبَلُ التَّوۡبَۃَ عَنۡ عِبَادِہٖ وَ یَعۡفُوۡا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَ یَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ”اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔“

وَ یَسۡتَجِیۡبُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ یَزِیۡدُہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ؕ وَ الۡکٰفِرُوۡنَ لَہُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ”اور اللہ ان کی دعا قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے اور انہیں اپنے فضل سے زیادہ دیتا ہے، اور کافروں کے لیے سخت عذاب ہے۔“

کافروں، منافقوں اور منکرین رسالت کی توبیخ

کافروں، منافقوں اور منکروں کی یہ خواہش تھی کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے اوپر افتراء اور جھوٹ باندھیں، غلط بیانی کریں، اس لحاظ سے وہ یہ کہتے تھے کہ یہ رسول خود سے کچھ کہہ دیتا ہے اللہ نے نہیں کہا ہوگا۔ اسی حوالے سے اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے منافقین کہہ رہے ہیں کہ آپ نے اے میرے رسول اپنی طرف سے یہ حکم دیا ہے کہ لوگ تیرے قرابت داروں سے مودت رکھیں جبکہ تیری شان یہ ہے کہ تو نہ تو جھوٹ بولتا ہے اور نہ اپنے رب پر افتراء باندھتا ہے۔ معاملات کے بارے قانون بتانا یہ تیرے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ تو جو کچھ بیان کرتا ہے وہ تو اللہ کی وحی ہوتی ہے۔ معاملہ اور ہر بات اللہ کی مشیت سے وابستہ ہے، اگر اللہ چاہے تو تیرے دل (سوچ) کے دروازے بند کر دے اور وحی نہ بھیجے جیسا کہ سورہ اسرا آیت

۸۶ میں فرمایا: اگر ہم چاہیں جو کچھ ہم نے تیرے اوپر وحی کیا ہے اسے خاتمہ دے دیں تو اس صورت میں آپ کے پاس وحی کے دوبارہ آنے کا کوئی وکیل و سہارا نہ ہوگا۔

درحقیقت یہ کلام رسول اللہ ﷺ کی عصمت و قدسیت کو بیان کرنے کے لیے ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ تو میرے (اللہ) نمائندہ ہیں آپ وہی کہتے ہیں جو میری مشیت ہوتی ہے اس کے سوا آپ کے پاس کچھ کہنے کے لیے نہیں ہے اور یہ سب کچھ میرے ہاتھ میں ہے، تو امین ہے۔

اللہ کا ارادہ وحی جاری رکھنے کا

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور امر کی طرف اشارہ دیا ہے کہ اللہ نے وحی کے ذریعہ اپنے پیغامات تیرے ذریعہ مخلوق کے پاس بھیجنے کا جو ارادہ کیا ہے اس میں تسلسل رہے گا۔ اس وحی نے منقطع نہیں ہونا کیونکہ اللہ کی سنت اور کائنات میں جاری قانون یہی ہے، اللہ ہمیشہ اپنے کلمات اور پیغامات کے ذریعہ باطل کو مٹاتا ہے اس کا خاتمہ کرتا ہے، حق کو مضبوط و مستحکم کرتا ہے، باطل پرستوں کو شکست دیتا ہے، حق پرستوں کو فتح دیتا ہے۔

اللہ دلوں کے رازوں سے آگاہ ہے

اللہ دلوں کے رازوں سے آگاہ ہے، وہ جانتا ہے کہ کس دل میں کیا ہے اور کس کی کیا خواہش ہے۔ کون ہے جو دل سے ہدایت کا طالب ہے اور کون ہے جو گمراہی کا خواہاں ہے، جب ایسا ہے تو اللہ تعالیٰ وحی اُتار کر دلوں کو دعوت دیتا ہے کہ ہر دل اپنے مقتضیٰ اور اپنی استعداد اور صلاحیت کے مطابق خود کو اس منزل تک لے جائے جس کا وہ حق دار ہے۔

اس کلام میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت جلد رسول ﷺ کی مدد اور نصرت فرمائے گا اور انہیں مخالفین پر غلبہ حاصل ہو گا۔

سادہ لوح مومنوں کا دھوکہ میں آنا

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب پچھلی آیت نازل ہوئی جس میں مودۃ فی القربیٰ کا حکم دیا گیا تو منافقوں نے سم پاشی کی، پروپیگنڈہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے اپنے قریبیوں کی مودت کو فرض قرار دیا ہے جب کہ اللہ کی جانب سے ایسا کوئی حکم نہیں ہے۔ ایسی منصوبہ بندی سے اس بات کو مسلمانوں میں پھیلایا گیا کہ بعض سادہ لوح مومنوں کو بھی اس بارے شک ہونے لگا اور انہوں نے منافقوں کی ہاں میں ہاں ملا دی اور اس بات کو مزید بنا سنوار کر بیان کرنا شروع کر دیا۔ منافقین اس طرح مومنوں میں تفرقہ ڈالنے میں کامیاب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ دو کام کئے ہیں:۔

۱۔ مومنوں کو آمادہ کیا کہ وہ اپنی غلطی کی توبہ کریں، اللہ توبہ قبول کرتا ہے۔

۲۔ منافقوں کی بات کو تسلیم کرنا گناہ ہے اس کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

اسی حوالے سے فرمایا:

اللہ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرتا ہے، ایسی توبہ جس میں اپنے کئے ہوئے پر ندامت اور شرمندگی شامل ہو اور یہ کہ آئندہ ایسا جرم نہ کریں گے۔

اور انسان عزم و پختہ ارادہ کرے کہ گناہ کو چھوڑ دے گا اور دوبارہ ایسی غلطی نہ کرے گا۔

توبہ کیا ہے؟ حضرت علی علیہ السلام سے سوال ہوا کہ توبہ کیا ہے؟ آپؑ نے جواب میں فرمایا: توبہ ایک عنوان و نام ہے جس کے معنی کے سات پہلو ہیں:۔

۱۔ ماضی کے گناہوں پر ندامت و پشیمانی، شرمندگی۔

۲۔ جو فرائض و واجبات اس سے چھوٹ گئے ہیں ان کو دوبارہ بجالانا

۳۔ جو زیادتیاں اور مظالم کسی پر کئے ہیں، کسی کا مال لیا ہے تو اسے واپس پلٹانا اور ان کی رضایت حاصل کرنا، رد مظالم۔

۴۔ اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت کی سختی کا ذائقہ چکھانا جس طرح گناہوں کی لذتوں میں غرق رہا۔

۵۔ حرام سے جو گوشت، پوست خون بنا ہے اسے پگھلانا روزے رکھ کر، کم خوری سے حلال نیا گوشت و پوست خون تیار ہو جائے۔

۶۔ گناہ اور معصیت کے وقت جہاں جہاں ہنستا تھا، وہاں وہاں گریہ کرے، اس حالت کو یاد کرکے روئے۔

۷۔ پختہ ارادہ کہ دوبارہ گناہ نہیں کرے گا۔

مومنوں کی دعا

آخر میں یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی دعا کو قبول کرتا ہے وہ مومنین جو صالحین ہیں ایمان کے ساتھ ساتھ عمل صالح کرتے ہیں اللہ ان کی عبادات کو قبول کرتا ہے، اپنے فضل و کرم سے ان کے ثواب میں اضافہ فرماتا ہے۔ یہ تو مومنین کے لیے ہے ان کے مدمقابل کافروں کے انجام بارے بھی بتا دیا کہ ”کافروں کے لیے اللہ کا سخت ترین عذاب ہے کوئی بھی کافر اللہ کے عذاب سے بچ نہ سکے گا۔“

پیغام:

۱۔ جو کچھ رسول بیان کرتا ہے وہ وحی الٰہی ہے اور وحی مسلسل رسول اللہ پر اُترتی ہے۔ رسول کی اطاعت فرض ہے رسول کی نافرمانی ایسا جرم ہے جس کی معافی نہیں ہے۔

۲۔ مودت فی القربیٰ کا حکم اللہ کی طرف سے ہے جو اس حکم سے انکار کریں ان کی سزا جہنم ہے۔

۳۔ گناہگاروں کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے جو توبہ کے بغیر اللہ کے پاس جائے گا تو اس کے لیے مغفرت و بخشش نہیں ہے۔

وَ لَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ”اور اگر اللہ اپنے بندوں کی روزی کشادہ کر دے تو زمین پر سرکشی کرنے لگیں لیکن وہ روزی ایک اندازے سے اتارتا ہے جتنی چاہتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں سے خوب خبردار اور دیکھنے والا ہے۔“

روزی کی مقدار معین ہے

اللہ تعالیٰ انسانوں کا خالق ہے وہ ان کی طبیعت و مزاج سے آگاہ ہے، اسے انسان کی ضروریات کا علم ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو تمام بندوں کے لیے روزی کی فراوانی کر دیتا ان کے لیے رزق کی بہتات ہوتی تو یہ بندوں کثرت رزق کی وجہ سے زمین پر سرکشی کرتے، تکبر کرتے۔ اسی مطلب کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے:

”اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰۤى، اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى“ (سورہ علق، آیت ۶،۷)

اگر انسان خود کو بے نیاز دیکھے تو یہ ہر صورت طغیان و سرکشی کرتا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ معین مقدار پر رزق اتارتا ہے کیونکہ اللہ اپنے بندوں کے حالات سے آگاہ ہے، وہ جانتا ہے کہ کس بندے کی کیا ضرورت ہے کس کی کتنی مقدار میں ضرورت ہے اور کس کے لیے تنگدستی،

فقر اور محتاج رہنا مفید ہے تو اللہ اسے اتنی مقدار میں روزی دیتا ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ انسانوں کے حالات کی بہتری ان کی روزی سے وابستہ ہے۔ یہ بات اس سے منافات نہیں رکھتی کہ ایک شخص اس قدر رزق پاتا ہے کہ قارون و فرعون بن جاتا ہے اور سرکشی و ظلم کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون و سنت کے مطابق آزمائش، امتحان کے لیے ضرور دینا ہے، ان کو مہلت دی ہے کہ وہ اپنے لیے جو کرنا چاہتے ہیں کرلیں، کل انہیں اس سب کا جواب دینا ہے۔

رزق و روزی سے مراد

رزق سے مراد فقط مادی رزق نہیں بلکہ یہ معارف و شرائع و قوانین اور معنوی روزی بھی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بارے میں بھی افراد کی کیفیت و حالت کو سامنے رکھ کر ان کے لیے روزی دیتا ہے جو ان کی بہتری کا تقاضا ہے اسی کے مطابق روزی دیتا ہے۔

حدیث قدسی[1] میں رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کو نقل کیا ہے میرے بندوں کے لیے سوائے اس کے کہ وہ مریض رہیں کچھ بھی ان کی صلاح و بہتری نہیں ہے۔ اگر انہیں صحت و سلامتی مل جائے تو فاسد ہو جائیں گے کچھ وہ ہیں جن کی سلامتی و صحت ہی ان کے مفاد میں ہے، اگر میں ان کو مریض کردوں تو وہ فاسد ہو جائیں گے، میرے کچھ بندوں ایسے ہیں کہ توانگری کے بغیر ان کی اصلاح و بہتری نہیں، اگر ان کو تنگدستی دُوں تو فاسد ہو جائیں گے اور میرے کچھ بندوں کا مفاد فقر و تنگدستی میں ہے، اگر انہیں توانگر کردوں تو وہ فاسد ہو جائیں گے۔

جی ہاں! میں ہی اپنے بندوں کے امر کی تدبیر کروں گا کیونکہ میں ان کے دلوں کے حالات سے آگاہ ہوں۔

---

[1]۔ تفسیر مجمع البیان، جلد ۶۔

پیغام: روزی کے اسباب اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں روزی میں وسعت اور تنگی اللہ کے ہاتھوں میں ہے۔ بعض افراد پر روزی کی فروانی امتحان کے لیے ہے اور بعض کے لیے روزی کی کمی امتحان کے لیے ہے۔ اللہ کا ہر کام حکمت کے تحت ہے۔ ایمان، صحیح عقیدہ بھی اللہ کی عطاء اور روزی ہے۔ یہ بھی اللہ کی جانب سے عطاء ہونا ہے بیماری وصحت کے اسباب کا خالق بھی اللہ ہے انسان کو ہر حال میں اللہ کا شاکر رہنا چاہیے اور اللہ کے احکام کی نافرمانی نہ کرے۔

وَ هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَ یَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَ هُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ''اور وہی ہے جو ناامید ہو جانے کے بعد مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے، اور وہی کارساز حمد کے لائق ہے۔''

اللہ کا بارش برسانا

اللہ تعالیٰ جب دیکھتا ہے کہ اس کے بندوں مایوس ہو گئے تو اس وقت بارش برساتا ہے، اپنی رحمت اور نعمت کو لوگوں میں عام کر دیتا ہے، بارش اُتارنے کے ذریعہ نباتات کے اگنے کا سبب مہیا کرتا ہے۔ درختوں پر پھل لگتے ہیں، فصلیں بارآور ہوتی ہیں، ویرانیاں ختم ہوتی ہیں، سبزہ ہی سبزہ ہو جاتا ہے، وہ اپنے ان خوبصورت اور عمدہ اقدامات اور بہترین منصوبہ بندی اور عمدہ تدبیر کے نتیجہ میں تعریف وحمد کا لائق ہے، وہی تعریف کا حق دار ہے۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَثَّ فِیْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَ هُوَ عَلٰی جَمْعِهِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ''اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آسمانوں اور زمین کو اس نے بنایا اور اس پر ہر قسم کے چلنے والے جانور پھیلائے، اور وہ جب چاہے گا ان کے جمع کرنے پر قادر ہے۔''

توحید ربوبی پر دلیل

اس آیت میں اللہ کی ربوبیت پر دلیل دی گئی ہے۔ آسمانوں کا، زمین کا خالق اللہ ہے اور اللہ ہی نے تمام رینگنے والوں کو خلق کیا ہے اور انہیں زمین اور آسمانوں میں پھیلا دیا ہے، یہ سب ایک نظم اور منصوبہ بندی کے تحت ہے۔ اس آیت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ آسمانوں (کرات) میں بھی جاندار موجود ہیں، اللہ تعالیٰ ہی ان تمام جانداروں کو پھیلانے والا اور ان کے لیے حیات دینے والا اور ان کو کنٹرول رکھنے والا، انہیں رزق دینے والا، اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے والا ہے اور ان سب کو اکٹھا بھی اللہ نے کرنا ہے؛ وہ اس پر قادر ہے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ سارا نظام اللہ کا بنایا ہوا ہے اور وہی اس کا ادارہ کر رہا ہے، اللہ کی مدیریت کے تحت ہر شئی اپنے مقام پر قائم بھی ہے اور اپنا کام بھی کر رہی ہے کہیں خلل نہیں ہے، یہ دلیل ہے رب سب کا ایک ہے اور کوئی دوسرا رب ہوتا تو اس کا بھی اپنا نظام اور اپنی مخلوق ہوتی، اپنے قوانین ہوتے؛ جبکہ ایسا نہیں ہے۔

اللہ قدیر ہے

صفت قدیر کے ذریعہ اللہ کی قدرت کے کمال کو بیان کیا گیا ہے۔ قدیر وہ ذات ہے جو جس کام کا جب ارادہ کرے اور اس کے فیصلہ کا جو بھی تقاضا ہو تو وہ اسی طرح سے ہو جاتا ہے۔ اس صفت کا لازمہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات مقدس میں عجز کہیں بھی نہیں ہے، مطلق عجز کی نفی ہے وہ ہر حوالے سے کامل ہے۔

پیغام: ہر شئی کا خالق اللہ ہے اور اللہ ہی نے تمام اشیاء کے لیے ایک تنظیم قرار دیا ہے آسمانوں اور زمین میں جاندار اور بے جان اللہ کی مخلوق ہیں سب کی روزی کا انتظام اللہ نے پانی سے کیا ہے اللہ ہی انسان کو مایوسی کے بعد اپنی رحمت سے اسے نوازتا ہے بارش اللہ کی رحمت ہے یہ فیض سب کے لیے ہے اللہ ہی سب کا رب ہے پس اللہ ہی کی اطاعت کی جائے۔

وَ مَاۤ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَ يَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ؕ﴿۳۰﴾

ترجم: ''اور تم پر جو مصیبت آتی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کیے ہوئے کاموں سے آتی ہے اور وہ (اللہ تو) بہت سے گناہ معاف کر دیتا ہے۔''

وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ ۖۚ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: ''اور تم زمین میں (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں، اور سوائے اللہ کے نہ کوئی تمہارا کارساز ہے اور نہ ہی کوئی مددگار۔''

مصائب کا سبب

انسان پر جو بھی مصیبت آتی ہے اور جو تکالیف انسان کو آتی ہیں یہ انسان کے اپنے گناہوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے ہے جبکہ اللہ تعالیٰ بہت سارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ اگر ہر گناہ کا اثر ظاہر ہوتا تو انسانوں میں آرام و سکون ہی ختم ہو جاتا، یہ اللہ تعالیٰ کی کریمی ہے کہ وہ بہت سارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

اس خطاب میں عمومیت ہے جس کا لازمہ یہ ہے کہ مصیبت سے ہر مصیبت مراد ہے، عمومی مصائب کو بھی شامل ہے اور خصوصی مصائب کو بھی شامل ہے جیسے قحط سالی، جسمانی بیماری، زلزلہ، طوفان، سیلاب، سرخ آندھی، ژالہ باری اور اسی طرح کے اور حادثات لہٰذا اس بات کا امکان ہے کہ کچھ لوگ بہت ہی برے اعمال کا ارتکاب کریں اس کے نتیجہ میں مصیبت آن پڑے جو سب کو اپنے گھیرے میں لے لے تو اس صورت میں یہ مصیبت بعض لوگوں کے لیے تو عذاب ہوگی اور بعض لوگوں کے لیے امتحان ہوگی۔

ماحول کی آلودگی

ماحول کی آلودگی بھی انسانوں کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے اس آلودگی سے جو بیماریاں پھیلتی ہیں تو اس کا سبب بھی خود وہی لوگ ہیں جو ماحول کی آلودگی کا سبب بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اسباب و مسببات کا سلسلہ بنایا ہے جب سبب آئے گا تو اس کا اثر حتمی طور پر آئے گا۔ اگر آلودہ پانی پیوگے تو بیماری نے آنا ہے۔ اگر پہاڑوں کی بنیادوں کو اتنا کھودوگے کہ ان کی بنیادیں کمزور کردوگے تو زلزلہ نے آنا ہے، زیر زمین بڑے بڑے دھماکے زمین کے توازن کو درھم برھم کردیں گے تو یہ عمل زلزلہ کا سبب بنے گا۔ کچھ آسمانی اور زمینی حادثات کے اسباب معلوم ہیں اور کچھ کے معلوم نہیں ہیں لیکن اس آیت میں یہ بتادیا ہے کہ ان حوادث کا سبب خود انسان ہی ہے۔ اللہ کریم ہے، اپنے بندوں پر مہربان ہے بہت سارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

گناہوں کی معافی

اس آیت میں انسان پر آنے والے مصائب اور انسان کے برے اعمال اور گناہوں کے درمیان ایک ارتباط اور تعلق کو بیان کیا ہے۔ اللہ اپنی کریمی سے بہت سارے گناہوں کو معاف کردیتا ہے، گناہوں کے برے اثرات اسی دُنیا میں سامنے آتے ہیں۔ بعض برے اثرات

گناہوں کے کرنے والے کو لاحق ہوتے ہیں اور بعض اثرات توبہ کی وجہ سے دُور ہو جاتے ہیں۔ بہت سارے اعمال ہیں جو گناہوں کے برے اثرات کو ختم کر دیتے ہیں جیسے صلہ رحمی، صدقہ و خیرات، ہمدردی، مومنین و صالحین کی دعا باہمی پیار و محبت، تعلیم وآگہی کے نتیجہ میں بھی بعض غلطیوں کے برے اثرات سے انسان بچ جاتا ہے۔ یہ سب اللہ نے اس دُنیا میں خوشحال زندگی کے اسباب بتائے ہیں۔ بدحالی، بیماری، زلزلہ، سیلاب، آندھی وغیرہ کے تین اسباب ہیں۔ آبادی، صحت، خوشحالی کے بھی اسباب ہیں۔ بعض مادی اسباب ہیں جن کا سائنس نے انکشاف کر لیا ہے، بعض مخفی اسباب ہیں جس کو سائنس انکشاف نہیں کر سکتی لیکن اللہ نے بیان کر دیا ہے۔ ہر شئی اور ہر حالت و ہر کیفیت کا ایک سبب ہے اور انسان جب ایک سبب کو وجود میں لاتا ہے تو اس کا اثر تو ضروری ہو گا اور وہ انسان کو لاحق ہو گا۔ اس جگہ آیت میں گناہوں کے اخروی اثرات کے بارے آیت خاموش ہے ان کے نفی اور اثبات میں کچھ بھی بیان نہیں کیا۔

ہر اثر کا سبب خود انسان ہے

رسول اللہ ﷺ سے حدیث ہے[1] کوئی رگ اپنی جگہ پر حرکت میں نہیں آتی، کوئی رگ نہیں پھڑکتی، کوئی خراش کسی لکڑی سے بدن پر وارد نہیں ہوتی اور کسی پتھر سے کوئی چوٹ کسی شخص کے بدن پر نہیں لگتی مگر گناہوں میں سے کسی گناہ اور غلطی کا نتیجہ ہوتا ہے

[1]۔الدر منثور، ج ٦۔

جو انسان سے سرزد ہوا ہے۔ لیکن اللہ جن غلطیوں، کمزوریوں اور گناہوں کو معاف کر دیتا ہے یعنی ان کا اثر ظاہر نہیں ہوتا تو وہ بہت ہی زیادہ ہیں۔

عمومی فساد

اگر آیت کا خطاب افراد کی بجائے سوسائٹی اور معاشرہ کو ہو جیسا کہ سورہ روم کی آیت ۴۱ میں وضاحت آئی ہے:

''ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ''

ترجمہ: ''خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب سے فساد پھیل گیا ہے تاکہ اللہ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے تاکہ وہ فساد سے باز آ جائیں۔''

خدا عاجز نہیں

آخر میں اس بات کو واضح کیا ہے کہ انسان اللہ کو کسی کام کے انجام دینے سے عاجز نہیں کر سکتا، تمہارے گناہوں کے نتیجہ میں جن مصائب اور تکالیف نے تمہیں ملحق ہونا ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ مثال: آلودہ پانی کا نتیجہ بیماری ہے، آلودہ پانی آلودہ رہے اور تم چاہو کہ وہ اپنا اثر جسم پر نہ ڈالے تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ اللہ کا بنایا ہوا نظام ہے، اللہ کو اس کے نظام کے تحت امور کو چلانے میں تم عاجز نہیں کر سکتے۔ ماحولیات کے منفی اثرات کو دُور کرنے کا سبب بھی اللہ کا بنایا ہوا ہے اور وہ شجرکاری ہے۔

پیغام: دنیا میں جو بھی واقعات رونما ہوتے ہیں اور انسان جن حالات سے گزرتا ہے۔ فضاء میں جو حادثات و واقعات رونما ہوتے ہیں۔ زمینی اور آسمانی واقعات و حادثات سب ہی اللہ کے عظیم تر نظام کے تحت ہیں انسان جن حالات سے لڑتا ہے بیماری، صحت سب کا

براہِ راست موجب خود انسان ہوتا ہے۔ سب کا سرپرست اللہ ہے۔ اللہ سے ہی سب کا رابطہ ہونا چاہیے۔

اللہ ہی سرپرست ہے

سب کا سرپرست اللہ ہی ہے، اللہ کے سوا انسانوں کا کوئی سرپرست نہیں ہے کوئی اور نہیں جس نے تمہارے معاملات کو نپٹانا ہے اور تمہارا اللہ کے سوا کوئی یاور و مددگار نہیں جو تمہیں ان مصائب سے بچاسکے اور تمہیں ان مشکلات کا حل دے سکے!۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿٣٢﴾

ترجمہ: ''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ سمندر میں پہاڑوں جیسے جہاز ہیں۔''

اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿٣٣﴾

ترجمہ: ''اگر وہ چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے تو وہ بقاء اس کی سطح پر کھڑے ہی رہ جائیں، بے شک اس میں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لیے نشانیاں ہیں۔''

اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٤﴾

ترجمہ: ''یا ان کے برے اعمال کے سبب سے انہیں تباہ کر دے اور بہتوں کو معاف بھی کر دیتا ہے۔''

وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٥﴾

ترجمہ: "اور جان لیں وہ جو ہماری آیات میں جھگڑتے ہیں، کہ ان کے لیے پناہ کی کوئی جگہ نہیں۔"

سمندروں میں چلنے والی کشتیاں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سمندروں اور دریاؤں میں چلنے والی کشتیوں کا حوالہ دیا ہے، بڑے بڑے بحری بیڑے جو اس وقت پرانی کشتیوں کی جدید ترین شکل ہے، ان سب کا پانیوں پر چلنا یہ بھی اللہ کی قدرت اور ربوبیت پر دلیل ہے۔ اللہ نے اس نظام کو بنایا ہے۔بڑی کشتیوں کو پہاڑوں سے تشبیہ دی ہے کہ پہاڑ نما کشتیوں، موجودہ بحری بیڑے کوہ نما ہی تو ہیں، کشتیوں کے اوپر جو پنکھ لگے ہوتے ہیں جس سے ہوا کا رخ معلوم ہوتا ہے اور ہوا بھی ان کشتیوں کے چلنے میں مددگار ہے۔ آج کل پیٹرول وڈیزل اور ایٹم سے استفادہ کرتے ہوئے سمندر میں بڑے بڑے بحری بیڑے چل رہے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے کہ اگر خدا ہوا کے نظام کو روک دے یہ بحری بیڑے اپنی حرکت سے رک جائیں، ہوا سمندری حیات کے لیے ضروری ہے اور سمندر پر چلنے والی کشتیوں اور بڑے بڑے بحری بیڑوں کے لیے بھی ہوا کی ضرورت ہے۔

اللہ فرماتا ہے کہ جو لوگ اس دُنیا میں خود کو غرق نہیں کرتے، دُنیا کی سختیوں کو برداشت کرتے ہیں اور فکر کرتے ہیں تو وہ ان نشانیوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں جو اللہ کی نعمات کا شکر بجالاتے ہیں تو ان نعمات میں غور و فکر کرتے ہیں اور پھر ان نعمات پر اللہ کا شکر بجالاتے ہیں کہ اللہ نے انسان کی زندگی کے لیے یہ سب کچھ بنایا ہے۔

مومن کی دو صفات

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ صبار و شکور یہ دو صفات مومن کے لیے بیان کی گئی ہیں کیونکہ کوئی بھی مومن نہیں ہوتا مگر یہ کہ وہ گناہوں کے مقابلے میں صبر کرتا ہے اور اللہ کی

اطاعت کے راستہ میں آنے والی مشکلات کو برداشت کرتا ہے اور پھر اللہ کی نعمات کا شکر بجالاتا ہے۔

گناہوں کی سزا

اللہ تعالیٰ بعض دفعہ انسانوں کو ان کے گناہوں اور ان کی غلطیوں کی سزا دیتا ہے کہ ان کی کشتیاں سمندر میں غرق ہو جاتی ہیں اور اس طرح وہ ہلاک ہو جاتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ بہت سارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے یعنی لوگوں کے بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے انہیں ہلاکت کا سامنا ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اللہ اس سے در گزر کرتا ہے اس غلطی کے باوجود وہ ہلاکت سے بچ جاتے ہیں اور یہ اللہ کی کرم نوازی اس کے لیے ہوتی ہے۔

آیات دکھانے کا فلسفہ

اللہ یہ سب نشانیاں اور آیات اس لیے دکھاتا ہے تاکہ اللہ اپنی قدرت نمائی کرے اور انسانوں پر واضح ہو کہ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے، لوگوں کے اختیار میں نہیں۔ جو کچھ ان کے پاس ہے اور جو ان کو طاقت و قدرت ملی ہوئی ہے یہ بھی اللہ کی عطاء کردہ ہے۔ جو ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں آیات کے بارے مجادلہ و جھگڑا کرتے ہیں ان دلائل پر توجہ نہیں دیتے تو ان کے لیے راہ فرار موجود نہیں ہے۔ اللہ کی آیات کے انکار کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اللہ پر ایمان نہ لانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ غیر خدا کو اپنے تمام امور میں موثر جانیں جبکہ واقع امر یہ ہے کہ غیر خدا کا ان اسباب پر کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ اس انکار کے باوجود اس منکر کے لیے فرار کی گنجائش موجود نہیں ہے بلکہ وہ ان ہی اسباب کے تحت ہی اس دُنیا میں ان کے نتائج کو بھگتے گا۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٣٦﴾

ترجمہ: ''پھر جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے وہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور سدا رہنے والا ہے یہ ان کے لیے ہے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔''

اللہ کی نعمات

اللہ کی نعمات مومن و کافر دونوں کے لیے ہیں دُنیا میں یہ روزی سب کے لیے ہے لیکن دُنیا کا عرصہ تھوڑا ہے، وہ اسی مختصر عرصہ میں ان نعمات سے بہرہ ور ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لیے اور اللہ پر توکل کرنے والوں کے واسطے جو کچھ اپنے پاس ثواب ذخیرہ کر رکھا ہے وہ ان کے لیے ہے جو اللہ پر توکل کرنے والے ہیں، جو اپنے تمام معاملات میں اللہ ہی کو اپنا سرپرست قرار دیتے ہیں اور اللہ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ تمام امور میں اللہ کی تدبیر کو تسلیم کرتے ہیں۔ دُنیا کی نعمات کو اللہ کی مرضی کے مطابق استعمال میں لاتے ہیں، دُنیا میں جو بھی لذت ہے یا جو بھی منفعت ہے اس کے حاصل کرنے میں بھی مشقت ہے اور اس کے بعد بھی مشقت ہے لیکن آخرت کی جو نعمات ملیں گی تو نہ ان کے حصول میں مشقت و تکلیف ہو گی اور نہ ہی ان کے استعمال کے بعد کوئی تکلیف ہو گی۔ دُنیا کی لذت عارضی ہے، ایک طرح کی ہے جبکہ آخرت کی لذات دائمی ہیں اور ایک شئ میں کئی کئی مزے ہیں دُنیا کی لذات میں ٹوٹ پھوٹ ہے، تسلسل نہیں رہتا جبکہ آخرت کی نعمات میں تسلسل ہے، ٹوٹ پھوٹ نہیں ہے۔

وَ الَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: ”اور وہ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی سے بچتے ہیں اور جب غصہ ہوتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں۔“

وَ الَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ”اور وہ جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں، اور ان کا کام باہمی مشورے سے ہوتا ہے، اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے کچھ دیا بھی کرتے ہیں۔“

وَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ”اور وہ لوگ جب ان پر ظلم ہوتا ہے تو بدلہ لیتے ہیں۔“

مومن کی خصوصیات

ان تین آیات میں، آیت ۳۶ میں جو کچھ کہا گیا ہے اس حوالے سے مومنین کی صفات و خصوصیات کو بیان کیا ہے:۔

ا۔ گناہان کبیرہ کو چھوڑتے ہیں، گناہ کبیرہ وہ ہوتا ہے جس کے ارتکاب پر سخت سزا مقرر کی گئی ہے، جیسے شراب خوری، سود خوری، جواء، زنا، لواط، شرک کرنا وغیرہ۔ مومنین گناہان کبیرہ اور فواحش سے پرہیز کرتے ہیں۔

۲۔ غضب اور غصہ کی حالت میں مد مقابل کو معاف کر دیتے ہیں۔

۳۔ مومنین اللہ رب العزت کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ الٰہی دعوت کو قبول کرتے ہیں یعنی اللہ نے ان سے جو اعمال صالح چاہے ہیں ان کو انجام دیتے ہیں۔

۴۔ عبودیت کا خاص مظہر، نماز کا نام ہے، کہ مومنین نماز قائم کرتے ہیں اس طرح اللہ تعالیٰ سے اپنا رابطہ مضبوط کرتے ہیں۔

اس آیت کے ضمن میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ آیت مکی ہے اس وقت زکات و خمس کا حکم نہ آیا تھا، اس لیے عبودیت کے حوالے سے نماز کا ذکر کیا ہے جبکہ معاشرہ و سوسائٹی سے رابطہ کے لیے مالی واجبات کی ادائیگی کو اس جگہ بیان نہیں کیا گیا جبکہ دوسری آیات میں نماز کے ساتھ ساتھ مالی واجبات کی ادائیگی کو بھی مومنین کی صفات سے قرار دیا گیا ہے۔

۵۔ مومنین اپنے معاملات میں مشاورت کے اصول کو اپناتے ہیں کیونکہ ان میں رشد و سمجھ ہے، تکبر نہیں ہے۔ اپنی ذات میں محدود نہیں ہوتے، صحیح حکم کی تلاش میں، اجتماعی معاملات میں صحیح فیصلہ کے لیے مشاورت کرتے ہیں، اپنی بعض ذاتی معاملات میں بھی دوسروں سے مشورہ کر لیتے ہیں یہ ان کی خوبی ہے۔

۶۔ اپنے مال کو فضول کاموں پر نہیں لگاتے بلکہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں کیونکہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے، ان کے پاس جو کچھ ہے یہ فیض الٰہی ہے، وہ اللہ کی رضا میں یہ سب کچھ انجام دیتے ہیں۔

۷۔ مومنین جب دیکھتے ہیں کہ ظلم و زیادتی ہوئی ہے تو ظلم کے خاتمہ کے لیے ایک دوسرے سے مدد مانگتے ہیں اور مومنین حق پر متفق ہوتے ہیں جب ان میں سے کسی ایک پر ظلم ہو جائے تو ایسا ہوتا ہے کہ سب ایک جان ہیں، مل کر مقابلہ کرتے ہیں۔

درج بالا خصوصیات ہیں جو مومنین میں پائی جاتی ہیں۔

پیغام: مؤمنین کے لیے جو خصوصیات بیان کی گئی ان کو پوری توجہ سے پڑھیں یاد کر لیں اور ان اوصاف سے خود کو آراستہ کریں۔

وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثۡلُهَا ۚ فَمَنۡ عَفَا وَ اَصۡلَحَ فَاَجۡرُهٗ عَلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ''اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، پس جس نے معاف کر دیا اور صلح کر لی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے، بے شک اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔''

وَ لَمَنِ انۡتَصَرَ بَعۡدَ ظُلۡمِهٖ فَاُولٰٓئِکَ مَا عَلَیۡهِمۡ مِّنۡ سَبِیۡلٍ ﴿ؕ۴۱﴾

ترجمہ: ''اور جو کوئی ظلم اٹھانے کے بعد بدلہ لے تو ان پر کوئی الزام نہیں۔''

اِنَّمَا السَّبِیۡلُ عَلَی الَّذِیۡنَ یَظۡلِمُوۡنَ النَّاسَ وَ یَبۡغُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ ؕ اُولٰٓئِکَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: ''الزام تو ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین پر ناحق سرکشی کرتے ہیں، یہی تو وہ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

وَ لَمَنۡ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: ''اور البتہ جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا بے شک یہ ہی بڑی ہمت کا کام ہے۔''

مظلوم کی دادرسی اور ظالم سے انتقام

اللہ تعالیٰ نے مظلوم کے لیے مدد کی بات کی ہے، اس کے بعد یہ حکم قرار دیا ہے کہ مظلوم کو یہ حق ہے کہ اس کے ساتھ جیسا رویہ اپنایا گیا ہے تو وہ مظلوم اسی قسم کا رویہ اس ظالم کے ساتھ اپنائے۔ مظلوم اگر ظالم کے خلاف جو کارروائی کرتا ہے تو یہ اس کا حق ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۱۹۴ میں اسی حوالے سے آیا ہے:

''فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ''

''ہر وہ شخص جو آپ پر زیادتی کرے تو آپ بھی اس پر زیادتی کرو جیسی کہ اس نے تم پر زیادتی کی''

عفو و اصلاح

اس بیان کے بعد ایک بہترین روش کی تعلیم دی ہے جس سے معاشرہ میں پیار و محبت کو فروغ ملتا ہے، اس بارے فرمایا جو مظلوم اپنا حق چھوڑے، ظالم کو معاف کر دے اس سے بدلہ نہ لے اور اس طرح اس کی اصلاح کرے، اپنے اور اللہ کے درمیان ایسا معاملہ کرتا ہے اور اس شخص کو معاف کرتا ہے، اصلاح کا جذبہ رکھتا ہے تو اللہ فرماتا ہے یہ بڑا عمل ہے، اس مظلوم کا تو اس کا اجر و ثواب اللہ پر ہے۔

معاف کرنے کا جذبہ

اس جگہ ایک توہم کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو معاف کرنے کا حکم دیا ہے یہ ظالم کی حمایت میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مظلوم کو بڑا ثواب و اجر ملے کیونکہ مظلوم اللہ کا دوست ہے، اللہ اس سے محبت کرتا ہے۔

مقابلہ بالمثل

اس جگہ ایک بات بھی کہی گئی کہ بدلہ اتنا ہو جتنا ظالم نے ظلم کیا ہے اس سے زائد نہ ہو۔ مثال: اس نے اگر ایک تھپڑ مارا ہے تو یہ بھی ویسے ہی اسے ایک تھپڑ رسید کرے۔ جو ظالم نے ظلم کیا اگر مظلوم اس سے زیادہ اس کے خلاف اقدام اٹھائے گا تو پھر یہی مظلوم ظالم بن جائے گا جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔

حق انتصار

اس جگہ ایک اور توہم کا ازالہ کیا گیا ہے کہ مظلوم کو معاف کر دینے کی ترغیب دی گئی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے حق انتصار (مدد طلبی کا حق ظالم کے خلاف) کو ضائع کر دیا ہے۔ لہٰذا فرمایا کہ جن لوگوں پر ظلم ہوا ہے جب وہ اس ظلم کا انتقام لینے کا ارادہ کریں اور اپنے لیے مدد مانگیں تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، شریعت الٰہی میں حق کو ختم کرنے کی گنجائش موجود نہیں۔ عدالت خواہی کے لیے مظلوم کا حق محفوظ ہے۔

ظلم کرنے والے

جو لوگ ظلم کرتے ہیں ظالم ہیں، ان کا یہ رویہ ناپسندیدہ ہے اور ایسے لوگ قابل مذمت ہیں, جو زمین پر فساد اور سرکشی کرتے ہیں بلکہ ضرورت ہے مظلوموں کی حمایت کی جائے کہ وہ ظالموں سے انتقام لیں، انہوں نے جو ظلم کیا تو اس پر انہیں دردناک عذاب ہوگا؛ لہٰذا عفو و اصلاح کے لیے تشویق کا مطلب یہ نہیں کہ حق انتصار جو مظلوم کے لیے ہے وہ ختم کر دیا گیا ہو یہ حق کے لیے موجو ہے بلکہ یہ تو لوگوں کی راہنمائی ایک ایسی فضیلت کے لیے کی گئی ہے جو تمام فضائل میں برتر ہے کیونکہ ظلم پر خاموش رہنا بھی ظلم شمار ہوتا ہے لیکن اس پر صبر کرنا، اسے برداشت کرنا اور عفو کر دینا اصلاح کا رویہ اپنانا تو یہ بہت بڑی فضیلت ہے اور بزرگی کی نشانی ہے۔

ظلم پر خاموش رہنے کے حوالے سے سورہ ھود آیت نمبر ۱۱۳ میں ہے:

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ

ترجمہ: ''اور ان کی طرف مت جھکو جو ظالم ہیں پھر تمہیں بھی آگ چھولے گی۔ (آگ اپنی لپیٹ میں لے لے گی)''

ظالموں کی حمایت ان کے ظلم پر خاموشی کی سزا بھی ویسی ہے جیسے ظالم کی سزا ہے اور ان کا ٹھکانہ آتش جہنم ہے۔ لیکن عفو و در گزر کرنا، اصلاح کرنا، ظالم پر احسان کرنا تو یہ بڑی بات ہے اور یہ مظلوم کے لیے ایک بڑی کرامت اور عزت والی بات ہے اور اللہ کی صفت عفو کو اپنانا ایک بڑا مقام ہے بڑی شان ہے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ''اور جسے اللہ گمراہ کر دے سو اس کے بعد اس کا کوئی کارساز نہیں، اور ظالموں کو دیکھیں گے جب وہ عذاب دیکھیں گے تو کہیں گے کیا واپس جانے کا بھی کوئی راستہ ہے۔''

ہدایت سے محروم افراد

اس آیت میں ان لوگوں کے بارے بتایا جا رہا ہے جو اس راستہ کا انتخاب کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ سیدھے راستہ سے دُور ہو جاتے ہیں۔ پہلے بھی بیان ہو چکا کہ اسباب کے لیے تاثیر اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے جو شخص جس سبب کا انتخاب کرے گا تو وہ اسی سبب کا اثر پائے گا، اگر گمراہی کے اسباب کو اختیار کرے گا تو گمراہ ہو گا۔ اس جگہ پر کہا جا رہا ہے اللہ جسے گمراہ کر دے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ جس نے ایسا سبب اپنایا ہے جو گمراہ کرنے والا ہے تو

گویا اسے اللہ نے ہی گمراہ کیا ہے کیونکہ اس سبب کی تاثیر اللہ نے رکھی ہے اور جس نے ہدایت والا سبب اپنایا ہے تو وہ ہدایت پا جاتا ہے۔ صراط مستقیم پر آجاتا ہے تو اللہ نے اس کی ہدایت کی ہے کیونکہ اس سبب کی تاثیر اللہ نے قرار دی ہے لیکن کسی سبب کا اختیار کرنا یہ انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے جن کو ان کے کفر اختیار کرنے اور اللہ کے نمائندوں کو جھٹلانے کی وجہ سے گمراہ کیا ہے یہ وہی فاسق لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ عہد کرکے اسے توڑ دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جس کے جوڑنے کا حکم دیا ہے یہ اسے توڑ دیتے ہیں، زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ اس عمل کے نتیجہ میں یہ لوگ ہدایت سے محروم ہو جاتے ہیں تو یہ اللہ کا رزق کریم، عمدہ روزی کو نہیں پا سکتے اور اللہ کے سوا ان کا کوئی ولی و وراث بھی نہیں ہے اسی بنا پر قیامت کے دن یہ لوگ خالی ہاتھ ہوں گے۔ وہاں پر جب عذاب کا مشاہدہ کریں گے تو گھبرائیں گے اور یہ آرزو کریں گے کہ کاش ان کے لیے کوئی راستہ نکل آتا اور وہ واپس دُنیا میں چلے جاتے اور مومنین کی مانند کام کرتے اور جنت الفردوس کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے۔

پیغام: اللہ کی طے شدہ حدود سے آگے نہ بڑھو۔ صلح امن و آشتی اللہ کے نزدیک بہت ہی پسندیدہ ہے اگر کوئی مظلوم ظالم کے خلاف مدد کے لیے پکارے تو اس کی مدد کی جائے۔ ظالموں سے نفرت کرنا اللہ کو پسند ہے۔

اس جگہ بظاہر رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے لیکن درحقیقت ہر اس کے لیے یہ حالت میسر ہو گی جس میں اس بات کو سننے اور مشاہدہ کرنے کی صلاحیت موجود ہو گی۔

پیغام: ظالم نہ بنو اگر آپ پر ظلم کیا جائے تو معاف کردو اور اگر ظالم سے بدلہ لینا چاہو تو ظالم پر اتنا ظلم کرو جتنا اس نے تم پر ظلم کیا ہے۔

وَ تَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ”اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے ایسے حال میں ذلت کے مارے ان کے سر جھکے ہوئے ہوں گے، نیچی کی ہوئی نگاہ سے چپکے سے دیکھ رہے ہوں گے اور وہ لوگ کہیں گے جو ایمان لائے تھے بے شک خسارہ اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن خسارہ میں رکھا، تم آگاہ رہو کہ بے شک ظالم ہی ہمیشہ عذاب میں ہوں گے۔“

ظالموں کا انجام

قیامت کے دن ظالموں کو آتش جہنم میں پھینکا جائے گا،وہ بہت ذلت، پستی اور خوارگی کی حالت میں ہوں گے۔ نظریں نیچی کئے ہوئے اس منظر کو دیکھ رہے ہوں گے کہ ہمارے ساتھ کیا ہوا ہے کچھ کہہ نہ سکیں گے بھڑکتی آگ ہوگی، خوف طاری ہوگا، پریشانی ہوگی، رسوائی ہوگی بہت ہی بری حالت میں ہوں گے، ان میں یہ ہمت نہ ہوگی کہ وہ اس سارے خوفناک اور تکلیف دہ منظر کو دیکھ کر کہہ سکیں لیکن اسے نظر انداز بھی تو نہ کر سکیں گے لہٰذا چپکے چپکے نظریں نیچے کئے حکمت اس کا نظارہ کر رہے ہوں گے، پریشانی کا عالم ہوگا وہ کوشش

کریں گے کہ ایسا لگے کہ وہ اس سب کچھ سے غافل ہیں، انہیں کچھ معلوم نہیں جبکہ وہ سب کچھ جان رہے ہوں گے۔

مومنین کی گفتگو

اس حالت میں مومنین کاملین جن کے لیے بات کرنے کی اجازت ہو گی وہ خوشحال ہوں گے، آرام و سکون ان کے لیے ہو گا۔ یہ اصحاب اعراف، شہداء اور اعمال پر گواہوں کی مانند بولنے کے مجاز ہوں گے، یہ زوردار آواز میں کہیں گے جسے سب سنیں گے ستمگار بھی سنیں گے۔ مومنین یہ جملہ کہیں گے کہ یہ لوگ بدبخت ہوئے، انہوں نے دُنیا میں سیدھے راستہ کی مخالفت کی، خود بھی برباد ہوئے اور اپنے گھر والوں کو بھی برباد کیا۔ خود بھی بے ہدایتی پر رہے اور دوسروں کو بھی بے ہدایت بنائے رکھا۔

بعض مفسرین[1] نے کہا ہے کہ کافروں کے اہل جو خسارہ میں ہیں اس سے مراد کافر کے دُنیا والے اہل نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں بہشت میں جو اہل ملے تھے ان کے لیے جو حوریں، غلمان اور خدمتگار تھے اگر ایمان لے آتے، تو وہ سب ان کے لیے ہوئے اب جبکہ وہ ایمان نہیں لائے خود بھی ان سے محروم رہے ہیں اور ان کو بھی اپنے سے محروم رکھا ہے۔ ستمگاروں کے لیے عذاب دائمی ہے اس میں انقطاع نہیں ہے ہر آن ان کی عزت ذلت میں، غلبہ حقارت میں تکبر پستی میں بدل رہا ہو گا۔ ذلیل، حقیر، مسکین، بے چارے ہوں گے، بدبختی ہو گی، پریشانی ہو گی، جلیں گے، مریں گے، پھر جلیں گے مریں گے ہر آن نیا عذاب ان کے لیے ہو گا۔

پیغام: اللہ کے احکام کی نافرمانی کرکے اپنے لیے دائمی عذاب قرار نہ دیں اور خود جنت الفردوس اور جنت کی نعمات سے محروم نہ کریں۔

---

[1]۔ مجمع البیان، جلد ۹۔

وَ مَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: ''اور ان کا اللہ کے سوا کوئی بھی حمایتی نہ ہوگا کہ ان کو بچائے، اور جسے اللہ گمراہ کرے اس کے لیے کوئی بھی نجات کا راستہ نہیں ہے۔''

اللہ کے سواء دوسروں کو ولی بنانا

جو لوگ دُنیا میں اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا اولیاء بناتے تھے تو اس کی بنیاد ہی غلط تھی، جب قیامت میں پہنچیں گے تو وہاں دیکھیں گے کہ جن کو وہ اپنا ولی وارث سمجھتے تھے ان میں سے اب ان کے لیے مدد کرنے والا کوئی ایک بھی موجود نہیں ہے۔ وہاں پر وہ بے یار و مددگار ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے ظلم و زیادتی اور کفر کا نتیجہ دے دیا ہے اب وہ گمراہ ہیں، اس سے وہ بچ نہیں سکتے خود انہوں نے اس راستہ کا انتخاب کیا، عذاب سے کوئی انہیں بچا نہیں سکتا۔ ان کے لیے سعادت و خوش بختی موجود نہیں، اس بات میں یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ قیامت کے دن ان کے لیے سعادت حاصل کرنے کا کوئی راستہ موجود نہ ہو گا کیونکہ سعادت کا راستہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ بیان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جو قانون بیان کیا اسی راہ پر چل کر ہی سعادت مند ہونے کا امکان تھا، دین حق ہی راہ نجات اور راہ ہدایت و سعادت ہے جسے انہوں نے چھوڑ دیا۔ قیامت کے دن سوائے رسوائی اور بے سر و سامانی کے انہیں کچھ نصیب نہ ہو گا۔

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّ مَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: ''اس سے پہلے اپنے رب کا حکم مان لو کہ وہ دن آجائے جو اللہ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں، اس دن تمہارے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہو گی اور نہ تم اس کا انکار کر سکو گے۔''

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَ اِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: ''پھر بھی اگر نہ مانیں تو ہم نے آپ کو ان پر محافظ بنا کر نہیں بھیجا ہے، آپ پر تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے، اور جب ہم انسان کو اپنی کوئی رحمت چکھاتے ہیں تو اس سے وہ خوش ہو جاتا ہے، اور اگر اس پر اس کے اعمال سے کوئی مصیبت پڑ جاتی ہے تو انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔''

کافروں کی رُوگردانی اور پیغمبرؐ کی ذمہ داری

کافروں کے بارے بتایا گیا ہے کہ ان کے لیے دُنیا میں یہ موقع ہے کہ وہ اللہ کی دعوت کو قبول کرلیں لیکن اگر دُنیا میں اللہ کی دعوت کو قبول نہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کی بات سے منہ پھیر لیا تو پھر وہ اس دن کا انتظار کریں کہ جب انہیں وہاں سے واپسی نہ ملے گی بلکہ اس دن انہیں اپنے اعمال کا نتیجہ ملے گا اور یہ بھی واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کام زبردستی کسی کو ہدایت پر نہیں لانا، ان کا کام ہے کہ لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچائیں وہ دعوت دینے والے ہیں، اللہ کی طرف سے پیغام لائے ہیں انہوں نے اس پیغام کو انسانوں کے لیے پہنچانا

ہے۔ اس پیغام کو کوئی مانتا ہے کوئی نہیں مانتا تو یہ رسول اللہ ﷺ کا کام نہیں کہ وہ ہر صورت ان سے منوائے، رسول اللہ ﷺ کا کام سمجھانا ہے، اللہ کا پیغام پہنچانا ہے اور بس!

انسان کی حالت کا بیان

وَ اِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ (سورہ شوریٰ، آیت: ۴۸)

ترجمہ: ''ہم جب انسان کو کچھ فائدہ دیتے ہیں تو رحمت اس پر اُترتی ہے جس سے انسان خوش ہو جاتا ہے اور اگر ان کے اعمال کی وجہ سے انہیں کچھ نقصان ملتا ہے تو پھر یہ انسان پریشان ہو جاتا ہے۔ بتحقیق یہ انسان جو ہے بہت ہی ناشکرا ہے، یہ اس کا مزاج ہے۔''

دُنیا کی سرمستی کا نتیجہ

اس حصہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان دُنیا کے جھمیلوں میں اس طرح غرق ہو جاتا ہے اور موج مستی میں اس طرح مصروف رہتا ہے کہ اسے موت بھول جاتی ہے اور آخرت یاد نہیں رہتی، اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے اللہ کی دعوت کو ٹھکرا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے جو بھی نعمت دیتا ہے اس پر شکرگذاری کی بجائے کفران کرتا ہے، اپنے محسن و منعم کو بھول جاتا ہے اور اگر ان کے اپنے گناہوں کی وجہ سے دُنیا میں انہیں کوئی مصیبت آتی ہے یا کوئی جانی و مالی نقصان ہوتا ہے تو اسے جھٹکا لگتا ہے تب بھی وہ اللہ کو یاد نہیں کرتا اور نہ ہی اللہ کے بے حساب انعامات اسے یاد آتے ہیں وہ کفران نعمت کرتا ہے اور مصیبت آنے پر بھی اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ اپنے حالات کی اصلاح نہیں کرتا، موعظہ و نصیحت سے کچھ پلے نہیں لیتا اور دعوت حق اس پر کوئی اثر نہیں کرتی، تو پھر آخرت میں اس کے لیے دردناک عذاب ہے اور یہ عذاب اس نے خود اپنے لیے آمادہ و تیار کیا ہے، ہر شخص کو اس کے اعمال کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا، اچھے عمل کا نتیجہ اچھا اور برے عمل کا نتیجہ برا۔

پیغام: اللہ کے رسول نے جو پیغامات دیئے ہیں ان کو قبول کیا اور ان کے مطابق عمل کیا جائے اللہ کی نعمات پر ہر حال میں شکر بجالایا جائے اللہ کے احکام کی نافرمانی کرکے اپنے لیے جہنم نہ قرار دی جائے جنت اور جہنم انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔نیک اعمال پر جنت ملے گی اور ہمیشہ کا اکرام جبکہ برے اعمال پر جہنم ہے اور ہمیشہ کا عذاب۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۙ﴿۴۹﴾

ترجمہ: ”آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی بادشاہی ہے، جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے بخشتا ہے۔“

اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَ يَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: ”یا لڑکے اور لڑکیاں ملا کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے، بے شک وہ خبر دار ہے قدرت والا ہے۔“

اللہ کی مالکیت کے تقاضے

مالکیت اور تسلط اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ہے جو وہ چاہے وہی کرتا ہے، جسے چاہے اسے خلق کرتا ہے، خلقت اسی کے ہاتھ میں ہے، کوئی بھی نہیں جو اپنی مرضی اس پر مسلط کرے اور کوئی اسے خلقت کے حوالے سے مجبور نہیں کرسکتا۔

عربوں کے باطل خیال کا ازالہ

عربوں میں ایسی ذہنیت تھی کہ وہ فقط بیٹے چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ بیٹا یا بیٹی کی آرزو تمہاری مرضی کے تحت نہیں ہو سکتے، یہ اللہ ہی کا اختیار ہے وہ جسے چاہے بیٹا دے اور جسے چاہے بیٹی دے اور اس کے لیے نظام بھی اللہ نے خود بنایا ہے کہ مرد و عورت کے درمیان ازدواج و ملاپ کا سلسلہ قرار دیا ہے اس جفت بازی سے ہی اولاد ہوتی ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر زوج و زوجہ سے اولاد ہو۔ یہ اللہ کا اختیار ہے جسے چاہے بانجھ قرار دے اور جسے چاہے اس سے اولاد ہو۔ اس توالد اور تناسل کے سلسلہ کو روک کر حضرت آدم اور حضرت حوا کو بغیر ماں باپ کے خلق فرماتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے خلق کرتا ہے، اللہ ہی دانا و آگاہ ہے کہ اس نے کس کے لیے کیا اور کتنا بڑھانا ہے اور کس کے لیے کتنا اور کتنی مقدار کم کرنا ہے۔ اللہ ہر کام پر قادر ہے وہ کسی بھی حوالے سے عاجز نہیں ہے اور اس پر کوئی غالب نہیں ہے۔

پیغام: اللہ کا امر غالب ہے اللہ ہی فیصلہ کرنے والا ہے۔ بیٹا یا بیٹی ملنا بھی اللہ کے اختیار میں ہے لہٰذا ہر امر میں اللہ سے رجوع کریں۔ خود سر نہ بنیں۔

وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾

ترجمہ: ”اور کسی انسان کا حق نہیں کہ اللہ اس سے اللہ کلام کرے مگر بذریعہ وحی یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے کہ وہ اس کے حکم سے القاء کرے جو چاہے وحی کرے، بے شک وہ بڑا ہی عالیشان، بلند مرتبہ حکمت والا ہے۔“

اللہ کا اپنے نمائندگان سے رابطہ کا نظام

اللہ اپنے خاص نمائندگان سے کس طرح تکلم فرماتا ہے اور اللہ کا پیغام کیسے ان کے پاس پہنچتا ہے اسے بیان کیا گیا ہے۔

وحی کا معنی

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ وحی دل میں کچھ مطلب ڈال دینا ہے، مخفیانہ طریقہ سے تکلم (بات کرنا) اللہ اور اس کے نمائندہ (رسول) کے درمیان بغیر واسطہ کے اللہ کی بات کا پہنچ جانا۔

تکلم کی نفی

اس آیت میں ایک بات وضاحت کے ساتھ کہہ دی ہے کہ اللہ انسان (بشر) میں کسی سے براہ راست تکلم نہیں کرتا، کسی بشر میں اللہ سے براہ راست تکلم کرنے کی استطاعت بھی نہیں ہے اللہ اپنے رسولوں سے بات کرتا ہے لیکن اللہ کی جانب سے گفتگو کے تین طریقے ہیں:۔

۱۔ پہلا طریقہ ہے کہ بغیر واسطہ کے اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے بات کرتا ہے۔ جیسے خواب میں بات کرنا یا بیداری میں بات کرنا جیسے شب معراج رسول اللہ ﷺ سے بلاواسطہ بات کی گئی۔

۲۔ پردے کے پیچھے سے بات کرتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے طور سینا پر درخت کے پیچھے سے تکلم کیا گیا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنا پیغام انسان پر بھیجتا ہے، فرشتہ وحی اللہ کا پیغام پہنچانے کا واسطہ قرار پاتا ہے، اللہ جس کے لیے چاہے اسے وحی پہنچانے کی ذمہ داری دے سکتا ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے اس بیان کی وجہ بتائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ ہے بلند شان والا ہے اور حکیم ہے اس کا ہر کام حکمت و دانائی پر مبنی ہے۔ جو نظام پوری خلقت پر قائم ہے اس پر اللہ ہی کو برتری و بالادستی ہے۔ وہ اس سے بالاتر ہے کہ مخلوق سے کوئی اس سے تکلم کرسکے۔

جس طرح مخلوق آپس میں بات چیت کرتے ہیں، حکمت کے تحت اس نے اپنے نمائندگان کے لیے وحی کے طریقہ کو تکلم کے لیے اختیار کیا ہے تاکہ انہیں ان کی سعادت کے کمال تک راہنمائی کرے کیونکہ اس ہدایت و راہنمائی میں تنہا عقل کافی نہیں ہے۔ عقل بعض اوقات غلطی بھی کرتی ہے جبکہ وحی میں غلطی و خطاء، بھول چوک، سہو و نسیان کا کوئی شائبہ تک موجود نہیں ہے۔

وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَ اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۙ﴿۵۲﴾

ترجمہ: ”اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے قرآن نازل کیا، آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے اور لیکن ہم نے قرآن کو ایسا نور بنایا ہے کہ ہم اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں، اور بے شک آپ سیدھا راستہ ہی بتاتے ہیں۔“

صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ؑ﴿۵۳﴾

ترجمہ: ”اس اللہ کا راستہ جس کے قبضہ میں آسمانوں اور زمین کی سب چیزیں ہیں، آگاہ رہو کہ اللہ ہی کی طرف سب کام رجوع کرتے ہیں۔ (سب کا انجام اللہ پر ہے)۔“

اللہ کی طرف سے رسول اللہؐ کے لیے وحی

اس جگہ رسول اللہ ﷺ کے لیے بتایا جا رہا ہے کہ ہم نے آپ کے پاس وحی بھیجی ہے۔ اس آیت میں رُوح سے مراد جبرائیل ہیں۔ اللہ فرما رہا ہے کہ ہم نے جبرئیل علیہ السلام کو آپؐ کے پاس بھیجا ہے وہ ہمارے پیغامات آپ کے پاس لے آئے ہیں۔ اس جگہ وحی سے مراد یا تو قرآن لیا گیا ہے یا اس سے مراد وحی ہے یا جبرئیلؑ مراد ہیں۔

اس جگہ بتایا جا رہا ہے کہ ہم نے اپنے امر سے متعلق رُوح کی آپ کو وحی کی (یہ وحی یا تو خواب کی حالت میں بلاواسطہ تھی یا حضرت جبرئیلؑ کے توسط سے تھی)

رُوح سے مراد

اس بارے کہا گیا ہے کہ رُوح سے مراد جس کی وحی رسول اللہ ﷺ کو کی گئی اس سے مراد:

قرآن ہے، مطلق وحی ہے، جبرئیلؑ ہیں یا یہ امری روح ہے جو انبیاء پر نازل ہوتا ہے کیونکہ عالم امر سے ہے اور اللہ کا کلمہ ہے۔

رُوح سے پہلے رسول اللہؐ

اس جگہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل کو اس انداز سے اپنے حبیبؐ کے لیے بیان کر رہا ہے کہ اے میرے پیارے، اس رُوح سے پہلے آپ کے پاس نہ تو کتاب کا علم تھا اور نہ ہی شرائع و معارف کے بارے آگہی تھی اور وحی کے بعد جو ایمان آپ کے لیے حاصل ہوا وہ بھی پہلے موجود نہ تھا۔ یہ بیان اس سے منافات نہیں رکھتا کہ رسول اللہ ﷺ وحی آنے سے پہلے ایمان پر

تھے اور عمل صالح بجالاتے تھے کیونکہ تفصیلی علم کی نفی اور اس آگہی کے مطابق عمل اور پابندی علم اجمالی کے مطابق عمل اور پابندی کی نفی نہیں کرتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومن تھے عمل صالح بجالاتے تھے، تفصیلی وحی آنے سے پہلے آپ نے گناہوں کا ارتکاب نہ کیا، آپ طاہر و مطہر تھے۔

نور ہدایت

اللہ تعالیٰ اپنے حبیبؐ سے فرمارہا ہے کہ ہم نے قرآن یا روح امر کو جن بندوں کی ہدایت کا اللہ نے ارادہ کیا ہے ان کے لیے نور قرار دیا ہے، اگر روح سے مراد قرآن ہو تو من نشاء جسے ہم چاہتے ہیں میں رسول اللہؐ اور آپ پر ایمان لانے والے مومنین شامل ہیں کیونکہ سب نے نور قرآن سے فیض پایا ہے اور ہدایت پائی ہے اور اگر اس نور سے مراد امری رُوح ہو تو ''من نشاء'' تمام انبیاء اور ان کی اُمتوں کو شامل ہے جنہوں نے ان انبیاء کی بات کو قبول کیا اور ان پر ایمان لائے کہ وحی ارسال کرنے کے وسیلہ سے انہوں نے ہدایت پائی۔

پیغمبر اکرمؐ کی تائید

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ دعویٰ کہ وہ اللہ کی طرف سے لوگوں کی ہدایت کے لیے رسول ہیں تو اللہ ان کے اس دعویٰ کی تائید کرتے ہوئے فرماتا ہے ''اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ لوگوں کو صراط مستقیم کی ہدایت دیتے ہو''

صراط مستقیم

صراط مستقیم اللہ کا راستہ ہے، اللہ جو کہ آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان میں ہے ان سب کا مالک ہے، اللہ ہی تمام مخلوقات کا منتہائے مقصود ہے کیونکہ مالکیت کا لازمہ ہے کہ سب کا

رجوع ان کی طرف ہو لہٰذا سعادت اس میں ہے جو اللہ نے بیان کی ہے سعادت اور کمال تک پہنچنے کا تنہا راستہ اور وسیلہ وہی دین و نظام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بطور قانون قرار دیا ہے۔ جس پر چلنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ کا ہدایت دینا اور رسول اللہؐ کا ہدایت دینا ایک ہی بات ہے۔

وحی اور تکلم الٰہی کی وجہ

اس کے آخر میں الٰہی تکلم اور وحی کی وجہ اور علت کا بیان موجود ہے کیونکہ جب تمام مخلوقات کی بازگشت اللہ کی طرف ہے، حتمی طور پر موجودات میں سے ہر ایک کے لیے اللہ کی طرف جانے کا راستہ موجود ہے کہ ضروری ہے کہ وہ وجود اس راستے کو طے کرے اور اللہ پر ہے کہ وہ انہیں اس راستہ کی ہدایت و راہنمائی دے۔ اسے مطلوبہ ہدف اور مقصد کی جانب راہنمائی دے۔

پیغام: اللہ نے انسان کی ہدایت کا اہتمام کیا ہے اور انسانوں سے کچھ کا انتخاب کیا ہے جن پر اپنے پیغامات کو پہنچایا ہے تاکہ وہ باقی انسانوں کو راہ مستقیم کی ہدایت کریں رسول اللہؐ وہ انسان کامل ہیں جن پر اللہ تعالیٰ اپنی کتاب قرآن کو نازل فرمایا ہے لہٰذا قرآن اور رسول اللہ کی بات کو قبول کرنا اور اس کی ہدایت پر چلنا گویا اللہ کی بات کو ماننا ہے۔ اللہ کے حضور تسلیم محض اور اس کے قوانین پر عمل کرنے سے ابدی سکون اور جنت الفردوس ملے گی۔

سورۃ الزخرف

(مکی۔ کل آیات: ۸۹)

سورہ کے مطالب

مشرکین کے لیے انذار اور دھمکی، اللہ تعالیٰ سے فرزند کی نفی، آیات الٰہی کا مذاق اڑانے والوں کی ہلاکت کا بیان اور دوسرے حقایق۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾

ترجمہ: ''حٰمٓ''

وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''اس روشن کتاب کی قسم''

اِنَّا جَعَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۚ﴿۳﴾

ترجمہ: ''بیشک ہم نے اسے عربی قرآن قرار دیا ہے تاکہ تم (اس میں بیان شدہ مطالب کو) سمجھ سکو''

وَ اِنَّہٗ فِیۡۤ اُمِّ الۡکِتٰبِ لَدَیۡنَا لَعَلِیٌّ حَکِیۡمٌ ؕ﴿۴﴾

ترجمہ: ''اور یہ کتاب ہمارے پاس لوح محفوظ میں موجود ہے جو نہایت درجہ بلند اور اپر از حکمت کتاب ہے۔''

اَفَنَضۡرِبُ عَنۡکُمُ الذِّکۡرَ صَفۡحًا اَنۡ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِیۡنَ ﴿۵﴾

ترجمہ: ''اور کیا ہم تم لوگوں کو نصیحت کرنے سے صرف اس لیے کنارہ کشی اختیار کرلیں کہ تم زیادتی کرنے والے ہو۔''

وَ کَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِیٍّ فِی الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۶﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے تم سے پہلے والی قوموں میں بھی کتنے ہی پیغمبر بھیج دیئے۔''

وَ مَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۷﴾

ترجمہ : ''اور ان میں سے کسی قوم کے پاس کوئی بھی نبی نہیں آیا مگر یہ کہ ان لوگوں نے اس کا مذاق اڑایا۔''

فَاَهْلَكْنَاۤ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّ مَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝٨

ترجمہ : ''تو ہم نے ان سے زیادہ زبردست لوگوں کو تباہ و برباد کردیا اور یہ مثال پہلے لوگوں میں جاری ہوئی۔''

وَ لَىٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝٩

ترجمہ : ''اور آپ ان سے سوال کریں کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا ہے تو یقیناً یہی کہیں گے کہ ایک زبردست طاقت والی اور ذی علم ہستی نے ان سب کو خلق کیا ہے۔''

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝١٠

ترجمہ : ''وہ ہی اللہ ہی جس نے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ بنایا ہے اور اس میں راستے قرار دیئے ہیں تاکہ تم راہ معلوم کرسکو۔''

وَ الَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝١١

ترجمہ: ''اور جس نے آسمان سے ایک معین مقدار میں پانی نازل کیا اور پھر ہم نے اس کے ذریعہ مردہ زمینوں کو زندہ بنادیا اسی طرح تم بھی زمین سے نکالے جاؤگے''

وَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَ الْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: '' اور جس نے تمام جوڑوں کو خلق کیا ہے اور تمہارے لیے کشتیوں اور جانوروں میں سواری کا سامان فراہم کیا ہے''

لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ وَ تَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''تاکہ ان کی پشت پر سکون سے بیٹھ سکو اور پھر جب سکون سے بیٹھ جاؤ تو اپنے پروردگار کی نعمت کو یاد کرو اور کہو کہ پاک و بے نیاز ہے وہ خدا جس نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کردیا ہے ورنہ ہم اس کو قابو میں لاسکنے والے نہیں تھے۔''

وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''اور بہر حال ہم اپنے پروردگار ہی کی بارگاہ میں پلٹ کر جانے والے ہیں۔''

وَ جَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''اور ان لوگوں نے پروردگار کے لیے اس کے بندوں میں سے اس کے لیے ایک جز (اولاد) قرار دیدیا کہ انسان یقینا بڑا کھلا ہوا ناشکرا ہے۔''

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخۡلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصۡفٰىكُمۡ بِالۡبَنِیۡنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ”سچ بتاؤ کیا خدا نے اپنی تمام مخلوقات میں سے اپنے لیے لڑکیوں کو منتخب کیا ہے اور تمہارے لیے لڑکوں کو پسند کیا ہے۔“

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحۡمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّ هُوَ كَظِیۡمٌ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ”اور جب ان میں سے کسی کو اس کے لیے لڑکی کی بشارت دی جاتی ہے جو مثال انہوں نے رحمان کے لیے بیان کی ہے تو ان کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غصّہ کے گھونٹ پینے لگتا ہے۔“

اَوَ مَنۡ یُّنَشَّؤُا فِی الۡحِلۡیَةِ وَ هُوَ فِی الۡخِصَامِ غَیۡرُ مُبِیۡنٍ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ”کیا جس کو زیورات میں پالا جاتا ہے اور وہ جھگڑے کے وقت صحیح بات بھی نہ کرسکے (وہی خدا کی اولاد ہے)۔“

وَ جَعَلُوا الۡمَلٰٓئِكَةَ الَّذِیۡنَ هُمۡ عِبٰدُ الرَّحۡمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوۡا خَلۡقَهُمۡ ؕ سَتُكۡتَبُ شَهَادَتُهُمۡ وَ یُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ”اور ان لوگوں نے ان ملائکہ کو جو رحمان کے بندے ہیں لڑکیاں قرار دیدیا ہے کیا یہ ان کی خلقت کے گواہ ہیں تو عنقریب ان کی گواہی لکھ لی جائے گی اور پھر اس کے بارے میں ان سے سوال کیا جائے گا۔“

وَ قَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ؕ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ''اور یہ کہتے ہیں کہ خدا چاہتا تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے انہیں اس بات کا کوئی علم نہیں ہے۔ یہ صرف اندازوں سے بات کرتے ہیں۔''

اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ''کیا ہم نے اس سے پہلے انہیں کوئی کتاب دی ہے جس سے یہ تمسّک کئے ہوئے ہیں۔''

بَلْ قَالُوْۤا اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ''نہیں! بلکہ ان کا کہنا صرف یہ ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادا، داؤں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم ان ہی کے نقش قدم پر ہدایت پانے والے ہیں۔''

وَ كَذٰلِكَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ''اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس بستی کے خوشحال لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم ان ہی کے نقش قدم کی پیروی کرنے والے ہیں۔''

قٰلَ اَوَ لَوۡ جِئۡتُکُمۡ بِاَهۡدٰی مِمَّا وَجَدۡتُّمۡ عَلَیۡهِ اٰبَآءَکُمۡ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ کٰفِرُوۡنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ''تو پیغمبر نے ان سے کہا کہ اگر چاہے میں اس سے بہتر پیغام لے آؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے تو (پھر بھی تم میری بات کو نہیں مانو گے) انہوں نے جواب دیا کہ ہم تمہارے پیغام کے ماننے والے نہیں ہیں۔''

فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَانۡظُرۡ کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَةُ الۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ''پھر ہم نے ان سے بدلہ لے لیا تو اب دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا ہے۔''

وَ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِیۡمُ لِاَبِیۡهِ وَ قَوۡمِهٖۤ اِنَّنِیۡ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ''اور جب ابراہیم نے اپنے (مربی) باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ میں تمہارے تمام معبودوں سے بری اور بیزار ہوں۔''

اِلَّا الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ فَاِنَّهٗ سَیَهۡدِیۡنِ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ''علاوہ اس معبود کے کہ جس نے مجھے پیدا کیا ہے کہ وہی عنقریب مجھے ہدایت دینے والا ہے (میں اسی کی اتباع کرنے والا ہوں)۔''

وَ جَعَلَهَا کَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیۡ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ''اور انہوں نے اس پیغام کو اپنی نسل میں ایک کلمہ باقیہ قرار دے دیا کہ شاید وہ لوگ خدا کی طرف پلٹ آئیں۔''

بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝۲۹

ترجمہ : ”بلکہ ہم نے ان لوگوں کو اور ان کے بزرگوں کو برابر آرام دیا یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور واضح بیان والا رسول آگیا۔“

وَ لَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّ اِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝۳۰

ترجمہ : ”اور جب حق آگیا تو کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اس کے منکر ہیں۔“

وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝۳۱

ترجمہ : ”اور یہ کہنے لگے کہ آخر یہ قرآن دونوں بستیوں (مکہ وطائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا ہے۔“

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَ رَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۳۲

ترجمہ : ”تو کیا یہی لوگ رحمت پروردگار کو تقسیم کر رہے ہیں حالانکہ ہم نے ہی ان کے درمیان معیشت کو زندگانی دنیا میں تقسیم کیا ہے اور بعض کو بعض سے اونچا بنایا ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں اور رحمت پروردگار ان کے جمع کئے ہوئے مال و متاع سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔“

وَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً لَّجَعَلۡنَا لِمَنۡ یَّکۡفُرُ بِالرَّحۡمٰنِ لِبُیُوۡتِہِمۡ سُقُفًا مِّنۡ فِضَّۃٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَیۡہَا یَظۡہَرُوۡنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ''اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ تمام لوگ ایک ہی قوم ہو جائیں گے تو ہم رحمٰن کا انکار کرنے والوں کے لیے ان کے گھر کی چھتیں اور سیڑھیاں جن پر یہ چڑھتے ہیں سب کو چاندی کا بنا دیتے۔''

وَ لِبُیُوۡتِہِمۡ اَبۡوَابًا وَّ سُرُرًا عَلَیۡہَا یَتَّکِـُٔوۡنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ''اور ان کے گھر کے دروازے اور وہ تخت جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں۔''

وَ زُخۡرُفًا ؕ وَ اِنۡ کُلُّ ذٰلِکَ لَمَّا مَتَاعُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ؕ وَ الۡاٰخِرَۃُ عِنۡدَ رَبِّکَ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: ''اور سونے کے بھی. لیکن یہ سب صرف زندگانی دنیا کی لذّت کا سامان ہے اور آخرت پروردگار کے نزدیک صرف صاحبانِ تقویٰ کے لیے ہے۔''

ایمان اور کفر کے معیار پر انسانوں میں فرق

ان آیات میں یہ بات سمجھائی جارہی ہے کہ اگر انسانوں کے درمیان مال و دولت حاصل کرنے اور دنیاوی اموال کے انبار لگانے اور ان سے بہرہ ور ہونے میں اختلاف کو معیار قرار دیا جاتا کہ جو ان اسباب کو استعمال میں لے آئے اور اپنے لیے سونے چاندی کے محلات

کھڑے کرلے اور بلند و بالا مکانات بنائے، ان کی بلندیوں پر چڑھ کر فخر و مباہات کرے تو پھر لوگ کفر کو ہی اپناتے اور کفر اختیار کرنے پر ان کی توجہ ہوتی لیکن اللہ کی مصلحت اور حکمت یہ قرار پائی کہ معیار ایمان و کفر ہو انسان یا تو اہل تقویٰ اور صاحب ایمان ہوں یا اہل کفر (سرکش) ہوں۔

اللہ فرمارہا ہے کہ دنیا کا مال عارضی ہے اس نے فنا ہو جانا ہے جبکہ آخرت کی زندگی ہی سعادت مندی ہے یہ بات فقط اہل تقویٰ کے لیے ہے۔ اہل تقویٰ آخرت میں کمال سعادت، دائمی لذات اور حسن بقاء سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کافروں کو زیادہ وسعت نہیں دیتا تاکہ سارے لوگ کفر پر اکٹھے نہ ہوں۔

سوال: اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو معاشی وسعت کیوں نہیں دیتا تاکہ سارے انسان اسلام میں داخل ہو جائیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان کو بہت زیادہ وسعت دے دی جاتی، مال و دولت کی ان کے پاس فراوانی ہوتی تو اس کے مفاسد موجود ہیں کہ وہ دنیا داری میں پھنس جاتے، دنیاوی لالچ کا باعث لوگ دین میں داخل ہوتے۔ اس میں منافقین بہت زیادہ جبکہ خالص مومنین کی تعداد کم ہوتی؛ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی حکمت اسی میں ہے اور اس بارے تدبیر و تفکر کی ضرورت ہے۔

اللہ نے انسان کے لیے دین اسلام کو بطور نظام پسند فرمایا ہے۔ مال و دولت کی تقسیم اسباب کے تحت رکھی ہے۔ اسلام کے اختیار کرنے میں آزادی ہے۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ”اور جو شخص بھی اللہ کے ذکر کی طرف سے اندھا ہو جائے گا ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کردیں گے جو اس کا ساتھی اور ہم نشین ہوگا۔“

یہ سزا اس شخص کے لیے جو اللہ کی سچی یاد اور نصیحت سے اعراض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک شیطان کو مسلط کر دیتا ہے جو اسے ہر وقت اغوا کرتا رہتا ہے اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔ یہ شیطان اسے دوزخ تک لے جائے گا۔

شیطان کے تسلط کا سبب

انسان کو اللہ نے بتادیا کہ شیطان اس کا کھلا دشمن ہے اور اسے سعادت مندوں سے اور ابدی راحت و آرام پانے سے روک دے گا اللہ کی طرف سے بار بار متوجہ کرنے کے باوجود جب کوئی انسان اللہ کا ذکر چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ کے بیانات نہ پڑھنے سے اندھا پن ہو جاتا ہے تو پھر شیطان بھی اس کا ہم نشین بن جاتا ہے جو اسے آتش جہنم تک پہنچا کر ہی دم لیتا ہے گا تو اس طرح انسان اپنے اختیار سے شیطان جو کہ اس کا دشمن ہے اسے انسان ساتھی بناتا ہے۔ اس طرح اپنے کیے کا نتیجہ پاتا ہے اور جہنم میں پہنچ جاتا ہے۔

وَ اِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: ''اور یہ شیاطین ان لوگوں کو راستہ سے روکتے رہتے ہیں اور یہ یہی خیال کرتے ہیں کہ یہ ہدایت یافتہ ہیں۔''

شیاطین ان کو نیکی کی راہ سے روکتے رہتے ہیں مگر ان کی عقلیں ایسی مسخ ہو جاتی ہیں کہ وہ اسی کو ٹھیک راستہ سمجھتے ہیں۔ ان میں نیکی اور بدی کی تمیز ہی نہیں رہتی۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ''یہاں تک کہ جب ہمارے پاس آئیں گے تو کہیں گے کہ اے کاش ہمارے اور ان کے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا یہ تو بڑا بد ترین ساتھی نکلا۔''

قیامت کے دن شیطان کو ساتھی بنانے والے کا بیان

اللہ کے ہاں پہنچ کر انسان پر یہ راز کھلے گا کہ اس کے ساتھی کتنے برے تھے تو وہ اس وقت حسرت اور غصہ سے کہے گا کہ کاش میرے اور تیرے درمیان (اے شیطان) مشرق اور مغرب کا فاصلہ ہوتا اور میں ایک لمحہ بھی تیری صحبت میں نہ گزارتا۔ کم بخت! اب مجھ سے دُور ہو جا۔ یہ شخص دنیا میں شیطان کے مشورہ پر چلتا تھا۔ قیامت کے دن وہ اس ہمنشینی پر پچھتائے گا۔ انسان کا اس طرح کا برا ساتھی خود انسان کی اپنی جنس سے بھی ہو سکتا ہے اور شیاطین جن سے بھی ہو سکتا ہے۔

وَ لَنۡ یَّنۡفَعَکُمُ الۡیَوۡمَ اِذۡ ظَّلَمۡتُمۡ اَنَّکُمۡ فِی الۡعَذَابِ مُشۡتَرِکُوۡنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: "اور یہ ساری باتیں آج تمہارے کام آنے والی نہیں ہیں کہ تم سب عذاب میں برابر کے شریک ہو کہ تم نے بھی تو (اپنے اوپر خود) ظلم کیا ہے۔"

دین فطرت سے انحراف کا نتیجہ

اہل تقویٰ کے لیے آخرت ہے اور معصیت کاروں، کافروں، اللہ کے نظام کا انکار کرنے والوں کے لیے جہنم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کے عیش و عشرت میں غرق لوگ، حق سننے کے لیے تیار نہ تھے۔ حق کی دعوت کا مذاق اڑاتے تھے، اللہ کے نمائندے کو جھٹلاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے شیاطین کو ساتھی بنا دیا جو ہر وقت ان کے ساتھ رہیں اور ان کو گمراہ کرتے رہیں وہ اپنے طور پر یہ خیال کرتے رہے کہ وہ حق پر ہیں اور ہدایت یافتہ ہیں کیونکہ انسان کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ حق کو قبول کرے جبکہ انہوں نے جب الٰہی پیغامات سننے سے

منہ موڑ لیا تو انہوں نے اللہ کی ولایت و سرپرستی سے خود کو باہر کر دیا اور شیطان کی ولایت اور سرپرستی میں چلے گئے کیونکہ انسان کی فطرت اور طبیعت تو یہ ہے کہ وہ حق کی طرف میلان و توجہ رکھتا ہے۔ وہ فطرتاً حق پسند ہے اور وہ ہمیشہ چاہتا ہے کہ حق کی معرفت حاصل کرلے لیکن وہ شخص جب ہر ایک کی بات مان لیتا ہے، خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرتا ہے، اللہ کی دعوت کو رد کر دیتا ہے ایسی روش کو جب جاری رکھتا ہے تو پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ کی طرف سے مہر لگ جاتی ہے اس کے دل کی آنکھ اندھی ہو جاتی ہے وہ بے بصیرت ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے وہ شیاطین کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ پھر ایسا ہوتا ہے کہ وہ ہر حق کو باطل سمجھتا ہے کیونکہ اس کا ساتھی اس سے یہی کہتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ حق کا راستہ یہی ہے جو اس نے اختیار کیا ہے۔ حق کو باطل اور باطل کو حق خیال کرلیتا ہے۔ اس پر قائم رہتا ہے۔ پوری عمر گمراہی میں گزار دیتا ہے یہاں تک کہ موت آجاتی ہے۔ قیامت کے دن پروردگار کے حضور سب موجود ہوں گے اس کے شیاطین بھی حاضر ہوں گے وہاں پر اس پر ہر بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ وہ غلطی پر تھا، باطل پر تھا تو وہ اپنے شیطان ساتھی کو مخاطب ہوگا اسے برا بھلا کہے گا اس سے بیزاری کا اظہار کرے گا اور دنیا میں شیطان کو اپنا ساتھی بنانے پر افسوس کرے گا کہ کاش وہ اس کا ساتھی نہ ہوتا۔ اس جگہ اس شیطان سے کہے گا کہ کاش تم میرے ساتھی نہ ہوتے لیکن اس جگہ افسوس کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ شیاطین کو بھی عذاب ملے گا اور ان کی باتوں کو ماننے والوں کو بھی عذاب ملے گا۔ عذاب سے کسی کو چھٹکارا نہ ہوگا۔ یہ آرزو ان کو کوئی فائدہ نہ دے گی کیونکہ انہوں نے حق کو چھوڑ کر خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے اب تمہارا استحقاق ہے کہ تم ان ساتھیوں کے ساتھ جہنم میں چلو۔[1]

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٠﴾

---

[1] تفسیر روح المعانی، جلد ۲۵۔

ترجمہ: "پیغمبر کیا آپ بہرے کو سنا سکتے ہیں یا اندھے کو راستہ دکھا سکتے ہیں یا اسے ہدایت دے سکتے ہیں جو ضلال مبین میں مبتلا ہو جائے۔"

فَإِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُم مُّنتَقِمُونَ ﴿٤١﴾

ترجمہ: "پھر ہم یا تو آپ کو دنیا سے اٹھالیں گے ہم نے تو ان سے بہر حال بدلہ لینا ہے۔"

أَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِم مُّقْتَدِرُونَ ﴿٤٢﴾

ترجمہ: "یا پھر عذاب آپ کو دکھا کر ہی نازل کریں گے کہ ہم اس کا بھی اختیار رکھنے والے ہیں۔"

اللہ کی مخالفت کرنے والوں کا انجام

سابقہ بحث کے تناظر میں رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے میرے پیارے رسول یہ ایسے افراد ہیں کہ آپ ان کی اصلاح نہیں کر سکتے۔ یہ ضدی اور ہٹ دھرم ہیں۔ ایک شخص بہرہ ہے آپ اسے کس طرح کوئی بات سنوا سکتے ہو اسی طرح ایک شخص اندھا ہے تو اسے کیسے راہنمائی دے سکتے ہو یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں ان کے ساتھ ایک شیطان لگا ہوا ہے اب یہ شیطان کی ہدایت پر چل رہے ہیں یہ لوگ ہدایت نہیں لے سکتے۔ انہوں نے اللہ کی یاد سے منہ موڑ لیا ہے لہٰذا آپ ان کو راہ راست پر لانے کے لیے زور نہ لگائیں۔ ان کے دلوں پر تالے پڑ چکے ہیں ہم نے انہیں ہر صورت سزا دینی ہے۔ آخرت میں سخت ترین عذاب ان کے لیے ہے۔ اگر ہم ان کو اس دنیا سے لے جائیں تو بھی ان سے انتقام

لینا ہے۔ اسی دنیا میں بھی ان کو سزا دے سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آنکھ، کان، دل دیا تھا تاکہ ان کو استعمال کرکے ہدایت پر آجاتے، توحید کو قبول کر لیتے، اللہ پر ایمان لاتے لیکن انہوں نے اللہ کی طرف سے دی گئی تمام نعمات کو ضائع کر دیا، ان وسائل کو ہدایت کے لیے استعمال کرنے کی بجائے ان سب کو معطل کرکے رکھ دیا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کو حتمی قرار دیا ہے۔

پیغام: اللہ کی عطاء کردہ نعمات کو جب اللہ کی مشیت و مرضی کے مطابق استعمال نہ کروگے تو پھر اللہ کی طرف سے تم سے انتقام لیا جائے گا۔ اللہ کی دعوت کو ٹھکرانے والوں کے لیے سخت ترین عذاب ہے۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۴۳

ترجمہ: ''لہٰذا آپ اس حکم کو مضبوطی سے پکڑے رہیں جس کی آپ کو وحی کی گئی ہے کہ یقیناً آپ بالکل سیدھے راستہ پر ہیں۔''

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ۝۴۴

ترجمہ: ''اور یہ قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے نصیحت کا سامان ہے اور عنقریب تم سب سے بازپرس کی جائے گی۔''

وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝۴۵

ترجمہ: ''اور آپ ان رسولوں سے سوال کریں جنہیں آپ سے پہلے بھیجا گیا ہے کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ بھی خدا قرار دیئے ہیں جن کی پرستش کی جائے۔''

اللہ کا راستہ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے چند باتیں بیان کی ہیں:۔

1. اے رسول! جس کتاب کی آپ پر وحی کی گئی ہے اسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔
2. یہ کتاب صراطِ مستقیم کا بیان ہے۔
3. اے رسول ﷺ آپ صراطِ مستقیم پر ہیں۔
4. یہ کتاب واضح اور روشن بیان ہے اس سے جو وابستہ ہو جائے یہ کتاب اسے گمراہ نہیں کرتی بلکہ انہیں کمال اور سعادت کی منزل تک پہنچا دیتی ہے۔

قرآنِ مجید اللہ کی جانب سے دستور ہے اور یہ یاد آوری کے لیے ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی یاد آوری ہے اور رسول اللہ ﷺ کی قوم کے لیے بھی یاد آوری ہے۔ اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے جتنے رسول آئے ان سب کا پیغام ایک ہی تھا کہ وہ توحید کو قبول کرواتے تھے۔ سب کو ایک خدا کی عبادت کی طرف دعوت دیتے تھے۔

سوال کن سے

رسول اللہ ﷺ سے جو کہا گیا کہ اے رسولؐ تم ان سے سوال کرو تو یہ سوال کن سے ہو سکتا ہے؟ بعض نے کہا

انبیاءؑ کی اُمتوں سے سوال کرنے کا کہا گیا ہے۔

انبیاءؑ کی ارواح سے سوال کرنے کا کہا گیا ہے اور یہ بات شبِ معراج رسول اللہ سے کہی گئی۔

دوسرے قول کے متعلق روایات بھی موجود ہیں۔

تفسیر مجمع البیان جلد ۹، تفسیر روح المعانی جلد ۲۵ اور کتاب "الاحتجاج" میں امیر المومنین علی علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات نقل فرمائی ہے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡئِهٖ فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: "اور ہم نے موسیٰ علیہ السّلام کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں (خاصان، بڑے نامور) قوم کی طرف بھیجا تو انھوں نے کہا کہ میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔"

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰیٰتِنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: "لیکن جب وہ ہماری نشانیوں کو لیکر ان کے پاس آیا اور ہماری آیات کو ان کے سامنے پیش کیا تو وہ سب ان کی مضحکہ اڑانے لگے۔"

حضرت موسیٰؑ کے بارے

اللہ تعالیٰ نے سابقہ رسولوں میں سے ایک رسول کا ذکر فرمایا ہے اور اس بات کی اہمیت کو بتانے کے لیے قسم بھی اٹھائی ہے کہ ہم نے موسیٰ کو فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس اپنی آیات دے کر بھیجا تاکہ انہیں ہدایت دیں اور صحیح راستے کی طرف ان کی رہنمائی کریں۔ فرعون کے درباری بڑے لوگ تھے ان کے سامنے کوئی بات تک نہیں کرتا تھا کیونکہ ان کا بہت زیادہ رعب و دبدبہ تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے ان کے پاس پہنچ کر بڑی زوردار آواز سے کہا کہ سنو! میں (بلاشک و شبہ) عالمین کے رب کی جانب سے آیا ہوں اور اپنی بات کی تصدیق

کے لیے میرے پاس نشانیاں اور آیات ہیں، یعنی معجزات کے ساتھ آیا ہوں، میں ایسے کام کرکے دکھاؤں گا جنہیں طبیعی قوانین سے کرنا ممکن نہیں جو اس بات کی نشانی ہے کہ میرا رابطہ غیب سے ہے۔ لیکن جب ان آیات و معجزات کو فرعون اور اس کے درباریوں نے دیکھا تو بجائے اس کے کہ وہ موسیٰؑ کی بات سنتے اور انہیں اللہ کا رسول تسلیم کرتے اور اللہ رب العالمین پر ایمان لے آتے اس کے برعکس انہوں نے حضرت موسیٰؑ کا ٹھٹھہ مذاق اڑایا۔ حضرت موسیٰؑ کی تحقیر کی۔۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کا واقعہ بیان کرکے اپنے آخری رسولؐ کو تسلی دی ہے کہ جو کچھ آپؐ کے ساتھ ہو رہا ہے ایسا پہلے بھی ہوتا رہا ہے۔

وَ مَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: ”اور ہم انہیں جو بھی نشانی دکھلاتے تھے وہ پہلے والی نشانی سے بڑھ کر ہی ہوتی تھی اور پھر انہیں عذاب کی گرفت میں لے لیا کہ شاید اسی طرح راستہ پر واپس آ جائیں۔“

آیات جھٹلانے کا انجام

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے، ان کی ہدایت کے لیے رسول اور کتاب بھیجتا ہے، انہیں سمجھانے کے لیے اپنے رسول کو معجزہ دیتا ہے۔ جب اس سے بات نہیں بنتی تو اس سے بڑا معجزہ دیتا ہے۔ اللہ کا رسول معجزہ پر معجزہ دکھاتا جاتا ہے، ایک آیت کے بعد دوسری آیت، دوسری پہلی سے بڑی آیت ہوتی ہے، یہ اس لیے کہ انہیں ہلاکت سے بچایا جائے۔ جب وہ نہیں مانتے، ضد کرتے ہیں، ہٹ دھرمی کرتے ہیں، رسول کا انکار کرتے ہیں، توحید کو قبول نہیں کرتے، اللہ کی نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں تو پھر اللہ کا عذاب ان پر اُترتا ہے انہیں دنیاوی

عذاب دیا جاتا ہے جیسے خشک سالی، قحط سالی، طوفان، مکڑیوں کا حملہ، جوؤں کا حملہ وغیرہ مینڈکوں کا حملہ۔ یہ سب اس لیے کہ وہ ہوش میں آجائیں اور اللہ کی طرف پلٹ آئیں۔ ہٹ دھرمی چھوڑ دیں اور حق کو قبول کرلیں۔

پیغام: اللہ کے رسول معجزہ اور الٰہی آیات کے ساتھ آئے ہیں جب انہیں جھٹلایا جائے تو پھر اللہ کا عذاب آجاتا ہے لہٰذا آج بھی ہمیں الٰہی دعوت کو تسلیم کرنا چاہیے اور اللہ کی آیات کو نہ جھٹلائیں ورنہ ہمارا انجام بھی سابقہ اُمتوں جیسا ہوگا۔

وَ قَالُوْا یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: ''اور ان لوگوں نے کہا کہ اے جادوگر (موسٰی) اپنے رب سے ہمارے بارے میں اس بات کی دعا کر جس بات کا تجھ سے وعدہ کیا گیا ہے تو ہم یقینا ہدایت پر آجائیں گے۔''

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: ''لیکن جب ہم نے عذاب کو دور کر دیا تو انہوں نے عہد کو توڑ دیا۔''

وَ نَادٰی فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾

ترجمہ: ''اور فرعون نے اپنی قوم سے پکار کر کہا اے قوم کیا یہ ملک مصر میرا نہیں ہے اور کیا یہ نہریں جو میرے قدموں کے نیچے جاری ہیں یہ سب میری نہیں ہیں پھر تمہیں یہ سب کچھ کیوں نظر نہیں آرہا۔''

اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ ۙ۬ وَّ لَا یَكَادُ یُبِیْنُ ﴿۵۲﴾

ترجمہ : ” کیا میں اس شخص سے بہتر نہیں ہوں جو پست حیثیت کا آدمی ہے اور صاف بول بھی نہیں پاتا ہے“

فَلَوْ لَاۤ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ مُقْتَرِنِیْنَ ﴿۵۳﴾

ترجمہ : ” پھر کیوں اس کے اوپر سونے کے کنگن نہیں نازل کئے گئے اور کیوں اس کے ساتھ ملائکہ جمع ہو کر نہیں آئے۔“

فرعونیوں کی وعدہ خلافی

فرعونیوں نے جب اپنی آنکھوں کے سامنے عذاب کو دیکھا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ تمہارے رب نے جو تمہارے ساتھ وعدہ کیا ہوا ہے تم اپنے رب سے دعا کرو اور یہ جو عذاب اترا ہے اسے اپنے رب سے ختم کرا دو تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تیرے رب پر ایمان لے آئیں گے۔ لیکن جب عذاب ان سے ٹل گیا تو فرعونیوں نے وعدہ خلافی کی اور اللہ پر ایمان نہ لائے۔

فرعون کا بڑا دعویٰ

فرعون جو اپنی طاقت کے گھمنڈ میں تھا، مادی امور میں اپنی عزت و شوکت کو دیکھ کر اترآتا تھا اس نے اپنی قوم سے خطاب کیا کہ تم دیکھتے نہیں ہو کہ :

مصر کی حکومت میرے پاس ہے۔ یہ سب نہریں، دریا میری ملکیت میں جاری ہیں۔ یہ سب بڑائی میرے لیے ہے۔ تم خود فیصلہ کر لو میں بہتر ہوں جس کے پاس یہ سب اموال او

رعزت و جاہ و جلال ہے یا موسیٰ علیہ السلام جو کہتا ہے کہ میں اللہ کا نمائندہ ہوں جبکہ وہ تو ایک حقیر و پست انسان ہے جو بے مال ہے، توتلا ہے، صحیح سے بات تک نہیں کر سکتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی اور آپ کم گو تھے۔ فرعون ان کی اس کیفیت کو ان کے لیے کمزوری شمار کرتا ہے، خود کو ان سے برتر قرار دیتا ہے اور فیصلہ عوام سے مانگتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کی تعداد کم تھی وہ مالی طور پر بھی کمزور تھے۔ فرعون اس تقابل سے اپنی برتری بیان کرنا چاہتا ہے۔ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے کہتا ہے کہ وہ اللہ کا نمائندہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے پاس مال نہیں ہے۔ اگر وہ اللہ کا نمائندہ ہے تو اللہ اس کے لیے آسمان سے سونا نازل کر دیتا۔ یا فرشتے اس کے ساتھ ہوتے جو اس کی رسالت کی تصدیق کرتے اور اس کے یار و مددگار ہوتے۔ اس پوری گفتگو میں فرعون نے مادی حیثیت کو اپنی برتری کا معیار بتایا ہے۔

پیغام: مادی دولت و جاہ چشم کسی کے برحق ہونے کی دلیل نہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنا نمائندہ قرار دیتا ہے اور اسے اپنی جانب سے نشانیاں دے کر بھیجتا تاکہ اس کی دعوت الیٰ اللہ کے برحق ہونے کا ثبوت ہو۔

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: ”پس فرعون نے اپنی قوم کو سبک سر بنادیا اور انہوں نے اس کی اطاعت کر لی کہ وہ سب پہلے ہی سے فاسق اور بدکار تھے۔“

فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ﴿۵۵﴾

ترجمہ: ”پھر جب ان لوگوں نے ہمیں غضب ناک کر دیا تو ہم نے ان سے بدلہ لے لیا اور پھر ان سب کو اکٹھا غرق کر دیا۔“

فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿٥٦﴾

ترجمہ: ”پھر ہم نے انہیں گیا گزرا اور بعد والوں کے لیے ایک نمونہ عبرت بنادیا۔“

فرعون اور فرعونیوں کا انجام

فرعون نے اپنی قوم کو دھوکہ دیا اور وہ لوگ اس کی باتوں میں آگئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ فرعون نے اپنی قوم سے ان کی عقلوں کو چھین لیا، انہیں احساسِ کمتری میں ڈال دیا اور خود کو برتر و مقتدر بنا کر پیش کیا۔ (یہ روش تمام اقوام میں جاری ہے کہ وہ اپنے بادشاہوں اور سرداروں کی پیروی کرتے ہیں اس طرح اللہ کی اطاعت سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہ عذاب الٰہی کے مستحق قرار پاتے ہیں)۔ فرعون کی گفتگو میں عوام کو دھوکہ دینے اور غافل کرنے کا واضح اشارہ موجود ہے جسے وہ اپنی مادی سہولیات کا اظہار کرتا ہے لیکن جس رب نے وہ نعمات دی ہیں اس سے غفلت برتتا ہے اور رب العالمین کا نام تک نہیں لیتا۔ عام سہولیات مادی نعمات کو اپنی طرف نسبت دیتا ہے۔ اپنی کرامت اور برتری کو اپنی مملکت کی وسعت کو بیان کرکے ثابت کرتا ہے جبکہ اس کے جو فلک بوس محلات تھے یہ اس کی قوم کے ہاتھوں کی محنت کا نتیجہ تھے۔ جو کچھ موسیٰ علیہ السلام لائے تھے اس کے نظریہ کو اپنے نظریہ سے تقابل کرنے کی بجائے وہ اپنی مملکت سے تقابل کرتا ہے اور خیر و سعادت و کمال کو مال میں قرار دیتا ہے۔ اپنی پوری توجہ سونے، چاندی اور دنیاوی زینت کو قرار دیتا ہے جب کہ یہ سب کچھ ایک آزمائش اور امتحان لینے کے وسیلے سے زیادہ کچھ نہیں۔

جب فرعون اور فرعونیوں نے ایسا رویہ اپنایا اور اللہ کے نظام کو للکارا، وعدہ خلافی کی، ہٹ دھرمی پر باقی رہے تو اللہ تعالیٰ نے فرعون اور فرعونیوں کو آخرت کے عذاب سے پہلے دُنیا

کا عذاب دیا۔ اللہ نے ان کو غرق آب کر دیا تاکہ ان کا یہ انجام بعد والوں کے لیے عبرت کا باعث ہو۔

پیغام: جاہ و عزت، مقام اور کمال و سعادت، اللہ پر ایمان اور اللہ کے دیئے گئے نظام زندگی کے مطابق عمل کرنے میں ہے جو اللہ کے نظام سے ٹکراتے ہیں انکا انجام ہلاکت ہے اس دنیا میں جو ذلیل و خوار ہوتے ہیں اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

وَ لَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾

ترجمہ: ”اور جب ابن مریم کو مثال میں پیش کیا گیا تو آپ کی قوم شور مچانے لگی۔“

وَ قَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۭ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: ”اور کہنے لگے کہ ہمارے خدا بہتر ہیں یا وہ اور لوگوں نے ان کی مثال صرف ضد میں پیش کی تھی اور یہ سب صرف جھگڑا کرنے والے تھے۔“

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَ جَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: ”ورنہ عیسیٰ علیہ السلام ایک بندے تھے جن پر ہم نے نعمتیں نازل کیں اور انہیں بنی اسرائیل کے لیے اپنی قدرت کا ایک نمونہ بنا دیا۔“

قوم قریش کی کیفیت

ان آیات میں یہ بیان ہوا ہے کہ جب ان کے سامنے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا واقعہ بیان کیا گیا۔ تو انہوں نے اپنا عقیدہ درست کرنے کی بجائے اس پر شور مچانا شروع کر دیا۔ سورہ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے بیان آچکا تھا قریش مکہ نے جب ان کے متعلق یہ

سنا تو انہوں نے اس کا ٹھٹھہ مذاق اڑایا۔ اسی بات کو اس جگہ بیان کیا گیا ہے اور قریش مکہ کے رویہ کی مذمت کی گئی ہے اور ان کے مزاج کو بیان کیا گیا ہے۔ انہوں نے اس واقعہ کو سامنے رکھ کر عیسائیوں کے عقیدہ کا حوالے دیا کر اپنے خداؤں (بتوں) کی برتری بیان کرنے لگے کہ ہمارے خدا مسیح سے بہتر ہیں۔ ان کا اس طرح جدال اور گفتگو کرنا مجادلہ کی بدترین قسم ہے کیونکہ اگر مسیح کا حوالہ معتبر ہو تو مسیحی ان کو خدا مانتے ہیں جو کہ ان کا غلط عقیدہ ہے اور اس کی مذمت اللہ کی طرف سے ہو چکی ہے۔ انہوں نے اس واقعہ سے یہ چاہا کہ قرآن نے جو اوصاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے بیان کئے ہیں ان کو باطل قرار دیں اگرچہ وہ سب اوصاف برحق ہیں۔ یہ سب اس وجہ سے ہے کہ قریش مکہ ایسا انداز اپنانے کے ماہر ہیں اور حق سے بے اعتنائی اور باطل پر اصرار ان کا رویہ ہے۔ ان کی دشمنی و عناد کی واضح مثال یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے سورہ انبیاء کی آیت ۹۸ :

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ

ترجمہ: ''بے شک تم اور اللہ کے سوا جو کچھ تم پوجتے ہو دوزخ کا ایندھن ہے، تم سب اس میں داخل ہوگے۔''

جب یہ آیت ان کے لیے تلاوت کی تو وہ غصے سے آگ بگولہ ہو گئے اور ابن زبعری ان کے مشہور شاعر اور ادیب نے یہ تک کہا کہ ایسا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے جبکہ عیسی بن مریم بھی تو لوگوں کے معبود ہیں اور فرشتے بھی معبود ہیں۔ کیا یہ بھی جہنم کا ایندھن ہوں گے؟ مشرکین اس دلیل سے بہت ہی خوشحال ہوئے اور زور زور سے ہنسنے لگے۔ قہقہے لگا کر ہنسنا شروع کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے بیان کا مذاق اڑایا۔ اسی دوران سورۃ الانبیاء کی آیت ۱۰۱ نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰۗىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ؀۱۰۱

ترجمہ: ''بے شک جن کے لیے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے وہ اس سے دور رکھے جائیں گے۔''

بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کا جواب دیا کہ عیسیٰ تو اللہ کا بندہ اور عبد ہے۔ ہم نے ان پر انعام کیا ہے، روح القدس سے ان کی تائید فرمائی ہے، ان کے ہاتھ پر کھلے اور آشکار معجزات قرار دیئے ہیں۔ ہم نے انہیں اللہ کی عجیب اور حیرت انگیز نشانیوں میں سے قرار دیا ہے، ان کا نام زمانہ گزرنے کے باوجود زبانوں پر اس طرح جاری ہے جس طرح امثال، کا تذکرہ ہوتا ہے۔ ان کے حالات و واقعات کو مَثَلُ (نمونہ) کے عنوان سے لوگ بیان کرتے ہیں، ان کے ذریعہ حق بنی اسرائیل کے لیے آشکار و واضح کیا گیا ہو۔

یہ بات در حقیقت منکرین کے خلاف دلیل ہے جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو نصاریٰ کا معبود فرض کرکے اپنے من گھڑت معبودوں سے اس کا تقابل کیا تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ اس جگہ تقابل ہی درست نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام معبود ہی نہیں تھے وہ تو اللہ کے عبد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا نمائندہ بنا کر معجزات و آیات کے ہمراہ بنی اسرائیل کے لیے ہادی بنا کر بھیجا تھا۔

پیغام: اپنی غلط بات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے حق بات کو اُلٹا کرکے پیش نہ کیا جائے۔ جن کو بگاڑنے سے باطل کا نظریہ درست ہو سکتا ہے۔

وَ لَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ مَّلٰٓئِكَةً فِی الۡاَرۡضِ یَخۡلُفُوۡنَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: ''اور اگر ہم چاہتے تو تمہارے بدلے ملائکہ کو زمین میں بسنے والا قرار دے دیتے۔''

بت پرستوں کے غلط خیالات کا جواب

بت پرست حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات و کمالات کو بعید شمار کرتے تھے اور یہ سوچتے تھے کہ معجزات فقط فرشتوں سے مخصوص ہیں۔ یہ بات ناممکن اور محال ہے کہ ایک انسان میں ایسے کمالات موجود ہوں۔ اس آیت شریفہ میں اس غلط تصور کا جواب دیا گیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرح پاکیزہ کر دیا کہ وہ گناہوں سے بالکل پاک ہو اس کا باطن فرشتوں جیسا ہو جائے۔ اس کا ظاہر تو انسان کی مانند ہو، وہ دوسرے انسانوں کے ساتھ زمین پر زندگی گزار رہا ہو، توالد و تناسل کی قدرت اس میں موجود ہو جو فرشتوں میں موجود نہیں لیکن اس کے باوجود اس سے وہ اعمال سرزد ہوں جو فرشتوں سے سرزد ہوتے ہیں بلکہ ایسا وجود ہی تکامل سے عبارت ہے۔ بعض مفسرین نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: ''اگر ہم چاہیں تو تمام انسانوں کو زمین پر ختم کر دیں اور تمہاری جگہ پر زمین میں فرشتوں کو رہائش دے دیں تاکہ فرشتے زمین کو آباد کریں اور ایک نسل دوسری نسل کی جانشین قرار پائے'' (تفسیر مجمع البیان میں لفظ منکم سے بدلہ مراد لیا گیا ہے (یعنی تمہارے بدلے میں) جبکہ تفسیر المیزان کے مصنف نے لفظ منکم میں ''مِنْ'' سے مراد بعض لیا ہے جس کا معنی ہے کہ تم انسانوں سے بعض کو فرشتوں کی مانند قرار دے دیں۔

پیغام: اللہ کی قدرت کا اندازہ اپنے حوالے سے نہ لگائیں اللہ کے اختیار میں ہے کہ انسانوں کی جگہ فرشتوں کو زمین پر ٹھہرا دے یا انسانوں کو فرشتوں جیسا بنا دے یہ سب اللہ کا اپنا اختیار ہے۔

وَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَ اتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾

ترجمہ: ''اور بیشک یہ قیامت کی واضح دلیل ہے لہٰذا اس میں شک نہ کرو اور میرا اتباع کرو کہ یہی سیدھا راستہ ہے۔''

قیامت کے بارے آگہی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے بارے آگہی حاصل کرنے کا وسیلہ ہیں اس لحاظ سے کہ حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور مُردوں کوزندہ کرتے ہیں، کوڑھ کے مریضوں کو شفاء دیتے ہیں اور اندھوں کو بینائی دیتے ہیں۔ یہ دونوں امر مُردوں کے دوبارہ زندہ ہو جانے پر دلیل ہیں کہ قیامت کے دن سب مُردوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا لہٰذا معاد کے مسئلہ میں کسی قسم کے شک کرنے کی گنجائش موجود نہیں ہے۔جب حضرت عیسیٰؑ اللہ کے اذن سے مردوں کوزندہ کرتے ہیں تو پھر اللہ جو حضرت عیسیٰؑ کا خالق ہے وہ کس طرح تمام مردوں کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا۔

بعض مفسرین نے اس کا معنی اس طرح کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات قیامت کے قریب ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے کیونکہ قیامت سے پہلے قائم آل محمد علیہم السلام کے ظہور کے وقت حضرت زمین پر اُتریں گے۔

اس کے بعد اللہ فرمارہا ہے کہ جو میں نے ہدایت دی ہے اور جو میرے رسول ﷺ نے تمہارے لیے راستہ بتایا ہے یہی صراط مستقیم اور واضح و روشن راستہ ہے جو بھی سعادت و کمال کا ارادہ رکھتے ہیں تو وہ اسی کی پیروی کرے۔

پیغام: صراط مستقیم وہ راستہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا ہے اور اسی پر سب انسانوں کو یقین ہے اسی میں نجات ہے وگرنہ ہلاکت اور عذاب الٰہی ہے۔

وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٢﴾

ترجمہ: ”اور خبردار شیطان تمہیں راہ حق سے روک نہ دے کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

شیطان انسان کا دشمن

اللہ تعالیٰ بار بار انسانوں کو متوجہ فرماتا ہے کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اس جگہ بھی جب یہ کہا گیا کہ جو میرا راستہ ہے اس پر چلو، میرا رسول ﷺ جو کچھ تمہارے پاس لایا ہے یہی تمہارے لیے سیدھا راستہ ہے اس سے انحراف نہ کرو اس کے بعد انسانوں کو تنبیہ کی گئی کہ دیکھو شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے کہیں ایسا نہ ہو وہ تمہیں میرے راستہ پر چلنے سے روک دے۔ ایسا ہو گا تو پھر تمہارے لیے تباہی ہے۔ تمہارا کمال، تمہاری سعادت اس میں ہے کہ میرے بتائے ہوئے راستے پر چلو۔ قرآن میں متعدد آیات میں اس مطالب کو بیان کیا گیا ہے۔

پیغام: شیطان کی پیروی مت کرو۔ شیطان کی کی سازشوں سے خود کو آگاہ رکھو۔

وَ لَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَ لِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾

ترجمہ: ”اور جب عیسیٰ علیہ السّلام ان کے پاس معجزات لے کر آئے تو حضرت عیسیٰؑ نے ان سے کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں اور بعض وہ مسائل جن کے بارے تمہارے درمیان اختلاف ہے میں وہ تمہارے لیے بیان کروں گا اور تمہارا اختلاف ختم کر دوں گا) پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔“

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: ”اللہ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے اور اسی کی عبادت کرو کہ یہی صراط مستقیم ہے۔“

حضرت عیسیٰؑ کا پیغام

ہر پیغمبر اللہ کا پیغام لوگوں کے پاس لے کر آیا۔ حضرت عیسیٰؑ کھلے معجزات لے کر آئے۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ میں تمہارے پاس حکمت و دانائی لے کر آیا ہوں، اخلاق فاضلہ لے کر آیا ہوں، میں آیا ہوں کہ جن معاملات میں تم آپس میں اختلافات رکھتے ہو ان کا حل پیش کروں۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ جو میں اللہ کا پیغام تمہارے پاس لایا ہوں اس کو قبول کرو۔ یہ عبارت اس مطلب کو بھی بیان کر رہی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے رسول ہی تھے اس کے علاوہ ان کا کوئی اور دعویٰ نہ تھا۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿٦٥﴾

ترجمہ: ''تو اقوام نے آپس میں اختلاف شروع کر دیا افسوس ان کے حال پر ہے کہ جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا کہ ان کے لیے دردناک دن کا عذاب ہے۔''

حضرت عیسیٰؑ کے بارے اختلاف

حضرت عیسیٰؑ کو جن گروہوں اور جماعتوں کی جانب بھیجا گیا تھا انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے اختلاف کیا۔ بعض نے آپ کا انکار کر دیا اور بعض ایمان لے آئے۔ بعض نے ان کے بارے غلو کیا۔ اسی طرح بعض نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا قرار دے دیا، بعض نے ایک اور درمیانی راستہ اختیار کیا کہ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دینے کی بجائے اسے اللہ کا رسول قرار دیا اور یہ کہ آپ حضرت مریمؑ کے بیٹے ہیں اور یہ ہی حق بات ہے اور یہ ہی درمیانی راستہ

ہے۔ خود حضرت عیسیٰؑ بھی ان سے یہی کہتے تھے کہ میں اللہ کا عبد ہوں۔ اللہ کا پیغام لایا ہوں، اللہ کی کتاب میرے ہمراہ ہے، اللہ کی اطاعت کرو۔ حضرت عیسیٰؑ نے بار بار کافروں اور غالیوں کو دھمکایا ہے کہ یہ سب ظالم و ستمگار ہیں۔ قیامت کے دن سخت ترین عذاب ان کے لیے ہے، اس عذاب سے ان کا چھٹکارا نہیں ہے۔

پیغام: جس طرح حضرت عیسیٰؑ کا انکار کرنے والوں اور ان کے بارے غلو کا عقیدہ اپنانے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا انکار کرنے والوں اور ان کے بارے غلو کا عقیدہ رکھنے والوں کے لیے بھی دردناک عذاب ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٦﴾

ترجمہ: ”کیا یہ لوگ صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اچانک قیامت آ جائے اور انہیں اس کا شعور بھی نہ ہو سکے۔“

کافروں کا خیال

کافروں کا خیال ہے کہ وہ جس راہ پر چل پڑے ہیں ان سے بازپرس نہیں ہو گی، وہ خود کو محفوظ خیال کرتے ہیں، انہیں اللہ کی نشانیوں سے کچھ سروکار نہیں، وہ فقط قیامت کے دن کے انتظار میں ہیں۔ قیامت تو اچانک آئے گی، قیامت کے منکر دنیاوی کاموں میں مصروفیت کی وجہ سے قیامت کی آمد سے غافل ہوں گے کہ قیامت آ جائے گی۔ یہ کافر حق پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں، ان کے لیے قیامت کے دن عذاب کے سوا اور کچھ نہیں ہے ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ قیامت اچانک آن پہنچے گی۔

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٧﴾

ترجمہ: ”اس دن (قیامت کے دن) صاحبانِ تقویٰ کے علاوہ تمام دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔“

قیامت کے دن کی تعلق داری

دنیا میں جو دوستی کے معیارات ہیں وہ آخرت میں بدل جائیں گے۔ اہل تقویٰ کی آپس میں دوستی اللہ کی خوشنودی کے لیے ہوتی ہے۔ اس لیے ان کی دوستی قیامت کے دن بھی باقی رہے گی لیکن جس کی دوستی کا معیار مادی فوائد ہوتے ہیں تو قیامت کے دن ایسے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ اہل تقویٰ ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے آپس میں ایک دوسرے کو اللہ کی اطاعت پر آمادہ کرتے تھے، اللہ کی نافرمانی سے ایک دوسرے کو روکتے تھے، حدود الٰہی کی پابندی کے لیے ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے لیکن ایسی دوستی جو اللہ کی رضایت کے لیے نہ ہو تو حقیقت میں وہ ایک دوسرے کی بدبختی، شقاوت اور عذاب الٰہی کے حصول میں مدد کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی بناء پر قیامت کے دن وہ اس دوستی پر پشیمان ہوں گے اور کہیں گے کہ

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا (سورہ فرقان، آیت ۲۸)

ترجمہ: ”کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا“ لہٰذا دنیا میں دوستی کا معیار ایمان، تقویٰ اور اللہ کے احکام کی بجاآوری کو قرار دو۔

پیغام: دنیا میں سوچ سمجھ کر دوست بناؤ ایسا دوست نہ بناؤ جس کی وجہ سے آخرت میں تمہیں اللہ کے حضور شرمندگی کا سامنا ہو۔

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۶۸

ترجمہ : ”میرے بندو آج تمہارے لیے نہ خوف ہے اور نہ تم پر حزن و ملال طاری ہوگا۔“

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ کَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ ﴿۶۹﴾

ترجمہ : ” یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہماری نشانیوں پر ایمان قبول کیا ہے اور ہمارے اطاعت گزار ہوگئے ہیں۔“

اُدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ اَنۡتُمۡ وَ اَزۡوَاجُکُمۡ تُحۡبَرُوۡنَ ﴿۷۰﴾

ترجمہ : ”اب تم سب اپنی بیویوں سمیت اعزاز و احترام کے ساتھ جنّت میں داخل ہو جاؤ۔“

یُطَافُ عَلَیۡہِمۡ بِصِحَافٍ مِّنۡ ذَہَبٍ وَّ اَکۡوَابٍ ۚ وَ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡہِ الۡاَنۡفُسُ وَ تَلَذُّ الۡاَعۡیُنُ ۚ وَ اَنۡتُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۷۱﴾

ترجمہ : ان کے گرد سونے کی رکابیوں اور پیالیوں کا دور چلے گا اور وہاں ان کے لیے وہ تمام چیزیں ہوں گی جن کی دل میں خواہش ہو اور جو آنکھوں کو بھلی لگیں اور تم اس جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہو۔

وَ تِلۡکَ الۡجَنَّۃُ الَّتِیۡۤ اُوۡرِثۡتُمُوۡہَا بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۷۲﴾

ترجمہ : ” اور یہی وہ جنّت ہے جس کا تمہیں ان اعمال کی بناپر وارث بنایا گیا ہے جو تم انجام دیا کرتے تھے۔“

لَکُمۡ فِیۡہَا فَاکِہَۃٌ کَثِیۡرَۃٌ مِّنۡہَا تَاۡکُلُوۡنَ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: ”اس میں تمہارے لیے بہت سے میوے ہیں جن سے تم کھاؤ گے۔“

قیامت میں متقین کے لیے اللہ کے انعامات

جن لوگوں نے دنیا میں اللہ کا تقویٰ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انہیں اپنی کرامات و انعامات سے نوازے گا۔

وہ ہر نامناسب و ناملائم کیفیت سے محفوظ ہوں گے۔ امن میں ہوں گے، ان کے لیے کوئی غم نہ ہوگا، کوئی پریشانی نہ ہوگی۔

متقین کا وصف

متقین اللہ کے وجود پر دلالت کرنے والی آیات و نشانیوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول، اللہ کی کتاب پر ایمان لاتے ہیں۔ اللہ کے ارادے کے سامنے تسلیم ہوتے ہیں۔ اللہ کے اوامر کو قبول کرتے ہیں۔ مومنوں کو خطاب ہوگا کہ تم خود اور تمہاری مومنہ بیویاں جنت الفردوس میں داخل ہو جاؤ اور جنت میں خوش و خرم رہو، کوئی پریشانی تمہارے لیے وہاں پر نہیں۔

جنت میں ہر قسم کی غذائیں، میوے مہیا ہوں گے، جنتیوں کے ارد گرد چاندی سونے کے پیالے اٹھائے جنتی چھوکرے گھوم رہے ہوں گے۔ ایسی چیزیں ملیں گی جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، دلوں کو سکون اور اطمینان ملے گا۔ وہ بہشت میں ہمیشہ رہیں گے ان کے لیے بشارت ہے۔ اس کا احتمال بھی نہیں کہ کسی وقت ان لذات سے وہ محروم ہوں یا یہ لذات کم ہو بلکہ وہ جو چاہیں گے ان کے لیے ملے گا۔

یہ بہشت جو تمہارے لیے قرار دی گئی ہے کافر اگر نیک عمل کرتے اور ایمان لاتے تو وہ بھی بہشت میں ہوتے۔ جو بہشت میں ان کے لیے جگہیں تھیں وہ بھی ان کو ملیں گے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے۔ یعنی دنیا میں جو شائستہ اور نیک اعمال کئے ان کا بدلہ قیامت

میں جنت الفردوس کی شکل میں ملے گا۔ ان کے لیے اپنے اعمال کا بدلہ ملے گا اور وہ مقامات بھی ان کو دے دیئے جائیں جو کافروں کے لیے تھے اور وہ کفر کی وجہ سے اس جگہ نہ آسکے۔

جنت میں انواع واقسام کی نعمتیں ہوں گی، قسم قسم کے میوہ جات ہوں گے، مومنوں سے کہا جائے گا کہ جس طرح چاہتے ہو ان کو استعمال کرو ان سے کھاؤ، پیو لطف اٹھاؤ، کوئی ملال تمہارے لیے نہیں، یہ سب تو اللہ کی طرف سے انعام ہے۔

پیغام: ہمیشہ کے لیے جنت الفردوس میں رہنے اور جنت کی نعمات سے لطف اندوز ہونے اور جنت میں جو مؤمنوں کے لیے مخصوص جگہیں ہیں ان کا وارث بننے کے لیے ضروری ہے کہ دنیا میں اللہ پر ایمان لاؤ اور پھر عمل صالح بھی کرو۔ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت الفردوس ہے اللہ کا رضوان ہے۔

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۚ﴿۷۴﴾

ترجمہ : بیشک مجرمین عذابِ جہنّم میں ہمیشہ رہنے والے ہیں

لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۚ﴿۷۵﴾

ترجمہ : ان سے عذاب منقطع نہیں ہوگا اور وہ مایوسی کے عالم میں وہاں رہیں گے

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۶﴾

ترجمہ : اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا یہ تو خود ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے۔

کافروں اور مجرموں کا انجام

ان آیات میں کافروں، مجرموں اور گناہگاروں کے انجام کے بارے بیان کیا گیا ہے۔ کافروں، مجرموں کے لیے ان کے پلید اور غلط کاریوں کی وجہ سے ان کا انجام برا ہے۔وہ ہمیشہ

کے لیے جہنم میں ہوں گے ،ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا، ان کے عذاب میں ذرہ برابر تخفیف اور کمی نہ ہو گی۔ وہ رحمتِ خدا سے مایوس ہوں گے اور جہنم سے نکلنے کی اُمید بھی نہ ہو گی۔ ان کا یہ انجام اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ایمان نہ لا کر خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے بد بختی میں ہوں گے۔ کیونکہ مقام ربوبیت میں شرک ظلم ہے، خواہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا شریک قرار دیا جائے یا اللہ کی اطاعت کی بجائے غیر اللہ کی اطاعت کر کے اس جرم کا ارتکاب کیا جائے۔ اللہ کے قوانین شریعت کو تسلیم نہ کرنا یا ان کے خلاف چلنا یہ سب ظلم ہے جس کا ارتکاب کافر کرتا ہے۔ خود کفر ظلم سے عبارت ہے۔ کفر کا معنی چھپانا ہے کافر کو اس لیے کافر کہتے ہیں کہ وہ حق کو چھپاتا ہے۔ گناہوں کا ارتکاب کرنا بھی ظلم ہے، انسان اپنی جان اور اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اس پر زیادتی کرتا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرواتا ہے۔ عبادات میں کوتاہی بھی ظلم ہے، حق تعالیٰ جس نے ان مخلوقات کو اپنی عبادت کے لیے خلق کیا اگر اللہ کی عبادت نہ کی جائے تو گویا اللہ کی غرضِ خلقت کی مخالفت کا ارتکاب کیا ہے اور یہی بڑا ظلم ہے۔

پیغام: اللہ کی اطاعت کریں، اللہ کے قوانین کی پاسداری کریں، اپنے اوپر اللہ کی نافرمانی کر کے ظلم نہ کریں، ظلم کا انجام جہنم ہے جس میں مجرموں کو ہمیشہ کے لیے رکھا جائے گا۔ اللہ کی ربوبیت اور الوہیت میں شریک قرار دینا ظلم ہے اور اس ظلم کا نتیجہ جہنم ہے اللہ تنہا و یکتا معبود ہے اور وہی رب تعالیٰ ہے اس کے سواء نہ کوئی معبود ہے اور نہ ہی کوئی اور رب ہے۔

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝۷۷

ترجمہ: ”اور وہ آواز دیں گے کہ اے مالک (جہنم پر مامور فرشتہ) اگر تمہارا پروردگار ہمیں موت دے دے تو بہت اچھا ہو تو جواب ملے گا کہ تم اب یہیں رہنے والے ہو“

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٨﴾

ترجمہ: ”یقیناً ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے لیکن تمہاری اکثریت حق کو ناپسند کرنے والی ہے۔“

جہنمیوں کی آرزو

جس کے بارے فیصلہ ہو جائے گا کہ وہ جہنم میں بھیج دیئے جائیں لہٰذا تو جب جہنمی جہنم کا عذاب دیکھیں گے تو جہنم کے نگران فرشتہ جس کا نام مالک ہے اس سے کہیں گے کہ تم اپنے رب سے کہو کہ وہ ہمیں مار دے۔ ایک ہی مرتبہ ہمارا خاتمہ کر دے تاکہ اس طرح اس عذاب سے بچ سکیں جو انہیں مسلسل بھگتنا پڑ رہا ہے۔ ہر آن مرتے ہیں اور ہر آن جیتے ہیں ایک ہی دفعہ اللہ انہیں موت دے دے۔ لیکن قیامت میں ان کی آواز اللہ تک نہ جائے گی۔ سورہ مطففین آیت ۱۵ میں ارشاد ہوتا ہے:

”جہنمی اپنی دُعاء سے نااُمید ہوں گے کیونکہ وہ محجوب ہیں، ان کی گذارش اللہ تک نہیں جاتی اس لیے وہ اللہ سے براہ راست کچھ نہ مانگ سکیں گے وہ مالک فرشتہ سے کہیں گے کہ تم اپنے رب سے کہو کہ ہمارے لیے موت دے دے“

ان کی اس بات سے ایسا لگتا ہے کہ جس طرح وہ دُنیا میں موت کو نابودی اور فناء سمجھتے تھے اور اس کی حقیقت سے ناآشنا تھے اسی طرح آخرت میں بھی وہ زندگی اور موت کی حقیقت سے آشنا ہوں گے اس لیے وہ خیال کریں گے کہ اگر انہیں موت آجائے تو وہ اس عذاب سے بچ جائیں گے جبکہ موت انہدام، نابودی یا بالکل خاتمہ، فناء نہیں ہے بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا ہے اسی وجہ سے مالک دوزخ ان سے کہے گا تم اس جگہ پر رہو اور یہی زندگی تمہارے لیے ہے اور یہ عذاب ہمیشہ کے لیے ہے، یہاں سے کسی اور جگہ تم نے منتقل نہیں ہونا کیونکہ ہم اللہ کے فرشتے تمہارے پاس اللہ کی طرف حق لے کر آئے تھے انسانوں

کے لیے نظامِ ہدایت لایا گیا اس وقت تم نے انکار کیا، حق جو کہ سعادت کا معیار تھا اسے تم نے قبول نہ کیا، اپنی نفسانی خواہشات میں پڑے رہے۔ اور اب تم اس کی سزا بھگتو۔ اس سزا کا سبب خود تم ہی ہو کہ حق کا تم نے انکار کیا۔

اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾

ترجمہ: ''کیا انہوں نے کسی بات کا محکم ارادہ کرلیا ہے تو ہم بھی یہ کام جانتے ہیں۔''

اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَ رُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾

ترجمہ: ''یا ان کا خیال یہ ہے کہ ہم ان کے راز اور خفیہ باتوں کو نہیں سن سکتے ہیں جی ہاں! ایسا نہیں بلکہ ہمارے تو نمائندے بھی ان کے پاس موجود ہیں جو سب کچھ لکھ رہے ہیں۔''

اللہ کی تدبیر

کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف سازش تیار کی۔ آپس میں عہد و پیمان باندھا کہ ان کا خاتمہ کر دیں گے لیکن اللہ فرما رہا ہے وہ غلط فہمی پر ہیں۔ ہم ان کی ہر سازش سے آگاہ ہیں جو ان کے دل میں ہے اس سے بھی آگاہ ہیں اور ہمارے فرشتے بھی ان کے پاس موجود ہیں

جو ان کی ہر بات اور ہر کیفیت کو لکھ رہے ہیں۔ ان کی سازشوں کا ہمارے پاس توڑ موجود ہے اسی بات کو سورہ طٰہٰ آیت ۴۲ میں کہا ہے:

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿۴۲﴾

"تو اور تیرا بھائی میری نشانیاں لے کر جاؤ اور میری یاد میں کوتاہی نہ کرو۔"

اللہ کا اپنا نظام ہے اللہ کی تدبیر کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

ترجمہ: "آپ کہہ دیجئے کہ اگر رحمٰن کے لیے کوئی فرزند ہوتا تو میں سب سے پہلا عبادت گزار ہوں۔"

اللہ کے لیے فرزند کی نفی

اس آیت میں اللہ کے بیٹے ہونے کی نفی اس لحاظ سے ہو رہی ہے کہ اگر بیٹا ہوتا تو اس کی پرستش کی جارہی ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جب کہ میں اللہ کا رسول ہوں میں تو سب سے پہلے اس کی پرستش کر رہا ہوتا۔ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اس کی عبادت نہیں کی جارہی تو اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اللہ کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ نے فرمایا کہ تم ان کافروں، مشرکوں کو اس طرح سے کہو کہ اگر اللہ کا بیٹا ہوتا (جیسا کہ تمہارا غلط قسم کا خیال ہے) تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرتا اور اللہ کے فرزند ہونے کا حق بنتا ہے اس کی بھی عبادت کی جائے لیکن اللہ کے لیے فرزند کا ہونا محال ہے۔ اللہ کی طرف جس شرک کی تم نسبت دیتے ہو اللہ اس سے منزہ و پاک ہے۔ وہ تو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے۔ وہ عرش کا رب ہے زمین اور آسمان عالَم مشہود کا مجموعہ ہیں، ان کا رب اللہ ہے اور عرش جو کہ عالم ملکوت ہے، اس کے امور کی تدبیر بھی اللہ ہی کرتا ہے اس جگہ اسی کی ربوبیت ہے پس وہی الٰہ واحد ہے۔

سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: ”وہ آسمان و زمین اور عرش کا مالک ان کی باتوں سے پاک اور منزّہ ہے۔“

فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَ یَلْعَبُوْا حَتّٰی یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ: ”انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے باتیں بناتے رہیں اور کھیل تماشے میں لگے رہیں یہاں تک کہ اس دن کا سامنا کریں جس کا وعدہ دیا جارہا ہے۔“

کفار کا برا انجام

اس جگہ کافروں کو دھمکی دی ہے کہ ٹھیک ہے تم ہمارے دلائل کو نہیں مانتے باطل میں گھسے ہو، تمہیں تمہارے حال پر چھوڑتے ہیں، ان ہی غلط باتوں میں سرگرم رہو اور اپنے باطل خیالات میں غرق رہو، دنیا کے کھیل تماشے میں لگے رہو اور فکر و سوچنے سے غافل رہو۔ اپنے بارے کچھ فکر نہ کرو اسی حالت میں ہو گے کہ تم پر وہ دن آجائے گا جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے، وہ دن تمہارے ان اعمال کی سزا کا دن ہے جس سے بھی تم جان نہ چھڑا سکو گے۔

وَ هُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَ هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۴﴾

ترجمہ: ”اور وہی وہ ہے جو آسمان میں اِلٰہ ہے اور زمین میں بھی وہی اِلٰہ (معبود) ہے اور وہ صاحبِ حکمت بھی ہے اور ہر شے سے باخبر بھی ہے۔“

اللہ کو وجود

اللہ کا وجود حقیقت ہے، وہی عبادت کے لائق ہے۔ آسمانوں و زمین میں اس کے غیر کے لیے عبادت کی گنجائش نہیں ہے۔ انسان اور بتوں کی اطاعت درست نہیں اور نہ ہی انسان

کے بتائے ہوئے قوانین کی پیروی صحیح ہے۔ پورے عالم کا رب ایک ہے، اسی کا قانون سب پر حاکم ہے۔ اسی کے لیے اطاعت ہے اس کے غیر کی اطاعت و عبادت جائز نہیں ہے۔

وَتَبٰرَكَ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾

ترجمہ: ”اور بابرکت ہے وہ ذات جس کے لیے آسمان و زمین اور اس کے مابین کا ملک ہے اور اسی کے پاس قیامت کا بھی علم ہے اور اسی کی طرف تم سب واپس پلٹائے جاؤ گے۔“

اللہ ہی سب خیر کا منبع ہے

اس آیت میں اللہ کی ثناء اس عنوان سے کی گئی ہے کہ تمام خیرات اور برکات کا سرچشمہ اور منبع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ آیت میں تین اوصاف بیان ہوئے ہیں ان میں ایک صفت مستقل طور پر اللہ کی توحید ربوبیت پر دلیل ہے۔

۱۔ ملکِ مطلق: ہر حوالے سے مالکیت، اللہ کی ہے، ایسا ہے تو اپنے مُلک کی تدبیر اور اس کے لیے نظم و ضبط و قانون بھی مالک نے دینا ہے پس اللہ ہی رب العالمین ہے اسی کا قانون ہے۔

۲۔ قیامت کا علم: قیامت (جہاں پر سب موجودات کی انتہاء ہے) کا وقوع کب ہونا، تو اس کا علم فقط اللہ کے پاس ہے۔ کسی اور کے پاس قیامت کا علم ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اسی کے پاس تمام عالَم کی تدبیر ہے۔

۳۔ سب نے حساب کے لیے کے اللہ کے حضور میں پہنچنا ہے پس جس کے پاس حساب دینے جانا ہے تو قانون اسی کا ہو گا جس کے تحت انسان نے چلنا تھا۔ پھر حساب ہو گا کہ

قانون کی کتنی پاسداری کی ہے اور کتنی نہیں کی لہٰذا ربوبیت فقط اللہ کے لیے ہے کسی اور کے لیے نہیں ہے۔

پیغام: اللہ ہی سب کا رب ہے اسی نے سب کے لیے نظام و قانون دیئے ہیں اس قانون کی پیروی کرنا سب پر لازم ہے قیامت احتساب کا دن ہے جو رب ہے اسی نے حساب لینا ہے۔

وَ لَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

ترجمہ: ”اور اس کے علاوہ جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ سفارش کا بھی اختیار نہیں رکھتے ہیں مگر وہ جو سمجھ بوجھ کر حق کی گواہی دینے والے ہیں۔“

حقِ شفاعت

جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں جیسے بتوں کی عبادت، سورج، چاند ستاروں کی عبادت، جنات کی عبادت، فرشتوں کی عبادت، انسانوں کی عبادت، تو ان کو یہ بات معلوم رہے کہ ان میں کسی کے پاس ان کے لیے حق شفاعت نہیں ہے۔ شفاعت کا حق فقط اس کے پاس ہے جو توحید کو قبول کرتا ہو اور جن کی وہ شفاعت کرنا چاہتا ہے ان کے اعمال کی حقیقت سے آگاہ ہو۔ شفاعت کسی کو نہیں ملے گی مگر انہیں جو اہل توحید ہوں گے، جنہوں نے بصیرت اور عِلم کے ساتھ حق کو تسلیم کیا ہو گا اور کمال اخلاص سے حق کو مانا ہو گا۔ شفاعت اللہ کی طرف سے اجازت ہو گی تو اسے شفاعت کرنے کا حق ہو گا۔ جن جھوٹے

معبودوں کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں ان میں شفاعت کی کوئی ایک شرط بھی موجود نہیں ہے تو یہ لوگ قیامت کے دن بے سہارا ہوں گے جن کی عبادت کرتے رہے وہ انہیں کچھ فائدہ نہ دیں گے۔ اس آیت میں واضح ہے کہ شفاعت ہو گی، اسی مطلب کو قرآن کی دوسری آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

پیغام: شفاعت کا ہونا ثابت ہے لیکن شفاعت ان کے لیے ہوگی جو علم وآگہی کی بنیاد پر حق کو قبول کریں گے اور حق پر چلیں گے۔ شفاعت کرنے والے فقط وہ ہوں گے جنہیں اللہ کی طرف سے اجازت ملے گی کہ وہ شفاعت کریں گے جو اللہ پر ایمان رکھتے ہوں گے اور اعمال صالح بجالائے ہوں گے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَأَنّٰى يُؤْفَكُونَ ﴿۸۷﴾

ترجمہ: ” اور اگر آپ ان سے سوال کریں گے کہ خود ان کا خالق کون ہے تو وہ کہیں گے کہ اللہ!! تو پھر یہ کدھر بہکے جارہے ہیں۔“

خالقیت کے اعتراف کے بعد انکار کیسا؟

سوال یہ ہے کہ مشرکین جب یہ کہتے ہیں کہ ان کا خالق اللہ ہے تو اس خلقت کی تدبیر تو بھی اللہ نے کرنی ہے۔ اس کا انکار کیوں کرتے ہیں۔

مسئلہ شفاعت

شفاعت کا مطلب ہے اللہ کے ہاں گناہگار مومن کے لیے شفاعت کرنا کہ اللہ اسے معاف کردے۔ عقیدہ شفاعت شیعہ مذہب کی ضروریات سے ہے۔ شفاعت دو قسم کی ہے: ۱۔ شفاعت کُبریٰ، ۲۔ شفاعت صغریٰ۔ شفاعت کبریٰ پیغمبر اکرم ﷺ اور آئمہ اہل البیت علیہم السلام اور جناب سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا کے لیے مخصوص ہے۔ یہی مقامِ محمود ہے جس

کے بارے اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی ہے البتہ شفاعت صغریٰ یا شفاعت خاص تو یہ تمام انبیاء، قرآن، مومنین، علماء اور شہداء کے لیے ہے۔

شفاعت کی شرائط

شفاعت کی چند شرائط ہیں:۔

۱۔ اللہ کی اجازت شفاعت کے لیے موجود ہو۔

۲۔ فقط مومنین کے لیے ہے۔

۳۔ شفاعت کرنے والے کا اللہ کے ہاں مقام وشان و مرتبہ ہو۔

لہٰذا خالق کا اعتراف کرنے کے بعد انہیں اعتراف کرنا پڑے گا کہ اپنی مخلوق کا مالک بھی اللہ ہے اور جو مالک ہوتا ہے کسی کا تو اس کا رزق بھی وہی دیتا ہے۔ لہٰذا قانون بھی اسی کا اور تدبیر بھی اسی کے لیے ہے۔ تنہا معبود وہی اللہ ہے جو پورے عالم کا مدبر ہے لہٰذا وہ حق سے کیوں منحرف ہوتے ہیں وہ باطل اور شرک کی طرف کیوں جاتے ہیں؟!

وَ قِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

ترجمہ: ”اور اسی کو اس قول کا بھی علم ہے کہ خدایا بتحقیق یہ ایسی قوم ہے جو ایمان لانے والی نہیں۔“

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَ قُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

ترجمہ: ”لہٰذا ان سے منہ موڑ لیجئے اور سلامتی کا پیغام دے دیجئے پھر عنقریب انہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔“

کافروں سے آخری بات

کافروں کو سمجھانے کی کوشش کی گئی، دلائل دیئے گئے، رسول اللہ ﷺ نے ان تک اللہ کا پیغام پہنچایا لیکن وہ ہٹ دھرمی پر ڈٹے رہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اے میرے پیارے! اب جب ان کی یہ حالت ہے تو آپ ان کو چھوڑ دو ان سے لڑائی جھگڑے کی ضرورت نہیں، یہ تو ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ اب ہم ان سے نپٹ لیں گے۔ بہت جلد قیامت میں یہ آئیں گے ان سے وہاں پر پوچھ لیں گے کہ انہوں نے کفر کیوں اختیار کیا۔ ان کو وہیں پر سزا دیں گے، عذاب کا مزہ چکھائیں گے، قیامت کے دن ان کافروں کو اس حقیقت کا علم ہو جائے گا۔

پیغام: اللہ کو خالق ماننے کے بعد اس بات کی گنجائش نہیں رہتی کہ انسان اللہ کے سواء کسی اور کو اپنا معبود بنائے یا کسی اور کو اپنے لیے رب قرار دے کیونکہ جو کسی چیز کا خالق ہوتا ہے تو وہی اس کا مالک ہوتا ہے جو مالک ہوتا ہے تو وہ اپنے مملوک کی روزی کا ذمہ دار ہے لہٰذا وہی رازق ہے جو مالک و رازق ہے تو وہی اپنے مملوک کے لیے قانون بناتا ہے۔ اس کی تدبیر کرتا ہے اس کے لیے نظم قرار دیتا ہے لہٰذا وہی رب ہے اور جس کا قانون ہے تو اسی کی اطاعت ہے لہٰذا وہی اِلٰہ ہے یہ ہی کلمہ توحید ہے کہ لاالٰہ الا اللہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کیونکہ خالق ہے مالک ہے رازق ہے رب ہے لہٰذا وہی الٰہ ہے۔ جب مشرکین کہتے ہیں کہ اللہ خالق ہے تو پھر وہ کس طرح اللہ کی معبودیت اور ربوبیت کا انکار کرتے ہیں؟!

☆☆☆☆☆